جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے والا ہی تھا

فتاویٰ لطیفیہ



ترجمہ و ترتیب

مولانا مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی لطیفی ایم اے پی ایچ ڈی،

استاد تفسیر، دار العلوم لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور

فتاویٰ لطیفیہ

ترجمہ و ترتیب

افضل العلماء مولوی حافظ

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی لطیفی

ایم، اے، پی، ایچ، ڈی

استاذ تفسیر

دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان

ویلور

زیرِ ظلِ حمایت

حضرت مولانا ڈاکٹر

سید شاہ عثمان باشاہ قادری دامت برکاتہم

ناظم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان، ویلور

شائع کردہ

دار التصنیف والاشاعت حضرت مکان

ویلور، جنوبی ہند

تاریخ اجراء بر موقعہ سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد، دار العلوم لطیفیہ ویلور

روز پیر 9 جون 2014ء مطابق ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

میں اپنی اس طالب علمانہ سعی و کاوش کو اپنے اساتذہ کرام کے نام سے معنون کرتا ہوں، جن کے آگے زانوے تلمذ تہہ کرنے کی سعادت سے حفظ قرآن و فرقان، تحصیل ومطول، عربی و فارسی اور اردو ادب کی تکمیل ہوئی

(۱) حضرت مولانا حافظ محمد ریاست علی خان اورنگ آبادی مدظلہ کامل جامعہ نظامیہ حیدرآباد، استاذ شعبۂ حفظ، شاہی جامع مسجد، ادھونی (آندھرا)

(۲) حضرت مولانا مولوی ابوالمعالی علوی علیہ الرحمہ

(۳) حضرت مولانا مولوی سید حمید اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ فاضل اشرفیہ مبارک پور

(۴) حضرت مولانا مولوی عبدالواحد جونپوری علیہ الرحمہ، فاضل دیوبند

(۵) حضرت مولانا مولوی عبدالعزیز علیہ الرحمہ فاضل اشرفیہ مبارک پور

(۶) حضرت مولانا مولوی محمد حاتم اشرفی علیہ الرحمہ فاضل اشرفیہ مبارک پور

(۷) حضرت مولانا مولوی ابوالمکارم سید شاہ مصطفیٰ حسین بخاری مدظلہ فاضل لطیفیہ ویلور

(۸) حضرت مولانا مولوی شاہ محمد انوار اللہ سر قاضی قادری مدظلہ فاضل لطیفیہ ویلور

(۹) حضرت مولانا مولوی شبیر احمد اکرمی بھٹکلی، فاضل لطیفیہ، ویلور

(۱۰) حضرت مولانا مولوی پی، محمد ابوبکر ملیباری مدظلہ فاضل لطیفیہ

(۱۱) حضرت مولانا مولوی سید برہان الدین عنطریؒ فاضل باقیات صالحات ویلور

(۱۲) حضرت مولانا مولوی بشیر احمد کٹوانچوری فارغ جامعہ دارالسلام عمرآباد۔

فہرست

مقدمہ

فتاویٰ کی شرعی حیثیت

از

مرتب ومترجم

افضل العلماء مولوی

حافظ **ڈاکٹر بشیرالحق قریشی** لطیفی ایم،اے،پی،ایچ،ڈی

استاذ تفسیر

دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور

امام وخطیب

مسجد حضرت علی سلطان چشتی قادری علیہ الرحمہ

گاندھی روڈ، ویلور

فتویٰ، افتاء، استفتاء اور مفتی اسلامی ڈکشنری کے معروف الفاظ ہیں۔فتویٰ کو فاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ لفظ واحد ہے اور اسکی جمع فتاویٰ ہے۔لغت میں فتویٰ کا معنی ہے کسی سوال کا جواب دینا، دین کی اصطلاح اور عرف عام میں فتویٰ کا معنی ہے کسی قضیہ واختلاف اور پیش آمدہ واقعہ کے بارے میں کسی ذی علم شخص سے شرعی حکم دریافت کرنا۔استفتاء کا معنی ہے فتویٰ طلب کرنا۔اور افتاء کا معنی ہے فتویٰ دینا اور جو شخص فتویٰ دے اسکو مفتی کہا جاتا ہے اور مفتی کا فقیہہ ہونا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ کسی عامی شخص سے شرعی حکم پوچھا نہیں جاتا۔

استفتاء اور فتویٰ یہ دونوں لفظ سورۂ نساء کی آخری آیت بلکہ بعض مفسرین کی رائے کے مطابق قرآن کی آخری آیت میں آئے ہوئے ہیں۔ یستفتونك قل الله یفتیکم فی الکللة۔لوگ آپ سے کلالہ کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لاولد شخص کے ترکہ کے معاملہ میں فتویٰ دیتا ہے۔

اس آیت کے علاوہ قرآن کی دوسری آیتوں اور نبی کریم ﷺ کی حدیثوں میں لفظِ فتویٰ کے مشتقات، مختلف اور متعدد معانی میں مستعمل ہیں۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں گناہ وہ ہے جو تمہارے سینہ میں خلش اور چبھن پیدا کرے۔خواہ لوگ تمہیں اسکے جائز ہونے کا فتویٰ دے دیں، والاثم ماحاك فی صدرك وان افتاك النا س (مسند احمد)

نیز ارشاد فرمایا اگر تمہیں کسی معاملہ میں خلش اور الجھن محسوس ہو تو اپنے دل سے فتویٰ پوچھ لو، استفت قلبك۔

قرآن کریم میں اہل علم سے سوال کرنے کی ہدایت ہے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون (الانبیاء)۔لوگو! اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو۔

نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے مصاحبین کو تاکید فرمائی کہ جب بھی تمہیں کسی معاملہ میں شک اور شبہ پیدا ہو جائے تو مجھ سے سوال کرو۔ اذاشك احدكم في الامر فليئسلني عنه۔ قرآن اور حدیث میں احکام و مسائل سے متعلق سوال کرنے کا جو حکم ہے اسی کو استفتاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرات صحابہ کو سوال کرنے کی اجازت دے دی تو اسی کے ساتھ ساتھ یہ تاکید بھی فرمائی کہ جب تک میں تمہیں کوئی حکم بیان نہ کروں، اس وقت تک تم مجھ سے اپنی طرف سے سوالات نہ کیا کرو کیونکہ تم سے پہلے کے لوگوں کو کثرت سوالات اور انبیاء کرام سے اختلافات کرنے کی وجہ سے ہلاک کیا گیا ہے۔ لہٰذا تم مجھے چھوڑے رکھو۔ میں بھی تمہیں چھوڑے رکھوں گا۔ مطلب یہ ہوا کہ تم مجھ سے سوالات نہیں کروگے تو میں بھی تمہارے اوپر احکامات مسلط نہیں کروں گا۔ ذروني ماتركتكم فانما اهلك من كان قبلكم كثرة سوالهم واختلافهم على انبيائهم۔ (مسند احمد)

نبی کریم ﷺ نے سوالات زیادہ کرنے کو اور انبیائے کرام کے ساتھ اختلاف کرنے کو ایک جرم تصور کیا اور صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ مسلمانوں میں وہ شخص بڑا مجرم ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کر بیٹھے جو حرام نہ تھی مگر اسکے سوال کرنے کی وجہ سے وہ چیز حرام ہوگئی۔ اللہ نے تم پر کچھ فرائض مقرر کئے ہیں، تم انہیں ضائع نہ کرو، اور کچھ حدود مقرر کئے ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزیں حرام قرار دی ہیں۔ تم انہیں حلال نہ کرو اور کچھ چیزوں کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے جو تمہارے لئے اللہ کی طرف سے رحمت ہے اور یہ سکوت کسی نسیان کی وجہ سے نہیں ہے لہٰذا تم ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کیا کرو۔

اعظم المسلمين جرما، من سأل عن شئی لم یحرم فحرم من اجل مسئالته ان اللّٰہ تعالیٰ فرض فرائض فلا تضیعوھا و حدحدو داًفلا تعتدوھا، وحرم اشیاًء فلا تنکھوھا،وسکت عن اشیاء رحمة بکم غیر نسیان فلا تسئلو اعنھا(مسند احمد)۔

سیاق کی حدیثوں سے ایک تعلیم اور تاکید مسلمانوں کو یہ مل رہی ہے کہ فتویٰ ایسے اموراور مسائل میں طلب کرنا چاہئے جن کے شرعی حکم کی وضاحت واقعی ضروری ہو، اپنے ذہن سے بے ضرورت اور فرضی وغیر حقیقی مسائل گھڑتے ہوئے فتویٰ طلب کرنا اور فتویٰ دینا دونوں غیر مستحسن پہلو ہیں البتہ بعض ایسے مسائل اور وقائع جن کے پیدا ہونے کا امکان ہوتو بعض مسائل کو بعض مسائل پر محمول کرتے ہوئے اور بعض جزئیات کو بعض جزئیات پر منطبق کرتے ہوئے کسی مسئلہ کے لئے جزیہ تلاش کرنا اور حکم بیان کرنا، یہ چنداں معیوب نہیں ہے بلکہ یہ بھی ایک علمی اور فقہی ضرورت اورصورت ہے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لوگوں کے استفسار پر اللہ تعالیٰ نے فتویٰ صادر فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ نساء کی اس آیت میں کیا گیا ہے، یتفتونك فی النساء قل اللہ یفتیکم فیھن۔اے نبیؐ! لوگ آپ سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔آپؐ کے اوپر منجانب اللہ یہ ذمہ داری عائد ہوگئی کہ نازل شدہ وحی ربانی کی روشنی اس طرح سے فتویٰ دیا کریں۔اور آپؐ ہی کی ذات ستودہ صفات سب سے پہلے افتاء کے منصب پر فائز ہوئی۔اور جب بھی لوگ آپ ﷺ سے فتویٰ طلب کرتے تو آپؐ وحی الٰہی کی روشنی میں فتویٰ دیا کرتے تھے،اور اگر کسی واقعہ میں قرآن سے حکم نہیں

ملتا تو آپ اجتہاد فرماتے اور فتویٰ دیتے چنانچہ وہ احادیث جن میں صحابہ کرام کے سوالات اور آپ کے جوابات ہیں وہ بالفاظ دیگر استفتاء اور افتاء کی اولین صورت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں فتاویٰ کے باب میں واحد اور مستقل مرجع اور محور تھے البتہ بعض ایسے مواقع اور حالات جن میں آپؐ کی جانب صحابہ کرام کو رجوع کرنا مشکل رہا تو مجتہدین صحابہ نے قرآن اور حدیث کی روشنی میں فتویٰ دیا ہے اور اگر کتاب وسنت کی روشنی میں فتویٰ دینے کے لئے کوئی دلیل اور نص نہ مل سکی تو ان حضرات مجتہدین نے اپنے اجتہاد سے فتویٰ دیا ہے اور یہ صورت حال شاذ ونادر ہی پیش آئی ہے اور یہ فتاویٰ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش ہوئے تو آپؐ کی تصویب اور توثیق ہی سے دلیل اور حجت بن سکے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی وفات شریف کے بعد آپ کے مصاحبین مجتہدین فتاویٰ کے باب میں مرجع اور محور قرار پائے۔ اور ان حضرات مجتہدین صحابہ کو کتاب وسنت میں کوئی نص نہ ملی تو انہوں نے اپنی رائے اور اجتہاد سے فتاویٰ صادر فرمایا جسکی وجہ سے ان حضرات کے بعد آنے والے مجتہد علماء وفقہاء کے لئے قیاس واجتہاد کی راہ ہموار ہوگئی۔ اس طرح سے فتویٰ کا تعلق کتاب وسنت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کے قول اور عمل سے قائم ہوگیا اور شرعی دلائل تین قرار پائے اور قیاس کو بھی کتاب وسنت اور صحابہ سے موافقت اور مطابقت کی صورت میں ایک دلیل شرعی ہونے کا اعزاز حاصل ہوگیا، اسی بنیاد پر علمائے فقہ اور اصول نے یہ صراحت کی کہ دلائل شرعیہ چار ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع اور قیاس۔

تشریع کے باب میں فتویٰ کا کردار نہایت اہم ہے اردو زبان میں تشریع کا معنی

ہے قانون سازی، شریعت کی اصطلاح میں تشریع کے معنی، اُن قوانین کا مقرر کرنا ہے جن سے اعمال مکلفین کے احکام معلوم ہوں، اگر قانون سازی کا مصدر اور مخرج قرآن کریم ہے تو یہ تشریع الٰہی ہے اور اگر اسکا مصدر اور مخرج افراد اور جماعت ہے تو یہ تشریع وضعی ہے۔

شریعت کے قوانین اور احکام دو قسم کے ہیں۔ایک وہ قوانین جن کا ذکر اللہ نے قرآن کریم میں کیا ہے اور اپنے نبی ﷺ کو جن کا الہام اور القاء کیا ہے۔ یہ تمام خالص تشریعی الٰہی ہے۔ دوسرے وہ قوانین جن کو مجتہد صحابہ کرام، مجتہد تابعین، مجتہد تبع تابعین، ائمہ اربعہ اور ائمہ مجتہدین نے تشریع الٰہی کے نصوص و دلائل اور نصوص کی روح کو سامنے رکھتے ہوئے استنباط اور استخراج کیا ہے۔اس قسم کی قانون سازی بھی اپنے مصدر و مخرج اور مرجع کے لحاظ سے تشریع الٰہی ہے مجتہدین کرام کے اجتھاد، استنباط اور استخراج کے لحاظ سے تشریع وضعی سمجھی جائیگی۔

اسلامی قانون سازی کا پہلا دور، زمانۂ نبوت ہے جسکی ابتداء ۶۱۰ء میں ہوئی اور اسکی انتہاء ۶۳۳ء میں ہوئی۔ یہ تیئیس ۲۳ سال کا زمانہ تشریع اسلامی کی ایجاد و تکوین اور تشکیل کا دور ہے۔اسی دور میں تشریع کامل کی بنیاد رکھی گئی۔

اور اسلامی قانون سازی کے بنیادی و اساسی اور کلّی اصول و قواعد وضع ہوئے جو ہر دور میں ہدایت کا سامان ہیں اور ان ہی کی روشنی میں ان عقائد و اعمال کا حکم صادر کیا جا سکتا ہے اور ان کی صحت و عدم صحت اور جواز عدم جواز کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے جن کے تعلق سے کتاب و سنت میں کوئی نص وارد نہیں ہے۔اس عہد کا پہلا دور مکی کہلاتا ہے جو تیرہ سال پر مشتمل ہے اس دور میں مسلمان ضعیف اور کمزور تھے جسکی وجہ سے امت کی تکوین اور تشکیل نہ ہو سکی۔ اور نبی کریم ﷺ کی تمام تر توجہ اور کوشش شرک کے انسداد

اور توحید کے اثبات میں صرف ہوگئی۔ آپ ؐ ۶۲۲ء میں مدینہ منورہ فروکش ہوئے تو یہاں سے مسلمانوں کو مکمل قوت اور کامل غلبہ حاصل ہونے لگا۔ اس دس سالہ دور میں امت کی تکوین اور تشکیل عمل میں آئی۔ بدلتے ہوئے ان حالات کے تحت مسلمانوں کے لئے انفرادی اور اجتماعی مسائل میں قانون سازی کی ضرورت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ نکاح، طلاق، میراث، معاملات، تعزیزات، حدود، معاشرت، مملکت، جنگ، صلح، قومی اور بین اقوامی امور و مسائل کے بارے میں احکام مدینہ منورہ میں مقرر کئے گئے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں قانون سازی کا حق اور اختیار صرف اور صرف آپ ؐ ہی کو حاصل تھا۔ آپ ؐ کے سوا کسی مسلمان کو اپنے معاملہ میں یا غیر کے معاملہ میں قانون سازی کا کوئی حق اور اختیار نہ تھا۔ جب بھی کوئی واقعہ پیش آتا، چاہے وہ خصومت و جدال ہو، یا کوئی سوال ہو، یا کوئی استفتاء ہو، تو اللہ تعالیٰ آیتیں نازل فرماتا اور ان میں وہ حکم بیان فرماتا اور آپ ؐ اس حکم کی مزید تفصیل اور تشریح فرمادیتے۔

اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ آپ ؐ پر وحی نازل نہیں ہوتی تھی ایسی صورت میں آپ ؐ اجتھاد فرماتے تھے اور آپ ؐ کا اجتھاد بھی وحی الٰہی ہی ہے اور وہ بھی وحی الٰہی کی طرح واجب الاتباع اور واجب العمل ہوتا، یہی وجہ ہے کہ آپ کے فتاویٰ خواہ وحی الٰہی سے صادر کئے گئے ہوں یا آپ کے اجتھاد سے، ان تمام فتوؤں پر عمل کرنا امت کے لئے واجب ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں اصحاب علم و بصیرت کے لئے قانون سازی کی راہ ہموار کردی تا کہ آپ کے بعد بھی آپ کے مصاحبین مجتھدین اور ائمہ مجتھدین کے ذریعہ امت کے مصالح وضروریات اور واقعات وخصومات وغیرہ کے لئے قانون

سازی کا عمل جاری وساری رہے۔

آپؐ نے اپنے عہد مبارک میں قانون سازی کے لئے کتاب اور سنت کو اصل قرار دیا اور یہی دو چیزیں قرآن وحدیث آپ کے بعد آنے والوں کے لئے آثار اور اثاثہ ہے اور یہی دو چیزیں ہر دور کے مسلمانوں کے لئے بنیادی قانون ہے اور یہی ترکہ اور اثاثہ ہر زمانے کے مجتھدین کے لئے مرجع اور ماخذ ہے اور یہی دو چیزیں ان کے اجتھاد واستنباط کی بنیاد ہے۔

اور یہ متفقہ موقف ہے کہ کسی بھی زمانے میں جب بھی کوئی واقعہ، قضیہ پیش آجائے اور اسکے حکم پر دلالت کرنے والی کوئی نص قرآن وحدیث میں موجود ہے تو کسی فقیہہ ومجتھد اور مفتی کو یہ حق ہی نہیں ہے کہ وہ پیش آمدہ واقعہ کے حکم کے لئے اجتھاد کرے اور اپنے اجتھاد اور اپنی رائے سے فتویٰ دے، ہاں اس واقعہ کے حکم پر دلالت کرنے والی کوئی نص قاطع کتاب وسنت میں نہ مل سکے تو ایسی صورت میں اجتھاد اور قیاس کی گنجائش پیدا ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مجتھد اپنے اجتھاد میں قرآن وحدیث پر اعتماد کرے اور جو کچھ اس میں وارد ہے اسی کو سامنے رکھتے ہوئے قیاس کرے اور اپنے اجتھاد واستنباط میں کتاب وسنت کی مخالفت نہ کرے اور ان کے اصولوں میں سے کسی اصول سے انحراف نہ کرے۔ چنانچہ اس موقف کی وضاحت کے لئے حضرت معاذ بن جبل کا یہ واقعہ کافی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے آپ کو یمن کا قاضی مقرر کیا اور آپ کی روانگی کے وقت پوچھا۔ اے معاذ! جب تمہارے سامنے کوئی واقعہ اور قضیہ پیش آئے اور اسکے فیصلہ کے لئے قرآن وحدیث میں کوئی ثبوت مل نہ سکے تو ایسی صورت میں کیا کروگے؟ عرض کیا، یارسول اللہ، میں اپنی رائے سے اجتھاد کروں گا، یہ سن کر نبی کریم

ﷺ نے اطمینان ومسرت کا اظہار کیا اور فرمایا، الحمد لله الذی وقف رسول رسول الله لما یرضی الله ورسوله، ساری حمد وستائش کا سزاوار اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق عطا فرمائی جس سے اللہ اور اسکا رسول راضی ہے۔

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ میں نبی کریم ﷺ کی وفات شریف ہوئی۔ یہاں سے حضرات صحابہ کے عہد کا آغاز ہوا اور اسکا اختتام پہلی صدی ہجری کے آخر میں ہوا یہ زمانہ نو دسال پر مشتمل ہے اس عہد کو عہد صحابہ اس لئے کیا گیا ہے کہ جن بزرگوں نے قانون سازی کی ذمہ داری سنبھالی، وہ اکابر مجتہد صحابہ تھے۔ یہی وہ عہد ہے جس میں قانون کی تشریح اور تفصیل کی گئی، اور بالخصوص ان امور کے اندر جن میں کتاب وسنت کے حوالہ سے نص نہ تھی، یہی وہ صورت حال تھی جس سے متاثر ہوکر اکابر صحابہ نے اجتھاد اور استنباط کا دروازہ کھولا، اور امت میں اسی عہد سے استنباط اور استخراج اور اجتھاد کی داغ بیل پڑی، اور کتاب وسنت کے نصوص احکام کی تفصیل اور تشریح میں صحابہ کرام سے مختلف رائیں اور متعدد اقوال صادر ہوے اور یہ آراء واقوال بھی قانون سازی کے لئے مرجع اور محور ہیں۔ ان حوادث میں جن کے اندر نص وارد نہیں ہے، اس طرح کے حوادث اور واقعات کے احکام کے متعلق بہت سے فتاویٰ دیئے گئے اور یہ فتاویٰ ہر نئے دور اور آنے والے ہر زمانے کے لئے اجتھاد اور استنباط کی بنیاد ہیں۔

امت کے لئے عہد رسول میں قانون مرتب ہوا اور اس کو عہد صحابہ میں تشکیل دیا گیا اور یہ تشکیل کتاب وسنت کے نصوص احکام سے ہوئی کیونکہ مسلمانوں میں سے ہر کوئی شخص اس بات کی صلاحیت وقابلیت نہیں رکھتا تھا کہ وہ بذات خود ان نصوص کتاب و سنت کی طرف رجوع کر سکے اور مسائل واحکام کا استخراج کر سکے، اور کما حقہ ان احکام کو

سمجھ سکے جن پر یہ نصوص دلالت کرتے ہیں۔اس صورت حال کی وجہ سے عوام کے لئے بس ایک ہی صورت تھی کہ وہ علماء کے ذریعہ شریعت کے احکام جان لیں اور ان سے فتاویٰ حاصل کریں اور ان پر عمل پیرا ہو جائیں۔

صحابہ کرام کے زمانے میں مسلمانوں کے لئے ایسی ایسی حاجتیں اور ضرورتیں پیش آئیں اور ایسے ایسے حوادث اور واقعات رونما ہوئے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نہیں پیش آتے تھے۔اور امت کے لئے عہد رسول میں جو نصوص چھوڑے گئے تھے ان میں کوئی نص نہ تھی جو ان واقعات اور حوادث کے حکم پر دلالت کر سکے۔

یہی وہ اسباب تھے جن کو دیکھتے ہوئے اکابرین امت اور علماء صحابہ نے یہ محسوس کیا اور سمجھا کہ ان حالات میں ہمارے اوپر قانون سازی اور افتاء کا فرض عائد ہوتا ہے۔جس کو ادا کرتا ہمارے لئے ایک اہم دینی فریضہ ہے۔اور یہ فرض یہی تھا کہ وہ مسلمانوں کے لئے کتاب وسنت کے نصوص احکام کی تشریح کریں جن کی مسلمانوں کو ضرورت ہے۔اور ان نئے نئے مسائل کا حل تلاش کریں جو مسلمانوں کے لئے آئے دن پیدا ہو رہے ہیں اور ایسے واقعات سے متعلق احکام بیان کریں اور فتاویٰ دیں جن میں کوئی نص موجود نہیں ہے۔ان حالات کے تحت علماء صحابہ نے فتویٰ دینا شروع کیا، اور انہیں یہ حق ان کی ذاتی اور شخصی امتیازات اور خصوصیات کی وجہ سے حاصل ہوا کیونکہ انہیں نبی کریم ﷺ کی طویل صحبت نصیب ہوئی، آیتوں کے نزول کے اسباب ومواقع اور رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل کے مواقع اور مقامات ان حضرات کے علم اور مشاہدہ میں تھے اور بعض جلیل القدر صحابہ ایسے بھی تھے جن سے نبی کریم ﷺ اپنے اجتھاد میں مشورہ لیتے تھے۔ان ہی فضیلتوں اور خصوصیتوں کی وجہ سے یہ حضرات اس بات کے اہل

اور مستحق وحق دار تھے کہ تمام مسلماں ان کی جانب رجوع کریں اور ان پر اعتماد کریں اور ان سے احکام اور فتاویٰ طلب کریں۔ چنانچہ مختلف شہروں میں جو جو صحابہ کرام سکونت پذیر تھے وہ اپنے اپنے شہروں میں معلم اور مفتی تھے اور لوگ دین و شریعت کے معاملہ میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابی ابن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنھم اور مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، اور کوفہ میں حضرت علیؓ (دار الخلافہ کی منتقلی کے بعد) اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور بصرہ میں حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، اور شام میں حضرت معاذ ابن جبلؓ (یمن چھوڑنے کے بعد) حضرت عبادہ بن صامت، اور مصر میں حضرت عبداللہ بن عمر بن عاصؓ شرعی احکام کی وضاحت کرنے اور فتویٰ دینے کے لئے مرجع بن گئے تھے، اور جو صحابہ خصوصیت اور اہتمام کے ساتھ فتویٰ دیا کرتے تھے۔ان کی تعداد ایک سوتیس 130 تھی جن میں مرد اور خواتین دونوں شامل تھے۔

عہد صحابہ کے شروع میں فتویٰ دینے والے صحابہ کرام مدینہ منورہ میں مقیم تھے لیکن جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا اور مختلف شہر خلافت راشدہ کے ماتحت شامل ہوتے چلے گئے تو مختلف شہروں میں قاضی اور مفتی کا قیام ایک ناگزیر صورت تھی۔ اس صورت حال کے پیش نظر صحابہ کرام مختلف شہروں میں پھیل گئے۔ یہ بزرگ مدینہ منورہ چھوڑ کر دوسرے شہروں میں چلے جانے کی وجہ سے قانون سازی اور فتاویٰ کے اوپر یہ اثرات مرتب ہوگئے کہ اب تک قانون سازی اور فتاویٰ میں جو جماعتی اور مشاورتی رنگ تھا، وہ ختم ہوگیا، قانون سازی اور فتاویٰ کا صدور جماعت کے ہاتھوں

سے نکل گیا اور وہ انفرادی حیثیت سے ہونے لگا، عہد صحابہ میں جب بھی کوئی واقعہ پیش آتا یا کوئی خصومت واقع ہوتی یا کوئی اختلاف اور مسئلہ کھڑا ہو جاتا تو فتویٰ دینے والے صحابہ کرام کتاب وسنت میں غور وخوض کرتے، اگر انہیں کوئی نص مل جاتی جو اس واقعہ و خصومت اور مسئلہ کے حکم پر دلالت کرے تو اسی کو نافذ کرتے، اور اگر اس واقعہ وخصومت اور مسئلہ کے حکم پر دلالت کرنے والی کوئی نص نہیں ملتی تو اجتہاد کرتے، اور جن امور ومعاملات میں نص وارد ہے اسکے اوپر قیاس کرتے، یا شریعت کی روح یا عوام کے مصالح کے تقاضوں اور فوائد کو سامنے رکھتے ہوئے حکم کا استنباط اور استخراج کرتے۔

صحابہ کرام کے اجتہاد کے لئے دلیل یہ تھی جو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے مشاہدہ کیا تھا جس وقت آپؐ پر وحی نازل نہ ہوتی تو آپؐ اجتہاد کرتے تھے، اور آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے اندر اجتہاد کے رجحان ومیلان کو دیکھ کر پسند فرمایا، چنانچہ آپؐ نے انہیں جب یمن کی جانب قاضی بنا کر بھیجا تو اس وقت ان سے پوچھا، تم فیصلہ کیسے کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا، قرآن کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا اگر اس میں حکم نہ ملے تو کیا کرو گے؟ عرض کیا، سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا اگر اس میں بھی حکم نہ ملے تو کیا کرو گے؟ عرض کیا، میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ یہ سن کر آپؐ نے حضرت معاذ کو اجتہاد کرنے سے منع نہیں کیا بلکہ ان کی اس فکر اور عمل کو پسند فرمایا۔

اسکے علاوہ بھی صحابہ کرام کے اجتہاد اور استنباط کی ایک وجہ یہ رہی کہ انہوں نے یہ سمجھا تشریع احکام کا مقصد عوام کے مصالح کا تحقق ہے اور ان کے لئے سہولتیں اور آسانیاں پیدا کرنا ہے، اور جب کبھی کوئی مصلحت، کسی خاص حکم کا تقاضہ کرے تو اہل علم

پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اس مصلحت کی تحقیق اور امت کی سہولت کے لئے اجتہاد کریں۔

صحابہ کرامؓ میں دلائل کی بناپر فتویٰ دینے والے حضرات اس بات پر متفق تھے کہ تین مصادر (کتاب، سنت اور صحابہ کے اجتہادات) کی جانب رجوع کریں اور اسی ترتیب کالحاظ رکھیں۔

اس مقام پر ان تینوں تشریعی مصادر کتاب وسنت اور اجتہاد سے متعلق تھوڑی سے وضاحت مفید ہوگی۔

عہد صحابہ کا ایک تاریخ ساز واقعہ قرآن کریم کی تدوین ہے اور مختلف شہروں میں اسکے نقول کی نشر واشاعت ہے حضور اکرم ﷺ کی وفات شریف ہوئی تو قرآن کی ساری آیتیں مدون اور مرتب ہوچکی تھیں لیکن وہ ایک مجلد کتابی شکل میں نہ تھیں، بلکہ وہ منتشر تھیں اور حضور ﷺ کی دی ہوئی ترتیب کے مطابق بے شمار صحابہ، صحابیات اور بچوں اور بچیوں کے سینے میں محفوظ تھیں، اور ہر شہر کے جامع مسجدوں میں قرآن کریم کے نسخے رکھ دئے گئے تھے اور لوگ وہاں پہنچ کر ان نسخوں سے بغیر کسی تبدیلی کے نقل کر لیتے تھے، اس طرح سارے مسلمانوں کو قرآن کریم کے نسخوں کی طرف رجوع کرنے میں بڑی سہولت تھی اور بے شمار حفاظ پھیلے ہوئے تھے جسکی وجہ سے لوگوں کو حفاظ کی جانب رجوع کرنے میں بھی بڑی آسانی تھی اور لوگوں میں حفظ قرآن کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا جسکے باعث وہ حفاظ کے پاس پہنچ کر حفظ کرلیا کرتے تھے خواہ وہ چند سورتیں ہی کیوں نہ ہوں، اس صورت حال کا یہ فائدہ ہوا کہ قرآن تحریر اور تحفیظ دونوں لحاظ سے متواتر طریقہ پر نقل ہوتے رہا اور اسکے حفظ کا سلسلہ جاری رہا۔ اور تمام آیات متواتر ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہوگئیں۔ اور لوگوں کو قرآن سے متعلق کسی روایت کی

صحت وعدم صحت اور راویوں کے احوال اور اسانید میں جستجو اور گفتگو کی زیادہ ضرورت نہ رہی جیسا کہ احادیث کے ذخیرہ سے متعلق یہ صورت حال پیش آئی، اور قدرتی طور پر قرآن کریم سے متعلق ایک ایسا نظم ونسق وجود میں آنے لگا جس کی برکت اور اثر سے اختلاف اور شک اور شبہ کی ساری صورتیں اور شکلیں خود بخود ختم ہوگئیں اور قیامت تک قرآن کریم اختلاف اور فتنہ سے محفوظ ہوگیا اور وہ ایک محفوظ ومستند اور معتمد ومعروف کتاب کی حیثیت سے دنیا میں پھیل گیا۔

وحی کی تاریخ میں صحیفہ محمدیؐ کی حفاظت کا اولین حیرت انگیز اور عدیم المثال طریقہ منہ زبانی اور حفظ تھا، قرآن ایک ایسے زمانے میں نازل ہوا جس میں کسی بات کو یاد رکھنے اور کسی کلام کو محفوظ رکھنے کا عام طریقہ زبانی تھا، لوگ اپنے حافظہ کے ذریعہ باتوں کو محفوظ رکھتے اور زبانی طور پر دوسروں تک منتقل کرتے تھے اور ان کے حافظے بھی غیر معمولی قوی ہوا کرتے تھے اور ان کی یادداشت بڑی مضبوط ہوا کرتی تھی اور اللہ نے عرب قوم کو خصوصیت کے ساتھ بے پناہ غیر معمولی قوت حافظہ بخشی تھی، اور یہ بات علمی و تاریخی اعتبار سے مشہور ہے کہ اس زمانے کے شعراء کے ضخیم دواوین لوگوں کی نوک زبان پر ہوتے تھے اور وہ ایک ہی نشست میں ہزاروں اشعار سناتے تھے اور انہیں مختلف خاندانوں اور قبیلوں کے شجرہ انساب ازبر رہتے تھے۔ منجانب اللہ یہ بے پناہ و بے نظیر قوت حافظہ اس قوم کو اس لئے دی گئی تھی کہ اسی میں سے ایک فرد فرید مثیل فقید سیدنا محمد عربی ﷺ کے اوپر اللہ تعالیٰ اپنا آخری کلام نازل کرنے والا تھا اور اسی کلام میں رہتی دنیا تک انسانوں کے لئے رہبری کا سامان تھا۔ اسی لئے خود اللہ نے اس کلام کی حفاظت اپنے ذمہ لی، انا نحن نزلنا الذکر وانالہ لحفظون۔ یہ اعزاز اور مقام کسی آسمانی کتاب کو نہیں

دیا گیا۔ اسی لئے تاریخ کے ہر دور میں قرآن کی حفاظت کے فطری وقدرتی اسباب اور وسائل پیدا ہوتے چلے گئے جن کا مشاہدہ امت مسلمہ ہر زمانے میں کرتے آ رہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جوں جوں آیتیں نازل ہوتی تھیں وہ منجانب اللہ آپ ؐ کے قلب میں جمع ہو جاتی تھیں۔ ان علینا جمعه و قرآنه اور حضرات صحابہ حفظ کرلیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں لوگ عام طور پر لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، ان کی تعداد انگلیوں پر شمار کی جاتی تھی، تاہم گنتی کے چند لوگ ہی سہی انہوں نے قرآن کو لکھا اور اسکی مختلف نقلیں رسول اللہ ﷺ ہی کے زمانے میں پھیل چکی تھیں، پھر جب لکھنے پڑھنے کا رواج عام ہونے لگا تو قرآن کے لکھنے کا رواج بھی عام ہونے لگا اور اسکی بے شمار نقلیں تیار ہونے لگیں اور مختلف شہروں میں پھیلتی چلی گئیں، پھر پریس کی ایجاد ہوئی تو قرآن ساری دنیا میں پھیل گیا، انیسویں صدی میں پرنٹنگ پریس ساری دنیا میں عام ہو گیا تو وسیع پیمانہ پر قرآن کی پرنٹنگ شروع ہوگئی اور اکیسویں صدی میں الکٹرانک میڈیا، کمپیوٹر، ای میل، فیس بک، سی ڈی، پن ڈرائیو کے ذریعہ قرآن ساری دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گیا اور کوئی شہر اور کوئی دیہات ایسا نہیں رہ گیا ہے جہاں قرآن کی آواز آج نہیں پہنچ رہی ہو، اس طرح سے قرآن آخری طور پر محفوظ ہو گیا اور اسکے حروف صبح قیامت تک کے لئے محفوظ ہو چکے ہیں لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه کی شان پوری طرح سے آشکار ہو چکی ہے۔

قانون سازی کی دوسری بنیاد سنت ہے اور اسکا مترادف دوسرا لفظ حدیث ہے، حدیث تین طرح سے منقول ہے، ایک حدیث قولی اور لسانی ہے، جس کا صدور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے ہوا ہو، مثلاً بلغوا عنی ولو آیه۔ میرا پیغام دوسروں تک پہنچاؤ

بھلے سے وہ چھوٹی سی بھی بات کیوں نہ ہو، دوسری حدیث فعلی ہے جس کا تعلق آپ ﷺ کے فعل وعمل سے ہے مثلاً صلوا کما رأیتمونی اصلی۔ میں نماز جیسی پڑھوں تم بھی ویسی پڑھو، تیسری حدیث تقریری ہے جس کا تعلق حضرات صحابہ کے قول اور عمل سے ہے ،مثلاً آپ ﷺ کے سامنے کسی شخص سے کوئی فعل صادر ہوا اور آپ دیکھ کر خاموش رہے تو آپ کی یہ خاموشی اس بات کی علامت ٹھہری کہ اس شخص کا یہ فعل شرع شریف کے مواف تھا ورنہ آپ اصلاح فرمادیتے۔ اسی طرح کسی شخص نے آپ کے سامنے کوئی بات کہی آپؐ نے اسکی تردید نہیں کی تو اس شخص کی یہ بات اپنی جگہ صحیح اور درست تھی ورنہ آپؐ اصلاح فرمادیتے، بارگاہ نبویؐ میں لوگوں کی جانب سے اس طرح پیش آنے والی یہ قولی اور فعلی صورت حال صحیح اور درست تھی، اسی صحت ودرستگی کے باعث حدیث تقریری بھی نص شرعی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی زندگی میں سنت کی نقل اور روایت کا سلسلہ صرف زبانی حد تک محدود تھا، قرآن کریم کی طرح سنت کی کتابت اور نقل نہ ہو سکی، اسکی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ نے حدیثوں کو لکھنے سے منع کیا تھا صرف زبانی طور پر بیان کرنے اور سنانے کی اجازت دے رکھی تھی لاتکتبوا عنی.........وحدثوا عنی۔ (مسلم) مجھ سے قرآن کے سوا کچھ اور نہ لکھو میری حدیثوں کو بیان کرو اس میں حرج نہیں ہے۔

امام نووی نے اس تحریری ممانعت کی علت یہ بیان کی ہے انما نھیٰ عن کتابة الحدیث مع القرآن فی صحیفة واحدة لئلا یختلط فیشبه علی القاری فی صحیفة واحدة۔

حضور ﷺ نے حدیثوں کو لکھنے سے جو منع کیا تھا اسکا مطلب یہ تھا کہ ایک صحیفہ

میں آیات اور احادیث کو نہ لکھیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہ ہوجائیں اور یہ چیز مسلمانوں کے لئے اشتباہ اور التباس کا سبب نہ بن جائے۔

غرض یہ تحریری ممانعت وقتی اور عارضی تھی، دائمی نہ تھی اور اس کا تعلق وحی کے ابتدائی دور سے تھا کیونکہ اس وقت اس بات کا امکان اور خدشہ تھا کہیں آیات ربانی اور احادیث نبوی ﷺ ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہ ہوجائیں اور وحی متلو اور وحی غیر متلو کے درمیان التباس اور اشتباہ پیدا نہ ہوجائے جو مسلمانوں کے لئے ایک ابتلاء و آزمائش سے کم نہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کو جب یہ خدشہ اور امکان دور ہوتے نظر آنے لگا تو آپؐ نے نہ صرف حدیثوں بلکہ دوسری چیزوں کو بھی حیطہ تحریر لانے کی ہدایت فرمائی۔قیدو االعلم بالکتابۃ۔

اس حدیث میں علم کو قلم کے ذریعہ محفوظ رکھنے کی جو تعلیم اور تاکید ہے اس میں پوری امت مسلمہ کو یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ وہ ہر دور اور ہر زمانے کے مفید علوم وفنون کو قلم کے ذریعہ محفوظ کرتی رہے تاکہ یہ متاع علم وفن آنے والی نسلوں تک پہنچ سکے، مذکورہ حدیث کا یہی وہ پوشیدہ پہلو تھا جس کے پیش نظر بعض صحابہ کرام نے زمانہ نبوت میں حدیثوں کو لکھا اور جمع کیا، بھلے سے یہ ذخیرہ تحریری طور پر قلیل ہی سہی، وہ امت کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوسکا، جن حضرات کرام نے یہ تحریری اثاثہ اور ترکہ چھوڑا ان میں حضرت علیؓ، حضرت عمر بن عاصؓ اور حضرت ہمام بن منبہؒ وغیرہ کے نام مشہور ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ روایت حدتواتر وشہرت کو پہنچ چکی ہے کہ انہیں بے شمار حدیثیں از بر تھیں اور انہوں نے کثرت سے احادیث کی روایت کی،

اگر ان کا رجحان زبانی روایت و حکایت کے ساتھ حدیثوں کی تحریر کی جانب بھی ہوتا تو آج حدیث کا ایک بہت بڑا مجموعہ ان کے نام سے منسوب اور مشہور رہتا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ سے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ بات کہی، میں حدیثوں کو نہیں لکھتا تھا لیکن حضرت عمرو بن عاصؓ حدیثوں کو لکھا کرتے تھے جیسا کہ شارح مسلم امام نووی کا بیان ہے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ سے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ انہوں نے حدیثوں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا جسے وہ صادقہ کہا کرتے تھے۔ اس مجموعہ میں انہوں نے صرف وہی حدیثیں لکھیں جن کو انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے خود سنا تھا۔

ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی علیہ الرحمہ نے فن حدیث پر بڑی عمدہ بصیرت افروز تحقیقات پیش کی ہے۔ ان کی ایک تحقیق یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی حضرت ابو ہمام جو حضرت ابو ہریرہ کے شاگرد رشید ہیں ان سے حدیث کی سماعت کی ہے اور احادیث کا ایک ضخیم مجموعہ مرتب کیا ہے جو دمشق کے کتب خانہ میں صحیح و سالم محفوظ ہے۔

نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں عارضی طور پر حدیثوں کی کتابت سے جو منع کیا گیا تھا اسکے اثرات یہ رونما ہوئے کہ عمومی سطح پر حدیثوں کی تحریر اور تدوین تو نہ ہو سکی تاہم بعض صحابہ کی وجہ سے احادیث کا ایک مختصر حصہ حیطہ تحریر میں آ گیا جو اپنی مستقل و ممتاز اور جداگانہ شناخت کے ساتھ محفوظ رہ گیا لیکن یہ سرمایۂ حدیث انتہائی قلیل رہا۔

حضور ﷺ کی وفات شریف کے بعد صحابہ کرام کا دور شروع ہوا تو ان حضرات کو مسائل حل کرنے اور فتاویٰ دینے میں قرآن کے علاوہ حدیثوں کی طرف رجوع کرنا اور ایک ناگزیر صورت حال تھی۔ ان حضرات کرام کے سامنے قرآنی آیات کی طرح احادیث مدون نہ تھیں اور حدیثوں کا بہت بڑا ذخیرہ لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا اور وہ

زبانی روایتوں کے ذریعہ فراہم ہورہی تھیں چنانچہ ان بزرگوں کو حضورﷺ کی سنتوں کے حاصل کرنے میں بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔ صحابہ کرام کا زمانہ قریباً ایک سو سال پر پھیلا ہوا ہے اس عہد میں ارباب اجتھاد اور اصحاب فتویٰ نے قانون سازی اور فتویٰ نویسی کے لئے جو طریقہ اور طرز عمل اختیار کیا، وہ یہ تھا کہ جب بھی کوئی مسئلہ اور قضیہ سامنے آجاتا تو کتاب وسنت کی روشنی میں حل کر لیتے تھے اور اگر کسی واقعہ سے متعلق کوئی نص اور دلیل نہیں ملتی تو اجتھاد کرتے تھے اور اپنے اجتھاد میں اس ملکہ پر اعتماد کرتے تھے جو انہیں صحبت نبویؐ کی برکت اور فیض سے حاصل تھا اور انہوں نے آنحضرتﷺ کے اجتھاد کا مشاہدہ کیا تھا۔ اور کبھی کسی مسئلہ اور واقعہ میں کوئی نص اور دلیل نہیں ملتی تو اسکا قیاس اس واقعہ اور حکم پر کرتے جس میں نص موجود رہتی، اور کبھی ضرورت ومصلحت کے تقاضہ کی وجہ سے قانون بناتے اور فتویٰ دیتے اور کبھی کسی فساد اور خرابی کو دور کرنے کے لئے فتویٰ صادر فرماتے۔

حضرات صحابہ کے دور میں اسلام دور دراز ملکوں میں پھیلتا چلا گیا اور اس میں مختلف رنگ ونسل ذات پات اور علاقہ وزبان کے لوگ کثیر تعداد میں داخل ہوتے چلے گئے جسکی وجہ سے لوگوں کے معاملات وحاجات اور مصالح کا دائرہ بھی متنوع اور مختلف شکل وصورت لے ہوئے پھیلتا چلا گیا اور تیزی کے ساتھ بدلتے ہوئے اس زمانے میں لوگوں کے مختلف اور متعدد مسائل وامور کے لئے حضرات صحابہ کا اجتھاد واستنباط اور قیاس پوری طرح سے کفیل تھا اور ان بزرگوں کی جانب سے جو بھی اجتھادی اور استنباطی احکام صادر ہوتے اور جو بھی فتاویٰ دئے جاتے وہ تمام مسلمانوں کے لئے احکام سمجھے جاتے تھے اور پوری ملت بے چون وچرا پورے اعتماد واطمینان کے ساتھ ان احکام اور

فتاویٰ پر عمل پیرا ہو جاتی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو آپ کتاب اللہ میں دیکھتے اگر کوئی ثبوت مل جاتا تو فیصلہ کرتے، اگر کتاب اللہ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا تو سنت کی طرف توجہ کرتے، اگر اس میں کوئی ثبوت مل جاتا تو فیصلہ کرتے اور اگر کوئی ثبوت نہیں ملتا تو باہر نکل کر صحابہ سے سوال کرتے اور کہتے کہ میرے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا ہے۔ کیا تم میں کوئی شخص جانتا ہے کہ ایسے معاملہ میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی فیصلہ فرمایا ہے۔ آپؓ کی آواز پر کئی ایک صحابہ جمع ہو جاتے اور حضور اکرم ﷺ کے فیصلوں کو بیان کرتے، جن کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ فیصلہ صادر فرماتے اور کہتے، سب حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہمارے درمیان ایسے لوگوں کو موجود رکھا ہے جو اپنے سینوں میں ہمارے نبی ﷺ کے فیصلوں اور فتوؤں کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

اور اگر اس صورت اور طریقہ سے بھی کوئی نظیر اور مثیل سامنے نہیں آتی تو حضرت ابوبکرؓ دوبارہ، سہ بارہ، اکابر صحابہ، اخیار صحابہ، روسٔا صحابہ اور مجتہد صحابہ کو جمع کرتے اور ان سے رائے اور مشورہ کرتے اگر ان کی رائے متفق رہی تو فیصلہ اور فتویٰ صادر فرماتے۔

حضرت ابوبکرؓ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد حضرت عمرؓ کا بھی یہی طریقہ تھا، اور آپ حضرت ابوبکرؓ کے فیصلوں کی بنیاد پر بھی فیصلے فرماتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں جو اجتماعات منعقد کئے تھے ان میں اختلاف شاذ و نادر ہی ہوتا تھا کیونکہ اکابر صحابہ میں سے ہر صحابی دوسرے صحابی کے سامنے اپنی رائے پیش کرتے اور اپنی رائے کے صحیح و درست اور حق و صواب ہونے کے اسباب اور وجوہ

کو بھی بیان کرتے تھے چنانچہ اکثر احکام اور فتاویٰ، جن کے متعلق یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس پر صحابہ کرام نے اجماع کیا ہے، وہ اس دور کے اسی مدت میں مشروع (موافق شرع شریف) ہوئے (خلافت صدیق اور خلافت فاروقؓ کی ابتداء اور وسط)

اسلامی مملکت میں جب وسعت پیدا ہوئی تو اکابر صحابہ مختلف شہروں میں پھیل گئے اور مدینہ منورہ میں خلیفہ کے لئے آسان نہ تھا کہ وہ سب اکابر صحابہ کو جمع کر سکے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ قانون سازی اور فتویٰ نویسی کا عمل انفرادی حیثیت اختیار کر گیا اور مقامی جماعت کے ساتھ مخصوص ہو گیا چنانچہ اسلامی ممالک کے ہر شہر میں ایک دو یا اس سے زیادہ افراد و اشخاص ایسے تھے جو ان امور میں فتویٰ دیتے تھے جن کے لئے کوئی نص نہیں، اور وہ اپنی فکر اور اپنے اجتھاد سے نصوص کی تشریح و تفسیر کرتے تھے۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے احکام اور فتاویٰ میں اختلاف پیدا ہو گیا جسکے متعدد اسباب ہیں ان میں سے تین سبب یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔

پہلا سبب یہ تھا قرآن و حدیث کے اکثر نصوص احکام اپنی مراد پر قطعی طور پر دلالت نہیں کرتے بلکہ، وہ دلالت ظنی طور پر ہوتی ہے۔ جیسا ایک معنی کے احتمال پر دلالت ہوتی ہے ویسا ہی دوسرے معنی کے احتمال پر بھی دلالت ہوتی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ نص میں ایسے لفظ بھی ہیں جو لغت کے اعتبار سے دو یا دو سے زائد معنوں میں مشترک ہیں یا ان میں ایسا لفظ عام ہے جس میں تخصیص کا احتمال ہے یا ایسا لفظ مطلق ہے جس میں مقید کا احتمال ہے۔ ہر مجتھد اپنے نقطہ نظر اور عبارت کے قرائن کے پیش نظر احتمال کو ترجیح دیتا ہے اور اسی کے مطابق قانون کو ڈھالیتا ہے۔ فہم نصوص میں اختلاف کی بناء پر جن جزئیات میں اختلاف پیدا ہوئے۔ وہ بہت ہیں اور یہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ صحابہ کے دور میں سنت کی تدوین نہیں ہوئی تھی اور لوگ ایک مجموعہ سنت پر مجتمع اور متفق نہیں ہوتے تھے اور ایسے مجموعہ کی اشاعت مسلمانوں میں نہیں ہوئی تھی جو تمام کے نزدیک مسلم ہو۔ اور اس دور میں سنت، روایت اور حفظ کے ذریعہ نقل ہوتی رہی اور ایسے مواقع بھی پیش آئے کہ مصر کا ایک مفتی جو جانتا تھا وہ دمشق کا مفتی نہیں جانتا، اور ان مفتیان کرام میں سے بعض مفتی جن کو اپنے فیصلہ سے پہلے جس حدیث کا علم نہیں تھا، وہ حدیث مل جانے کے بعد اپنے فتویٰ سے رجوع فرماتے تھے۔

اور تیسرا سبب یہ تھا کہ لوگ جن معاشروں اور سوسائٹیوں میں زندگی بسر کر رہے تھے وہ باہم مختلف تھیں اور ان کی حاجتیں اور ضرورتیں مختلف تھیں اور ان کے مصالح بھی مختلف ہوا کرتے تھے جن کے لئے قانون وضع کیا جاتا تھا اور فتویٰ دیا جاتا تھا۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے لئے جو صورت حال پیش آئی تھی وہ شام میں حضرت معاویہؓ کو پیش نہ آئی تھی۔ اور یہی حالت ہر ایک دوسرے ملک میں بسنے والے قانون ساز اشخاص اور مفتیوں کی تھی۔ اس طرح ہر ملک کی مختلف اور جداگانہ سوسائٹیوں کے جداگانہ اور مختلف ہونے کی وجہ سے مصالح اور ضروریات کا اندازہ لگانے میں علماء اور فقہاء کے نقطۂ نظر بھی مختلف ہوتے تھے۔

افتاء کے تاریخی منظر میں یہ پہلو بھی نہایت اہم ہے کہ جن وقائع کے متعلق کوئی حکم منصوص نہیں ہے۔ ان میں صحابہ کرام کے متعدد اجتہادی فتاویٰ ہیں۔ کیونکہ مجتہدین صحابہ پیش آنے والے واقعہ کے متعلق جب قرآن و حدیث میں کوئی نص نہیں پاتے تو اس واقعہ کا حکم استنباط کرنے کے لئے استنباط اور استخراج کے متعدد طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے اجتہاد کرتے تھے۔ اور اس استنباط کے ذریعہ سے متعدد وقائع میں

اور مختلف ملکوں میں بہت سے احکام بیان کئے گئے۔ اس عہد کی سو سالہ مدت کی ابتداء میں جو فتاویٰ صادر ہوئے ان کی کیفیت، ان فتاویٰ سے مختلف تھی جو ان کے بعد صادر کئے گئے۔ کیونکہ بہت سارے فتاویٰ جو پہلے صادر ہوئے تھے، وہ تمام جماعتی اجتہاد سے دئے گئے تھے، اور بعد میں جو فتاویٰ صادر ہوئے، وہ افراد کے اجتہاد سے دئے گئے۔

یہی وجہ ہے کہ ان فتوؤں میں اختلاف ہو گیا، بعض رجال حدیث نے تدوین سنت کے پہلے دور میں، صحابہ کرام کے فتوؤں کی تدوین کا ارادہ کیا تا کہ سنت کے ساتھ ساتھ مختلف ابواب احکام میں فتوے بھی محفوظ ہو جائیں۔ ان فتاویٰ سے استدلال کرنے میں ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔ ان میں وہ ائمہ کرام بھی تھے جو صحابہ کرام کے فتوؤں سے الگ فتویٰ دینا نہیں چاہتے تھے، اور ان میں وہ ائمہ کرام بھی تھے جو صحابہ کرام کے فتوؤں کے خلاف فتویٰ دیتے تھے۔

صحابہ کرام کے بعد ائمہ مجتہدین کا دور آیا۔ اس دور کی ابتداء دوسری صدی ہجری کے اوائل سے ہوئی اور انتہا چوتھی صدی ہجری کے وسط میں ہوئی۔ یہ دور تقریباً ڈھائی سو سال پر پھیلا ہوا ہے۔ اس دور کو دور تدوین وائمہ مجتہدین کہا جاتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اسی دور میں مسائل واحکام کے لکھنے اور جمع وتدوین کی تحریک شروع ہوئی اور اسی دور میں احادیث کو مدون کیا گیا۔ صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین میں جو مفتی تھے، ان کے فتاویٰ مدون کئے گئے اور اسی دور میں قرآن کی تفسیریں اور ائمہ مجتہدین کی فقہی تصریحات مدون کی گئیں اور فقہ کے اصول پر کتابیں تصنیف ہوئیں، اور اسی دور میں اصحاب اجتھاد کی ایک بڑی جماعت سے بے پناہ صلاحیتوں اور قابلیتوں کا ظہور ہوا۔ اور ان علماء اور فقہاء کے اندر قانون سازی کی پوری روح سرایت کر گئی تھی چنانچہ موجود حوادث اور

ممکنہ حوادث سے متعلق احکام کے استنباط میں اس روح تشریع کا دائمی اثر پوری طرح سے کارفرما رہا۔

اس دور میں اسلامی حکومت کا رقبہ بے پناہ وسیع ہوا اور اسکی سرحدیں مشرق میں چین اور مغرب میں اندلس تھیں اور اس حکومت میں مختلف اجناس، قبیلے اور قومیں شامل تھیں اور ان ملکوں اور قوموں کے لئے قوانین کی ضرورت تھی جن کی طرف حکام اور قاضیوں کو رجوع کرنا پڑا۔ اور فتاویٰ کی ضرورت تھی جن کی طرف اشخاص اور افراد نے رجوع کیا۔

اس دور میں جن علماء اور فقہاء نے قانون سازی اور فتویٰ نویسی کی جانب توجہ کی تو انہوں نے دیکھا کہ تمام مصادر شرعیہ ان کی دسترس میں ہیں اور انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ ان کے اسلاف نے بہت سارے وقائع اور مشکلات کا حل فراہم کر دیا ہے۔ قرآن کریم مدون ہو چکا ہے اور تمام شہروں میں پھیل چکا ہے۔ احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ دوسری صدی ہجری کی ابتداء میں جمع ہو گیا ہے اور اسی طرح صحابہ کرام، تابعین اور اتباع تابعین کے فتوؤں کی تدوین ہو چکی ہے۔ اس زمانے کے مجتہدین کرام نے قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنے میں جو سہولتیں اور آسانیاں پائیں۔ اور صحابہ اور تابعین کے فتوؤں اور نصوص قرآن وسنت کی تفسیروں میں جو نور اور روشنی انہوں نے پائی۔ یہی وہ چیزیں تھیں جو ان کی اجتہادی اور استنباطی سرگرمی میں زیادتی کا باعث بنی۔ اور ان کی کوششوں کو بارآور کرنے کا باعث بنی۔ اور یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ خلف نہ صرف اپنی عقل سے کام لیتی ہے بلکہ اپنے سلف کی عقل سے بھی استفادہ کرتی ہے۔

اس دور کے مسلمانوں کی ایک امتیازی اور قابل ذکر خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے تمام اعمال، عبادات، معاملات، تصرفات اور عقود میں شریعت کے احکام کو اپنے پیش نظر

رکھتے تھے اوران کی شدید خواہش تھی کہ ان کی زندگی احکام شریعت کے مطابق گذرے، اسی لئے وہ اپنے کلیات اور جزئیات میں اصحاب علم اورارباب افتاء کی طرف رجوع کرتے تھے اوران سے حکم شرعی کا فتویٰ طلب کرتے تھے۔اسی طرح حکام بھی خصومات اور مقدمات میں مفتیوں اور اصحاب تشریع کی طرف رجوع کرتے تھے، اس دور کے مجتہدین ایک ایسا چشمہ تھے جس سے حکومت و سیاست سے وابستہ اشخاص اور فتویٰ وقضاوت سے منسلک اشخاص اور عامۃ الناس بلاانقطاع سراب ہوتے تھے۔

اس دور میں ایسی ایسی کوہ پیکر عبقری علمی شخصیتوں کا ظہور ہوا جن میں قانون سازی کی خداداد صلاحیتیں موجود تھیں۔اوران کے ماحول و معاشرہ اور سوسائٹی نے ان کی استعدادوں،صلاحیتوں اور قابلیتوں کو بارآور کرنے میں بڑی مدد کی۔چنانچہ ان میں چند خاص الخاص جوہر قابل ایسے تھے جن کے اندر قانون سازی کا ملکہ راسخ تھا جیسے امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان اور آپ کے اصحاب،امام مالک اور آپ کے اصحاب،امام شافعی اور آپ کے اصحاب اور امام احمد بن حنبل اور آپ کے اصحاب اور دیگران کے معاصرین ائمہ کرام اور مجتہدین عظام۔

قرن اول کے اواخر میں جو تابعین مختلف شہروں میں فتویٰ نویسی اور قانون سازی کے درپے ہوئے وہ صحابہ کرام کی صحبت میں رہے اوران ہی سے قرآن کی تعلیم حاصل کی۔اوران ہی سے احادیث کی روایت کی،اوران کے فتوؤں کو محفوظ رکھا۔اور ان ہی سے احکام معلوم کرنے کے طریقوں کو سیکھا۔ان تابعین میں وہ حضرات بھی تھے جن سے صحابہ کی زندگی میں فتویٰ طلب کیا جاتا تھا اور وہ فتوے دیتے تھے جیسے مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن مسیّب،اور کوفہ میں حضرت علقمہ ابن قیس اور حضرت سعید بن جبیر۔

اہل کوفہ جب حج کو آتے تو عبداللہ بن عباس سے فتویٰ طلب کرتے تو وہ ان سے کہتے کیا تمہارے درمیان حضرت سعید بن جبیر نہیں ہیں؟ مطلب یہ تھا کہ تم شرعی امور اور مسائل میں مقامی علماء وفقہاء سے فتویٰ طلب کرو۔

جس طرح تابعین، صحابہ کرام کی صحبت اور تربیت سے مستفیض اور بہرہ وہ ہوے بالکل اسی طرح تبع تابعین بھی تابعین کی زندگی میں ان کے ساتھ وابستہ اور منسلک رہے۔ اور ان سے وہ سب کچھ سیکھا اور حاصل کیا جسکو تابعین نے صحابہ کرام سے سیکھا اور حاصل کیا، یعنی قرآن وسنت، فقہی سرمایہ، اسرار تشریع، مسائل کا استنباط اور فتویٰ نویسی۔

اور اسی طرح ائمہ اربعہ مجتہدین اور ان کے معاصرین بھی تبع تابعین سے وابستہ اور منسلک رہے اور تشریع واستنباط احکام میں مستفیض ہوے، جب وہ صحابہ جو قانون سازی اور فتویٰ نویسی کا فریضہ ادا کرتے تھے، گذر گئے تو ان کے تابعین تلامذہ نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا۔ اور جب تابعین کا دور ختم ہوا تو ان کے تبع تابعین تلامذہ اور پھر ان کے بعد ائمہ اربعہ مجتہدین اور ان کے معاصرین نے ان کی جگہ لے لی۔ اس طرح استفادہ اور افادہ کا سلسلہ ہر دور میں جاری رہا۔

یہی طبقات اسلامی ملکوں میں سے ہر شہر جیسے مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، کوفہ اور مصر میں موجود تھے اور ہر طبقہ میں علماء وفقہا اپنے اسلاف کے شاگرد اور اپنے بعد آنے والے علماء وفقہاء کے استاد رہے۔ اور یہ سبھی اپنے پیش رو اسلاف سے وابستہ اور منسلک رہے۔ اور ان سے اپنا سارا علم اور فقہ حاصل کیا۔ اور ان کے بعد لوگوں کو فتویٰ دینے کی ذمہ داری لے لی۔ اور وہ ساری خدمات انجام دیتے رہے جو ان کے اساتذہ کرام انجام دیتے تھے۔ اس طرح سے قانون سازی اور فتویٰ نویسی کا یہ سلسلہ ایک دوسرے کے

ساتھ متصل اور مربوط رہا ہے۔

مدینہ منورہ میں صحابہ کرام میں سب سے زیادہ مشہور اساتذہ تشریع اور قانون سازی کے سربراہ اور مفتیان کرام حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی ابن طالبؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ تھے۔ اور ان کے مشہور تلامذہ حضرت سعید بن مسیّب، حضرت عروہ بن زبیر، اور ساتوں فقہا مدینہ اور ان کے مشہور تلامذہ حضرت محمد بن شہاب زہری، حضرت یحییٰ بن سعید اور ان کے سب سے زیادہ مشہور جانشین حضرت مالک بن انس اور ان کے معاصرین۔

اور مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام میں مشہور ترین اساتذہ تشریع اور مفتیان کرام میں عبداللہ بن عباس اور ان کے مشہور تلامذہ حضرت عکرمہ، حضرت مجاہد، حضرت عطاء اور ان کے مشہور شاگرد حضرت سفیان بن عینیہ، حضرت مفتی الحجاز، حضرت مسلم بن خالد اور ان کے مشہور خلیفہ امام شافعی (اپنے پہلے دور میں) اور کوفہ میں صحابہ کرام میں قانون سازی کے سربراہ اور اساتذہ تشریع اور مفتیان کرام میں مشہور ترین اساتذہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے مشہور شاگردوں میں حضرت علقمہ بن قیس اور حضرت قاضی شریح اور ان دونوں حضرات کے مشہور شاگردوں میں حضرت ابراہیم نخعی اور ان کے مشہور شاگردوں میں حضرت حماد بن ابی سلیمان جو امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے استاد رہے۔

اور مصر میں صحابہ میں تشریع اور افتاء کے مشہور استاد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور ان کے مشہور شاگردوں میں مفتی مصر حضرت یزید بن حبیب اور ان کے مشہور شاگردوں میں حضرت لیث بن سعد اور ان کے ساتھی حضرت بنو عبدالحکیم اور ان کے

مشہور جانشین امام شافعی علیہم الرحمہ (اپنے آخری دور میں)

احکام شریعت کی وضاحت کرنے والے ان طبقات کے اوپر مسلمانوں نے اس معاملہ میں ان پر پورا پورا اعتماد کیا۔ اور ایسا ہی اعتماد کیا جیسا کہ ان کے اساتذہ صحابہ پر کیا، اور ان کے عدل و تقویٰ اور ان کے حفظ و ضبط اور ان کے علم و فقہ سے اطمینان حاصل کیا۔ ان کی طرف سارے مسلمان رجوع کرتے اور حکام و قاضی حضرات بھی خصومات اور مقدمات و قضایا میں ان ہی سے استفسار کرتے اور عام مسلمان اپنی ضرورتوں اور ان کو پیش آنے والی حاجتوں میں ان ہی سے فتویٰ طلب کرتے تھے۔

اور ہر طبقہ اپنے اسلاف کے علم کا وارث ہوا اور جس طرح ان کے اسلاف کو کتاب و سنت کی تفسیر و تعبیر اور ان کے فتاویٰ پر (کتاب و سنت میں جب کوئی نص نہ ہو) مسلمانوں کا اعتماد و اطمینان حاصل تھا، اسی طرح ان میں سے ہر طبقہ کو مسلمانوں کا اعتماد اور اطمینان حاصل ہوا۔

اور اس دور میں احکام شریعت کی وضاحت کرنے والوں میں سے اکثر کا مشغلہ علوم شرعیہ کی تدریس اور روایت حدیث رہا۔ اور ان میں سے بعض وہ تھے جو عہدہ قضا پر فائز تھے جیسے قاضی شریح، امام شعبی اور اما ابو یوسف۔

اور ان میں سے بعض وہ تھے جو تجارت کرتے تھے جیسے امام اعظم ابو حنیفہ النعمان اور فتویٰ دینا کوئی مشغلہ نہ تھا کہ مفتی دوسرے مشاغل چھوڑ کر فتویٰ نویسی میں لگا رہے بلکہ جو اپنے اندر اس فرض کی ادائیگی کی قدرت اور قابلیت پاتا وہ اپنے مشاغل یا تجارت یا تدریس کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کو اپنے لئے ضروری سمجھتا تھا۔

اس دور میں اصول شریعت چار تھے۔ کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع اور

اجتھاد اور یہ اجتہاد قیاس کے طریقہ پر ہو۔ یا استنباط کے کسی طریقہ سے ہو۔ جس واقعہ قضیہ اور مسئلہ میں بھی فتویٰ طلب کیا گیا ہے اگر اس پر دلالت کرنے والی کوئی نص اور دلیل قرآن اور حدیث سے مل جائے تو مفتی اسی پر اکتفا کرتا اور نص سے ثابت ہونے والے حکم سے ہرگز تجاوز نہیں کرتا تھا۔

اور جب کسی واقعہ میں مفتی قرآن وسنت میں سے کوئی نص نہیں پاتا تو اس صورت میں ایسے واقعہ میں مجتہدین سلف کا کسی ایک حکم پر اجماع اور اتفاق پاتا تو اسی کو اختیار کرتے ہوئے اسی کے مطابق فتویٰ دیتا تھا۔ اور کسی ایسے واقعہ کے حکم پر قرآن وسنت سے کوئی دلیل نہیں پاتا یا اس پر اجماع صحابہ کی کوئی مثال بھی نہیں پاتا تو اس وقت مفتی خود اجتہاد کرتا اور استنباط کے لئے شارع علیہ السلام نے جن طریقوں کی ہدایت فرمائی ہے۔ ان طریقوں سے حکم دریافت کرتا تھا اور اسکے بعد فتویٰ صادر کرتا تھا اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس دور میں فتویٰ نویسی کے لئے مفتی کے اندر کیسی اور کتنی صلاحیتیں مطلوب تھیں۔

اس دور میں قانون سازی اور فتویٰ نویسی کا اختیار تابعین اور اکابر تبع تابعین میں تھا اور ان تمام حضرات کا طریقہ کار بھی وہی تھا جو ان کے اساتذہ صحابہ کا تھا۔ اسی لئے ان کے فتاویٰ واقعی حوادث اور قضایا سے متعلق تھے اور ان کے اسباب اختلاف بھی وہی تین تھے۔ جو سیاق میں گذر چکے ہیں، جن کی وجہ سے صحابہ کرام کے فتوؤں میں اختلاف واقع ہوا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے دور میں احکام شرعی میں اس لئے کوئی اختلاف نہیں ہوا کہ صرف رسول اللہ ﷺ حکم شریعت بیان کرتے تھے اور جب صحابہ کرام کے دور میں حکم شریعت بیان کرنے والوں کی تعداد بڑھ گئی تو ان کے درمیان بعض احکام میں

اختلاف رونما ہوا اور یہ فطری بات تھی کیونکہ اہل علم سوچ و فکر کریں گے تو رائے میں اختلاف یقینی ہے۔ یہی سبب ہے کہ صحابہ کرام سے ایک ہی واقعہ کے اندر مختلف فتاویٰ صادر ہوے۔ یہ فتوے مختلف ہونے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ نصوص کے معانی و مطالب سمجھنے اور معنی کے تعین کرنے میں اختلافات ہو گے اور ان حضرات کی قوت ادراک میں کمی و بیشی سے بھی اختلاف پیدا ہو گیا اور یہ بھی ایک بڑی وجہ تھی کہ ائمہ مجتہدین کو یکساں طور پر تمام سنتوں کا علم نہیں تھا اور بسا اوقات ان میں سے بعض کو کسی سنت کا علم ہوتا تو دوسرے اس سے لاعلم رہتے اور شرعی احکام کے استنباط کرنے میں فتاویٰ صادر کرنے میں جن مصالح کی رعایت کی جاتی تھی ان میں فقہاء اور مفتیان کرام کے ماحول کے اختلاف کا بڑا دخل تھا۔

ایک اور بڑی وجہ جو اختلاف کا باعث بنی، وہ سنت پر وثوق و اعتماد کے طریقہ میں اختلاف ہے اسی اختلاف کی وجہ سے فقہاء میں بعض نے جس سنت کو قابل حجت سمجھا، اسی سنت کو بعض نے حجت نہیں سمجھا، اور بعضوں نے جس سنت کو ترجیح دی، وہی دوسروں کے نزدیک مرجوح رہی۔ ایک ہی حدیث ایک امام کے نزدیک راجح رہی تو دوسرے امام کے نزدیک مرجوع رہی۔ اس سے احکام اور فتاویٰ میں اختلاف سامنے آ گیا۔

ان فقہاء کے اس قسم کا اختلاف، صحابہ کرام کے فتوؤں اور ان فتاویٰ میں ایک دوسرے فتویٰ پر ترجیح دینے میں واقع ہوا، چنانچہ افراد صحابہ کے اجتہادی فتوؤں کے متعلق ائمہ اربعہ نے اختلاف کیا۔

امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان اور آپ کے اصحاب و متبعین کا طریقہ کار ان فتوؤں کے متعلق یہ رہا کہ صحابہ کرام کے مختلف فتوؤں میں کسی ایک فتویٰ کو اختیار

کرلیا جائے۔لیکن کسی ایک متعین فتویٰ کا اپنے کو پابند نہ کیا جائے اور صحابہ کرام کے فتوؤں کے باہر نہیں جانا چاہئے یعنی ان کے فتوؤں کے خلاف فتویٰ نہیں دینا چاہئے۔مثلاً کسی ایک مسئلہ میں صحابہ کے تین قول ہیں ان میں سے کسی کا ایک قول اختیار کر لینا چاہئے۔اقوال صحابہ کو ترک کر کے چوتھا قول اختیار نہیں کرنا چاہئے۔

امام شافعی اور آپ کے متبعین کا طریقہ کار یہ رہا کہ صحابہ کرام معصوم نہیں ہیں، ان میں سے کسی ایک کا فتویٰ لیا جائے یا ضرورت ہو تو سب کو ترک کر کے ان فتوؤں کے خلاف فتویٰ دیا جائے۔اس نقطۂ نظر سے بھی احکام اور فتاویٰ میں اختلاف رونما ہوا۔

سیاق کی تفصیلات کا غالب حصہ ڈاکٹر عبدالوھاب خلاف ازہری سابق پروفیسر ازہر یونیورسٹی قاہرہ مصر کی عربی تصنیف، خلاصۃ التاریخ التشریع الاسلامی، سے مستفاد ہے۔

حاصل کلام، قرآن، حدیث، صحابہ، اجماع، اجتھاد، قیاس، تابعین، اتباع تابعین اور ائمہ اربعہ اور مجتہدین کے اجتہاد و قیاس اور عمل کی روشنی میں فتاویٰ کا ایک مختصر تاریخی تسلسل اور جائزہ لیا گیا۔قانون سازی اور فتویٰ نویسی کے باب میں ۱۱ھ پہلی صدی ہجری کی ابتداء سے لے کر پانچویں صدی ہجری کی ابتداء تک جو قریباً ساڑھے چار سو سالہ دور ہے۔یہ ایک سنہرا دور تھا اور علمی و اجتہادی اور استنباطی دور تھا۔اسکے بعد ایسے اسباب اور عوامل جن کی تفصیل طوالت کا باعث ہے۔وقوع پذیر ہوے جن کی وجہ سے علماء نے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا اور قاضیوں اور مفتیوں کو ائمہ اربعہ مجتہدین کے احکام و مسائل اور فتاویٰ کی پابندی کا حکم دیا۔اور عوام پر یہ پابندی عائد کر دی کہ وہ ائمہ اربعہ میں کسی ایک امام کے مسلک کی پیروی کریں اسی میں ان کے لئے عافیت و نجات اور ثواب ہے۔اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ائمہ اربعہ کی تقلید ہی میں امت کی شیرازہ

بندی کا راز پوشیدہ ہے۔

****

افتاء کی ابتداء نبی کریم ﷺ سے ہوئی اور استفتاء (فتویٰ پوچھنا) کی ابتداء حضرات صحابہ کرام سے ہوئی۔ اسکی ابتدائی شکل وصورت یوں سامنے آئی کہ صحابہ کرام کے استفتاء کی وجہ سے نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی اور آپؐ اسکی روشنی میں فتویٰ صادر فرماتے تھے۔ اور جن فتاویٰ کا صدور وحی الٰہی سے ہوتا تھا وہ آیات ربانی کا حصہ بن جاتے اور تحریر کے دائرہ میں آجاتے، اور جن فتاویٰ کا صدور اجتھاد نبویؐ سے ہوتا تھا وہ احادیث نبوی ﷺ کا حصہ بن جاتے تھے اور وہ زبانی طور پر محفوظ ہو جاتے تھے کیونکہ عہد نبوت میں قرآن کی طرح احادیث کی کتابت عمومی سطح پر نہ ہو سکی۔ حضرات صحابہ میں حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت ابو ہمام رضی اللہ عنھم نے چند احادیث کو قلم بند کیا تھا۔ ان میں موجود فتاویٰ تحریر کے دائرہ میں آگئے۔ اس طرح سے احادیث کی یہ مختصر ومحدود تدوین، فتاویٰ کی بالواسطہ تدوین کا باعث بن گئی۔ اس بنیاد پر اگر یہ کہا جائے تو شاید بے جا بات نہ ہوگی کہ عہد نبوت ہی سے افتاء کی تاریخ کا آغاز ہوا، اور عہد تابعین میں جب احادیث کی تحریر وتدوین کا عمل شروع ہوا۔ اسی کے ضمن میں فتاویٰ کی تدوین کا عمل شروع ہوا، چنانچہ بنوامیہ کی خلافت قائم ہوئی تو ان کے دور امارت میں ایک مشہور تابعی ثقہ شخصیت حضرت عمر بن عبدالعزیز مسند خلافت پر فائز ہوئے تو انہوں نے اپنے دور میں مدینہ منورہ کے گورنر ابوبکر بن حزم کو حکم دیا کہ نبی کریم ﷺ کی احادیث کو جمع کرواور ان کو ضبط تحریر میں لاؤ۔ علماء کے گذر جانے سے مجھے علم حدیث کے مٹ جانے کی فکر اور خوف لاحق ہے۔ خلیفہ وقت نے گورنر کے علاوہ ایک

تابعی بزرگ عالم حضرت محمد بن شہاب الزہری (وفات ۱۲۴ھ) کو بھی لکھ بھیجا کہ وہ حدیثوں کو جمع کریں اوران کی تحریر وتدوین کا کام انجام دیں۔

اس طرح سے گورنر مدینہ ابوبکر بن حزم نے سرکاری سطح پر حدیثوں کو جمع کرنے کی مہم شروع کردی اورامام زہری نے علمی وتحقیقی طریقہ سے تدوین حدیث کا کام شروع کردیا۔لیکن تدوین حدیث کا یہ عظیم الشان کام پایۂ تکمیل کو پہنچ نہیں سکا۔اس لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز سفر آخرت پر روانہ ہوگئے اور یہ کام توقف اور تعطل کی نذر ہوگیا۔یہاں تک کہ خلافت بنوامیہ کا دوراختتام کو پہنچا جوقریباً ایک صدی پر محیط ہے۔ بنوامیہ کے بعد بنوعباس مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ان کے عہد حکومت میں علماء وفقہاء کی ایک بڑی جماعت میدان عمل میں آئی،اوراس نے اپنی ذات سے تدوین کی تکمیل کی۔چنانچہ ۱۴۰ھ میں امام مالک بن انس نے برسراقتدارعباسی خلیفہ منصور بن سفاح کی خواہش پر صحیح احادیث پر مشتمل اپنی کتاب موطاامام مالک مدون اورمرتب کی اوردوسری صدی ہجری کے نصف ثانی میں اصحاب مسانید نے سنت میں اپنے مسانید مدون کئے اورتیسری صدی ہجری میں کتب صحاح ستہ (صحیح البخاری،صحیح المسلم ،ابوداؤد، نسائی، جامع الترمذی،ابن ماجہ) کی تدوین ہوئی۔

یہ تدوین حدیث،تدوین فتاویٰ کے لئے محرک ثابت ہوئی۔صحابہ کرام کے مبارک سینوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوفتاویٰ اور فیصلے موجود تھے،وہ فتاویٰ اورصحابہ کرام کے فتاویٰ وفیصلے جوحضرات تابعین کے مبارک سینوں میں منتقل ہوے تھے،جن کا سلسلہ زبانی روایت کے ذریعہ چل رہاتھا۔ان سب کی تحریراورتدوین کا عمل تیسری صدی ہجری میں شروع ہوا۔اورحضرات صحابہ اورحضرات تابعین کے فتاویٰ سے متعلق کتابیں وجود

میں آنے لگیں، امام محمد بن نوح عجلی نے امام محمد بن شہاب زہری کے فتاویٰ کو مدون اور مرتب کیا، پھر تابعین، اتباع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے فتاویٰ مدون اور مرتب ہوتے چلے گئے اور پانچویں صدی ہجری میں فتوؤں سے متعلق ایک ایسی علمی و تحقیقی اور تصنیفی فضا پیدا ہوگئی کہ علماء اور فقہاء کی توجہ اپنے اپنے اساتذہ و شیوخ کے فتاویٰ کی طرف توجہ مبذول ہوئی جسکی وجہ سے فتاویٰ کے جمع و تدوین کا کام وسیع پیمانہ پر شروع ہوگیا۔ علامہ ابوبکر خلال نے امام احمد بن حنبل کے فتوؤں کی تحقیق اور تدوین کی۔ علامہ جلال الدین سیوطی اور دیگر علماء، فقہاء، محدثین اور مفسرین نے اپنے اپنے فتوؤں کے علاوہ دوسرے علماء و فقہاء کے فتاویٰ کو مدون اور مرتب کیا اور اسکے اثرات چاروں طرف پھیلتے چلے گئے اور نہ صرف اسلامی ملکوں بلکہ غیر اسلامی ملکوں میں بھی فتاویٰ کی تحریر و تدوین کی تحریک شروع ہوگئی اور خصوصیت کے ساتھ یہ کام برصغیر ہندوپاک میں علماء اور فقہاء نے بڑی خوش اسلوبی اور اخلاص کے ساتھ انجام دیا اور سلاطین ہند میں سب سے پہلے سلطان فیروز خلجی سے اس کام میں ابتداء ہوئی اور شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر کی ذات سے تکمیل ہوئی۔

سرزمین ہند میں استفتاء اور افتاء کا آغاز کب اور کہاں سے ہوا اسکا صحیح تعین تاریخی اور دستاویزی حیثیت سے پیش کرنا تو ایک مشکل مرحلہ ہے لیکن موجودہ زمانے میں استفتاء کی جو مروج اور معروف شکل ہے۔ اس سے صرف نظر کرتے ہوئے استفتاء کے لفظی معنی (شرعی احکام دریافت کرنا) کے تناظر میں فتاویٰ پر غور و خوص کیا جائے تو یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے ملک میں فتویٰ طلب کرنے اور فتویٰ دینے کا آغاز اسی وقت سے ہوا ہے جس وقت میں مسلمانوں نے یہاں بود و باش اختیار کر لی اور

ان کو یہاں مختلف جنس اور مذہب کے لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے اپنی مذہبی زندگی گذارنے اور اپنی ملی شناخت قائم رکھنے کے لئے علماء اور فقہاء کی جانب رجوع کئے بغیر چارہ نہ تھا۔ اور حضرات علماء اور فقہاء نے بھی وقت اور ملت کی اس اہم ترین ضرورت کے پیش نظر اپنے اپنے علاقوں میں علم کی مسندیں بچھائیں اور صوفیہ نے خانقاہیں بنائیں۔ اس طرح سے یہاں علماء وصوفیہ اور عوام کے درمیان ایک ربط وضبط قائم ہوگیا اور یہی ارتباط استفتاء کے لئے بنیاد ثابت ہوا، غرض اس وقت لوگ احکام شریعت کو خواہ زبانی طور پر معلوم کرتے رہے ہوں یا تحریری طور پر اس طریق استفادہ اور افادہ کو دوسرے لفظوں میں استفتاء اور افتاء سے تعبیر کیا جائے تو شاید یہ حقیقت سے بعید نہ ہوگا۔

ہمارے ملک میں علماء اور مشائخ ابتداء ہی سے اسلامی اور عربی علوم وفنون اور ان سے منسلک فنون مثلاً تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، معانی، ادب، شعر، منطق، فلسفہ اور کلام کی تعلیم وتدریس، تشریح وتفصیل، تصنیف وتالیف اور تدوین و ترتیب کی طرف اپنی توجہات مبذول رکھیں اسی کا فیض اور اثر ہے کہ آج ہندوستان میں اسلامیات اور اسلامی وعربی اور فارسی ادبیات وعلوم پر مشتمل ہزارہا کتب خانہ موجود ہیں۔ ان میں سے فتوؤں کا بھی ایک عظیم کتب خانہ ہے۔ یہ وہ فتاویٰ ہیں جو تاریخ کے مختلف ادوار میں صادر کئے گئے ہیں اور مختلف ومتعدد اصحاب افتاء کے قلم سے صدور پذیر ہیں ان میں کئی فتوے شائع ہوچکے ہیں اور کئی فتاویٰ مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں۔

ہندوستان پر تاریخ کے مختلف ادوار میں متعدد مسلم خاندانوں نے حکومت کی اور ان میں سے بعض حکمران ایسے بھی رہے جو اپنے وقت کے ممتاز ومنفرد عالم وفاضل تھے اور انہوں نے علماء نوازی اور علوم پروری کا ثبوت دیا۔ اور دینی درسگاہوں، خانقاہوں

اور علمی ورفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور حکومت وسلطنت سے وابستہ مذہبی اور ملی امور کی انجام دہی کے لئے ارباب افتاء اور اصحاب قضاؤۃ کی خدمات حاصل کیں اور ان کے ساتھ رابطہ قائم رکھا، ہندوستان میں فتاویٰ کی تحریر اور تدوین کا آغاز خلجی دور حکومت سے ہوا، سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی (متوفی ۶۹۶ھ) ایک دین دار اور صاحب علم وفضل بادشاہ تھا، اسی کے زمانے میں فتاویٰ کا مجموعہ مرتب ہوا اور اس کا محرک اور باعث خود فیروز شاہ تھا، اسکی خواہش پر شیخ ملا محمد عطاری نے فارسی میں فتاویٰ مرتب کئے، اور اس مجموعہ کا انتساب فیروز شاہ کے نام کیا۔

فتویٰ کی یہ کتاب فارسی میں ہے اور چودہویں صدی عیسوی میں مرتب ہوئی ہے اور فوائد فیروز شاہ کے نام سے مشہور ہے، فتاویٰ کے باب میں اولیت اور قدامت کا سہرا اسی کتاب کے سر ہے۔

اسی دور میں فتاویٰ کی ایک دوسری کتاب ''زادالسفر'' عربی زبان میں مرتب ہوئی، جو دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، اس کے مرتب شیخ عالم بن علاؤالدین اندر پتی دہلوی ہیں سلطان فیروز شاہ کے دربار سے وابستہ ایک علم دوست وزیر اعظم، تاتارخان تھے جن کے ساتھ شیخ ابن علاء کے بڑے گہرے دوستانہ تعلقات تھے اسی امیر کی ایما اور نگرانی میں زادالسفر کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا۔ اس لئے شیخ نے زادالسفر کو امیر کے نام منسوب اور معنون کیا۔ اس لئے یہ فتوے، فتاویٰ تاتارخانیہ کے نام سے جانے پہنچانے جاتے ہیں۔

فوائد فیروز شاہی، فتاویٰ تاتارخانیہ کے بعد قابل ذکر قدیم کتاب فتاویٰ حمادیہ ہے جسکے مصنف حضرت مولانا مفتی ابوالفتح رکن الدین بن حسام الدین ناگوری ہیں۔ آپ نے یہ عظیم الشان کام اپنے فرزند سعید مولانا شیخ داؤد کو اپنے ساتھ لے کر مکمل

کیا ہے۔حضرت مفتی قاضی حماد الدین احمد قاضی القضاۃ گجرات نے اس علمی وفقہی کام کی سرپرستی فرمائی تھی، اس خیال کے پیش نظر حضرت رکن الدین نے اس مجموعہ کو فتاویٰ حمادیہ کا نام دیا، جوان کی وسعت نظری، اعلیٰ ظرفی اور اخلاص عملی کی ایک کھلی ہوئی نشانی ہے۔

ہندوستان میں فتوؤں کی تدوین اور ان کے آغاز سے متعلق سیاق میں جو وضاحت کی گئی ہے، یہ ڈاکٹر اعجاز احمد لکچرار شعبۂ عربی لکھنو یونیورسٹی کے ایک عربی مضمون، تدوین الفتاویٰ فی الھند، سے مستفاد ہے۔ جو ربع صدی قبل ماہنامہ البعث الاسلامی لکھنو میں شائع ہوا تھا جسکا ترجمہ راقم الحروف نے سالنامہ اللطیف ویلور ۱۳۹۴ھ میں شائع کیا ہے۔

ساتویں صدی ہجری سے فتاویٰ کی تصنیف وتالیف اور تدوین کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہوگیا، عربی و فارسی کے علاوہ اردوزبان میں بھی فتاویٰ کے مجموعے تیار ہوتے چلے گئے اور اس میں بھی فتوؤں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہونے لگا۔ ہمارے ملک میں ائمہ اربعہ میں سے صرف امام اعظم ابوحنیفہ النعمان علیہ الرحمہ کے مذہب پر مبنی فتاویٰ بڑی کثرت سے لکھے گئے اور مرتب کئے گئے۔ اسکا سبب یہ رہا کہ کیرالا اور تمل ناڈو کے بعض ساحلی علاقوں کو چھوڑ کر ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت مذہب حنفیہ پر عامل رہی ہے اور آج بھی پورے ہندوستان میں سواد اعظم حنفی ہے، لیکن اسکے باوجود ہندوستانی مسلمانوں میں شافعیوں اور غیر مقلدوں کی تعداد بھی خاصی ہے۔ ان دومسالک سے متعلق بھی فتاویٰ خاصی تعداد میں لکھے گئے ہیں۔

شافعی مسلک سے متعلق فتاویٰ کی تدوین اور تصنیف کا سلسلہ نہایت محدود پیمانہ پر چلا ہے۔ شوافع میں امام رافعی (وفات ۶۲۳ھ یا ۶۲۴ھ) اور امام نووی (پیدائش

۶۲۳ھ وفات ۶۷۶ھ) کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی اور یہ دونوں حضرات شافعی مذہب میں شیخین کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

فقہ اور فتاویٰ کے باب میں شوافع کا عموماً اعتماد امام رافعی اور امام نووی کی کتابوں پر ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں ان دونوں حضرات کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے تو امام نووی کے اقوال کو راجح سمجھا جاتا ہے، امام نووی کی یہ کتابیں (۱) تحقیق (۲) المجموع شرح المهذب (۳) الروضہ (۴) المنہاج، پھر آپ کے (۵) فتاویٰ اور (۶) شرح مسلم (۷) تصحیح التنبیہ ،شوافع کا مرجع و ماخذ ہے۔

امام نووی کی کتاب المنہاج کی علمائے متاخرین نے شروحات لکھی ہے، جن میں شیخ شہاب الدین احمد ابن حجر الھیتمی، (وفات ۹۷۴ھ) کی کتاب تحفة المحتاج شرح المنهاج، اور امام محمد رملی کی کتاب نهاية المحتاج شرح المنهاج کو بڑی شہرت ملی ہے۔

علامہ ابن حجر اور امام رملی نے امام نووی اور امام رافعی کے معتمد اقوال کو جمع کیا ہے۔ موجودہ دور میں اصحاب افتاء اور اہل فتویٰ ان دونوں کی کتابوں پر اعتماد کرتے ہیں اور ان کی روشنی میں فتاویٰ صادر کرتے ہیں۔

غیر مقلد علماء نے بھی اچھی خاصی تعداد میں فتاویٰ کی تصنیف و تالیف اور تدوین کی ہے۔ مثلاً فتاویٰ نذیریہ مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی، فتاویٰ ثنائیہ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، فتاویٰ سلفیہ مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی اور مولانا امام محمد محدث گوندلوی اور مولانا عبدالجبار غزنوی کے فتاویٰ۔

یہاں غیر مقلدین کا لفظ محض اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ ہمارے معاشرے میں یہی لفظ رائج اور معروف ہے ورنہ حقیقت حال کے اعتبار سے مقلدین کا لفظ ہی اس

طائفہ کے لئے بھی موزوں ہے کیونکہ فتاویٰ کے لفظ ہی سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ غیر مقلد عوام بھی شرعی احکام اور مسائل میں اپنے مسلک کے علماء کی تقلید کررہے ہیں۔

فتاویٰ کے باب میں عظیم الشان کام وسیع پیمانہ پر تاریخی و تحقیقی حیثیت سے جو انجام پایا ہے۔ وہ صرف حنفی مذہب سے تعلق ہے کیونکہ یہاں کے سواد اعظم کا مذہب یہی ہے اسی مناسبت سے فتوؤں کا کام میں بھی بڑی وسعت اور ہمہ گیریت نظر آتی ہے۔ حنفی مذہب کی ہندوستان گیر مقبولیت اور اسکے متبعین کی کثرت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اسکے اندر زمانہ اور اسکی ضرورتوں کی تکمیل اور مصالح عوام کے لئے ایک شرعی دلیل قیاس اور استحسان کی راہ سے بڑی سہولتیں ہیں۔ اسکا یہی وہ ممتاز پہلو ہے جسکے باعث نہ صرف عوام وخواص بلکہ ارباب سلطنت نے بھی مذہب حنفیہ کو اپنایا اور اپنے امور سلطنت اور دستور حکومت کے لئے مفید اور نافع پایا۔ اس مذہب کی عمومی اشاعت میں جہاں اسکی ذاتی خصوصیت کا دخل ہے وہاں شاہان وقت کی علمی نوازی اور فیاضی کا بھی بڑا دخل ہے۔ جسکی وجہ سے حنفی مذہب کے دوسرے پہلوؤں کے ساتھ فتاویٰ کا پہلو بھی تابناک رہا۔ سلاطین ہند میں سلطان محمد اورنگ زیب عالم گیر علیہ الرحمہ (وفات ۱۱۱۸ھ) کی شخصیت ایک مثالی نوعیت کی حامل ہے جن کی ذات گرامی سے دنیائے حنفیت کو ایک اہم مستند اور معتمد مجموعہ فتاویٰ ملا۔ حضرت العلام اورنگ زیب عالم گیر خود ایک زبردست عالم و فاضل اور فقیہہ وقت تھے۔ انہوں نے اپنی نگرانی میں فتاویٰ کا یہ ضخیم دفتر مرتب کروایا۔ اس کام کو انجام دینے سلطان نے ایک کمیٹی کی تشکیل کی اور مولانا نظام الدین برہان پوری کو اسکا سربراہ مقرر کیا اور ان کے تعاون کے لئے وقت کے جید ممتاز محقق، مستند اور معتمد حنفی علماء، وفقہاء میں سے قاضی محمد حسین جون پوری، شیخ حامد جون پوری،

شیخ علی اکبر حسینی اسعداللہ خان اور مفتی محمد اکرم لاہوری کو مقرر کیا اور ان چار علماء کے تعاون کے لئے بیس قابل ترین جید علماء وفقہاء کو مقرر کیا۔ اس طرح سے یہ تمام علماء اور فقہاء نے باہم مل جل کر فتاویٰ کی ترتیب دی اور ہر فتویٰ کو مجموعہ میں شامل کرنے سے پہلے حضرت اورنگ زیب عالم گیر کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا، سلطان بنفس نفیس ملاحظہ ومطالعہ کے بعد مذکورہ علماء کو جمع کرتے اور ان کے ساتھ تبادلہ خیال اور مشورہ فرماتے اور اسکے بعد مجموعہ میں شامل کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ یہ فتوے چھ بڑی جلدوں پر مشتمل ہیں اور فتاویٰ عالم گیری کے نام سے موسوم اور مشہور ہیں۔ یہ فتاویٰ عالم عرب میں بھی غیر معمولی مقبول ہوے اور وہاں فتاویٰ ہندیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ سلطان نے فتاوی کی تدوین کی جانب جو توجہ مبذول کی اسکے دو سبب تھے۔ ایک سبب یہ تھا کہ فقہ حنفی کی جدید تدوین ہو جائے اور دوسرا سبب یہ تھا فقہ حنفیہ کو مغلیہ سلطنت کا دستور بنایا جائے بہر کیف جو بھی وجہ رہی ہو، علامہ اورنگ زیب عالم گیر کا یہ ایک ایسا علمی وفقہی کارنامہ ہے جس نے اورنگ زیب کو دنیائے علم میں ایک اہم مقام عطا کیا۔

قدیم اور جدید ہندوستان میں حنفی فتاویٰ کی تدوین وسیع پیمانہ پر ہوئی ہے یہاں چند فتوؤں کے نام دئے جارہے ہیں، (۱) خزانۃ الروایات، قاضی جگن گجراتی، (۲) ابراہیم شاہیہ، قاضی نظام الدین جیلانی، (۳) فتاویٰ ضیائیہ، قاضی ضیاالدین، (۴) فتاویٰ نقشبندیہ، شیخ معین الدین کشمیری (۵) فتاویٰ اکبر شاہی، شیخ عتیق اللہ، (۶) مطالب المومنین، شیخ بدرالدین لاہوری، (۷) الفتاویٰ الفقیہہ، شیخ میر محمد ابن اولیاء جونپوری (۸) زبدۃ الروایات، سید علیم اللہ جالندھری (۹) فتاویٰ عزیزیہ، شیخ عبدالعزیز ابن شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۰) فتاویٰ شرفیہ، مفتی شرف الدین رامپوری، (۱۱) فتاویٰ

ناصریہ، شیخ محمد غوث مدراسی، (۱۲) جامع الفتاویٰ، سید عبدالفتاح ابن عبداللہ گلشن آبادی، (۱۳) الفتاویٰ الفقہیہ، مرزا حسن علی لکھنوی، (۱۴) الفتاویٰ الفقہیہ، شیخ رضا علی ابن سخاوت علی بنارسی، (۱۵) فتاویٰ ودودیہ، شیخ عبدالودود کلکتوی، (۱۶) فتاویٰ رضویہ، امام احمد رضا خان بریلوی، (۱۷) فتاویٰ رشیدیہ، مولانا رشید احمد گنگوہی، (۱۸) امداد الفتاویٰ، مولانا اشرف علی تھانوی، (۱۹) مجموعۃ الفتاویٰ، شیخ عبدالحئ ابن عبدالحلیم لکھنوی، (۲۰) مجموعۃ الفتاویٰ، شیخ محمد نعیم بن عبدالحکیم لکھنوی، (۲۱) فتاویٰ رحیمیہ، مولانا مفتی سید عبدالرحیم، (۲۲) جامع الفتاویٰ، مولانا مفتی مہربان علی شاہ، (۲۳) مجموعۃ الفتاویٰ، شیخ اشرف علی تھانوی، (۲۴) فتاویٰ باقیات، مولانا مفتی شاہ عبدالوھاب قادر یویلوری، مرتب حضرت مولانا محمد یعقوب فاضل دارالعلوم دیوبند، (۲۵) نظام الفتاویٰ، مولانا مفتی نظام الدین، (۲۶) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مرتب مفتی ظفیر الدین قاسمی (۲۷) فتاویٰ محمودیہ، حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی، (۲۸) کتاب الفتاویٰ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، (۲۹) فتاویٰ عبدالحی، مفتی عبدالحی فرنگی محل لکھنوی، (۳۰) فتاویٰ نظامیہ مرتب مفتی محمد رکن الدین تلمیذ بانئ جامعہ نظامیہ حیدرآباد، (۳۱) کفایت المفتی، مولانا مفتی کفایت اللہ۔

****

افتاء کا موضوع اپنے دامن میں کئی پہلو رکھتا ہے۔ ایک پہلو یہ ہے کہ صاحب افتاء میں شریعت اور اسکے اسرار وحکم اور مقاصد کا علم نہایت ضروری ہے اور اسی کے ساتھ زمانے کے تقاضوں اور لوگوں کی ضرورتوں و مصلحتوں اور ان کے احوال وکوائف کا علم بھی نہایت ضروری ہے جن کے بغیر افتاء کے میدان میں صحیح سمت قدم اٹھایا نہیں جاسکتا۔ اسی لئے حضرات علماء اور فقہاء نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ علم کے بغیر فتویٰ

دینا جائز نہیں ہے۔

اہل سنت و جماعت کے تیسرے امام حضرت شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں دین میں کسی شخص کے لئے اس وقت تک فتویٰ دینا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ کتاب اللہ اوراسکی مکی و مدنی آیتوں وسورتوں کے معانی ومطالب، ناسخ ومنسوخ، محکم ومتشابہ، تاویل وتنزیل کا اچھی طرح سے علم نہ رکھتا ہو۔ اسکے علاوہ صاحب افتاء کے لئے لغت اور شعر کا علم ہونا بھی نہایت ضروری ہے تا کہ وہ براہ راست کتاب وسنت کو سمجھ سکے، اور وہ مختلف علاقوں کے علماء اور فقہاء کے اقوال اوران کے اختلافات سے آگاہ رہے، اوراسکے اندر علوم سے طبعی مناسبت اور ملکہ ہونا بھی ضروری ہے، اگراسکے اندر یہ چیزیں موجود ہیں تو وہ فتویٰ دینے کا مجاز اور مستحق ہے ورنہ اسے فتویٰ نہیں دینا چاہئے۔

علم وفضل میں مہارت وبصیرت کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی مطلوب ہیں جن کی تفصیل فتاویٰ محمودیہ میں شرح المھذب علامہ نووی کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ فتویٰ دینے والا صاحب عقل وفہم ہو، بالغ ومکلّف ہو، بےنفس ہو، تندمزاج وبے مروت نہ ہو، قلب سلیم، ذہن سلیم اور فکر سلیم کا مالک ہو، مسائل میں غور وخوض کی صلاحیت رکھتا ہو، اور جن مسائل میں نص نہیں ہے۔ ان میں قیاس، استنباط اور استخراج کی صلاحیت رکھتا ہو، امانت دار ودیانت دار ہو۔

علم، افتاء کے لئے جزلاینفک ہے، اسکے بغیر فتویٰ دینا گناہ ہے، ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ جو شخص علم کے بغیر کسی آدمی کو فتویٰ دے گا تو اس آدمی کا گناہ صاحب افتاء یعنی مفتی کے سر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس میں فتویٰ پر عمل کرنے والے آدمی کا کوئی قصور نہیں ہے اسی لئے گناہ کی نسبت بے علم مفتی کی جانب کی گئی ہے۔ من افتی بغیر علم

كان ائمه علي من افتاء۔

دوسری حدیث میں ایسے شخص کو فرشتوں کی لعنت کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ یہی وہ تاکیدیں اور وعیدیں تھیں جن کی وجہ سے جلیل القدر علماء وفقہاء جہاں تک ہو سکے فتویٰ دینے سے احتراز اور احتیاط کرتے تھے، اور اسی وقت فتویٰ دیتے تھے جب انہیں پوچھے گئے مسئلہ کا علم پوری طرح سے ہوتا، ورنہ صاف لفظوں میں کہہ دیتے تھے کہ معلوم نہیں، لا ادری۔

امام شعبی ایک صاحب علم وفضل شخصیت کے مالک تھے، افتاء کے معاملہ میں ان کی روش یہ تھی کہ جب ان سے کسی واقعہ اور مسئلہ میں فتویٰ طلب کیا جاتا تو آپ بہترین اور مدلل طریقہ سے جواب دیتے اور اگر انہیں احساس ہو جاتا کہ میں جواب نہیں دے سکوں گا تو فرماتے مجھے علم نہیں ہے، میں نہیں جانتا ہوں، لا ادری۔

حضرت مالک بن انس جو اہل سنت و جماعت کے ائمہ اربعہ میں سے ایک امام ہیں، آپ کے تعلق سے یہ قول منقول ہے ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں قریباً پچاس سوالات پیش کئے گئے اور درخواست کی گئی کہ آپ جوابات عنایت فرمائیں، آپ نے تیس مسئلوں کا جواب دیا اور باقی مسائل کی وضاحت کرنے سے معذرت پیش کی اور فرمایا میں نہیں جانتا۔

امام اعظم ابو حنیفہ النعمان فرمایا کرتے تھے، مجھے علم کے ضائع ہونے کا خوف نہیں ہوتا تو میں ہرگز فتویٰ نہیں دیتا۔

ایسے ہزاروں علماء اور فقہاء ہیں جنھوں نے علم کے بغیر فتویٰ دینے سے احتراز کیا اور علانیہ اپنی لاعلمی کا اظہار اور اعتراف کیا ہے موجودہ زمانے میں شاید ہی ایسی

مثالیں مل سکیں۔

****

افتاء کا ایک پہلو یہ ہے کہ استفتاء کے جواب میں عجلت اور جلد بازی نہ کی جائے، سائل کے مقصد سوال اور سوال کے مضمرات اور جواب کے نتائج پر کافی غور وخوص کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو سکے توقف واحتیاط سے کام لیا جائے۔ یہی فقہائے سلف کی روش رہی ہے۔ اورانہوں نے یہ موقف اس حدیث کی بناء پر اختیار کیا تم میں سے جو شخص فتویٰ دینے میں عجلت اور جرأت کر رہا ہے وہ تیزی کے ساتھ دوزخ کی جانب بڑھ رہا ہے۔ اجرئو کم علی الفتیا اجرئو کم علی النار (دارمی)

فتاویٰ محمودیہ میں حضرت سفیان بن عینیہ اور حضرت سمنون کا ایک قول نقل کیا گیا ہے أجسر الناس علی الفتیا أقلھم علماً ۔لوگوں کے اندر کم علم آدمی ہی فتویٰ دینے میں سب سے زیادہ جسارت اور جرأت کا مظاہرہ وہی کرتا ہے۔

محتاط علماء جو صاحب بصیرت بھی ہوں تو وہ حضرات کرام اپنی فہم وفراست کی مدد سے سائل کے قلب میں موجود تخریبی مقاصد تک پہنچ جاتے ہیں اور فتویٰ صادر نہیں کرتے تاکہ فتنہ وفساد کی آگ بھڑک نہ اٹھے، حضرت قطب ویلور نے اپنے ایک فارسی مکتوب میں لکھا ہے کہ آپ کے جدامجد حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقیؔ ویلوری علیہ الرحمہ کے پاس رات کے وقت ایک شخص آپہنچا، آپ کی مجلس میں بہت سارے لوگ بیٹھے ہوے تھے، اس نے آپ کی خدمت میں ایک کاغذ پیش کیا اور عرض کیا کہ براہ کرم آپ یہ فتویٰ دیجئے، حضرت نے استفتاء کو غور سے پڑھا، پھر وہ کاغذ شمع کے اوپر رکھ دیا جس سے وہ جل گیا، سائل حیرت زدہ رہ گیا اور بڑی ناراضگی اور خفگی کے ساتھ کہہ

اٹھا، یہ آپ نے کیا کیا، استفتاء کا جواب دینے کے بجائے کاغذ ہی کو جلا دیا۔

حضرت ذوقیؔ علیہ الرحمہ نے فرمایا: جواب تو یہی تھا، سائل ناخوش ہو کر مجلس سے چلا گیا، آپ کے مریدین یہ منظر دیکھ رہے تے لیکن کسی نے بھی آپ سے استفتاء کو چراغ کی نذر کرنے کی وجہ پوچھنے کی جرأت نہیں کی۔ کچھ دیر کے بعد خود حضرت ذوقی علیہ الرحمہ نے حاضرین مجلس سے فرمایا، یہ شخص فتنہ پرور اور مفسد ہے اور وہ اس فتویٰ کے ذریعہ ایک فتنہ کھڑا کرنا چاہتا ہے، اسی لئے میں نے اپنے اس عمل سے اس پر واضح کر دیا کہ فتنہ وفساد پھیلانا نہیں، ختم کر دینا چاہئے۔

٥ حضرت ذوقیؔ ایک صاحب ولایت وفراست بزرگ تھے، آپ نے چند اشخاص کے نام فارسی زبان میں رقعات تحریر کیا ہے جن کو فتاویٰ کا نام بھی دیا جاسکتا ہے ایک رقعہ میں حضرات صحابہ کے بارے میں جو محتاط و معتدل اور صحیح موقف ہے اسکی آج کے زمانے میں بڑی سخت ضرورت ہے تا کہ صحابہ کرام سے متعلق نت نئے فتنوں کا سد باب ہو سکے، فرماتے ہیں:

واعظ کو چاہئے کہ حضرات صحابہ کے درمیان ہونے والی آپس کی لڑائیوں اور ان کے اختلافات اور حضرت عثمانؓ کے قتل اور کربلا کے واقعات کو عوام الناس کے سامنے بیان نہ کرے، کیونکہ ان باتوں سے لوگوں کے دلوں میں صحابہ کرام کے بارے میں بغض وعناد پیدا ہوتا ہے اور صحابہ سے بغض ایمان کی سلامتی کے لئے خطرہ ہے۔

****

افتاء کا ایک اہم ترین انتہائی نازک اور دقیق ترین تاریخی پہلو یہ ہے کہ کسی کلمہ گو شخص کو اسکے قول وفعل کے پیش نظر کافر قرار دیں، یہ ایک ایسی سنگلاخ اور خاردار وادی

ہے کہ جس سے گذرتے ہوئے ایک صاحب ایمان مفتی کے قدم بوجھل ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی زبان وقلم سے کسی مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج کرتے ہوئے لرزاں و ترساں رہتا ہے۔اس باب میں سلف صالحین اور اکابر علماء وصوفیہ نے بڑی احتیاط برتی ہے۔جو انتہا کی حد ہے۔ یہاں میں ایک مثال بیان کرنا چاہوں گا۔اگر چہ کہ وہ تفرد اور شاذ کی قبیل سے ہے لیکن اس مثال سے ایک بات یہ واضح ہو جاتی ہے کہ صوفیہ کرام کے دلوں میں اللہ کے بندوں کے ساتھ کس قدر شفقت ومحبت کے جذبات موجزن تھے جسکی نظیر آج موجود نہیں ہے۔

حضرت قطب ویلور نے اپنے ایک فارسی مکتوب میں لکھا ہے، فرعون جس کا کفر نص صریح سے ثابت ہے لیکن اسکے باوجود شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے تاویل سے فرعون کو کافر کہنے سے اجتناب کیا ہے، ملا جلال الدین دوانی نے ابن عربی کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے فرعون جیسے کافر کو بھی کافر کہنا پسند نہیں کیا، یہ ان کی وسعت نظری وقلبی ہے،اور ان کے دل میں اللہ کی مخلوق کے ساتھ جو شفقت ہے، یہ قول اسی کا نتیجہ ہے۔

شیخ ابن عربی کے اس نقطہ نظر سے متعلق عرض یہ ہے کہ کسی شخص کا علانیہ موجب تکفیر قول وعمل سامنے آجانے کے بعد،اور اسکے انکار وکفر کی نیت واضح ہو جانے کے بعد بھی ایسے شخص کو مسلمان قرار دینا، اگر چہ کہ اپنی جگہ صحیح نہیں ہے لیکن یہ نقطہ نظر بھی تو اپنی جگہ صحیح نہیں ہے کہ چھوٹی چھوٹی اختلافی وفروعی بات کو لے کر ایک مسلمان کو کافر قرار دیا جائے جیسا کہ یہ وبا ہمارے ملک میں آج بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہی، طرفہ طرازی تو یہ ہے کہ اصحاب افتاء کسی شخص کو کافر قرار دے دیں،اور کوئی شخص ایسے آدمی کو

کافر نہ کہے تو وہ بھی اہل افتاء کے پاس کافر ہے۔

حضرت قطب ویلور سے ان کے ایک مرید وخلیفہ مولوی مفتی سید حسین الملک عرف پاچھا صاحب مفتی بلہاری کرناٹک نے مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی کی تکفیر سے متعلق فتویٰ طلب کیا تو آپ نے جواب دیا تھا کہ فقیر نے صراط مستقیم کا مطالعہ کیا ہے، وہ مولوی اسمٰعیل صاحب پر سب وشتم کرنے والوں اوران کو کافر کہنے والوں سے متفق نہیں ہے۔

نیز اپنے اسی فارسی مکتوب میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسئلہ میں متعدد وجوہ موجب تکفیر ہوں اور ایک وجہ مانع تکفیر ہوتو مفتی کے لئے لازم ہے کہ وہ ایک مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے، اسی وجہ کو اختیار کرلے جو تکفیر کے لئے مانع ہے، اور اگر قائل کی نیت اسی جانب تھی جو تکفیر کے لئے مانع ہے تو وہ شخص مسلمان ہے اور اگر اسکی نیت اس جانب نہ تھی جو تکفیر کے لئے موجب ہے تو ایسی صورت میں اس شخص کو کلمہ کفر سے رجوع کرنے اور ایمان لانے کا حکم دیا جائے گا۔

امام اعظم ابوحنیفہ النعمان علیہ الرحمہ یزید پلید کو کافر نہ کہنے اور احتیاط پر عمل کرنے کی وجہ سے مطعون نہیں ہیں تو یہ فقیر احتیاط پر عمل کر رہا ہے تو اس پر کیوں طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔

شاید لوگوں کی نظروں سے یہ حقیقت پوشیدہ ہے کہ اپنے مذہب سے لوگوں کو خارج کرنا، اور ایسی باتوں میں مشغول ہوجا، جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے، یہ نادانوں کا کام ہے۔ خدا معلوم بعض مسلمانوں کو زمرۂ اسلام سے لوگوں کو خارج کرنے میں اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلانے میں آخر اس قدر دلچسپی اور انہماک کیوں ہے۔

ہزار کفار کو زمرۂ اسلام میں باقی رکھکر ان لوگوں کو رحمت خداوندی کا مستحق بنا دینا اگر یہ ایک درجہ میں غلطی بھی ہے تو بہ نسبت اس غلطی سے تو بہتر ہے جو کسی مسلمان کو زمرۂ اسلام سے خارج کرتے ہوئے اسکو عذاب خداوندی کا مستحق ٹھہرائے۔

(مکتوبات حضرت قطب ویلور)

علامہ شامی فرماتے ہیں کسی مسلمان کو کافر کہنے میں جلد بازی اور عجلت سے کام نہیں لینا چاہئے۔ علامہ خیر الدین رملی سے یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص سے قاضی نے کہا اقبل الشرع ، حکم شرع مان لے، اس نے جواب میں کہا میں نہیں مانتا، لا اقبل۔

اس پر ایک مفتی نے اس شخص کے کافر ہونے کا فتویٰ دے دیا اور اسکی بیوی کو علحیدہ ہو جانے کا حکم دیا۔ لہٰذا اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ شخص حقیقت میں اپنے قول (لا اقبل میں نہیں مانتا) سے کافر ہو گیا ہے؟

علامہ رملی نے جواب دیا کہ اس شخص کو فوراً کافر نہیں کہیں گے بلکہ اسے توبہ کرنے کا حکم دیا جائے اور تنبیہ اور تاکید کے طور پر سزا دی جائے۔ کیونکہ اسکے قول کی یہ توجیہہ اور تاویل ہو سکتی ہے کہ اسکے کہنے کا مقصد شریعت کا انکار کرنا نہیں تھا، بلکہ اس وقت میں اس قاضی کے فیصلہ کا انکار مقصود تھا۔

مولانا سید علوی شافعی، مصباح الانام کی پانچویں فصل میں تحریر فرماتے ہیں

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے کہ جاہل اور مخطی (مخطی وہ شخص ہے جو نیکی کا ارادہ کرے اور اچانک و بے قصد اس سے خطا سرزد ہو جائے، اور خاطی وہ شخص ہے جو عمداً اور قصداً اپنے ارادے سے خطا کرے) شخص اگر اعمال کفر و شرک کا مرتکب ہو تو اس کو کافر و مشرک نہیں قرار دیا جا سکتا، بلاشبہ وہ خطا اور جہل کی

وجہ سے معذور ہے یہاں تک کہ اسکے سامنے ایسی دلیل و حجت بیان کی جائے جس کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے، وہ دلیل یہ ہے کہ امام وقت یا اسکا نائب جاہل اور مخطی کو بلاکراس طریقہ سے سمجھائے کہ اس جیسے بے علم و نادان لوگوں کو کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

ملا علی قاری مسیح الازہر میں لکھتے ہیں مسئلہ تکفیر میں اس بات کی صراحت بھی ہے کہ کلمۂ کفر کہنے والے شخص کی جانب سے اسکی تاویل قبول کی جائے گی۔ اس قول میں بعض فقہائے کرام کا اختلاف ہے اور یہ تمام بحث اس وقت ہے جب کہ قائل کی زبان سے عمداً کفر کا کلمہ صادر ہوا ہو۔ اور اگر سہو و نسیان سے صادر ہوا ہو تو کوئی بحث ہی نہیں۔ کیونکہ یہ قابل عفو ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو غلطیاں میری امت سے خطا اور نسیان اور جبر و اکراہ کی وجہ سے صادر ہوں گی وہ عفو کے قابل ہیں۔

قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ بے شک جب خاطی (وہ شخص جو اپنے ارادے سے خطا کرے) کی زبان سے کلمۂ کفر صادر ہو تو اس کو خطا ہی سے تعبیر کیا جائے گا اور اس سے کفر لازم نہیں آئے گا۔ اور اس مسئلہ میں سارے فقہائے کرام کا اتفاق ہے۔

''تمیمہ'' میں مرقوم ہے کہ امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان نے فرمایا، کلمۂ کفر، کفر نہیں ہے جب تک کہ اسکے ساتھ اعتقاد موجود نہ ہو۔

حاشیہ سراجیہ، محیط اور ذخیرہ میں مرقوم ہے کہ مسلمان کافر نہیں ہوگا جب تک کہ وہ کفر کا ارادہ نہ کرے، اگر چہ کہ اسکی زبان سے کلمات کفر نکل گئے ہوں۔

حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے تکمیل الایمان میں بڑی عمدہ وضاحت فرمائی ہے لکھتے ہیں ہم اہل قبلہ کو کافر نہیں کہیں گے، اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ

ہیں جو مسلمانوں کے قبلہ کی جانب نماز ادا کرتے ہیں،قرآن اور حدیث پر عمل کرتے ہیں،اور توحید ورسالت محمدیؐ کا اقرار کرتے ہیں تو ان کو کافر نہیں کہنا چاہئے اگر چہ کہ ان کے بعض کلمات سے کفر لازم آرہا ہو لیکن جب تک کہ وہ ان کلمات کفر کو لازم نہ کرلیں۔ یا کلمات کفر کا لزوم ان کے ساتھ خوب اچھی طرح سے ظاہر نہ ہو،تو ان کی تکفیر نہیں کرنی چاہئے۔ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کے حال کی اصلاح اور توجیہہ کرنی چاہئے اور کسی آدمی پر سختی کرنے میں اور کسی مسلمان کو کافر کہنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے،حدیث شریف میں ہے، جو شخص کسی دوسرے شخص کو کافر کہہ دے اور اگر وہ حقیقت میں کافر نہ ہو تو،کافر کہنے والا شخص ہی اس وقت کافر ہو جائے گا۔

حضرت قطب ویلور نے بھی فصل الخطاب میں مختلف فقہاء کی مذکورہ تفصیلات بیان کرنے کے بعد،فرماتے ہیں۔

اہل قبلہ سے مراد امت محمدیؐ کے تر ہتر ۷۳ فرقے ہیں، جن کو امت اجابت کہتے ہیں اور غیر اہل قبلہ سے مراد کفار ہیں جن کو امت دعوت کہتے ہیں۔ اور اہل قبلہ مومن ہیں اور ان کے مومن ہونے پر اجماع ہے،اہل ایمان میں نجات پانے والا فرقہ اہل سنت و جماعت، اعمال فاسدہ کی وجہ سے دوزخ میں داخل کئے جائیں گے۔لیکن کوئی فرقہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیگا جیسا کہ عقائد ملا جلال میں، ملا جلال الدین دوانی نے بیان کیا ہے۔

نیز امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات کی جلد اول کے ۶۶ ویں مکتوب میں لکھتے ہیں کفر کی سزا، دوزخ کا ابدی عذاب ہے۔اگر یہ پوچھا جائے کہ ایک آدمی مسلمان ہونے کے باوجود کفر کے رسوم ادا کرتا ہے۔اور کفار کے مراسم کی تعظیم بجالاتا ہے، اور

علماء اسکے کافر ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں اور اسکو مرتد شمار کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان اس بلاء میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور علماء کے فتاویٰ کے مطابق یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ شخص آخرت میں ابدی عذاب اور دائمی عقوبت میں گرفتار ہے، حالاں کہ صحیح احادیث میں ہے کہ جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی ایمان ہو تو وہ دوزخ سے نکالا جائے گا اور اس کو ابدی عذاب میں گرفتار نہیں کیا جائے گا تو ایسی صورت میں آپ کے نزدیک اس مسئلہ کی تحقیق کیا ہوگی؟

ہم اس استفتاء کا جواب یہی دیں گے کہ اگر کافر محض ہے تو اسکے لئے آخرت میں ابدی عذاب ہے اعاذنا اللّٰہ سبحانه منه اور اگر کوئی شخص مراسم کفر کو ادا کرنے کے باوجود ذرۂ ایمان سے بہرہ ور ہے تو دوزخ میں ڈالا جائے گا لیکن اس ذرۂ ایمان کی برکت کی وجہ سے ابدی عذاب سے نجات پائے گا، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ سے امید ہے کہ اس کو دائمی نجات حاصل ہوگی۔

یہ فقیر ایک مرتبہ ایسے ہی شخص کی عیادت کے لئے گیا، جو سکرات موت میں گرفتار تھا، میں نے اس کے حال کی جانب توجہ کی تو معلوم ہوا کہ اسکا قلب بہت ساری ظلمتوں اور کدورتوں کا شکار ہے، ہر چند کہ میں ان ظلمتوں کو دور کرنے کی جانب متوجہ ہوا، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوسکا، بہت توجہ اور مراقبہ کے بعد میرے قلب پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ یہ ظلمتیں جو اس کے قلب پر چھائی ہوئی ہیں، کفر کی صفات سے پیدا ہوئی ہیں، اور ان ظلمتوں اور کدورتوں کے پیدا ہونے کا سبب مسلسل، مراسم کفر و شرک کا ادا کرنا ہے اور اہل کفر کے ساتھ کثرت میل جول اور اختلاط کا نتیجہ ہے اور ان ظلمتوں اور کدورتوں کا تنقیہ وطہارت اور پاکیزگی وصفائی کا معاملہ، عذاب دوزخ کے ساتھ مربوط ہے جو کہ کفر

کی سزا ہے، تو ایسی صورت میں توجہات وتصرفات سے یہ ظلمتیں دور نہیں ہوسکتیں۔

نیز اسکے دل میں ایمان کی ہلکی سی روشنی موجود ہے تو مجھے اطمینان ہوا کہ وہ اسکی برکت سے دوزخ سے نجات پائے گا۔ جب میں نے اسکے اندر اس حالت کا مشاہدہ کیا تو میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ اس شخص کی نماز جنازہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ تھوڑی دیر توجہ اور مراقبہ کے بعد مجھے شرح صدر ہوا کہ اس شخص کی نماز جنازہ پڑھنا چاہئے۔

لہٰذا جو مسلمان ایمان کے باوجود بدقسمتی سے کفار ومشرکین کے رسوم ادا کرتے ہیں اور ان کے ایام کی تعظیم کرتے ہیں، ان کی نماز جنازہ پڑھنا چاہئے اور ان کو مسلمانوں کے قبرستان ہی میں دفن کرنا چاہئے اور انہیں کافروں کے ساتھ ملحق نہیں کرنا چاہئے، جیسا کہ آج کل کیا جارہا ہے اور اس بات متمنی اور امیدوار رہنا چاہئے کہ آخر کار ایسے مسلمان، ایمان کی ہلکی سی روشنی کی برکت سے ابدی عذاب سے محفوظ رہیں گے، ان شاءاللہ۔

حاصل کلام! تکفیر کے مسئلہ میں تشدد وتعصب اور غلو سے بچنے کی سخت ضرورت ہے اور اگر کسی مفتی نے اپنی تحقیق وفہم کے مطابق کسی شخص کو کافر قرار دے دیا ہے تو دوسروں پر واجب نہیں ہے کہ وہ بھی اسی تحقیق کی بنیاد پر اس شخص کو کافر قرار دیں۔ کسی کا فتویٰ نص صریح کا درجہ نہیں رکھتا خواہ کسے باشد، ویسے بھی احتمالات و تاویلات اور محتمل الفاظ ومعانی کے باعث فتویٰ میں تغیر وتبدیلی ایک ناگزیر صورت ہوا کرتی ہے اور اگر کافر قرار دیا گیا ہوا شخص کے ارادہ سے کفر کی صراحت ہورہی ہو تو ایسی صورت میں اس شخص کو کافر قرار دینا چنداں غلط بات ہوگی، اس پہلو کی تائید فقہاء

سے ہورہی ہے۔اذا صرح بالارادة فوجب الكفر۔لیکن یہ بات زندہ شخص ہی کے ساتھ ممکن ہے۔وفات یافتہ شخص کے ارادہ سے واقف ہونا تو ایک ناممکن بات ہے لہٰذا شخص متوفی کے ساتھ حسن ظن اور توبہ ورجوع کے احتمال کی بنیاد پر کافر کہنے سے سکوت کو ترجیح دینا چاہئے اور وہ شخص کافر ہے یا مومن ہے، آخرت میں جو بھی حقیقت ہے نمایاں ہوکر رہے گی اس کے تعلق سے آخرت میں دوسروں کو پوچھا نہیں جائیگا، لہٰذا سکوت ہی میں امن وسلامتی اور عافیت ہے اور فتنہ وانتشار سے تحفظ ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

****

اس مقام پر ایک مسئلہ کی وضاحت شاید یہ بے محل نہ ہوگی، اور وہ یہ ہے کہ کسی کلمہ گو کو کافر کہنا جس قدر قبیح اور مذموم ہے اسی قدر کسی کلمہ گو کو بدعتی کہنا بھی قبیح اور مذموم ہے، لفظ بدعتی کے ساتھ ایک خاص تصور اور ایک مخصوص فکر وابستہ ہے۔شریعت مطہرہ میں بدعتی شخص کے لئے مخصوص احکام ہیں، اس لفظ کا اطلاق اہل قبلہ پر نہیں ہوتا، بلکہ بہتر ۷۲ فرقوں پر ہوتا ہے۔سنت و جماعت کے بعض لوگ ناجائز یا ممنوع کاموں کے ارتکاب کریں تو ان کو بدعتی کے نام سے یاد کرنا اور پکارنا دین میں تشدد وتعصب اور غلوو فتنہ ہے۔موجودہ زمانے میں ہمارے معاشرہ میں لوگ کافر اور بدعتی کے شرعی مفہوم اور احکام کو سمجھے بغیر ایک دوسرے کو کافر اور بدعتی کہنے لگتے ہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ آج کفر اور بدعت کے مسائل، مصالح ہیں اور جب مسائل مصالح بن جاتے ہیں تو طرفین خیر وخوبی، صلاح وفلاح اور اخلاص وللّٰہیت سے دور ہوجاتے ہیں اور ہر دو جانب سے چھوٹی چھوٹی اور غیر ضروری باتوں میں ردوکد، مجادلہ ومباحثہ اور جدال کا مظاہرہ ہونے لگتا ہے نبی کریم ﷺ کی یہ تین حدیثیں نصیحت آموز اور عبرت خیز پیغام سنارہی ہیں۔

(۱) جو شخص بات چیت کے دوران خواہ مخواہ مخالفت کرنے اور لڑنے جھگڑنے سے خود کو محفوظ رکھے اور باطل گوئی سے کام نہ لے تو اس کو جنت میں گھر عطا کیا جائے گا، اور اگر بات چیت حق ہی تھی، پھر بھی کچھ نہ کہا تو جنت کے اعلیٰ درجہ میں گھر عطا کیا جائیگا۔

ثواب کی یہ زیادتی اس لئے ہے کہ جھوٹ اور محال پر صبر وضبط کرنا بہت دشوار ہے۔

(۲) لوگوں کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ لڑنے جھگڑنے اور مخالفت سے کنارہ کش نہ ہو جائیں اگر چہ کہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہوں۔

(۳) کوئی امت اس وقت تک گمراہی میں مبتلا نہیں ہوئی جب تک کہ اسکے اوپر مذہبی امور میں جنگ وجدال کا غلبہ نہیں ہوا۔ (فصل الخطاب)

یہی وہ امور اور پہلو تھے جن کی وجہ سے متقی علماء اور فقہاء نے فقہی مذاہب میں جنگ وجدال اور بات چیت میں ردوکد کرنے کو ناجائز قرار دیا، تاکہ فتنے ابل نہ پڑیں، غرض اہل سنت و جماعت کو بدعتی کہنے کی ممانعت سے متعلق حضرت قطب ویلور کی یہ بصیرت افروز تحریر پڑھ لی جائے جس سے ہر کسی کو شرح صدر حاصل ہوگا، ان شاءاللہ۔

اہل سنت و جماعت کی جانب بدعت کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے اور اس طائفہ کو بدعت کے ارتکاب کی وجہ سے مبتدع، اور اہل ہوا نہیں کہنا چاہئے، کیونکہ ان الفاظ کا اطلاق روافض، خوارج، جبریہ، قدریہ، ظاہریہ، باطنیہ اور باقی بہتر ۷۲ بدعتی فرقوں پر ہوتا ہے جو بدعت کا عقیدہ رکھتے ہیں جیسا کہ عقائد کی کتابوں میں مرقوم ہے۔

مولانا شاہ اسماعیل دہلوی، ''مقدمہ ایضاح الحق'' کی تیسری فصل میں سنّی کو بدعتی اور کافر کہنے کی ممانعت میں لکھتے ہیں کہ ہر چند کہ شریعت مطہرہ میں بہت سے اعمال

،اقوال اور اخلاق کو کفر و نفاق کا ایک حصہ بتلایا گیا ہے لیکن کافر اور منافق کا لفظ بولنے سے فوری طور پر ذہن ایک ایسے مخصوص آدمی کی جانب مائل اور منتقل ہو جاتا ہے جو کفر اور نفاق کا عقیدہ رکھتا ہے، بالکل اسی طرح سے یہ بات بھی جاننا چاہئے کہ ہزاروں امور، بدعات کی قسم سے ہیں جن کا کچھ حصہ بطور نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن کسی خاص شخص کو بدعتی کہنے سے فوری طور پر یہی بات ذہن میں آتی ہے کہ یہ شخص بدعت کا عقیدہ رکھتا ہے۔

لہٰذا کسی شخص کو بدعت حکمیہ کی ساری اقسام، اور بدعت حقیقیہ کی بقیہ اقسام کا مرتکب ہونے کی وجہ سے بدعتی نہیں کہنا چاہئے، اسی لئے بعض وہ اعمال، اقوال اور اخلاق جو کفر و نفاق سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی وضاحت سے فقیر کا مقصد یہی تھا کہ لوگ ان افعال اور اخلاق سے پرہیز کریں نہ کہ کفار اور منافقین کے احکامات (مثلاً قتل کرنا، لوٹ لینا، قید کرنا، غلام بنا لینا، جزیہ عائد کرنا، ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنا، ان کی قبروں کی زیارت نہ کرنا، اور ان کے مُردوں کے حق میں استغفار نہ کرنا) کو بدعات حکمیہ اور بدعات حقیقیہ کے مرتکب لوگوں پر جاری اور نافذ کریں۔

اور اسی طرح اقسام بدعت کی تشریح سے بھی فقیر کا مقصد یہی تھا کہ لوگ مذکورہ تمام اقسام سے پرہیز کریں اور سنت خالصہ کو اختیار کریں نہ کہ حدیث نبویؐ میں اہل بدعت کے بارے میں آئے ہوئے احکامات (مثلاً ان کے اعمال کا ضائع ہونا، ان کی تعظیم و تکریم کو ممنوع کہنا، ان کی عیادت و مزاج پرسی سے اجتناب کرنا، ان کے ساتھ میل جول اور صحبت سے احتراز کرنا، ان سے سلام اور کلام میں پہل نہ کرنا) کو بدعت حکمیہ اور بدعت حقیقیہ کے مرتکب لوگوں پر جاری اور نافذ کریں۔ (فصل الخطاب)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عرف و عادات بھی فتویٰ کا ایک اہم ترین پہلو ہے جس کا پاس و لحاظ رکھنا اصحاب افتاء کے لئے نہایت ضروری ہوتا ہے، ہر شہر کے باشندوں کی عادتیں دوسرے شہر کے باشندوں کی عادتوں سے مختلف ہوتی ہیں، اور شہروں کا عرف بھی ایک دوسرے سے جداگانہ ہوتا ہے، عرف وعادات کی جان کاری کے بغیر بعض مسائل اور واقعات میں شرعی حکم بیان کرنا ایک مشکل امر ہے۔

عرف کا معنی ہے معلوم اور متعارف، معروف عرف کا اسم مفعول ہے اور اسکا معنی ہے شناسا عمل اور جانا پہچانا کام جس کو لوگ اچھی نظروں سے دیکھتے ہوں جیسے نیک کام، نیک عمل۔

عرف کی ضد نکر ہے جس کا معنی ہے، نامعلوم اور غیر متعارف، منکر نکر سے اسم مفعول ہے اور منکر کا معنی غیر شناسا عمل، ایسا فعل جس کو لوگ اچھی نظروں سے نہ دیکھتے ہوں، جیسے برا کام، برا عمل۔

عرف وہ جانا پہچانا اور پسندیدہ، معروف عمل ہے جو نفع بخش اور سودمند ہو، خواہ اسکا تعلق اخلاق سے ہو، یا اعمال سے ہو، یا عادات سے ہو، غرض عرف ایک ایسا طریقہ ہے اور ایک ایسا عمل ہے جس کے لوگ عادی ہو چکے ہوں، العرف مااعتاده الناس۔

عادت، معاودت سے ماخوذ ہے اور عادت اس فعل اور کام کو کہتے ہیں جو بار بار کئے جانے کی وجہ سے لوگوں کے نفوس اور طبیعتوں میں جاگزیں ہو جائے اور اسکی جمع عادات ہے۔

عرف کا لفظ سورہ اعراف میں ہے وامر بالعرف، عرف معروف کے معنی

میں ہے، یعنی نیک کام کا حکم دیں۔

عرف وعادات اور رسم ورواج ہر سماج کا اہم حصہ ہوتے ہیں اور ان کا ایک تاریخی تسلسل ہے جو زمانۂ قدیم سے لے کر آج تک بھی قائم ہے۔ اسلام کا ظہور عرب کے مشہور اور قدیم ترین شہر مکہ مکرمہ میں ہوا، پھر وہ دنیا کی مختلف قوموں اور ملکوں میں پھیلتا چلا گیا، اسلام نے مکمل اور عمومی طور پر عرف وعادات اور رسوم ورواج کی جانب سے بے اعتنائی اور عدم التفات کا رویہ اختیار نہیں کیا بلکہ عرب معاشرہ میں اسلام سے پہلے جو رسوم اور عادات پھیلے ہوئے تھے اور جن کے اندر کسی طرح کی خوبی و بہتری اور استحسان کا پہلو تھا اور اہل عرب جن کی پابندی سختی سے کرتے تھے، اسلام نے بھی عربوں کے عرف وعادات کو باقی رکھا، جیسے ختنہ کرنا، نومولود کا عقیقہ کرنا، مہمانوں کی خاطر ومدارات اور احترام کرنا، عربی لباس، رہن سہن، وضع قطع، مردوں کو غسل دینا اور کپڑے میں لپیٹ کر دفن کرنا وغیرہ۔

البتہ اسلام نے ایسے رسوم وعادات کو ختم کر دیا جن کے اندر کفر وشرک، کثافت وگندگی، غیر فطری وغیر شائستگی اور ظلم وجور کا عنصر پایا جاتا تھا، جیسے بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنا، بتوں کے نام جانور ذبح کرنا، کاہنوں اور نجومیوں کی خبروں پر اعتماد کرنا، عورتوں اور بچوں کو وراثت سے محروم کرنا، بیواؤں کا نکاح نہ کرنا وغیرہ۔

غرض جو عادتیں اور طریقے عقل صحیح اور فطرت سلیم کے موافق تھے اور جو معاشرہ کے حق میں فائدہ مند تھے، اسلام نے ان کو قبولیت کے درجہ میں رکھا اور جو عادتیں اور طریقے فطرت سلیم اور عقل سلیم کے مخالف تھے اور معاشرہ کے حق میں نقصان دہ تھے، ان کو رد کر دیا یا ان کے اندر اصطلاح وترمیم کی۔

اصلاح وترمیم کی ایک مثال یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب عمامہ باندھتے تھے لیکن وہ عمامہ ٹوپی کے بغیر باندھتے تھے، نبی کریم ﷺ بھی عمامہ باندھتے تھے لیکن آپ ٹوپی کے اوپر عمامہ باندھتے تھے اور حضرات صحابہ کی بھی یہی عادت تھی۔

نبی کریم ﷺ کی اصلاح وترمیم سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مشترک عادات میں ایک خط امتیاز کھینچ لینا چاہئے تاکہ مؤمنانہ شناخت نمایاں ہوسکے۔

عرف وعادات کوئی جامد چیزیں نہیں ہیں، ان کے اندر ہمیشہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور یہ تبدیلی کبھی تمدنی ہوتی ہے کیونکہ شہروں اور ملکوں کا تمدن اور تہذیب بدلتی رہتی ہے، تہذیبوں کا ایک دوسرے سے متاثر ہونا، اور ایک دوسرے پر غالب اور مغلوب ہونا یہ تو زندگی کا ایک لازمی جز ہے اور زندگی ہمیشہ ایک سمت چلتی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں عرف میں تبدیلی اور عادات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اسی لئے زمانے کی تبدیلی سے جزوی اور فروعی احکام میں تبدیلی ہوجاتی ہے اور یہ فقہ اور فتوی کا مشہور اور مسلم ضابطہ ہے تتغیر الاحکام تغیر الزمان۔

شریعت مطہرہ میں عرف کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور اسکو دلائل شرعیہ (کتاب سنت، اجماع، قیاس) میں پانچویں اصل اور بنیاد ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ اعتبار العرف ترجع الیہ فی الفقہ حتی جعلوہ اصلاً خاساً والمراد بالعرف عرف المؤ منین مالم یخالف قواعد الشرع، فان خالف فلا اعتدادبہ اصلا ۔

عرف سے اہل ایمان کا عرف مراد ہے۔ اور اہل ایمان سے علماء، فقہاء اور

صلحاء کا عرف مراد ہے، اور وہی عرف معتبر ہے جو شریعت کے قواعد کے موافق ہو، اور جو عرف شرع شریف کے قواعد کے خلاف ہو تو وہ ہرگز معتبر نہیں ہے۔

عرف وعادات میں ایک پہلو اشتراک اور مماثلت کا بھی ہے یعنی کوئی عمل اور کام ایسا ہے جو مسلمانوں اور غیر مسلموں میں رائج ہو اور کوئی عادت ایسی ہے جو اہل ایمان اور اہل کفر دونوں کے اندر موجود ہو، جیسے ہمارے ملک ہندوستان میں پھولوں کا ہار پہننا، ٹوپی پہننا، عمامہ باندھنا، داڑھی رکھنا، لنگی یا پائجامہ پہننا وغیرہ، یہ تمام چیزیں ہندوستانیوں کی مشترک عادات ہیں۔

اسی طرح ہندوستانی مسلمانوں میں عیدین، جمعہ اور فجر کی نماز کے بعد لوگوں کا آپس میں مصافحہ کرنا، بعض اہل علم نے اس عمل کو بدعت کہا ہے لیکن یہ بدعت نہیں، عادت ہے۔ مصافحہ تو مطلق مسنون ہے، وقت کی قید سے بدعت ہے جو حسنہ ہے، اور یہ عادت ایسی ہے جو شرع شریف سے مخالف اور متصادم نہیں ہے۔

اسی طرح ہمارے ملک میں مشائخ کرام اور اولیائے عظام کی وفات کے ایام میں عرس مناتے ہیں، اس عمل کو بھی بعض اہل علم نے بدعت کہا ہے لیکن یہ بھی بدعت نہیں، عادت ہے۔

مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی کتاب ''ماثبت بالسنة فی الایام والسنة'' میں ماہ ربیع الثانی کے بیان میں فرماتے ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ہمارے شہروں میں یہ جو عرف عام ہے کہ مشائخ کرام کی وفات کے ایام میں عرس مناتے ہیں، اسکی کوئی شرعی بنیاد ہے؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ میں نے اپنے استاد شیخ امام عبدالوہاب المتقی المالکی سے اسکے متعلق استفسار کیا تو

انہوں نے جواب دیا۔

یہ چیز مشائخ کرام کے طریقوں اوران کے عرف وعادات سے تعلق رکھتی ہے اوراس میں ان کی نیتیں حاصل ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ تمام دنوں کو چھوڑ کر وفات کے دن کی تخصیص کیوں کر صحیح ہوسکتی ہے؟ اس پر فرمانے لگے کہ ضیافت تو مطلق طور پر بغیر کسی قیداور تخصیص کے مسنون ہے، لہٰذا یوم کی تخصیص سے قطع نظر کیجئے، اسکے لئے تو اور بھی مثالیں ہیں جیسے نمازوں کے بعد بعض مشائخ کرام کا مصافحہ کرنا، بے شک مصافحہ کرنا سنت ہے لیکن تخصیص کی وجہ سے بدعت حسنہ ہے۔

پھر شیخ نے اپنے سر کو جھکائے رکھا، اور سر اٹھاتے ہوئے فرمایا، یہ چیزیں سلف (صحابہ، تابعین، اتباع تابعین، ائمہ اربعہ) کے زمانے میں نہیں تھیں بلکہ یہ متاخرین کے مستحسنات ہیں۔

اس جگہ ہندوستانی مسلمانوں کی ایک عادت جو پھولوں کا ہار پہننے س متعلق ہے، اسکی تھوڑی سی وضاحت مفید ہوگی۔ اس مسئلہ میں بعض لوگوں کے درمیان جوافراط وتفریط اور تشدد وتعصب پایا جاتا ہے وہ انتہائی تعجب خیز ہے۔ ایک طرف کا عالم یہ ہے کہ بعض لوگ نکاح کی مجلس میں نوشاہ کو پھولوں کا ہار پہننے سے سختی کے ساتھ منع کرتے ہیں اور اسکو بدعت کہتے ہیں اور بعض تو اور آگے بڑھ کر ہار اتارنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگران کی بات سنی نہیں گئی تو مجلس ہی سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ اور دوسرے طرف کا عالم یہ ہے کہ پھولوں کے بغیر نکاح ہی نہیں۔ اور نوشاہ سر سے لے کر پیر تک پھولوں سے ڈھکا رہنا چاہئے، اس سے بھی بُرا حال دلہن کا رہتا ہے جو پھولوں سے لدی رہتی ہے، فضول خرچی اور اسراف کا یہ عالم کہ پھولوں کا رہنا ہر حال میں ضروری ہے، خواہ پھولوں

کی قیمت آسمان سے بات کرے۔

آج سے ایک سو پچیس سال پہلے حضرت مولانا سید شاہ محمد قادری ویلوری علیہ الرحمہ نے ایک فتویٰ صادر کیا تھا جو ۱۳۱۳ھ میں مطبع مدرسۂ محمدی مدراس سے شائع ہوا ہے۔ مفتی موصوف فرماتے ہیں:

نکاح کی مجلس ہو یا اور کوئی خوشی کی تقریب ہو، پھولوں کا ہار گلے میں ڈالنا جائز ہے۔ پھول کا تعلق خوشبو اور زینت سے ہے۔ خوشبو نبی کریم ﷺ کی پسندیدہ چیز ہے۔ پھولوں کا ہار پہننا، کفار کے ساتھ مشابہت ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس سے کفار کے ساتھ مشابہت ثابت نہیں ہوتی۔ مشابہت بد، وہی ہے جو مذموم چیز میں ہو، اور تشبہ کی نیت ہو، اور مذموم چیز کفار کا شعار ہے۔ اور شعار، قوم کی علامت خاص کو کہتے ہیں جو لباس وغیرہ میں ہوتی ہے۔ قوموں کی مشترک عادات کو شعار نہیں کہا جائے گا۔ جیسے ایک شہر کے باشندوں میں بہت سی عادتیں باہم مشترک ہوتی ہیں۔ خواہ ان عادات کا تعلق کھانے پینے سے ہو، یا مکانات اور لباس سے ہو۔

پھولوں کا ہار پہننا یہ کفار کا شعار نہیں ہے بلکہ عام ہندوستانیوں کی مشترک عادتوں سے ہے۔ یہاں کے مسلمان، ہندو اور دیگر قومیں شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات میں پھولوں کا استعمال کرتے ہیں۔

ولو بالفرض ہار پہننے کی رسم مسلمانوں نے کافروں سے اخذ بھی کی تو ایسی صورت میں بھی یہ خلاف شرع فعل نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو ہندوستانی مسلمانوں نے اباحت اصلی کے اعتبار سے قبول اور استعمال کیا ہے۔ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔ ہر چیز اپنے اصل کے اعتبار سے مباح اور جائز ہوتی ہے۔ اور جب پھولوں کا استعمال مسلمانوں میں

پھیل گیا تو اب کفار کا شعار باقی نہیں رہا، اور اس میں تشبہ کا قصد بھی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ہار ہندوستانیوں کی عادت سے تعلق رکھنے کے باوجود کوئی بھی مسلمان اس سے حالت نکاح شرعی میں کفار سے تشبہ اور مشابہت کا قصد نہیں کرسکتا ہے لہٰذا پھولوں کا ہار پہننا منکرات اور غیر شرعی کاموں میں سے نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فقہ اور فتویٰ سے منسلک ایک اہم ترین پہلو عموم بلویٰ کا بھی ہے جو تاریخ کے ہر دور اور ہر ملک کے سماج و معاشرہ میں پیش آتا رہا ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں عموم بلویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ المکروهات اذا صارت ضرورية وعملت بها الخواص والعوام يسمى العموم بالبلوىٰ، مکروہات، ضرورات کا روپ اختیار کرلیں اور خواص عوام سبھی لوگ ان پر عمل پیرا ہوجائیں، معاشرہ میں کسی ممنوع فعل کا اس قدر عام ہوجانا اور اس قدر پھیل جانا کہ لوگوں کا اس سے بچے رہنا دشوار اور مشکل ہوجائے، علماء نے اس کی ایک مثال یہ دی ہے کہ سڑکوں پر بارش یا اور کسی وجہ سے نجاست پھیل جاتی ہے تو راہ گیر پوری پوری احتیاط سے چلنے کے باوجود اسکے کپڑوں پر نجاست لگ جاتی ہے۔ اگر ازالہ کے باوجود تھوڑی سی نجاست رہ جاتی ہے تو وہ عفو ہے، کیونکہ ایسی چیزوں سے آدمی کا بچنا مشکل ہوجاتا ہے اس لئے طہارت و نجاست کے باب میں عفو اور رخصت دی گئی ہے۔

عفو و رحمت کے حکم سے یہ مفہوم اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ اگر کسی سماج میں خلافِ شرع چیزیں عام ہورہی ہیں اور لوگ ان سے بچ نہیں رہے ہیں اور یہ ابتلاء عام ہے لہٰذا عموم بلویٰ کے تحت رخصت دے دی جائے۔ مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری نے عموم

بلویٰ سے متعلق یہ وضاحت کی ہے۔امت کو گناہ سے بچانے کے لئے بھی حکم میں تخفیف کا اصول حضرات فقہاء کے نزدیک مسلم ہے، اسی کو علت عموم بلویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے، عموم بلویٰ ضرورت بمعنی اضطرار میں داخل نہیں، بلکہ ضرورت بمعنی حاجت میں اس کا شمار ہے۔ لہٰذا عموم بلویٰ سے صرف ظنی اور اجتہادی حرمتوں کے احکامات میں تسہیل ہوتی ہے۔ حرمت قطعی کے ارتفاع میں عموم بلویٰ موثر نہیں ہے۔ اور اسکی تائید اس ارشاد نبویؐ سے ہوتی ہے کہ آخر زمانہ میں سود اس قدر شیوع (پھیل) جائے گا کہ ہر آدمی کم از کم اس کے غبار سے تو متاثر ضرور ہوگا۔

اس ارشاد کے باوجود سود کی حرمت بدستور برقرار رہی، اگر عموم بلویٰ کا لحاظ نصوص قطعیہ میں کیا جاتا تو اس شیوع کی بنا پر سود کی کھلی اجازت دے دی جاتی، مگر امت اس پر متفق ہے کہ سودی معاملات میں کثرت کی بنا پر سود کی قطعی حرمت کو مرتفع نہیں کیا جا سکتا، معلوم ہوا کہ عموم بلویٰ، نصوص قطعیہ پر اثر انداز کسی درجہ میں بھی نہیں ہے۔ (فتویٰ نویسی کی رہنما اصول)

عموم بلویٰ کی ایک عام تعریف یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایسی مصیبت جس میں سبھی گرفتار ہوں، اسکی ایک مثال ہمارے ہندوستانی معاشرہ سے دی جا سکتی ہے۔ وہ ہے مشرکوں کی نجاست کا مسئلہ، اگر کفار مشرکین کو نجس قرار دیتے ہوئے ان کے کھانے اور پانی کے استعمال کو حرام قرار دیا جائے تو یہاں کے مسلمان سرزمین ہند پر کیونکر زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ جب کہ ہمارا سماج، ایک مخلوط سماج ہے جس میں مختلف قومیں بسی ہوتی ہیں مسلمانوں کا ان کے ساتھ ملنا جلنا، چلنا پھرنا، رہنا سہنا، اٹھنا بیٹھنا، اور کھنا پینا وغیرہ یہ ایسی عام صورتیں اور حالتیں ہیں جن سے کنارہ کشی اور علیحدگی ناممکن ہے اس صورت

حال کے پیش نظر کفار و مشرکین کی نجاست کے مسئلہ کو عموم بلویٰ کے نقطہ نظر ہی سے دیکھنا ہوگا۔ اس موضوع پر حضرت قطب ویلور نے اپنی فارسی تصنیف فصل الخطاب میں ذیلی گفتگو کی ہے۔

یہ بات جان لینی چاہئے کہ اللہ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: انما المشرکون نجس، مشرکین نجس ہیں اس آیت کی تفسیر میں صاحب تفسیر حسینی فرماتے ہیں۔

بجز اسکے اور کیا وجہ ہوسکتی ہے کہ مشرکین، باطن کی خباثت اور عقیدہ کی گندگی کی وجہ سے نجس ہیں، یا اس وجہ سے کہ یہ لوگ نجاستوں سے پرہیز نہیں کرتے ہیں یا جنابت کا غسل نہیں کرتے ہیں۔

امام ربانی مکتوبات کی تیسری جلد کے ۲۲ ویں مکتوب میں ملا مقصود علی تبریزی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ صاحب تفسیر حسینی انما المشرکون نجس کی تفسیر، ائمہ احناف کے مسلک کے مطابق کرتے ہیں، اور مشرکین کے نجس ہونے کا سبب، ان کے باطن کی خباثت اور اعتقاد کی گندگی کو قرار دیتے ہیں۔

اس وضاحت کے بعد جو بات وہ فرماتے ہیں، وہ یہ ہے کہ مشرکین، نجاستوں سے اجتناب نہیں کرتے، اگر مشرکین کے نجس ہونے کی صرف یہی ایک علت ہے تو یہ چیز آج اکثر مسلمانوں میں بھی موجود ہے۔ اس حیثیت سے مسلم عوام اور کفار و مشرکین کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر نجاسات سے اجتناب نہ کرنا ہی، آدمی کے نجس ہونے کا سبب ہے تو پھر معاملہ تنگ ہوجائے گا اور اسلام میں تنگی و سختی اور حرج نہیں ہے لا حرج فی الاسلام ۔

حاصل کلام مشرکین کیوں کر نجس عین ہوسکتے ہیں جب کہ سرور دین علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے ایک یہودی کے گھر کھانا کھایا، اور طہارت کے لئے ایک مشرک کے برتن کا پانی استعمال فرمایا، اور حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک آتش پرست عورت کے برتن کے پانی سے طہارت حاصل کی۔

اگر مشرکین ظاہری نجاست کے اعتبار سے نجس قرار پاتے اور وہ نجس عین قرار دئے جاتے تو نبی کریم ﷺ جو محبوب رب العالمین ہیں۔ ہرگز ان کے برتنوں کو تک نہیں چھوتے چہ جائے کہ آپ ان کا کھانا کھاتے اور ان کا پانی استعمال فرماتے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ہوسکتا ہے کہ انما المشرکون نجس والی آیت کریمہ متاخر ہو، اور وہ نبی کریم ﷺ کی حدیث اور حضرت عمرؓ کے اثر کے لئے ناسخ ہو، تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس دعویٰ کے لئے واضح ثبوت چاہئے صرف احتمال کافی نہیں۔ بلکہ آیت کے موخر ہونے کو ثابت کیا جائے تاکہ نسخ کے دعویٰ میں صحت پیدا ہوسکے۔

اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ واقعی آیت کریمہ مؤخر ہے تو اس صورت میں بھی تحریم ثابت نہیں ہوگی اور نجاست سے مراد باطن کی خباثت اور گندگی ہوگی، کیونکہ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ کسی بھی پیغمبر نے کوئی ایسا کام انجام نہیں دیا، جو بالآخر اسکی شریعت میں، یا دوسرے پیغمبر کی شریعت میں وہ کام حرام قرار پایا ہو، اگرچہ کہ اس کام کو انجام دینے کے وقت میں وہ کام مباح ہی رہا ہو۔ چنانچہ شراب جو شروع میں مباح تھی اور آخر میں حرام ہوگئی لیکن کسی پیغمبر نے شراب نہیں پی۔

نیز انما المشرکون نجس، والا کلام حسن انتظام، مشرکوں کی حالت کی خبر دے رہا ہے۔

(یعنی اخبار ہے، انشاء نہیں) اور اخبار میں ناسخیت اور منسوخیت کا کوئی کام نہیں

کیونکہ نسخ کسی حکم شرعی کے انشاء میں ہوتا ہے۔اخبار میں نہیں۔

نیز اگر مشرکین، نجس عین ہیں تو ایمان لانے کے بعد بھی وہ نجس عین رہیں گے لہٰذا اسی سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی نجاست، اعتقاد کی وجہ سے ہے جو ایک زائل ہونے والی چیز ہے۔اور اندرونی نجاست، بیرونی نجاست سے برسرپیکار نہیں رہتی چنانچہ یہ بات ایک رذیل شخص اور ایک شریف شخص سے بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ دونوں ظاہر کے اعتبار سے ایک ہی نظر آتے ہیں لیکن باطن کے اعتبار سے دونوں مختلف اور متضاد ہیں۔

پس جاننا چاہئے کہ مشرکین اگر نجس عین ہی ہیں تو وہ ہر وقت نجس ہی ہوں لیکن ایسا نہیں ہے لہٰذا نجاست سے مراد اعتقاد کی گندگی قرار دی جائے تا کہ دلائل میں تعارض اور تصادم نہ ہو اور ان کا جھوٹا کسی بھی وقت میں حرام نہ ہو۔

نجاست کے مسئلہ میں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ نجس عین، ہر وقت نجس عین ہے۔اس میں اباحت سابق اور اباحت لاحق کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔اگر مشرکین نجس عین ہوتے تو آغاز وحی سے ہی نجس عین ہونا چاہئے اور نبی کریم ﷺ آغاز ہی سے ان کے ساتھ ان کی اس حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے معاملہ فرماتے، حالانکہ آپ نے ایسا نہیں کیا، جب آپؐ نے ایسا نہیں کیا ہے تو پھر مشرکین نجس عین بھی نہیں تھے۔

نیز دین کے اندر سختی و تنگی اور حرج کو ختم کر دیا گیا ہے، اور آپ کی ذات گرامی سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مشرکین کے حق میں نجس ہونے کا حکم دینا، اور ان کو نجس عین خیال کرنا مسلمانوں کے اوپر کس قدر سختی اور تنگی پیدا کرنا ہے اور ان کو کس قدر تکلیف و مصیبت میں مبتلا کرنا ہے۔

ائمہ احناف کے ممنون ومشکور رہنا چاہئے کہ انہوں نے اجتہاد و استنباط اور استحسان کے ذریعہ عمومی بلویٰ کے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے لئے خلاصی اور رہائی کا راستہ ہموار کیا اور حرام کے مرتکب ہونے سے بچالیا۔ اوران ائمہ احناف اور بزرگان کرام کے احسان مندرہنا چاہئے، نہ کہ ان پر طعن وتشنیع کی جائے اوران کے فضل وکمال اور ہنر کو عیب ونقص خیال کیا جائے، اور یہ ایک طرح سے علمی احسان ناشناسی ہے۔

مجتھد پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔ اسکی خطاء بھی ایک گونہ اجراور ایک درجہ ثواب کی مستحق ہے اوراسکی تقلیداور پیروی اگرچہ کہ خطاہی کیوں نہ ہو، نجات کا باعث ہے۔

اور جو علمائے کرام ومفتیان عظام کفار اور مشرکین کے کھانے اور پانی کے استعمال کو حرام قرار دیتے ہیں، خود ان حضرات کرام کا اس چیز سے محفوظ رہنا عادت اور صورت حال کے اعتبار سے ناممکن اور محال ہے اور بالخصوص ہندوستان میں تو یہ ابتلاء اور مصیبت بہت زیادہ ہے لہذا ایسا مسئلہ جو عموم بلویٰ کی حیثیت اختیار کر گیا ہو، اسکے اندر مناسب یہی ہے کہ فتویٰ بہت ہی آسان دینا چاہئے، اگرچہ کہ اپنے مسلک کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اور ایسے مسئلہ کے اندر ائمہ اربعہ میں سے جس امام صاحب کا مذہب آسان اور سہل ترین نظر آئے اسی کے مطابق فتویٰ دینا چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات (یرید الله یکم الیسر و لا یرید بکم العسر اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا، یرید الله ان یخفف عنکم اللہ تو چاہتا یہ ہے کہ تم اوپر سے بوجھ کو ہلکا کردے) کی روشنی میں مسلمانوں کو سختی وتنگی اور حرج میں مبتلا کردینا اوران کو رنج وکلفت اور تکلیف ومصیبت میں ڈال دینا حرام ہے اور یہ چیز اللہ کی مرضی کے خلاف ہے۔

بعض مسائل جن میں امام شافعی کا موقف قدرے سخت ہے، ان میں شافعی علماء

،حنفی مذہب کی روشنی میں فتویٰ دیتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے لئے آسانی اور سہولت پیدا کرتے ہیں، مثلاً امام شافعی کے نزدیک زکوٰۃ کے مصارف میں صدقہ کو زکوٰۃ کی تمام اقسام میں تقسیم کرنا چاہیئے جن میں سے ایک قسم تالیف قلوب بھی ہے جو اس دور میں مفقود ہے۔ شافعی علمائے کرام، حنفی مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں، اور ان اصناف میں سے مؤلفۃ القلوب کے بجائے جس صنف کو دیں، کافی اور درست قرار دیتے ہیں۔

یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ بعض اکابرین نے کفار و مشرکین نجس عین کہا ہے، لیکن ان کے اقوال توجیہ اور تاویل کے متقاضی ہیں اور یہ شواذ کی قسم سے ہے۔ جو قابل عمل نہیں ہیں، سکوت کے قابل ہیں۔

ہاں اگر کفار و مشرکین میں ظاہری طور پر گندگی و نجاست دکھائی دے تو ان کے ہاتھ کا کھانا اور پانی استعمال نہ کیا جائے، اور یہ بات مشرکین ہی کے ساتھ کیوں مخصوص کی جائے اگر کسی مسلمان میں بھی ظاہری طور پر گندگی و نجاست دکھائی دے تو اسکے ہاتھ کا کھانا اور پانی استعمال نہ کیا جائے اور یہ ایک احتیاطی پہلو ہے۔

نیز ہندوستان میں مسلمانوں کو بھی کفار و مشرکین کے ساتھ اختلاط اور ارتباط کی وجہ سے نجس خیال نہ کریں کیونکہ ان کے ساتھ ارتباط و اختلاط اور باہمی میل جول کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے اور فرار کی کوئی صورت بھی نہیں ہے۔

اور نجاست کا وہم و گمان کرتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کے کھانے اور پینے سے اجتناب نہ کریں اور اس عمل کو احتیاط خیال نہ کریں بلکہ ترک احتیاط ہی احتیاط ہے حضرات صحابہ کرام نے جب کسی کافر و مشرک میں گندگی اور پلیدی نہیں دیکھی اور نہیں پائی تو پاکی کی وجہ سے ان کے ہاتھ کا کھانا کھایا اور پانی استعمال فرمایا۔

غرض حضرت قطب ویلور نے مذکورہ مسئلہ کی وضاحت کرنے کے بعد اپنے ایک فکر انگیز پیغام کے ساتھ یہ علمی وفقہی بحث مکمل کر دی ہے۔

عموم بلویٰ سے جڑے ہوئے اس مسئلہ میں عوام کی افراط وتفریط بڑی حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے، کبھی کافر ومشرک کے جھوٹے کو نجس وناپاک خیال کرتے ہیں، اور پھر جس جگہ کافر کے جھوٹے کے سوا پانی موجود نہ ہو تو اسی پانی سے وضو، غسل اور نماز ادا کرتے ہیں اور کبھی مشرک کے کھانے اور پانی کو حرام خیال کرتے ہیں، حالاں کہ کافر اور مشرک کا کھانا اور اسکا پانی حلال ہے۔

مذاہب میں وسیع اور سہل ترین مذہب صرف اسلام ہے اور تنگ ودشوار ترین مذہب یہودیت ہے۔ کم عقل اور کوتاہ نظر لوگ وسیع ترین اور سہل ترین مذہب (اسلام) کو تنگ ترین اور دشوار ترین مذہب (یہودیت) سے بھی زیادہ تنگ ترین اور دشوار ترین بنا دینا چاہتے ہیں، اور مسلمانوں کو تنگی وسختی اور حرج میں ڈال رہے ہیں اور ائمہ اربعہ و بزرگان دین پر لعن وطعن اور تشنیع کر رہے ہیں، معاذ الله من ذلك۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

موجودہ زمانے میں فتاویٰ کے اندر بعض مسائل کو لے کر بڑی شدت وسختی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے پھر ان مسائل میں تائید وتردید کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور اصحاب افتاء مؤیدین اور مخالفین کا لبادہ اوڑھے میدان تقریر وتحریر میں کود پڑتے ہیں اور ہر کوئی اپنے اپنے موقف ومسلک کی حمایت میں زبان وقلم کی توانائیاں صرف کرنے لگتا ہے۔ اس مقام پر ہمیں یہ حقیقت ملحوظ رکھنی چاہئے کہ ایسے فتاویٰ جن میں حرمت اور ممانعت کا

پہلو کتاب وسنت اور صحابہ کرام کے تعامل اور ائمہ اربعہ کے احکام کی روشنی میں سامنے آجائے تو وہاں تسلیم ورضا کے سوا اور کوئی سبیل ہی نہیں ہے اسی طرح وہ فتاویٰ جو زمانہ کے حالات ورعایات اور ضرورات وعادات کی روشنی میں رخصت واباحت اور جواز کا پہلو لئے ہوئے ہوں تو ان کو قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے میں تردد اور تردید کی روش اختیار نہیں کرنی چاہئے۔ لوگوں کے لئے آسانیاں اور سہولتیں و رخصتیں فراہم کرنا چاہئے۔ دین میں آسانی ہے، تنگی نہیں ہے جیسا کہ بڑی مشہور حدیث ہے الـدیـن یسرو لا عسر ، نیز نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا بشـروا یسروا و لا تعسروا خوشخبریاں اور بشارتیں سناؤ، آسانیاں پیدا کرو، سختیاں اور تنگیاں پیدا نہ کرو۔

ہمارے اکابر اصحاب افتاء کے ساتھ غایت ادب واحترام اور حسن ظن واعتماد رکھتے ہوئے ان کے فتوؤں سے متعلق یہ موقف اختیار کرنے کی ضرورت ہے کہ انہوں نے اپنے عہد میں بعض مسائل میں حرام وحلال اور جواز ،عدم جواز کا جو پہلو اختیار کیا تھا، اسکی بنیاد وہ اسباب وعلل اور ضروریات وحاجات اور وجوہ تھے جو ان کے سامنے نمایاں رہے، ان حضرات کرام سے صادر شدہ فتوؤں پر عمل کرنے میں سہولت اور افادیت نظر آئے تو ضرور ان کے فتاویٰ پر عمل کرنا چاہئے ورنہ ان سے صرف نظر کرتے ہوئے موجودہ زمانے کے حالات وضروریات اور عادات کی رعایت کرتے ہوئے ان کے فتاویٰ میں تجدید وتبدیلی اور تردید کا رخ چنداں غلط نہیں ہے، اور اس اقدام کو حضرات اکابرین کی مخالفت اور ان کے فتاویٰ سے انحراف کا عنوان نہیں دینا چاہئے۔

اس جہت سے ایک مثال یہ ہے کہ آج سے نصف صدی قبل ہمارے ملک ہندوستان میں یہ مسئلہ بڑی شدت کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا تھا کہ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا

استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اصحاب افتاء نے اپنی فکر و خیال کے تحت اور اسپیکر سے نماز میں پیدا ہونے والی خرابیاں اور خلل کو سامنے رکھتے ہوئے اور دیگر خدشات اور امکانات کی روشنی میں لاؤڈ اسپیکر پر نماز ادا کرنے کو ممنوع قرار دیا۔ یہ فکر نصف صدی قبل اپنی جگہ درست سہی لیکن موجودہ وقت میں اس کی درستگی دورائے کی نذر ہے۔ آج سائنس اور ٹکنالوجی نے جو حیرت انگیز ترقی کرلی ہے اسکی روشنی میں موہوم ومزعوم امکانات و خدشات اور خلل وخرابیاں قریب قریب ختم ہو چکی ہیں۔ علاوہ ازیں موجودہ زمانے میں مساجد کی بے پناہ وسعت اور مصلیوں کی غیر معمولی کثرت نے لاؤڈ اسپیکر کو ضرورت کے خانہ میں رکھ دیا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ کثیر جماعت سے پڑھی جانے والی نمازیں بغیر اسپیکر کے خلل وفساد کی نذر ہو سکتی ہیں۔ ایسی صورت میں حالات کی تبدیلی سے عادات میں تبدیلی، کوئی غلط اقدام نہیں ہے۔

اسی نوع کا ایک اور مسئلہ ٹائی کے استعمال کا بھی ہے جسکے تعلق سے نصف صدی یا اس سے بھی قبل یہ فتویٰ دیا گیا تھا کہ ٹائی کا استعمال، انگریزوں کا شعار ہے اور کسی قوم کے شعار کو اختیار کرنا تشبہ ہے۔ اس وجہ اور بنیاد کو سامنے رکھتے ہوئے اصحاب افتاء نے ٹائی کے استعمال کو نا جائز بلکہ حرام قرار دیا، یہ فتویٰ ایک ایسے عہد میں دیا گیا تھا جس میں ٹائی کا استعمال فی الواقع غیر قوم کے ساتھ مشابہت اور تشابہ کی حالت و کیفیت میں تھا۔ اس وقت کے تناظر میں یہ فتویٰ صحیح تھا لیکن موجودہ دور میں ٹائی کا استعمال کسی ایک مخصوص قوم اور کسی خاص طبقہ کا شعار نہیں رہا۔ جسکی وجہ سے تشبہ کا مسئلہ بھی خود بخود ختم ہو چکا ہے، لہٰذا یہاں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ تشبہ کی حالت اس وقت تک رہتی ہے جب تک کہ وہ چیز کسی قوم کے ساتھ ایسی مخصوص اور مختص ہو کہ جس شخص میں بھی وہ

نظر آئے تو اس آدمی کو اسی قوم کا فرد سمجھ لیا جائے، اور جب وہ چیز دوسری قوموں میں پھیل جائے اور وہ عام ہو جائے تو وہ تشبہ بھی جاتا رہتا ہے۔

حضرت مولانا سید شاہ محمد قادری علیہ الرحمہ خواہر زادۂ حضرت قطب ویلور مرتب مکتوبات حضرت قطب ویلور نے اپنے ایک فتویٰ ''پھولوں کا ہار پہننا کیسا ہے؟'' میں لکھتے ہیں:

حضرت ہشام کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو یوسف کو دیکھا جو باریک چھوٹی سی میخوں سے ٹھونکے ہوئے نعلین پہن رکھے تھے، میں نے ان سے پوچھا، کیا آپ اسکے استعمال میں کوئی حرج نہیں سمجھتے؟ فرمایا، نہیں! اس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت سفیان اور حضرت ثور بن یزید تو اسکے استعمال کو مکروہ قرار دیتے ہیں کیونکہ اس میں عیسائیوں کے ساتھ مشابہت ہے۔

اس پر حضرت ابو یوسف نے جواب دیا، نبی کریم ﷺ نعال پہنتے تھے جس میں بال رہتے تھے اور بلاشبہ یہ عیسائیوں کی چیز تھی۔

غرض حضرت ابو یوسف نے اس بیان کے ذریعہ یہ حقیقت واضح کر دی کہ جن چیزوں کے اندر لوگوں کی فلاح و بہبودی اور فائدہ ہے۔ ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ قاموس میں ہے۔ قوم اپنی مخصوص علامت اور اپنے شعار سے پکاری جائے گی۔ جو اس نے اپنے لئے اختصاص اور اختیار کر لیا ہے۔

المرقات واللمعات میں درج ذیل حدیث کی شرح میں مرقوم ہے۔

يتبع الدجال من يهود اصفهان سبعون الفاً عليهم الطيالسة، اصفہان کے ستر ہزار یہودی، دجال کی اتباع کریں گے جن کے بدن پر طیالسہ نامی کپڑا ہوگا۔

طیالسہ، طیلسان کی جمع ہے جو تالسان سے معرب ہے اور یہ مشہور کپڑے کا نام ہے، علامہ ابن قیم نے اس حدیث سے طیلسان کی مذمت پر استدلال کیا ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

انـہ رأى جـمـاعة عـلیهـا الطيلسـان،فقـال مـا اشبـه هو لاء بيهود خيبــر ،حضرت انس نے ایک جماعت کو دیکھا جس کے بدن پر طیلسان کپڑا تھا، اس پر فرمایا، یہ تو خیبر کے یہودیوں کے ساتھ مشابہت ہے۔

فتح الباری میں اسکا جواب یہ مذکور ہے۔ طیلسان اس زمانے میں یہودیوں کا شعار تھا جسکی وجہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کے استعمال سے منع کیا، پھر اسکے بعد آنے والے ادوار میں یہودیوں کا شعار نہ رہا، اور اسکا استعمال عام ہوگیا تو یہ عمومی مباحات میں داخل ہوگیا۔

علامہ طیبی نے لکھا ہے خلق، خلق اور شعار، ان تینوں میں تشبہ عام ہے اگر چہ کہ شعار میں تشبہ زیادہ نمایاں ہے۔ اور تشبہ شعار ہی میں مراد ہے، غیر شعار میں مراد نہیں ہے۔ کیونکہ ظاہری صورت میں تشبہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور خلق و اخلاق میں تشبہ کا لفظ نہیں بولا جاتا، بلکہ تخلیط کہیں گے جیسا کہ اسکی تفصیل مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ میں مرقوم ہے۔

الغرض مفتی موصوف شاہ صاحب مرحوم کے مذکورہ فتویٰ میں جو عالمانہ اور فقیہانہ بحث ہے وہی ٹائی کے استعمال سے متعلق ممد و معاون ہے لہٰذا اس مسئلہ میں مزید وضاحت طالب علمانہ جسارت و بے ادبی ہوگی، فتاویٰ کی غایت یہی ہونی چاہئے کہ بدلتے ہوئے زمانے کے حالات وضروریات کے تحت نت نئے مسائل کا حل اس طرح

تلاش کیا جائے کہ جس سے تحریم وتحلیل کی حدیں پوری طرح سے محفوظ رہیں اور جہاں کہیں بھی ضرورت، اباحت، رخصت اور سہولت کی صورتیں اور شکلیں پیدا ہو جائیں تو وہاں سابق فتاویٰ کو لے کر مشکلیں اور الجھنیں پیدا نہ کی جائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتاویٰ کا ایک پہلو حکومت و سیاست اور وطنیت سے بھی جڑا ہوا ہے۔ اسلام میں عوامی حکومت 632ء میں خلافت کے عنوان سے قائم ہوئی اور وہ صرف تین دہوں کے اندر 662ء میں ملوکیت کا لبادہ اوڑھ لی، پھر اس نے تاریخ کا ایک طویل سفر طے کیا اور وہ مختلف ادوار میں خالص دنیاوی بادشاہوں اور حکمرانوں کے صفات و عادات اپنے اندر پیدا کرتی چلی گئی، تاہم وہ خلافت اسلامیہ ہی کے نام سے اپنی شناخت برقرار رکھی، معدودے چند ہی ایسے خلفاء رہے جن کے اندر اسلامی خلافت کی شان وعظمت رہی، ساتویں صدی عیسوی کے ربع ثانی سے لے کر بیسویں صدی کے ربع اول تک خلافت مختلف نشیب و فراز سے گذرتی رہی، حکومت وسیاست کے معیار اور پیمانے بدلتے رہے۔ منصب خلافت پر فائز ہونے والے خلفاء کے خلاف سازشیں اور بغاوتیں ہوتی رہیں اور مختلف تحریکیں وجود میں آتی رہیں۔ نظام خلافت اور دستور شریعت سے بے اعتنائی ہوتی رہی، وطنیت سے متعلق مختلف مفاہیم اور نظریات وجود میں آتے رہے۔ ان حالات میں اصحاب افتاء نے حکومت اور وطنیت سے متعلق فتاویٰ صادر کیے ہوں، اسکی مثالیں خال خال ہی مل سکتی ہیں۔ خلافت اسلامیہ کی تاریخ میں 1924ء کا سال یادگار رہیگا، جس میں ایک ترک نادان مصطفیٰ کمال پاشاہ اتاترک کے ہاتھوں اس تاریخ ساز حکومت کے جسم سے خلافت کی قبا ہمیشہ کے لئے اتر گئی۔ ہمارے ملک ہندوستان پر بھی

صدیوں اسلامی حکومت رہی جو فی الواقع مختلف مسلمان خاندانوں کی حکومت تھی۔ صرف مغلیہ خاندان نے آٹھ سو سال حکومت کی۔ اس کے ایک حکمران جہانگیر کے دور میں انگریزوں نے یہاں اپنے قدم جمانے شروع کئے اور آہستہ آہستہ سرزمین ہند پر اپنا اقتدار قائم کرلیا اور انہوں نے اپنے تسلط و تصرف کو برقرار رکھنے اور دوام بخشنے کے لئے ہندوستانیوں پر جور و جفا کو روا رکھا۔ اور یہ ظلم و ستم صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ساری قومیں اسکی زد میں تھیں، یہاں کے تمام باشندے وطنیت اور قومیت کے لحاظ سے سب ایک ہی تھے لیکن مذاہب کے لحاظ سے سب مختلف تھے اور انگریزوں کے غاصبانہ اقتدار سے ان کی وطنیت اور مذہبیت دونوں مجروح ہو رہی تھی، اور ان کے جبر و استبداد سے تمام باشندگان ہند کے دلوں میں نفرت و عداوت کی آگ بھڑکنے لگی، اور ملک کو انگریزوں کے چنگل سے آزاد کرانے کی تحریک شروع ہوئی اور اس جدوجہد میں ساری قومیں شریک اور سہیم ہوگئیں۔ ان ہی حالات میں اصحاب افتاء نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دے دیا، ان مفتیان کرام میں سب سے پہلے مولانا فضل حق خیر آبادی (مدفون انڈمان) کا نام سر فہرست ہے، پھر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا نام نامی آتا ہے، جنہوں نے ۱۸۰۶ء میں یہ فتویٰ صادر کیا کہ ہندوستان دارالحرب ہے لہٰذا انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے، جہاد کی تاریخ میں غالباً یہ پہلی لڑائی ہے جس میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں شریک ہیں، اور شاید یہ اپنی نوعیت کا پہلا جہاد ہوسکتا ہے جس میں ملت اسلامیہ نے اپنی مذہبی زندگی کی آزادی کے ساتھ اپنے وطن کی آزادی کا مقصد شامل رکھا۔

مذہب اور وطن کے نام پر لڑی جانے والی اس جنگ سے ایک نئی فکر یہ سامنے

آئی کہ وطن کی آزادی کے لئے ہونے والی جنگ کے لئے بھی جہاد کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اس سے قبل جہاد کا لفظ ایک ایسی جنگ کے لئے مستعمل رہا جس کا مقصد صرف اعلاء کلمۃ الحق تھا اور جہاد کنندگاں صرف اصحاب ایمان تھے، انیسویں صدی کے پہلے دہے میں دارالحرب کے فتویٰ سے جہاد کے شرعی معنی اور مقصد میں وسعت پیدا ہوگئی، اور یہ وسعت اکیسویں صدی میں مزید توسع اختیار کرگئی ہے۔

انیسویں صدی کے پہلے دہے میں حضرت قطب ویلور موجود تھے اور آپ کی محترم اور متفق علیہ شخصیت کا اثر چاروں طرف پھیلا ہوا تھا اور آپ کی ذات گرامی سے وسیع پیمانہ پر تحریر و تقریر اور دعوت و اصلاح کا کام انجام پارہا تھا، صاحب جواہر العرفان حضرت مولانا شاہ ولی اللہ قادری علیہ الرحمہ تلمیذ علامہ مفتی ابوالحسنات محمد عبدالحئی لکھنوی اور صاحب مقالات طریقت حضرت محمد عبدالرحیم ضیاء حیدرآبادی خلیفہ حضرت قطب ویلور کے بیانات کے مطابق عرب و عجم میں قریباً سات لاکھ مسلمانوں نے حضرت قطب ویلور کے دست مبارک پر بیعت کی اور تقریباً چار سو حضرات علماء خلافت سے مشرف ہوئے۔ جن میں حضرت مولانا شاہ عبدالحئی واعظ بنگلور مصنف جنان السیر فی احوال سید البشرؐ اور حضرت مولانا شاہ عبدالوھاب قادری ویلوری بھی ہیں۔ اول الذکر سے وسیع پیمانہ پر تصنیفی اور تقریری کام انجام پایا اور ثانی الذکر سے ایک عظیم درسگاہ مدرسۂ باقیات صالحات ویلور کا قیام عمل میں آیا اور آج بھی ہزاروں تشنگان علم اس سرچشمہ علم سے سیراب ہورہے ہیں۔

اٹھارویں اور انیسویں صدی کو علماء کی صدی کہا جائے تو شاید یہ مبالغہ نہ ہوگا جن میں بے شمار ارباب علم و فضل اور اصحاب افتاء موجود رہے اور ان کی وجہ سے ہند کا

آسمان علم جگمگا رہا تھا۔ ان اصحاب علم وافتاء میں حضرت قطب ویلور کی ذات گرامی اس جہت سے ممتاز ومنفرد دکھائی دیتی ہے کہ آپ نے ہندوستان میں واقع مختلف رجواڑوں کے راجاؤں کو اسلام کی دعوت دی اور برطانوی مسیحی حکمرانوں اور ان کے مذہبی رہنماؤں کو یہاں تک کہ سرزمین ہند پر برسراقتدار ملکہ، کوئن وکٹوریہ کو بھی اسلام کی دعوت ایک ،ایسے وقت میں دی جبکہ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جنگ کا محاذ کھلا ہوا تھا۔

کوئن وکٹوریہ نے آپ کے دعوت اسلام کے مکتوب کو عزت واحترام کی نظروں سے دیکھا اور اسکا جواب دیتے ہوئے اعتراف کیا کہ اسلام ایک سچا مذہب ہے مگر میں چندوجوہ کی بنا پر اسلام قبول کرنے سے قاصر ہوں۔

حضرت قطب ویلور کے اس جرأت مندانہ اور قلندرانہ اقدام کا مقصد بجز اسکے اور کیا ہوسکتا ہے کہ وقت کے یہ حکمران اسلام قبول کرلیں تو عوام خود بخود دائرہ اسلام میں آجائیں گے۔ پھر ایک بار دنیا یہ منظر دیکھ پائے گی۔ پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانوں سے۔

مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اپنی عربی تصنیف نزھۃ الخواطر کی چھٹی جلد میں لکھا ہے کہ:

حضرت قطب ویلور نے بڑھاپے میں انگریزی زبان سیکھی اور اس میں کوئن وکٹوریہ کو اسلام کی دعوت دی۔ قد تلقی اللغة الانکلزیة فی کبرسنه و بعث رسالة الی ملکة انکترا وید عوھا الی الاسلام۔

اٹھارویں صدی اور انیسویں صدی میں کسی ہندوستانی عالم دین نے وقت کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دی ہو ایسی نظیر اور مثیل راقم الحروف کے مطالعہ کی حد میں

نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

شمالی ہند میں مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور مولانا عبدالعلی لکھنوی نے ہندوستان دارالحرب ہونے اور انگریزوں سے جہاد کرنے کا جو فتویٰ صادر کیا تھا۔ اسکے اثرات جنوبی ہند تک بھی پہنچے۔ اور یہاں پر انگریزوں کے خلاف سب سے پہلی مسلح بغاوت ہوئی۔ ۱۷۹۹ء میں سلطنت خداداد میسور کے والی اور حکمران سلطان فتح محمد ٹیپو کی شہادت کے بعد ان کی بیوی، بچوں اور خاندان کے دیگر افراد کو قید کر کے ویلور لایا گیا اور قلعہ میں محصور رکھا گیا، اس وقت ویلور کا قلعہ انگریزوں کے قبضہ میں تھا اور وہ برٹش فوج کا مرکز تھا۔ خانوادۂ سلطان ٹیپو کو اس مضبوط و مستحکم قلعہ میں مقید رکھنے کی بڑی وجہ یہ تھی وہ فوج کے حلقہ میں رہے تا کہ عوام سے ان کا رابطہ نہ ہو اور کسی قسم کی بغاوت نہ ہو، لیکن انگریزوں کی یہ حکمت عملی مفید ثابت نہ ہو سکی، ویلور کے عوام اور سلطان کے مظلوم گھرانہ کے لوگوں کے درمیان ربط و ضبط کی صورتیں پیدا ہو ہی گئیں اور خفیہ طور پر بغاوت کا منصوبہ تیار کیا گیا اور 10 جولائی ۱۸۰۶ء کو ویلور کے عوام اور مجاہدین آزادی نے انگریز فوج اور افسروں پر زور دار حملہ کر دیا اور وہ اس غیر متوقع اچانک حملہ کی تاب نہ لا سکے، قلعہ ویلور پر ہندوستانیوں کا قبضہ ہو گیا اور یونین جاک اتار دیا گیا اور سلطان شہید کے فرزند کا دیا ہوا ہندوستانی جھنڈا قلعہ ویلور پر لہرایا گیا۔ ویلور حلقہ کے انگریز فوج کے کمانڈر میجر کوٹس نے آرکاٹ کے سپہ سالار کلّین بک کو اس بغاوت کی خبر دی اور مدد طلب کی تو وہ بذات خود ایک بڑا فوجی دستہ لے ہوئے ویلور آ پہنچا لیکن یہ دستہ قلعہ کو دوبارہ واپس حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ مجاہدین کی قوت کو ختم کرنے کے لئے کلّین بک نے آرکاٹ سے مزید فوج، اسلحہ اور آگ برسانے والی توپوں کو منگوایا اور قلعہ پر

زبردست حملہ کردیا، مجاہدین مدافعت کرنے میں ناکام رہ گئے قریباً 800 ہندوستانی شہید ہوگئے۔قلعہ ویلور پر انگریزوں کا پھر سے قبضہ ہوگیا۔جنگ آزادی کی تاریخ میں اس لڑائی کو ویلور موٹنی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس کے نصف صدی بعد ہندوستان میں جنگ آزادی کی دوسری لڑائی ۱۸۵۷ء میں ہوئی جو غدر دہلی کے نام سے مشہور ہوئی، تاریخی تسامح کی تحت اسی لڑائی کو جنگ آزادی کی سب سے پہلی لڑائی سمجھ لیا گیا ہے۔

یہی وہ حالات تھے جن میں حضرت قطب ویلور سے فتویٰ پوچھا گیا، کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟ اور انگریز حربی ہیں؟ اور ان سے جہاد کرنا فرض ہے؟ حضرت قطب ویلور نے محمد ابراہیم منشی پلٹن فوج کے نام فارسی زبان میں ایک مکتوب ارسال فرمایا، جسکا ترجمہ پیش ہے۔

آپ کے سوال کے جواب میں مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ روانہ کیا ہوں، مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی اور مولانا عبدالعلی لکھنوی یہ دونوں ہمارے زمانے میں علوم ظاہر اور باطن کے جامع اور خانہ اسلام کے ستون اور ہندوستانی مسلمانوں کی آنکھ ہیں۔

آپ پر یہ بات واضح ہوگی کہ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے انگریزوں کے (پالیسی) عمل کی بنیاد پر ہندوستان کو قول راجح کی بنا پر دارالحرب قرار دیا ہے۔ انگریزوں کا حربی ہونا یہ بھی ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔جو علماء انقلاب حکومت کو جائز نہیں سمجھ رہے ہیں اور جو علماء انقلاب حکومت کو جائز سمجھ رہے ہیں۔ان میں سے ایک جماعت کا فتویٰ ہے کہ انگریزوں کے عمل (پالیسی) سے ہندوستان دارالاسلام سے دارالحرب کی جانب منتقل نہیں ہوا ہے۔

امور مختلفہ میں اگر چہ کہ عمل کرنا، قول راجح پر صحیح ہو، پھر بھی ورع اور تقویٰ یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے، اور کسی مجتہد کا قیاس خطا پر مبنی اور مرجوح ہو، تب بھی ایسے قیاس پر عمل کرنا، دائرہ شریعت سے خارج نہیں کرتا ہے، قرآن وحدیث، اجماع اور مذکورہ تین چیزوں پر مبنی قیاس بھی دلیل شرعی ہے لہٰذا امام کا اجتہادی مسئلہ بھی مذکورہ چار دلائل شرعیہ میں سے چوتھی دلیل ہے۔ فتویٰ ایک چیز ہے تو تقویٰ بھی تو ایک چیز ہے۔

بے حکم شرع آب خوردن خطا است، در خون بفتویٰ بریزی رواست

پانی کا بہانا، ظاہری طور پر ایک معمولی کام دکھائی دیتا ہے لیکن وہ بھی اگر خلاف شرع بہایا جائے تو گناہ لازم آئے گا۔ اور خون بہانا ایک عظیم فعل ہے لیکن وہ بھی اگر شرع شریف کے حکم کے مطابق بہایا جائے تو جائز ہے۔

دارالحرب سے متعلق حضرت قطب ویلور کا جو موقف رہا ہے وہ بڑی حد تک مذکورہ فتویٰ میں صاف ہے اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی صاف ہو رہی ہے کہ دارالحرب کا فتویٰ اختلافی ہے اور جس مسئلہ میں دو رائے ہو جائے تو قول راجح کو اختیار کرنا موزوں اور مناسب ہوتا ہے لیکن اس مقام پر یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ شمال اور جنوب کے مذہبی اور سیاسی حالات میں نمایاں فرق اور تفاوت رہا ہے اور ان دونوں خطوں میں انگریزوں کی پالیسی اور حکمت عملی مختلف اور جداگانہ رہی ہے۔ جسکی بنیاد پر دارالحرب کے مسئلہ میں اہل افتاء کے درمیان اختلاف واقع ہوا۔ شمال وجنوب میں اصحاب افتاء نے جو موقف اختیار کیا وہ اپنی اپنی جگہ صحیح رہا۔ ان میں سے کسی کی دلیل قوی ہے تو کسی کی دلیل ضعیف، اور جب بھی کسی فتویٰ میں راجح ومرجوح، افضل ومفضول اور قوی وضعیف کی بحث نظر آجائے تو ہر کسی کو اس اس کے موقف پر چھوڑ دینا چاہئے اور

ایک دوسرے پر لعن طعن اور نکتہ چینی سے احتراز کرنا چاہئے۔ اور اختلافی مسائل میں ایک ہی جانب کے حق ہونے کا یقین کر لینا اور اسی کو ترجیح دینا اور ان میں تعصب اور غلو و شدت سے کام لینا ایک غیر سنجیدہ، غیر تعمیری اور غیر علمی موقف ہے۔

انگریزوں کے حربی ہونے اور ان سے جہاد کرنے کے مسئلہ میں حضرت قطب ویلور کی ایک دکھنی تحریر بھی ملتی ہے جسکے مطالعہ سے یہ مفہوم سامنے آرہا ہے کہ اگر انگریز شرعی احکامات میں رکاوٹ بن رہے ہوں تو ان سے جہاد کرنا چاہئے اور اگر وہ مذہبی آزادی دے رہے ہوں تو ان سے جہاد نہیں کرنا چاہئے، حضرت قطب ویلور کے فتویٰ سے ہندوستان کی ایک اور حیثیت نمایاں ہو رہی ہے جو آپ کے معاصرین کے فتوؤں میں نہیں ہے۔ اور وہ حیثیت ہے ہندوستان کا دارالامن ہونا، فرماتے ہیں۔

اہل اسلام کی شرع میں جو حاکماں کہ مانع بانگ (اذان) و صلوٰۃ کے نیں (نہیں) ہیں۔ اور صاحبان کمپنی (ایسٹ انڈیا کمپنی) کسی وقت مانع بانگ و صلوٰہ اور احکام شرع نہیں ہیں تو پس اس صورت میں کیوں کر کوئی خلاف شرع، جہاد کی تجویز دے گا۔

حضرت قطب ویلور پر یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ آپ عوام کو انگریزوں کے خلاف جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے تقریریں کر رہے ہیں۔ اس کو بنیاد قرار دیتے ہوئے آپ کو قید کیا گیا اور دو ماہ تک چتور کی جیل میں رکھا گیا اور آپ پر مقدمہ چلایا گیا۔ مولانا عبدالرحیم ضیا حیدرآبادی نے اپنی کتاب مقالات طریقت میں مقدمہ کی ساری جزئیات اور تفصیلات بیان کی ہے، ان میں سے ایک بات یہ نقل کی ہے۔

عدلیہ نے جب حضرت قطب ویلور سے یہ پوچھا کہ کیا آپ نے جہاد کے موضوع پر تقریر کی تھی؟ آپ نے جواب دیا۔

قرآن کریم میں کفار کے ساتھ جہاد کا حکم موجود ہے اور یہ ہمارے ایمانیات میں سے ہے۔ اور آپ لوگ خود کو اہل کتاب کہتے ہو، کیا تمہیں اپنے کفر کا اقرار ہے۔ یہ سن کر سب انگریزوں نے سکوت اختیار کیا۔

الغرض انیسویں صدی اور بیسویں صدی انقلابات اور تحریکات کی صدیاں تھیں، جن میں استعماریت، سامراجیت، اشتراکیت اور مغربیت بلاواسطہ اور بالواسطہ اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں کے اوپر اپنا زمینی تسلط اور ان کے باشندوں پر فکری غلبہ حاصل کر رہی تھی، یہی وہ حالات تھے جن کی وجہ سے مختلف خطوں اور علاقوں کے لوگوں کے اندر بیداری اور آزادی کے جذبات ابھرنے لگے اور عوام اپنی اپنی زمینوں پر قابض اور غاصب قوتوں کے خاتمہ کے لئے اٹھ کھڑے ہو گئے، اور یہ سلسلہ پھیلتا چلا گیا، یہاں تک کہ اس نے اکیسویں صدی کو بھی اپنے اندر شامل کر لیا ہے چنانچہ عالم عرب کی معروف علمی شخصیت ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے استشہاد کے عنوان سے ایک فتویٰ صادر کیا ہے۔ علم صرف میں باب استفعال کی ایک خاصیت طلب فعل بتلائی گئی ہے۔ استشہاد، استفعال کے وزن پر ہے، اور اسکا معنی ہے شہادت طلب کرنا، اس فتویٰ کے ذریعہ ڈاکٹر موصوف نے شرق اوسط کے حالات کے تناظر میں یہ پیغام دیا ہے کہ اب وقت آ چکا ہے کہ لوگ اپنی ملک کی زمین پر غاصب وقابض اور ظالم وجابر طاقتوں کو ختم کرنے کے لئے اپنی جانوں کی قربانی دیں اور اس ہلاکت میں شہادت کا اجر وثواب ہے، اور یہ ہلاکت وخودکشی کسی بھی شکل میں ہو، وہ جائز ہے۔

انیسویں صدی میں سلطنت و سیاست، وطنیت وقومیت اور انقلاب حکومت سے جڑے ہوئے ہندوستانی فتویٰ دارالحرب کے اثرات آج عالم عرب اور دیگر ممالک میں مختلف متضاد اسباب وعوامل کے ساتھ پھیلتے جا رہے ہیں اور یہ انقلابی اثرات اور نتائج اپنے اندر تعمیر اور

تخریب کے کیا پہلو لئے ہوئے ہیں وہ اصحاب علم اور ارباب فراست سے پوشیدہ نہیں ہیں۔گر بگویم شرح ایں بے حد شود

****

ماضی بعید میں فتاویٰ کا ایک حکومتی اور سرکاری پہلو بھی تھا جسکی نوعیت یہ تھی کہ وقت کی مسلم حکومت، افتاء کے لئے لائق وفائق مفتیوں کا انتخاب کرتی تھی، حکومت وقت کی اس خصوصی توجہ کے باعث منصب افتاء پر وہی افراد منتخب ہوتے تھے جن کے اندر فی الواقع فتویٰ نویسی کی مکمل صلاحیت اور قابلیت ہوتی تھی، اور فتاویٰ میں تضاد واختلاف کی صورت بہت ہی کم سامنے آتی تھی۔

خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ حکومت وقت کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ اصحاب افتاء کی صلاحیت وقابلیت اور امانت ودیانت کا جائزہ لیتی رہے، اور اگر ان کے اندر یہ استعداد ہے تو ان کو افتاء کے عہدہ پر برقرار رکھے ورنہ معذول کردے۔

بنوامیہ کے خلفاء کا یہ عمل اور طریقہ تھا کہ وہ حج کے موقعہ پر مکہ مکرمہ پہنچتے تھے اور مفتیوں کا تقرر کرتے تھے۔اور تمام شہروں میں اعلان کرادیتے تھے کہ ان مفتیان کرام کے علاوہ کسی سے فتویٰ طلب نہ کریں۔(مقالات فتاویٰ شیخ ابن باز)

تاریخ کے مختلف ادوار میں بعض حکومتوں کے اس کردار وعمل کی وجہ سے منصب افتاء کی عظمت اور تقدیس برقرار رہی اور ارباب حکومت اصحاب علم وفضل کے مشورہ اور تعاون سے فتویٰ نویسی کے لئے لائق وفائق افراد کا انتخاب کرتے تھے اور عوام ان ہی مقرر کردہ مفتیان کرام کی جانب رجوع ہوتے، اس ضابطہ اور قاعدہ کے باعث افتاء کا نظم ونسق بہترین طریقہ سے قائم رہا۔اور جب مسلمانوں کی حکومتیں ختم ہوگئیں تو افتاء کا نظام بھی درہم برہم ہوگیا اور اس منصب پر

ہر کس وناکس فائز ہوتے چلے گئے اور فتاویٰ کی اہمیت وحیثیت اور افادیت بری طرح سے مجروح ہوتی چلی گئی اور نبی کریم ﷺ کی یہ پیشن گوئی دنیا پر واضح اور روشن ہوگئی۔ یخرج فی اخر الزمان رجال جهال يفتون الناس فيضلون ويضلون۔ آخر زمانہ میں جاھل لوگ فتویٰ دیں گے جو خود گمراہ رہیں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں گے۔

موجودہ دور میں ہندوستان میں فتاویٰ کا رشتہ دینی درسگاہوں سے قائم ہے جو ایک فال نیک ہے، سچ تو یہ ہے کہ ان مدرسوں سے فارغ ہونے والے حضرات علماء وفضلاء اور مفتیان کرام ہی افتاء کے اہل وسزاوار اور مستحق ہیں جن کو اسلامی علوم وفنون کی تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ افتاء کی تعلیم اور تربیت بھی دی جاتی ہے۔ اور افتاء کے لئے عالم وفاضل اور فقیہہ کا ہونا شرط ہے اسکے بغیر کوئی شخص فتویٰ کیونکر دے سکتا ہے۔ یہ خوش آئند پہلو ہے کہ ملک کی بڑی بڑی درسگاہوں میں دارالافتاء قائم ہے۔

اور مسلمانوں کی اکثریت بھی اپنے شرعی امور و مسائل اور معاملات میں ان ہی مدرسون کے دارالافتاء کی جانب رخ کر رہے ہیں جیسا کہ ماضی میں بھی یہ شاندار روایت رہی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایک افسوس ناک پہلو یہ بھی دیکھنے میں آرہا ہے کہ اب آہستہ آہستہ فتاویٰ کا یہ پہلو کمزور ہوتے نظر آرہا ہے اور یہ فضا دھیرے دھیرے پھیلتی چلی جارہی ہے کہ بعض مسلمان جب یہ دیکھتے ہیں کہ کسی دارالافتاء سے فتویٰ حاصل کرنے میں ان کے اغراض ومقاصد اور مفادات کو نقصان ہے تو وہ ملک کی عدلیہ اور اس کے قوانین (جو ان کے مسئلہ اور قضیہ میں مفید معلوم ہورہے ہیں) کی طرف رجوع ہورہے ہیں، تاکہ ان کی منشا کے مطابق ان کا مسئلہ حل ہوجائے، اس طرح کے رویہ اور طریقہ سے لوگوں کو اجتناب اور احتراز کرنے کی تلقین وتاکید ضروری ہے، اگر یہ فضا ملک میں عام ہوگئی تو فتاویٰ کا کردار مسلمانوں کی معاشرتی اور ازدواجی

زندگی میں غیر موثر اور غیر مفید ہوکر رہ جائیگا۔ اوراس صورت حال سے ملک میں پھیلے ہوئے دارالافتاء، دارالقضاء اور امارت شرعیہ کے فتوؤں اور فیصلوں کی ضرورت واہمیت اور وقعت ختم ہوکر رہ جائے گی، اور مسلمان شرعی احکام سے دور ہوتے چلے جائیں گے اور عدلیہ کی ضرورت واہمیت اور مقبولیت بڑھ جائے گی اور لوگ شعوری اور غیر شعوری طور پر عدالتوں کے غیر شرعی فیصلوں کو قبول کرتے چلے جائیں گے۔ جب یہ فضا عام ہو جائے تو مسلم پرسنل کے تحفظ ونفاذ اور امت مسلمہ کی ملی شناخت کا مسئلہ ہمارے ہی ہاتھوں خطرہ میں پڑ جائے گا۔

****

فتاویٰ کی مختلف اور متعدد جہتوں اور سمتوں کی نشاندہی کے بعد اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب، فتاویٰ لطیفیہ کی جانب رخ کیا جائے، خانوادہ حضرت قطب ویلورؒ کے بانی اور مورث اعلیٰ حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری (پیدائش ۱۰۶۵ھ) اپنے وطن بیجاپور سے ہجرت فرما کر ۱۱۳۸ھ میں ویلور آ پہنچے اور اس کے دس سال بعد ۱۱۴۹ھ میں سفر آخرت پر روانہ ہو گئے، آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن قربی قادری ویلوری (پیدائش ۱۱۱۸ھ وفات ۱۱۸۳ھ) کی ذات گرامی سے ویلور میں علمی وادبی اور دینی کام کا آغاز ہوا۔ آپ کی نوک قلم سے بہت سی کتابیں معرض وجود میں آئیں۔ لیکن فتاویٰ میں کوئی تحریر دستیاب نہ ہوسکی۔

حضرت قربیؔ کے صاحبزادے حضرت مولانا سید شاہ عبداللطیف ذوقیؔ ویلوری (پیدائش ۱۱۵۱ھ وفات ۱۱۹۴ھ) نے حیرت انگیز تحریری ذخیرہ چھوڑا ہے جس میں تین لاکھ اشعار اور ساٹھ سے زائد مختلف علمی وادبی اور دینی موضوعات پر کتابیں ہیں۔ فتاویٰ میں آپ کی کوئی مستقل تحریر فراہم نہ ہوسکی۔ حضرت ذوقیؔ نے مختلف لوگوں کے نام فارسی زبان رقعات تحریر کئے ہیں جن کو بالواسطہ فتاویٰ کا نام دیا جاسکتا ہے کیونکہ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے

مختلف لوگوں کے زبانی سوالات کی وجہ سے اوران کواپنی طرف سے فقہی احکام ومسائل سے آگاہ کرانے کے خیال سے ان رقعات کولکھا ہے۔ یہ رقعات کافی تعداد میں ہیں استاذ محترم مولانا سید حمید اشرف سابق استاد دارالعلوم لطیفیہ نے چند رقعات کا ترجمہ کیا ہے۔اوروہ متن کے ساتھ ۱۹۶۹ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ان میں سے چار پانچ رقعات کاصرف ترجمہ اس کتاب میں شامل کیا گیاہے جواستاد مرحوم کے قلم سے ہے۔

حضرت ذوقیؔ کے اکلوتے صاحبزادے حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن محویؔ قادری ویلوری صاحب جذب واستغراق شخصیت کے مالک تھے لیکن اس کے باوجود آپ نے تعلیم و تدریس،تزکیہ وتطہیر اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ بڑی مفید خدمات انجام دی ہے۔

مولانا عبدالحیٔ واعظ بنگلوری نے اپنی منظوم تصنیف مثنوی مطلع النور میں ایک شعر میں آپ کی تعمیر مسجد ومدرسہ اورخانقاہ کاذکر کیا ہے۔

مسجد وخانقاہ رباط کلاں　　　　مدرسہ وہ بنایا عالی شاں

حضرت محویؔ نے فتاویٰ لکھے ہیں،راقم الحروف کوکوئی تحریری ثبوت نہ مل سکا،البتہ آپ کاایک مختصر رسالہ،بیعت غائب حاضر،فارسی میں موجود ہے جس میں آپ نے سوال اور جواب کے پیرایہ میں مختلف مسائل کو بیان کیا ہے۔ استاذ الاساتذہ مولانا محمد طبیب الدین اشرفی مونگیری بہار سابق استاد دارالعلوم لطیفیہ نے اسکا ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ فارسی متن کے ساتھ ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا ہے۔سوال کا دوسرا نام اگر استفتاء ہے تو مسئلہ بیعت غائب حاضر کوفتاویٰ کا نام دیا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔

حضرت محویؔ کے صاحبزادے جن کا اسم گرامی حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف نقوی قادری ہے اور آپ حضرت قطب ویلور کے نام سے مشہور ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۲۰۷ھ میں ہوئی، اور وفات ۱۲۸۹ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ امام حسن علیہ الرحمہ کے پائیں جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

حضرت قطب ویلور کو غیر معمولی شہرت اور مقبولیت عامہ نصیب ہوئی آپ کے ہاتھوں پر عرب وعجم میں سات لاکھ لوگوں نے بیعت کی اور آپ سے چار سو علماء، فضلاء نے خرقہ خلافت زیب تن فرمایا، اور آپ کی ذات گرامی سے وسیع پیمانہ پر درس وتدریس، اصلاح وتزکیہ، دعوت و تبلیغ، تصنیف وتالیف اور افتاء کا کام وسیع پیمانہ پر ظہور پذیر ہوا۔

آپ کے قلم سے ہزاروں فتاویٰ صادر ہوئے ہیں، آپ نے اپنے مریدین، معتقدین، متوسلین، متعلقین، تلامذہ، خلفاء اور عامۃ الناس کے سوالات اور استفسارات کی وجہ سے ان فتوؤں کو تحریر کیا ہے۔ آپ کے بعض فتاویٰ مستقل سوال اور جواب کے پیرایہ میں ہیں اور بعض خطوط کی شکل میں ہیں۔ آپ نے ان خطوط میں مختلف امور ومسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے فتاویٰ تحریر کئے ہیں۔ اور آپ کے مکتوبات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے آپ نے بہت سارے استفتاء کا جواب ارسال کرنے کے بجائے مستفتی (فتویٰ پوچھنے والا) اشخاص کو اپنی کتاب فصل الخطاب کے مطالعہ کی ہدایت دی ہے اور لکھا ہے کہ آپ کے استفتاء کے جواب فصل الخطاب میں موجود ہے۔

آپ کی خدمت میں پہنچنے والے استفتاء کے مطالعہ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ نے مختلف مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے فصل الخطاب لکھی ہے۔

حضرت قطب ویلور کی شخصیت اپنی ذات سے ایک مستقل دارالافتاء تھی، مختلف شہروں کے باشندوں کی جانب سے آپ ہی کے نام کثیر تعداد میں استفتاء موصول ہوے ہیں، فتویٰ طلب کرنے والوں میں خواص اور عوام دونوں شامل ہیں آپ نے بنفس نفیس جوابات سپرد قلم کیا

ہے اور اکثر فتاویٰ بذریعہ ڈاک روانہ کئے گئے ہیں، حضرت قطب ویلور نے بعض فتاویٰ کو اپنے خاص شاگردوں کے ذریعہ روانہ کیا ہے، اور بعض فتاویٰ کا جواب دینے کے بجائے مستفتی کو روبرو ملنے کی ہدایت دی ہے، چنانچہ یہ تمام باتیں اس کتاب میں شامل فتاویٰ کے ذریعہ معلوم ہوسکتی ہیں۔ فتاویٰ نویسی آپ کا مستقل روزانہ کا کام تھا جسے آپ پورے خلوص وللہیت، ذوق وشوق، پورے انہماک وپابندی کے ساتھ انجام دیتے رہے، ان مکتوبات کا بہت بڑا ذخیرہ مختلف شہروں میں پھیل گیا تھا، اللہ تعالیٰ آپ کے ہمشیرزادہ اور داماد حضرت مولانا مولوی سید محمد قادری مصنف ضمیمۂ جواہر السلوک کو غریق رحمت فرمائے اور ہم سب کی جانب سے بے پناہ اجروثواب عطا فرمائے، انہوں نے بڑی تلاش وجستجو اور تحقیق سے مستفتی اور مکتوب الیہ اشخاص کے نام اور پتے حاصل کرتے ہوئے ان لوگوں کی خدمت میں خطوط اور قاصدوں کو روانہ کیا اور حضرت قطب ویلور کے فتاویٰ اور مکتوبات کو حاصل کرلیا، اور اپنے ہاتھوں سے نقل کیا ہے۔ اور ایک مجموعہ تیار کیا ہے، جو اس وقت راقم الحروف کے پیش نظر ہے، اور اس نے اسی قلمی نسخہ سے فتاویٰ کا انتخاب کیا ہے اس مخطوطہ کے آغاز میں مولانا سید محمد قادری نے ان مکتوبات کو نقل کرنے اور جمع کرنے کی یہ غرض بیان کی ہے کہ لوگ ان سے فائدہ حاصل کرسکیں اور اس راقم اور ناقل کو دعائے خیر سے یاد کریں، اور آپ نے اس مجموعہ خطوط کا نام حضرت قطب ویلور کے نام عبداللطیف کی مناسبت سے مکتوبات لطیفی تجویز کیا ہے۔

مناسبت اسم شریف آں حضرت (قطب ویلور) مکتوبات لطیفی، تسمیہ اش نہاد تا ناظرین از و بہرور گردند وایں فقیر (مولانا سید محمد قادری) راازدعائے خیر محروم نگردنند۔

حضرت قطب ویلور کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری علیہ الرحمہ (پیدائش ۱۲۶۹ھ وفات ۱۳۳۵ھ) مسند سجادگی پر فائز ہوئے، آپ

نے ۱۳۰۲ھ میں اپنی آبائی وخانقاہی درسگاہ کی جدید تشکیل کی، اور اس کا نام مدرسہ لطیفیہ رکھا اور درس نظامیہ کا نصاب جاری کیا اور شمال وجنوب کے لائق وفائق علماء وفضلاء کو درس وتدریس کے لئے منتخب کیا۔ آپ کے عہد میں پہلی مرتبہ دارالافتاء کا قیام عمل میں آیا، اور آپ نے فتویٰ نویسی کے لئے مستقل طور پر چند مخصوص اساتذہ کرام کو منتخب کیا، اس سے پہلے افتاء کا عمل شخصی اور ذاتی فکر کا آئینہ دار تھا، چنانچہ آپ کے والد ماجد حضرت قطب ویلور اور آپ کے دادا محترم حضرت محوؔی، اور آپ کے پردادا بزرگوار حضرت ذوقؔی سے فتاویٰ کا صدور ہوتا تھا، اب یہاں سے افتاء کا تعلق مدرسہ لطیفیہ سے قائم ہوا اور وہ مفتی کے حوالہ ہوجاتا، اس کا جواب تیار ہونے کے بعد حضرت رکن الدین کی خدمت میں پہنچتا اور آپ بنفس نفیس ملاحظہ فرماتے پھر اساتذہ کرام کی نظروں سے گذرنے کے بعد آپ کی دستخط ومہر ثبت ہونے کے بعد فتاویٰ مختلف شہروں کے لوگوں کو بھیج دئے جاتے تھے۔ اس طرح سے حضرت رکن الدین کے عہد میں افتاء کے اندر جماعتی اور اجتماعی رنگ پیدا ہوگیا جو آج تک قائم ہے۔

حضرت رکن الدین کے پھوپھی زاد بھائی اور بہنوئی حضرت مولانا مولوی سید محمد قادری کا تحریر کردہ ایک نایاب مفصل فتویٰ فارسی زبان اور کسی قدر اردو میں ہے، دستیاب ہوا، جو نوشاہ کے نکاح کی مجلس میں پھولوں کا ہار پہننے سے متعلق ہے، یہ فتویٰ راقم الحروف کے ترجمہ، الفاظ کی تحقیق و وضاحت اور اردوئے قدیم میں کسی قدر تغیر اور نوٹ کے ساتھ اس کتاب فتاویٰ لطیفیہ میں شامل ہے، امید ہے کہ اس فتویٰ کے ذریعہ صوبہ ٹملناڈو میں اس فروعی مباح مسئلہ کے اندر جو اختلاف پیدا ہوا ہے وہ ختم ہوجائے گا۔

حضرت رکن الدین کے دور میں ملیبار کے کسی عالم نے یہ فتویٰ دے دیا تھا کہ کیرالہ کی مسجدوں کا رخ صحیح سمت قبلہ میں نہیں ہے۔ اس سے ایک انتشار اور بے چینی پیدا ہوگئی تھی، ایسے

وقت میں مدرسۂ لطیفیہ کے فارغ حضرت مولانا احمد کویا شالیاتی نے عربی میں ایک رسالہ تحویل قبلہ کے نام سے لکھا، جس میں متعدد قوی دلائل کی روشنی میں ثابت کر دیا کہ کیرالا کی مسجدوں کا رخ صحیح سمت قبلہ ہے۔ یہ رسالہ ۱۳۳۰ھ میں مدراس سے شائع ہوا ہے۔اس تحریر کو استاذ محترم مولانا پی محمد ابوبکر ملیباری لطیفی استاد دارالعلوم لطیفیہ، نے اردو جامہ پہنایا، موصوف کی اردو تحریر کو فتاویٰ لطیفیہ میں شامل کیا گیا ہے۔ جو ایک مفید فتویٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت رکن الدین کے بعد حضرت مولانا مولوی سید شاہ عبداللطیف قادری مکی علیہ الرحمہ (پیدائش ۱۲۹۸ھ وفات ۱۳۴۸ھ) نے خانقاہ کی سجادگی اور مدرسہ لطیفیہ کی نظامت کو زینت بخشی، آپ کی نگرانی میں دار افتاء سے متعدد فتاویٰ صادر ہوئے ہیں جن میں آپ کی تصدیق اور دستخط ثبت ہے، چند فتوے اس کتاب میں شامل ہے۔

حضرت عبداللطیف مکی علیہ الرحمہ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا مولوی حافظ ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری علیہ الرحمہ (پیدائش ۱۳۲۴ھ وفات ۱۳۷۸ھ) خلف الرشید و جانشین ہوئے۔آپ نے مدرسہ لطیفیہ کی ترقی میں اور خانقاہ کی روایات کی تکمیل میں نہایت عمدہ کردار ادا کیا۔آپ کے دور میں مدرسہ لطیفیہ میں جنوب اور شمال کے قابل ترین علماء منصب درس پر فائز رہے۔ جن میں سے بعض اساتذہ کرام اسی درسگاہ کے خوشہ چین تھے۔ چند مدرسین کے نام یہ ہیں ان ہی میں بعض اساتذہ کرام نے فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دی ہے۔

۱) مولانا مولوی ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادریؒ ۲) مولانا مولوی سید شاہ شہاب الدین قادری ترچنا پلی، ۳) مولانا مولوی حکیم قاضی غلام غوث شریف ویلوری، ۴) مولانا مولوی مدیکار محمد قاسم آمبوری، ۵) مولانا مولوی مفتی عبدالباسط محمود بندری،

۶) مولانا مولوی محمد اکرم بھٹکلی، ۷) مولانا مولوی احمد کویا ملیباری۔

حضرت ابوالفتح نے چالیس سال تک خانقاہ اور مدرسہ کی خدمت انجام دی، آپ کے دور میں کئی ایک فتاویٰ دارالافتاء سے صادر ہوے ہیں، جو فتاویٰ دستیاب ہوسکے وہ اس کتاب میں شامل کیئے گئے ہیں۔

حضرت ابوالفتح کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری علیہ الرحمہ (پیدائش ۱۳۳۸ھ وفات ۱۴۱۵ھ) سجادہ نشین ہوئے، آپ کی ذات گرامی پر خانوادہ حضرت قطب ویلور کے مورث اعلیٰ اور بانی حضرت سید شاہ عبداللطیف بیجاپوری کی صلبی اور نرینہ اولاد کی سجادگی کا دور اختتام پذیر ہوا، آپ نے اپنے ایک چھوٹے بھائی حضرت مولانا مولوی ابوصالح عمادالدین سید شاہ محمد ناصر قادری علیہ الرحمہ (پیدائش ۱۳۲۹ھ وفات ۱۴۰۴ھ) کو خانقاہ اور مدرسہ کے امور و خدمات میں معاون بنالیا تھا اور دوسرے سب سے چھوٹے اور آخری بھائی حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ (پیدائش ۱۳۳۶ھ وفات ۱۴۰۷ھ) کو مدرسہ لطیفیہ کی نظامت سونپ دی، جن کی نظامت میں مدرسہ لطیفیہ، دارالعلوم لطیفیہ عربی کالج کے نام سے شہرت پانے لگا اور وہ مدراس یونیورسٹی کے ملحق ہوگیا۔

اعلیٰ حضرت کے دور میں آپ کی سرپرستی میں دارالافتاء سے متعدد فتاویٰ دئے گئے ہیں، آپ کے زمانے میں جن اساتذہ کرام نے فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دی ہے۔ ان میں مولانا مولوی سید حمید اشرف کچھوچھوی کا اسم گرامی سرفہرست رکھا جاسکتا ہے۔ جنہوں نے کئی ایک استفتاء کا جواب دیا ہے۔ آپ کے بعض فتاویٰ مضامین کی شکل میں بھی ہیں جن کو آپ نے حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ کے حسب

ارشاد لکھا ہے۔ مثلاً نماز جنازہ کے بعد دعا، اور فرزندان اسلام کی اصلی تصویر، جو اس مجموعۂ فتاویٰ میں شامل ہے ان کے مطالعہ سے قارئین کرام کو سوالات مقدر کا علم ہو جائیگا۔

استاذ محترم مولانا سید حمید اشرف علیہ الرحمہ کے بعد کثیر تعداد میں فتوؤں کا صدور استاذ محترم مولانا مولوی ابوالمعالی سید علوی علیہ الرحمہ کی ذات گرامی سے ہوا۔ آپ کے بعد استاذ محترم مولانا مولوی شاہ محمد انوار اللہ سر قاضی قادری لطیفی کے لکھے ہوئے فتاویٰ بڑی تعداد میں ہیں جن کا زیادہ تر تعلق وراثت و ترکہ اور طلاق و خلع سے ہے، اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ منصب قضاوہ پر بھی فائز ہیں۔

استاذ الاساتذہ مولانا محمد طبیب الدین اشرفی مونگیری بہار، مولانا مولوی سید محمد حسام الدین گڈیاتم اور استاذ محترم مولانا مولوی ابوالمکارم سید شاہ مصطفیٰ حسین بخاری لطیفی کڈپوی سے بھی چند فتاویٰ کا صدور ہوا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے دور میں جو فتاویٰ لکھے گئے ہیں ان میں آپ کی دستخط اور مہر کے ساتھ اساتذہ کرام کے تصدیقی جملے اور ان کی دستخطیں بھی موجود ہیں جن میں سے چند اساتذہ کرام کے نام یہ ہیں۔

(۱) استاذ محترم مولانا مولوی محمد عبدالواحد جونپوری فاضل دیوبند (۲) استاذ محترم مولانا مولوی سید محمد برہان الدین عنظری جزری باقوی علیہ الرحمہ، (۳) استاذ محترم مولانا مولوی عبدالعزیز اشرفی مبارک پوری فاضل اشرفیہ مبارک پور، (۴) استاذ محترم مولانا مولوی محمد حاتم اشرفی رضوی مبارک پوری فاضل اشرفیہ مبارک پور، (۵) استاذ محترم مولانا مولوی محمد بشیر احمد عمری کٹوانچوری (۶) مولانا مولوی پی، کے، موسیٰ کٹی باقوی ملیباری، (۷) مولانا مولوی محمد عاشق صاحب۔

فتاویٰ میں تصدیق وتصویب کا پہلو بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے تصدیق کرنے والے علماء اور فقہاء کی تبحر علمی اور ثقاہت ودیانت سے فتاویٰ کی مقبولیت اور عظمت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ان کی صحت پر کامل یقین اور اعتماد حاصل ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عموماً فتاویٰ میں حضرات علماء کی تصدیقات کو شامل کیا جاتا ہے جو فتاویٰ کے باب میں بڑی اچھی روایت ہے۔

اس مقام پر حضرت ابوالحسن سید شاہ محمد طاہر قادری سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ کا مختصر تذکرہ نہ کیا جائے تو ایک خلاء رہ جائیگا۔ یہ آپ ہی کا تحریری اور اشاعتی ذوق وشوق تھا جسکے باعث فتوؤں کی نقل ہوسکی اور وہ محفوظ رہ سکے۔ ان فتاویٰ کو نقل کرنے کا زیادہ تر کام رفیق محترم مولوی حافظ محمد کمال الدین لطیفی نے اپنی طالب علمی کے دور میں انجام دیا ہے۔ حضرت ابوالحسن ناظم مرحوم نے موصوف کو یہ کام اس لئے سونپ دیا تھا کہ وہ طلباء میں خوش نویس اور زودنویس تھے، اور آپ کی اسی صیانت وحفاظت کے باعث راقم الحروف فتاویٰ کا یہ عظیم وضخیم مجموعہ ترتیب دینے کی اپنے اندر ہمت اور حوصلہ پایا، بیسویں صدی میں دارالعلوم لطیفیہ میں جو بھی علمی وتحقیقی اور تصنیفی واشاعتی کام انجام پایا، یہ حضرت ابوالحسن کی ذاتی دلچسپی اور سعی کا ثمرہ ہے ۱۹۶۲ء میں اس کام کے لئے آپ نے دارالتصنیف والاشاعت کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور اپنی ادارت میں سال نامہ اللطیف کا اجراء کیا جو آج بھی پوری آب وتاب، صوری ومعنوی حسن اور پابندی کے ساتھ منظر عام پر آرہا ہے اور آپ تادم زیست مدیر اعلیٰ رہے، مدیران مسئول اور معاون کی فہرست میں استاذ الاساتذہ مولانا محمد طیب الدین اشرفی مونگیری، استاذ محترم مولانا مولوی سید حمید اشرف کچھوچھوی مرحوم، استاذ محترم مولانا مولوی عبدالواحد جونپوری مرحوم، استاذ محترم مولانا مولوی ابوالمکارم سید شاہ مصطفیٰ حسین بخاری لطیفی، استاذ محترم مولانا مولوی شاہ محمد انواراللہ سرقاضی قادری لطیفی، استاذ محترم مولانا مولوی بشیر احمد اکرمی لطیفی بھٹکلی مرحوم،

مولانا مولوی محمد حسین باقوی مرحوم وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ مذکورہ حضرات اساتذہ کی ادارت کی میعاد اور مدت باہم مختلف اور ایک دوسرے سے کم وبیش ہے۔ ڈاکٹر سید عثمان قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ کی سرپرستی اور استاذ محترم مولانا مولوی پی، محمد ابوبکر ملیباری لطیفی اور اس عاجز کی مدت ادارت ربع صدی سے متجاوز ہوچکی ہے۔ ۱۹۷۶ء کے شمارہ سے اداریہ (اڈیٹوریل) راقم الحروف کے قلم سے صدور پذیر ہورہا ہے الحمدللہ علی ذلک، اور اس وقت اللطیف اپنی عمر کی ۵۵ ویں بہار سے لطف اندوز ہورہا ہے۔

حضرت ابوالحسن کی ذات گرامی سے ایک تحریری اور اشاعتی کارنامہ یہ بھی ظہور پذیر ہوا کہ انہوں نے اپنے آباواجداد کی فارسی تصنیفات کا اردو ترجمہ بعض اساتذہ کرام سے کروایا اور اپنی نگرانی میں شائع کیا۔ چنانچہ استاذ الاساتذہ مولانا مولوی محمد طیب الدین اشرفی مونگیریؒ نے قربی علیہ الرحمہ کی فارسی تصنیف میزان العقائد اور حضرت محوی علیہ الرحمہ کی فارسی تصنیف، مسئلہ بیعت غائب وحاضر، اور حضرت قربی علیہ الرحمہ کے فارسی رسائل کے مجموعہ کا ترجمہ کیا، دارالتصنیف والاشاعت سے ۱۹۶۴ء میں بیعت غائب وحاضر اور میزان العقائد اور مجموعہ رسائل قربیؒ کی اشاعت ہوئی۔

اور استاذ محترم مولانا مولوی سید حمید اشرف کچھوچھوی نے حضرت ذوقی کی فارسی تصنیف انشائے عقائد ذوقیؒ، کا ترجمہ کیا ہے جو دارالتصنیف سے شائع ہوئی ہے۔ اور مولانا مولوی محمد غضنفر حسین شاکر نائطی سابق استاذ دارالعلوم لطیفیہ وجامعہ دارالسلام عمرآباد نے حضرت قطب ویلور کی فارسی تصنیف جواہر السلوک کا ترجمہ کیا ہے۔ جو قریباً دس فوائد تک ہوسکا، ترجمہ کی اسی مقدار کو استاذ محترم مولانا مولوی ابوالمکارم سید شاہ مصطفیٰ حسین بخاری لطیفی سابق استاذ دارالعلوم لطیفیہ کی تحقیق وحواشی اور کسی قدر ترمیم و اضافہ کے ساتھ دارالتصنیف

والاشاعت سے شائع ہوا ہے۔

حضرت ابوالحسن نے مولانا مولوی محمد ذکریا ادیب خاور راینچوٹی مرحوم سابق استاذ دارالعلوم لطیفیہ اور مولانا محمد طیب الدین اشرفی سابق استاذ دارالعلوم لطیفیہ سے اپنے دودمان عالی شان کی تاریخ مرتب کروائی جو بنام خانوادہ اقطاب ''انوار اقطاب ویلور'' کے نام شائع کی گئی ہے جو آج اصحاب قلم کے لئے ایک ماخذ اور مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت ابوالحسن کی وفات کے بعد آپ کے داماد ڈاکٹر سید عثمان قادری عہدہ نظامت پر فائز ہوئے الحمد للہ آپ کی نگرانی میں دارالتصنیف والاشاعت سے تین فارسی کتابوں کا ترجمہ جو راقم الحروف کے قلم ہے، شائع ہو چکا ہے، (۱) فصل الخطاب بین الخطا والصواب (۲) غایۃ التحقیق مصنف حضرت قطب ویلور (۳) مکتوبات حضرت قطب ویلور (۴) فتاویٰ لطیفیہ، جو اس وقت قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے۔

آخر میں یہ عرض ہے کہ اس کتاب کا نام ''فتاویٰ لطیفیہ'' تجویز کرنے کی وجہ یہ رہی کہ اس میں حضرت عبداللطیف ذوقیؒ اور حضرت قطب ویلور اور دارالعلوم لطیفیہ کے اساتذہ کرام کے فتاویٰ شامل ہیں، راقم الحروف کو عبداللطیف اور لطیفیہ کی نسبت سے یہی نام موزوں اور مناسب نظر آیا، تاکہ خانوادۂ مقدس کی ان برگزیدہ ہستیوں اور بزرگ اساتذہ کرام کے اخلاص کی برکت سے یہ فتاویٰ، مقبول خاص وعام ہوجائے، اس عاجز کو ان فتوؤں کی تلاش و یافت، تحقیق وتفتیش، مطالعہ ونوٹس، ترجمہ وانتخاب اور ترتیب وصحت دیکھنے کا کام نہایت گراں اور دشوار معلوم ہورہا تھا اور یہ احساس دامن گیر تھا کہ امامت وخطابت، درس وتدریس اور اللطیف کی ادارت کی ذمہ داریوں کے ساتھ میں یہ کام پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکوں، اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور بزرگان خانوادہ حضرت قطب ویلور کے روحانی وعلمی فیض وتصرف اور اپنے مشفق ومہربان

والدین کریمین حضرت مولانا منشی محمد نور قریشی اشرفی خلیفہ حضور محدث اعظم کچھوچھوی، اور حضرت معصوم بی صاحب نور اللہ مرقدھما کی دعاؤں کے صدقہ میں ذہنی یکسوئی وخوش دلی اور بڑی آسانی کے ساتھ بحسن وخوبی ۱۰ جمادی الاول ۱۴۳۶ھ روز چہارشنبہ کو بوقت ظہر اختتام پذیر ہوا، الحمدللہ علیٰ ذلک، وماذلک علی اللہ بعزیز۔

کتاب ھذا کے اس طول وطویل مقدمہ کے اختتام پر ارباب فقہ وفتاویٰ اور اصحاب علم وفضل سے ایک اور بات یہ عرض کرنی ہے کہ اس طالب علمانہ تحریر میں جہاں کہیں بھی خطا ولغزش نظر آئے تو راقم الحروف کو مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ وہ اصلاح کی جانب متوجہ ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کتاب ھذا کے مترجم ومرتب کے حق میں نفع بخش علم اور صالح اولاد (جو اپنے آباء واجداد کے لئے دعائے مغفرت کرتی رہے) کا سلسلہ صبح قیامت تک جاری وساری رکھے، اسی دعا کی درخواست اپنے قارئین کرام سے بھی ہے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین واٰلہ الطیبین واصحابہ الظاھرین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین۔

واٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العٰلمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مختصر تعارف خانوادۂ اقطاب ویلور

از

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی

(۱)

بانی خانوادہ

قدوۃ السالکین حضرت مولانا سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری علیہ الرحمہ

۱۰۶۵ھ ۱۱۴۹ھ

صوبہ ٹمل ناڈو ہندوستان کے جنوب میں خلیج بنگال کے ساحل پر واقع ہے۔اس کا شمالی حصہ آندھرا پردیش سے ملا ہوا ہے۔مغربی سرحد کرناٹکا اور کیرلہ کے صوبوں سے ملی ہوئی ہے اور جنوبی کنارہ بحر ہند پر ختم ہوتا ہے۔ یہ صوبہ کل ۲۹ اضلاع پر مشتمل ہے۔ جس میں ایک ضلع ویلور ہے۔ اس ضلع کا صدر مقام شہر ویلور ہے۔ جو مدراس سے بنگلور جانے والی شاہ راہ National High Way پر واقع ہے۔ جنوب و مشرق میں پہاڑی سلسلے پھیلے ہوئے ہیں۔علمی و ادبی اور مذہبی حیثیت سے مدراس، ترچنا پلی، آرکاٹ جیسے شہروں کا ہمسر اور ہم پایہ رہا ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۶۸۶ء اور ۱۶۸۷ء میں بالترتیب سلطنت بیجاپور اور عادل شاہی سلطنت ختم کر کے دہلی کی سلطنت میں شامل کرلیا۔تو کرناٹک کا یہ علاقہ بھی مرکزی حکومت کا حصہ بن گیا۔پھر انتظام سلطنت کو موثر بنانے کی غرض سے کرناٹک تک کے صوبے کی تشکیل کی اور ذوالفقار خان کو اس کا صوبہ دار بنادیا۔ذوالفقار خان نے اپنے نئے صوبہ کے دارالخلافہ کے لئے آرکاٹ کا انتخاب کیا۔جس دن آرکاٹ دارالخلافہ بنا اسی دن سے اس کی قسمت چمک اٹھی۔ ذوالفقار خان خود علم دوست اور ادب پرور تھا جس کی علم نوازی کے باعث دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر

علم وادب کا گہوارہ بن گیا۔

یہ وہی زمانہ تھا جب دکن کے بعض علاقے بدامنی ، خانہ جنگی کا شکار تھے۔ان میں بیجاپور بھی شامل تھا۔ان مقامات کے صوفیا اور اہل اللہ امن وسکون کی تلاش میں ان جگہوں کو چھوڑ نے لگے۔ان میں بہت سوں نے آرکاٹ کا رخ کیا اور اس کو اپنی رہائش گاہ بنالیا۔حضرت سید شاہ عبداللطیف بیجاپوری بھی انہیں بزرگوں میں تھے۔جنہوں نے امن وسکون کی تلاش میں بیجاپور سے ہجرت کی اور شاہ نور اور سرا ہوتے ہوئے آرکاٹ تشریف لائے تھے۔

سکونِ قلب کی خاطر اپنا وطنِ عزیز بیجاپور چھوڑا تھا، شاہ نور اور سرا کی طرح آرکاٹ کا قیام بھی دیرپا ثابت نہ ہوا۔چند ہی برسوں کے قیام کے بعد آپ ویلور کی طرف چل پڑے۔

حضرت سید شاہ عبداللطیف بیجاپوری کی ذات گرامی سے ویلور میں ایک عظیم الشان تاریخ ساز علمی و دینی خانوادہ کا آغاز ہوا۔حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔بقول مرتب دیوانِ قربی پروفیسر سید فضل اللہ، آپ کا سنِ ولادت ۱۰۶۵ھ ہے۔

حضرت عبداللطیف کے نانا حضرت گورے حسن اپنے دور کے مشاہیر صوفیا میں سے تھے اور آپ نے مختلف صوفیہ سے علمی وروحانی استفادہ کیا اور ایک سوا کانوے سلاسل میں بیعت وخلافت اور اجازت کی نعمت وفضیلت حاصل کی اور ان تمام سلسلوں کو ''مخزن السلاسل'' کے نام سے جمع کیا ہے۔

حضرت عبداللطیف نے اپنے والدِ ماجد حضرت میراں سید ولی اللہ اور اپنے نانا ومرشد حضرت سید ابوالحسن مصنف ''مخزن السلاسل'' سے علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل کی اور ان میں کمال اور بصیرت حاصل کی۔

حضرت عبداللطیف بیجاپوری کا عقد سید ابوالقاسم کی صاحب زادی ساجدہ بیگم کے ساتھ ہوا۔ یہ وہی ابوالقاسم ہیں، جس کو شہنشاہِ اورنگ زیب عالمگیر نے منصبِ پنج ہزار اور درایت خان کے خطاب سے نوازا تھا۔

حضرت سید عبداللطیف بیجاپوری نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ بیجاپور میں گزارا۔ عادل شاہی حکومت کے زوال کے باعث جب وہاں کے حالات خراب ہوگئے تو ۱۱۲۶ھ، میں اپنے اہل و عیال کے ہمراہ ہجرت فرمائی اور شانور (ساؤنور) فروکش ہوئے۔ جو ہبلی (موجودہ کرناٹک) کے جنوب میں قریباً چالیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں دو سال تک اقامت گزیں رہے۔ اس کے بعد سرا منتقل ہوگئے۔ جو علاقۂ میسور میں ٹمکور سے تینتیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں دس سال تک اقامت پذیر رہے۔ جب یہاں کے سیاسی حالات میں تغیر و تبدیلی رونما ہوی اور امن کی فضا ختم ہونے لگی۔ اور سرا، پر مرہٹوں کے شدید حملے شروع ہوگئے تو یہاں سے بھی رحتِ سفر باندھا اور ۱۱۳۲ھ میں آرکاٹ کو اپنا مستقر بنالیا۔

جب آرکاٹ کے حالات بھی متغیر ہوگئے تو حضرت سید عبداللطیف نے آرکاٹ کی سکونت بھی ترک کردی اور ویلور تشریف لائے اور اسی کو اپنا وطن بنالیا اور تادم زیست اقامت پذیر رہے۔ آرکاٹ میں آپ کا قیام تقریباً چھ سال رہا۔

حضرت سید عبداللطیف بیجاپوری کے صاجزادے حضرت قربیؔ جو چار سال کی عمر میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ مختلف شہروں سے ہجرت کرتے ہوئے ویلور پہنچے تو اس وقت ان کی عمر چودہ سال ہوگئی۔ گویا بیجاپور سے ویلور پہنچنے میں کامل دس سال کی مدت گزر گئی۔

حضرت سید عبداللطیف بیجاپوری ۱۱۳۸ھ میں ویلور فروکش ہوئے اور قلعۂ ویلور کی شمالی سمت میں سکونت پذیر ہوئے۔ اسی رات آپ کے خواب میں سیدالمرسلین حضور پرنور صلی اللہ

علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا:

''اے نور عین'' اسی جگہ قیام کرو، یہاں مسجد، یہاں مدرسہ اور یہاں خانقاہ تعمیر کرانا۔ تمہاری اولاد امجاد سے ہمیشہ اہل عالم کو فیض پہنچے گا۔ اور اس جگہ سے اسلام کو زیادہ فروغ حاصل ہوگا۔

حضرت سید عبداللطیف بیجاپوری، ۱۰ شعبان المعظم ۱۱۴۹ھ میں دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شہر ویلور کی جامع مسجد کے صحن میں آسودۂ خاک ہیں۔ آپ کی عمر اسی ۸۰ سال سے متجاوز تھی۔

مزار شریف پر ایک خوب صورت گنبد موجود ہے۔ جس کے اوپر حضرت قربؔی کے پڑپوتے حضرت مولانا رکن الدین کا تحریر کردہ یہ قطعہ درج ہے۔

قبلۂ و کعبہ جدِّ من سید — شاہ عبداللطیف عرش پناہ
بُردر حلت بگفت رکن الدین — سالِ ترحیل غاب قطبِ اللہ

(۲)

عمدۃ الکاملین حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قادری قربیؔ علیہ الرحمہ

(۱۱۱۸ھ ۔ ۱۱۸۲ھ)

حضرت قربیؔ کا اسم گرامی ابوالحسن ہے۔ آپ کی ولادت دارالنور بیجاپور میں شبِ برات ۱۴، شعبان المعظم ۱۱۱۸ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۷۰۶ء کو ہوئی۔ حضرت قربیؔ چار سال کے تھے کہ اپنے والد ماجد کے ہمراہ بیجاپور سے شاہ نور اور شاہ نور سے سرا اور سرا سے آرکاٹ اور آرکاٹ سے ویلور پہنچے اور اس وقت آپ کی عمر چودہ سال تھی۔ آپ کی مختلف شہروں میں سکونت اور سفر کے باعث باضابطہ تعلیم نہ ہو سکی تاہم آپ کے والد ماجد، سفر کے دوران خود ہی آپ کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کے اندر اس قدر استعداد اور صلاحیت پیدا ہوگئی کہ دس سال کی عمر میں حضرت سعدی کی فارسی منظوم تصنیف 'بوستان' کی بڑی عمدہ تشریح فرماتے تھے۔

آرکاٹ میں حضرت قربیؔ چھ سال تک مقیم رہے۔ اس زمانہ میں آپ نے حضرت مولانا محمد حسین بیجاپوری سے شرف تلمذ حاصل کیا اور مختلف علوم وفنون اور فارسی ادب میں کمال اور بصیرت پیدا کرلیا۔ حضرت قربیؔ نے مولانا محمد حسین کے علاوہ اپنے قیام آرکاٹ کے زمانہ میں حضرت بے خود ویلوری کے سامنے از نوئے تلمذ تہہ کیا۔ حضرت بے خود اپنے شاگرد حضرت قربیؔ کی شعری وادبی صلاحیت واستعداد سے بے حد متاثر تھے۔ جب بھی وہ کوئی موزوں شعر فرماتے تو پہلے حضرت قربیؔ کو دکھلاتے اور اس کے بعد اپنے دیوان میں شامل فرماتے تھے۔

حضرت قربیؔ نے عربی زبان وادب کی تعلیم حضرت مولانا محمد ساقی سے حاصل کی۔

چنانچہ اس کے لئے ہفتہ میں تین دن آرکاٹ سے ویلور آجایا کرتے تھے۔نواب غلام غوث خان اعظم تذکرۂ گلزار اعظم، میں فرماتے ہیں کہ "حضرت قرؔبی عربی نثر بڑی فصیح اور بلیغ لکھتے تھے۔"

حضرت قرؔبی نے اپنے والد ماجد اور دوسرے نابغۂ روزگار علمی و دینی اور روحانی شخصیتوں سے علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تکمیل کی۔ اور مختلف و متعدد سلاسل میں بیعت و خلافت اور اجازت حاصل کی۔

حضرت قرؔبی نے اپنے استاذ حضرت شیخ فخر الدین مہکری سے بھی سلوک طے کیا۔ شیخ مہکری نے آپ کے اندر جوہرِ استعداد محسوس کیا تو آپ کو اپنے مرشد شیخ عبدالحق مخدوم ساوی کی خدمت میں بھیج دیا۔ جن کی بارگاہ میں پہنچ کر حضرت قرؔبی کی پرواز بلند ہوگئی۔ آپ حضرت مخدوم کے علوم و معارف کے امین اور ان کے تمام مریدین اور خلفاء میں ممتاز و منفرد شخصیت بن کر اُبھرے۔

حضرت قرؔبی نے اپنے شیخ ساوی کے مرشد حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ، رحمت آباد قدس سرہٗ (۱۱۰۵ھ۔۱۱۹۵ھ) سے بھی اکتساب فیض کیا۔

حضرت قرؔبی علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تکمیل کے بعد مسندِ ارشاد پر متمکن ہوے اور لوگوں کی اصلاح و تعلیم اور تزکیہ و تطہیر، درس و تدریس کا کام وسیع پیمانہ پر شروع کیا اور ۱۱۷۹ھ میں قلعۂ ویلور کے شمالی حصہ میں ایک خانقاہ تعمیر کی۔ حضرت قرؔبی کی یہ خانقاہ محض صوفیانہ سلوک کی تربیت گاہ نہ تھی بلکہ اس دور کے مزاج اور ماحول کی مناسبت سے قرآن و حدیث کی درس گاہ، علوم و فنون کا دار العلوم، مصالحِ عوام اور فقہی مسائل کے لئے دار الافتاء، دعوت تبلیغ کے لئے افراد سازی کا قلعہ، زبان و ادب کی مجلس اور شعر و سخن کی بزم تھی۔ ویلور اور اسکے گرد و نواح میں جتنے بھی حضرات فارسی زبان کے فاضل ہوئے وہ سب حضرت قرؔبی کے بلاواسطہ یا بالواسطہ

شاگرد ہوئے۔

اردو اور فارسی زبان میں حضرت قربؔی کے دو ضخیم دیوان ہیں۔ آپ ادیبوں، شاعروں اور مصنفوں کی سرپرستی اور رہ نمائی فرماتے تھے اور ان کے کلام کی اصلاح پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ فرماتے تھے۔ حضرت قربی کے ہاتھوں پر بے شمار لوگوں نے بیعت کی۔ آپ کے مریدوں اور خلفاء کی فہرست بڑی طویل ہے۔ آپ کے خلفاء میں دو تین افراد علم وادب کی دنیا میں آفتاب ومہتاب بن کر چمکے۔ ایک آپ کے صاحب زادے حضرت ذوقؔی دوسرے حضرت باقر آگاہؔ، تیسرے شاہ ابوتراب ترابؔی۔ حضرت قربؔی نے ۲۰ رمضان ۱۱۸۲ھ کو ویلور میں انتقال فرمایا۔ حضرت قربؔی کی مزار پر ان کے پڑپوتے حضرت سید عبداللطیف المعروف قطب ویلور نے گنبد تعمیر فرمائی اس گنبد پر حضرت باقر آگاہ کا درجِ ذیل قطعہ تاریخ وفات کندہ ہے۔

رکن دین شاہ ابوالحسن قربؔی پیشوائے مقربانِ الٰہی

چوں کہ دریافت قرب حق سالش غاب قطب البلاد گفت آگاہؔ

۱۱۸۲ھ

حضرت قربؔی نے مختلف علوم وفنون کے اندر عربی فارسی اور اردو میں کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کی زیادہ تر تصنیفات فارسی زبان میں ہیں اور ان میں اکثر کتابوں کا موضوع تصوف ہے۔ حضرت قربؔی کی تصنیفات کی صحیح تعداد کا پتہ نہیں لگ سکا ہے۔ چند قلمی مخطوطات اور کتابیں حیدرآباد کے مختلف کتب خانوں، کتب خانۂ آصفیہ، کتب خانہ شرقی سالار جنگ، اسٹیٹ لائبریری وغیرہ میں پائی گئی ہیں۔ بعض ریسرچ اسکالروں کے بیانات ہیں کہ دیوانِ قربی کے مخطوطات لندن اور پاکستان میں موجود ہیں۔

حضرت قربؔی کی کتابیں یہ ہیں۔

۱۔میزان العقائد ۲۔خلاصۃ العرفان ۳۔لب السلوک ۴۔ رسالۂ اثبات وجود حقیقی ۵۔حق المعرقہ ۶۔کیمیائے سعادت ۷۔رسالۂ وجدان ۸۔ رسالۂ برھان قاطع در بیان توحید جامع ۹۔رسالۂ تحفۃ الذاکرین ۱۰۔رسالۂ حق الحق ۱۱۔رسالۂ عین العیان ۱۲۔رسالۂ جمع الجمع ۱۳۔رسالۂ تجدد امثال ۱۴۔رسالۂ دلیل محکم ۱۵۔رسالۂ حلال درحل مسئلہ عینیت وغیریت ۱۶۔رسالۂ توفیق ۱۷۔ منھج التحقیق فی افضلیت الصدیقؓ ۱۸۔رسالۂ دلائل المنیقۃ ردِ مذہب شیعۃ الشنیعہ ۱۹۔رسالۂ مظہر کل ۲۰۔دلیل محکم فی توحید الاقوام ۲۱۔رسالۂ اسم اللہ ۲۲۔تقویۃ الایقان ۲۳۔ ردملحدان و مبتدعان ۲۴۔رسالۂ ظہور ذات و مراتب آن

حضرت قربیؔ نے فارسی اور اردو دونوں میں شاعری کی ہے۔آپ کا فارسی دیوان نایاب ہے۔آپ کی فارسی شاعری کا کچھ حصہ مختلف تذکروں، ''تحفۂ احسن'' اور ''انشائے لطف الٰہی'' اور ''تذکرۂ صبح وطن'' اورآپ کی اولاد امجاد کے قلمی نسخوں اور بیاضوں میں محفوظ ہے۔ فارسی شاعری میں آپ کی ایک مستقل تصنیف ''بحرالاسرار'' ہے جوایک سواشعار پر مشتمل ہے۔ اردو شاعری میں حضرت قربیؔ کی جن تصنیفات کا سراغ لگ سکا ہے ان میں ایک دیوان اور پانچ کتابیں ہیں۔اردو دیوان آپ نے اپنی زندگی میں ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۴۰ء میں مرتب کیا ہے۔

پروفیسر سید فضل اللہ نے آپ کا دیوان ایک مبسوط اور جامع مقدمہ کے ساتھ ۱۹۶۴ء میں حیدرآباد سے شائع کیا ہے۔حضرت قربیؔ کی اردو شاعری کی لسانی، تاریخی، فنی اور ادبی حیثیت اور عظمت ایک مسلم حقیقت ہے اور تاریخ ادب اردو، اس قدیم العصر شاعر کو بھی فراموش نہیں کرسکتی۔آپ ہی کی ذاتِ گرامی سے علاقۂ مدراس میں شعروسخن کا ایک دبستان وجود میں آیا اور صوبۂ تملناڈو میں اردو شاعری کا ذوق پروان چڑھا اور یہ نوخیز زبان پھلی اور پھولی اور ایک حسین

روپ اور ایک جمیل پیکر اختیار کی۔ حضرت قربؔی کا کلام آج سے ڈھائی سو سال پہلے کی زبان اور ادب کا محافظ ہے جس میں قدیم دکنی لفظوں، پرانے محاوروں اور صرف ونحو کی ترکیبوں کا ایسا غیر معمولی سرمایہ ہے جس کے مطالعہ کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اردو زبان میں ایک دیوان کے علاوہ قربؔی علیہ الرحمہ کی چار مثنویاں بھی ہیں جس کا ذکر آگاہ نے "تحفۃ احسن" میں کیا ہے۔

حضرت قربؔی کی اردو تصنیفات۔

۱۔معراج نامہ، ۲۔بدعت نامہ ۳۔ہدایت نامہ ۴۔نمک نامہ

سلوک وتصوف کی دنیا میں حضرت قربؔی کی جلیل القدر خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ کی ذات گرامی سے ہزاروں انسان تزکیۂ نفس وتطہیر قلب کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے۔ شرک وبدعت کی بیخ کنی اور احیائے سنت کے دشوار ترین محاذ پر آپ کو دیکھیں تو یہاں بھی آپ طاغوتی قوتوں سے برسرِ پیکار نظر آتے ہیں۔ آپ کا لائق ستائش اور قابلِ تقلید کارنامہ یہ رہا ہے کہ آپ نے علمی و دینی اصلاحی جدوجہد کو دوام اور استمرار بخشنے کے لئے افراد واشخاص کی تربیت فرمائی۔ جس کی وجہ سے ٹمل ناڈو میں ایک مکتبۂ فکر وجود میں آیا جسے بعد میں آپ کی اولاد اور خلفاء نے سارے جنوب میں پھیلایا۔

حضرت قربؔی کا دور ہندوستانی کی اسلامی تاریخ کے بابِ اصلاح وتجدید میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں شمالی ہند کے اندر بھی اصلاح ودعوت کی لہر چلنے لگی اور حضرت قربؔی کے معاصر مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ذاتِ گرامی سے وہاں بھی ایک مکتبۂ فکر یہ وجود میں آیا جسے بعد میں ان کی باتوفیق اولا دامجاد اور اولوالعزم خلفاء نے پورے شمال میں پھیلا دیا۔ جنوبی ہند میں حضرت قربؔی کے علاوہ ایک اور عالمِ دین حضرت مولانا شہیر

- کڈپوی (۱۰۸۲ھ۔۱۱۸۶ھ) کی ذاتِ گرامی سے بھی ایک دودمانِ عالی شان کی بنیاد پڑی۔ جس کی اولاد امجاد کے ذریعہ علمی ودینی خدمات کا سلسلہ چل پڑا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۳)

زبدۃ العارفین حضرت مولانا غلام محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقیؔ ویلوریؒ

(۱۱۵۱ھ ۔ ۱۱۹۴ھ)

حضرت غلام محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقیؔ، اس خانوادہ کی تیسری ممتاز و معروف اور علمی و ادبی شخصیت ہے۔ آپ حضرت قربیؔ کے صاحب زادے ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۱۵۱ھ م ۱۷۳۷ء کو ویلور میں ہوی۔ حضرت ذوقیؔ نے اپنے والد ماجد حضرت قربیؔ، حضرت مولانا محمد عظیم الدین اور حضرت مولانا حافظ غلام حسین سے تعلیم حاصل کی، انتہائی قلیل مدت میں معقول و منقول اور فروع واصول کی کتابوں پر عبور اور تبحّر حاصل کیا۔

حضرت ذوقیؔ نے اپنی فارسی تصنیف ''انشائے لطف اللہی'' میں اپنی خود نوشت سوانح حیات بیان کی ہے جس کے مطالعہ سے بھی ان کے بعض احوال و کوائف نمایاں ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

فقیر اپنی عمر کے چھ سال تک حرف آشنا نہیں تھا۔ میری تعلیم کی ابتداء عمر کے نویں سال سے ہوئی اور میں نے اسی زمانہ میں شعر کہنا شروع کیا۔ فقیر کی زبان سے جو اولین مصرعہ صادر ہوا وہ یہ تھا۔

در کعبۂ دل صاحب مقبول درآمد

والد ماجد نے یہ ثانی مصرعہ موزوں فرمایا: اور غزل تیار ہوی جو میری پہلی غزل تھی۔

صد شکر کہ آن دولت ماموں درآمد

فقیر کو اسی زمانہ میں بے حساب اشعار یاد ہو گئے۔ اور جب میری عمر پندرہ سال ہوئی تو کشتی اور تیز اندازی کے فنون سیکھنے میں مشغول ہو گیا اور یہ سال اسی ذوق وشوق کی نذر ہو گیا اور جب سترھواں سال شروع ہوا تو مولانا حافظ غلام حسین کی خدمت میں پہنچا اور آپ سے عربی زبان کی تعلیم شروع کی اور آپ کے پاس میری تعلیم صرف مصباح تک ہو سکی۔ پھر درس وتدریس کا یہ سلسلہ منقطع ہو گیا اور اس کے بعد فارسی ادب کی کتابیں پڑھنے کا ذوق وشوق دل میں اُبھرا۔ ان ہی دنوں ایک شب خواب میں دیکھا، کوئی صاحب فقیر سے کہہ رہے ہیں کہ حضرت شیخ نظامی گنجوی سے ملاقات کیجئے۔ فقیر نے کہا: شیخ کہاں ہیں؟ کہا! فلاں خیمہ میں تشریف فرما ہیں۔ فقیر خیمہ کی جانب چل پڑا اور اندر داخل ہوا تو شیخ کو موجود پایا۔ قدم بوسی کا شرف حاصل کرتے ہوئے آپ کے روبرو بیٹھ گیا۔ آپ میری جانب دیکھ کر مسکرانے لگے تو دفعتاً میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ آپ ہی سے ''شرف نامہ'' کا درس لیا جائے۔

اسی اثناء میں میری آنکھیں کھل گئیں۔ اور صبح ہونے کے بعد میں نے اپنے والد ماجد سے یہ خواب بیان کیا تو فرمایا: تم ''شرف نامہ'' پڑھنا شروع کردو۔ چنانچہ اس کے بعد فقیر ''شرف نامہ'' شروع کر دیا اور شیخ کے روحانی تصرف اور اعانت کی برکت سے ہر روز ایک سو اشعار سے زیادہ سبق لیا کرتا تھا۔

اس واقعہ کے بعد چند ہی دنوں کے اندر ''سکندر نامہ''، ''خسرو شیریں''، ''قرآن السعدین''، ''تحفۃ العراقین''، ''قصائد خاقانی'' پڑھ لیا اور بفضلہٖ تعالیٰ ایک سال کی مدت میں فارسی ادب کی کتب متداولہ پر عبور حاصل ہو گیا۔

اس کے بعد دوبارہ عربی زبان وادب اور دیگر علوم وفنون کی جانب مشغول ہوا اور استادِ محترم مولانا محمد عظیم الدین سے استفادہ کیا۔ آپ کی صحبت کے باعث عربی زبان وادب پر غیر

معمولی ملکہ حاصل ہوا جو احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ فارسی اور عربی ادب اور دیگر علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل بائیس سال کی عمر میں ہوئی۔

فقیر کو علم وفن کی دولت اور فضل وکمال کی نعمت اور استنباط کی قوت اور تحریر کی صلاحیت منجانب اللہ عنایت ہوی اور اس باب میں کسب وریاضت اور ظاہری مواد کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ الحمدللہ علیٰ ذلک۔

حضرت ذوقیؔ اپنے والد سے روزانہ ایک سو شعر پڑھتے تھے جو اسی وقت حافظہ میں محفوظ ہو جاتے۔ حضرت ذوقیؔ نے تمام اصنافِ شاعری میں طبع آزمائی کی ہے اور ہر صنف میں کافی ذخیرہ چھوڑا ہے شعر گوئی کا یہ عالم تھا کہ فی البدیہہ ہزاروں شعر کہہ دیتے تھے۔ نواب محمد غوث خان اعظمؔ فرماتے ہیں: حضرت ذوقیؔ کو قادر الکلامی اس درجہ حاصل تھی کہ ایک مرتبہ شعر لکھنے بیٹھتے تو سات سو اشعار ایک ہی نشست میں لکھ دیتے تھے۔

حضرت ذوقیؔ کے علمی وادبی کارناموں کا ظہور خرقِ عادت کے طور پر ہوا ہے۔ اگر آپ کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے صرف انیس سال کی قلیل مدت میں یہ تمام علمی وادبی اور دینی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ کی چوالیس ۴۴ سالہ زندگی میں ابتدائی عمر کے سات سال تحصیل علم کے بغیر بیت جاتے ہیں۔ تعلیم کے زمانہ میں بھی پانچ سال تک درس و تدریس کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اور پھر آپ اپنی زندگی میں مسلسل تین سال تک بیمار رہے۔ جس میں کوئی علمی کام انجام نہ دے سکے۔ اس طرح آپ کو صرف انیس ۱۹ سال کی مدت کام کے لئے حاصل ہو سکی۔ حضرت ذوقیؔ کے اشعار کی تعداد تین لاکھ ہے اور ان کی زود فکری گفتگو سے خارج ہے۔

حضرت ذوقیؔ نے علوم ظاہری کی تکمیل کے ساتھ ساتھ علوم باطنی کی تکمیل بھی فرمائی اور

اپنے والد ماجد حضرت قربیؔ سے تصوف وسلوک کی تعلیم پائی۔

حضرت ذوقیؔ کو اپنے والد ماجد کے علاوہ دیگر مشائخ سے مختلف سلاسل میں بیعت و خلافت کا شرف حاصل رہا۔ حضرت ذوقیؔ اخلاق وعادات اور سیرت وکردار کے باب میں سلفِ صالحین کا نمونہ تھے۔ کتاب وسنت پر عمل پیرا تھے۔ بدعات وخرافات سے انتہائی متنفر تھے اور صحابہ کرام کی شان میں گستاخی و بےادبی اور تنقیص کرنے والوں کو خارج از دین قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس مقدس اور برگزید جماعت کی شان میں خود اللہ تعالیٰ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ کہہ دے تو ایسی جماعت کی تنقیص وتکفیر کرنا یقیناً نص قطعی کا انکار ہے۔

حضرت ذوقیؔ کا عقد حضرت سکینہ بی بی بنتِ حضرت عبدالعلی بیجاپوری سے ہوا۔ جن کے بطن سے اکلوتے صاحب زادے حضرت سید ابوالحسن محویؔ ویلوری کی ولادت ہوئی۔ حضرت ذوقیؔ نے چوالیس ۴۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور اپنے والد ماجد حضرت قربیؔ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ مولوی امین بیجاپوری نے درجِ ذیل قطعہ تاریخ وفات کہی ہے۔ جو درگاہِ شریف کے باہر دیوار پر کندہ ہے۔

سرافراد محی الدین ذوقیؔ — کہ فیض اوست برابدال و اوتاد

چوں واصل شد بحق سال وصالش — امیںؔ گفتا 'غاب قطب الامجادٗ

۱۱۹۴ھ۔

حضرت ذوقیؔ کی ذاتِ گرامی سے مختلف علوم وفنون پر مشتمل اور مختلف اصناف شاعری پر حاوی ایک ضخیم کتب خانہ وجود میں آ گیا۔ جس کی نظیر علم وادب کی تاریخ میں خال خال ہی مل سکتی ہے۔ آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، تصوف، فرائض، فلسفہ، منطق، عروض، بیان، معانی اور لغت وغیرہ میں کئی ایک کتابیں تصنیف کیں اور شاعری میں کثیر الحجم قصائد، غزلیات،

مثنویاں اور دو اوین یادگار چھوڑیں۔ اور اس کے علاوہ بے شمار افراد کی تعلیم و تربیت فرمائی جس کی برکت سے اہلِ علم کا ایک کاروان تیار ہوا۔ بقول مولانا یوسف کوکن عمری:

''حضرت ذوقیؔ علم و ادب اور طالبان علم کے لئے مرکز بن گئے تھے۔ اور مختلف علاقوں کے طلباء آپ کے نزدیک استفادہ کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ اور آپ ان کے لئے خورد و نوش کا انتظام کرتے تھے۔

حضرت ذوقیؔ کی تصانیف یہ ہیں۔

۱۔ تفسیر لطیفی ۲۔ لطائف لطیفی ۳۔ انشائے عقائد ۴۔ انشائے لطف اللہی ۵۔ انشائے قادری ۶۔ انشائے باقری ۷۔ رکن رکین فی ترجمہ حصن حصین ۸۔ قصائد ذوقیؔ ۹۔ معجز مصطفیٰؐ ۱۰۔ ہدایۃ الاخبار ۱۱۔ چہار فصل ۱۲۔ عشق نامہ ۱۳۔ چمن محبت ۱۴۔ نجیب نامہ ۱۵۔ دُرِّ بے بہا ۱۶۔ علیما ۱۷۔ مفتاح النجاح ۱۸۔ احسن الاسلوب ۱۹۔ انشائے عقائد جوہر ۲۰۔ تحریر عقائد ۲۱۔ چہل حدیث ۲۲۔ رسالۂ علم عروض ۲۳۔ مختصر المناظر ۲۴۔ تادیب الخلان ۲۵۔ الطالع من طالع العینیۃ اللامع بلوامع الغیریۃ ۲۶۔ تصحیح الصلوٰۃ ۲۷۔ دلائل امامت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ۲۸۔ عجالۂ نافعہ ۲۹۔ الدّرر ۳۰۔ تصفیۃ الاذھان فی رد الروافض ۳۱۔ نواقص الروافض ۳۲ سلالۃ العقائد ۳۳۔ باب النجات ۳۴۔ عقائد ذوقیؔ ۳۵۔ غوث نامہ ۳۶۔ نظم تذکرۃ الاولیاء ۳۷۔ تذکرۃ اولیائے سلاسل ۳۸۔ تعداد الشہود ۳۹۔ نظم معارج النبوۃ ۴۰۔ زین اللغات ۴۱۔ غرائب اللغات ۴۲۔ جواہرستان در وصف تیغ نگارستان ۴۳۔ جامع العجائب ۴۴۔ دُرِّ ثمین ۴۵۔ مجموعۂ رباعیات ۴۶۔ دیوان قدیم ۴۷۔ اکبر، اوسط، اصغر ۴۸۔ اصطلاحات الشعراء ۴۹۔ مفتاح الاسرار ۵۰۔ رسالۂ استغناء

حضرت ذوقیؔ اپنے عہد کے ممتاز عالم و فاضل، عارف و صوفی، مصلح و مبلغ، مصنف و مولف اور شاعر و ادیب تھے۔ آپ کی محیر العقول تصنیفات علم و ادب کا ایک عظیم ترین گنج گراں بہا ہے۔ آپ کے ہم عصر اہل علم و قلم حضرات مثلاً حضرت باقر آگاہ مدراسی ۱۲۲۰ھ، حضرت عبدالعلی بحرالعلوم لکھنوی ۱۲۳۵ھ، حضرت خواجہ رحمت اللہ نلوری ۱۱۹۷ھ اور حضرت مولانا سید محمد قادری ۱۱۸۴ھ حضرت شاہ نور اللہ کڑپوی ۱۲۱۴ھ وغیرہ کی علمی وادبی و دینی خدمات بھی اپنی جگہ مفید اور مسلم ہیں۔ حضرت ذوقیؔ کا زمانہ علم و ادب کی تاریخ کا ایک زرّین زمانہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۴)

سراج الواصلین حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن ثانی قادری محویؔ ویلوری

(۱۱۸۶ھ ۱۲۴۳ھ)

اس خانوادہ کی چوتھی صاحب جذب واستغراق شخصیت حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن ثانی قادری محویؔ ویلوری قدس سرہٗ ہے۔ آپ حضرت ذوقیؔ کے صاحب زادے ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۷، شعبان المعظم ۱۱۸۶ھ مطابق ۱۷۷۲ء روز دوشنبہ بوقت عصر ہوی۔

حضرت محویؔ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ جب آپ کی عمر آٹھ سال ہوئی تو والد کا انتقال ہوگیا۔ والدہ حضرت بی بی سکینہ بنت حضرت عبدالعلی محمد خداوند خان غوری عرف میاں صاحب ابنِ محمد شہاب الدین میراں خان غوری، آپ کو مدراس لے گئیں۔ جہاں آپ نے مختلف اساتذۂ روزگار سے تفسیر، حدیث، فقہ، علمِ کلام، علم طب، منطق، فلسفہ اور دیگر مروجہ اسلامی علوم وفنون کی تحصیل اور تکمیل کی اور اس کے بعد اپنی والدۂ ماجدہ کے ساتھ ویلور واپس تشریف لائے اور اپنے رشتہ کے دادا محترم حضرت مولانا سید شاہ محمد میر تقی قادری سے تصوف وسلوک کی تعلیم حاصل کی اور بیعت وخلافت سے مشرف ہوئے۔

حضرت محویؔ پندرہ سال کی عمر میں آستانہ کے سجادہ نشین اور حضرت ذوقیؔ مرحوم کے جانشین ہوئے اور تعلیم وتزکیہ کے کام میں ہمہ تن مشغول ہوگئے۔

حضرت محویؔ کی عمر جب بیس سال ہوی تو اس وقت آپ کے اندر جذب وسکر اور محو واستغراق کی کیفیت پیدا ہوگئی اور آپ سے عجیب وغریب حالات اور کرامات کا صدور رہوا۔

بیس سال کی عمر میں حضرت محویؔ کا نکاح، حضرت مولانا سید علی قادری کی صاحب زادی حضرت بی بی امۃ المجید سے ہوا۔ جن کے بطن سے دو صاحب زادے اور تین صاحب زادیاں تولد ہوئیں۔ حضرت قطب ویلور آپ کے بڑے صاحب زادے ہیں۔ اور دوسرے صاحب زادے حضرت مولانا سید عبد العلی ہیں۔ وہ بھی بڑے عالم اور صاحبِ ولایت بزرگ تھے۔

حضرت محویؔ اخلاقیات میں بلند درجہ پر فائز تھے۔ آپ انتہائی غیور و خوددار، زاہد و عابد اور متوکل وقناعت پسند بزرگ تھے۔ لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا تو آپ کی فطرت ثانیہ تھی۔

حضرت محویؔ کا انتقال ستاون ۵۷ سال کی عمر میں ۲۶ جمادی الآخر ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۲۷ء روز دوشنبہ بوقتِ صبح صادق ویلور میں ہوا اور آپ اپنے جد امجد حضرت قربیؔ کے پہلو میں مدفون ہیں۔ آپ کی وفات کے دو سال بعد ۱۲۴۵ھ میں آپ کے صاحب زادے حضرت قطب ویلور نے مزارات پر درگاہ شریف تعمیر کروائی جس کی دیوار پر نصب شدہ ایک سنگین کتبہ سے معمار کا نام اور تعمیر کا سال معلوم ہوتا ہے۔

بنائے روضہ ابن ابوالحسن کرد!	بدان آئین کہ رضوان دارش دوست
بفکر سال بودم گفت ہاتف	کہ محی الدین ثانی بانی اداست

۱۲۴۵ھ

حضرت محویؔ تعلیم و تدریس، تزکیہ و تطہیر اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ بڑی عظیم اور مفید خدمات انجام دی ہے۔ مولانا عبد الحئی واعظ بنگلوری نے ایک شعر میں آپ کی تعمیر مدرسہ و

مسجد اور خانقاہ کا ذکر کیا ہے،

مسجد و خانقاہ رباط کلاں   مدرسہ وہ بنایا عالی شان

حضرت محوؔی کے قلم سے بہت سی کتابیں منصۂ شہود پر جلوہ کناں ہوئیں اور ان کا موضوع تصوف ہے۔ راقم الحروف کے علم اور تحقیق میں جو کتابیں سامنے آئیں اس کے مطابق فارسی میں آپ کی دو کتابیں ہیں ایک رسالہ ''شرحِ حقیقتِ محمدی'' ہے دوسری تصنیف ''مسئلہ بیعت غائب وحاضر'' ہے۔

حضرت محوؔی نے دکنی زبان میں متعدد کتابیں لکھی ہیں اور ان کا موضوع تصوف ہے۔ آپ کے یہ تمام رسائل قلمی ہیں اور کتب خانۂ دار العلوم لطیفیہ ویلور اور کتب خانۂ مدرسۂ محمدی، دیوان صاحب باغ مدراس اور کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں موجود ہیں۔

۱۔ رسالۂ تفصیل المراتب فی اطوار المراتب ۲۔ رسالہ ذکر وجود و مراتب وجود ۳۔ رسالۂ ذکر ۴۔ رسالۂ نفسِ رحمانی ۵۔ رسالۂ معرفت ۶۔ رسالۂ عالم ارواح ۷۔ رسالۂ عالم مثال ۸۔ رسالۂ اسمائے ربوب الٰہی

دکنی زبان میں حضرت محوؔی کے یہ کل آٹھ رسالے ہیں اگر یہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہو جائیں تو علمِ تصوف کی عظیم خدمت ہوگی اور دکنی زبان وادب کے قدیم و نادر اثاثہ کی صیانت و حفاظت ہو جائے گی۔

حضرت محوؔی کا عہد ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد سارے ملک پر بتدریج انگریزوں کا اقتدار مستحکم ہوتے چلا گیا۔ سامراجیت کے غلبہ کی وجہ سے مسلمانانِ ہند گوناگوں سیاسی، معاشی اور مذہبی مسائل سے دوچار ہو گئے۔ حضرت محوؔی کے ہم عصر علماء میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی

ذاتِ گرامی ممتاز اور معروف ہے۔ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف مسلح جہاد کا اعلان ۱۸۰۶ء میں کردیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

(۵)

مجدد شریعت وشیخ طریقت سلطان المرشدین
حضرت مولانا سید شاہ محی الدین عبداللطیف قادری
المعروف قطب ویلور

آپ کا اسم گرامی سید عبداللطیف ہے اور آپ علمی دنیا میں شاہ محی الدین اور حضرت قطب ویلور سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام حضرت سید شاہ ابوالحسن محویؔ اور والدہ ماجدہ کا نام حضرت بی بی امۃ المجید (متوفاۃ ۱۲۸۲ھ) بنت حضرت سید شاہ علی محمد قادری ویلوری (متوفی ۱۲۲۶ھ) ہے۔ حضرت قطب ویلور کی ولادتِ باسعادت بروز ہفتہ یوم البدر بوقت طلوع صبح صادق۔ ۱۴، جمادی الآخر ۱۲۰۷ھ کو آپ کے جد مادری حضرت سید علی محمد قادری کے گھر محلّہ سعید آباد ویلور میں ہوی۔ آپ کی تعلیم کی شروعات چار سال کی عمر میں ہوئی ابتدائی تعلیم والد ماجد کے پاس ہوئی۔

حضرت قطب ویلور کو دینی علوم وفنون کی تحصیل کے ساتھ فنونِ حرب وضرب کی تحصیل کے مواقع بھی من جانب اللہ حاصل ہوگئے۔ چنانچہ اس زمانہ میں ٹیپوسلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں نے ان کی بیگمات، شہزادوں اور شاہی خاندان کے دیگر لوگوں کو ویلور کے قلعہ میں نظر بند رکھا۔ سلطان کے خاندان والوں کو حضرت قطب ویلور کے والد ماجد حضرت محویؔ سے نیازمندانہ اور عقیدت مندانہ تعلق تھا۔ جب خانوادۂ ٹیپوسلطان کے افراد قلعہ میں محصور ہوئے تو حضرت محویؔ کے گھر والوں سے مزید تعلق اور آمدورفت کی صورت پیدا ہوگئی۔ حضرت محویؔ کا مکان قلعہ کی شمالی سمت ہی میں واقع

ہے۔ چنانچہ سلطان ٹیپو کے صاحب زادۂ والاشان نے حضرت محوؔی کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو صاحب زادۂ گرامی گوہر قطب ویلور کو فنونِ حرب کی تعلیم کے لئے اتالیق بھیج دوں۔ شہزادے کی خواہش پر حضرت محوؔی نے ہاں کہہ دی۔ اس طرح حضرت قطب ویلور نے فنون حرب وضرب میں کمال حاصل کرلیا۔ چنانچہ عبدالحیؔ بنگلوری نے اپنی مثنوی ''مطلع النور'' میں ذکر کیا ہے۔

حضرت قطب ویلور نے اپنے والد ماجد اور دیگر نابغۂ روزگار اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ اور چند سالوں کی مدت میں علم تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، اصول، فرائض، تصوف، فلسفہ، منطق، کلام، ہندسہ، ہئیت، حساب، مساحت، طبابت وغیرہ میں ملکہ پیدا کرلیا۔ اور انیس سال کی عمر میں ۱۲۲۶ھ میں درسیات سے فراغت حاصل کرلی۔ اور اسی زمانہ میں کلام اللہ حفظ کرنا شروع کیا اور صرف ایک سال کی قلیل ترین مدت میں حافظِ قرآن ہوگئے۔

حضرت قطب ویلور کے اساتذہ کرام میں ملک العلماء حضرت مولانا مولوی علاؤالدین احمد پرنسپل، مدرسۂ کلاں مدراس اور افضل العلماء قاضی القضاۃ محمد ارتضا علی خان بہادر، اور مولانا محمد سعید اسلمی کے نام سرفہرست ہیں۔

حضرت قطب ویلور نے حصول علم کی غرض سے مدراس میں آٹھ سال قیام کیا۔ بحرالعلوم کے داماد حضرت مولانا علاؤالدین احمد (شارحِ فصولِ اکبری) اور مدرسۂ کلاں کے اساتذۂ کرام سے تعلیم حاصل کی۔ ۵ شعبان المعظم ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۳۰ء کو آپ کی فراغت ہوئی۔

حضرت قطب ویلور نے اپنے والد ماجد حضرت محوؔی سے خرقۂ خلافت زیب

تن فرمایا اور ۱۲۴۳ھ میں والد کی وفات کے بعد مسندِ سجادگی پر رونق افروز ہوئے۔ مسندِ سجادگی پر متمکن ہونے کے بعد حضرت قطب ویلور درس وتدریس، اصلاح وتزکیہ اور دعوت وتبلیغ میں ہمہ تن مشغول اور مصروف ہو گئے۔

آپ نے اپنی ذات کو مدرسہ میں درس وتدریس اور خانقاہ میں تلقین وارشاد کی حد تک ہی محدود اور مقید نہیں رکھا۔ بلکہ عام مسلمانوں اور عورتوں کی اصلاح وتعلیم اور وعظ وتذکیر کی جانب بھی توجہ کی اور مواعظ حسنہ کا سلسلہ شروع کیا۔ بقول صاحب "مقالاتِ طریقت"

"آپ ہر روز عصر کی نماز پڑھ کر بالا خانے پر جلوہ افروز ہوتے، پند ونصائح اور ارشاد میں مغرب تک دربار عام فرماتے، مغرب نماز ادا فرمانے کے بعد قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر بیان فرماتے اور یہ سلسلہ نماز عشاء تک جاری رہتا۔

بقول صاحب "ضمیمہ جواھر السلوک"

مردوں میں ہر جمعہ اور عورتوں میں ہر سہ شنبہ (منگل) تقریر فرماتے تھے۔ حضرت قطب ویلور کے دست مبارک پر عرب وعجم میں سات لاکھ سے زائد لوگوں نے بیعت کی اور چار سو سے زائد اربابِ علم وفضل نے خرقۂ خلافت زیب تن فرمایا۔

حضرت قطب ویلور نے تعلیم وتدریس اور اصلاح وتزکیہ کے ساتھ ساتھ امتِ دعوت (غیر مسلم اقوام) کو اسلام کی جانب مائل اور راغب کرنے کی مہم شروع کردی۔ آپ نے سب سے پہلے ملکۂ برطانیہ کو اسی کی زبان میں اسلام کی دعوت دی مفکر اسلام حضرت مولانا مولوی سید شاہ ابوالحسن علی ندوی حسنی مرحوم کے والد ماجد حضرت مولانا مولوی سید شاہ عبدالحیؒ حسنی ندوی سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اپنی

عربی تصنیف نزہۃ الخواطر میں لکھا ہے۔ بعث رسالۃ فی تلک الغۃ الی ملکۃ انکلیزیا یدعوھا الی الاسلام۔

حضرت قطب ویلور نے ملکہ انگلستان اور اس کے وزراء وحکام اور عیسائیوں کے علاوہ ہندوستان کے راجاؤں اور یہاں کے غیر مسلم باشندوں کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ ۱۲۸۵ھ میں ایجادنگر، صبح کونگرد، کالیستر ونکٹ، تروندرم، کوچین اور مالابار کے راجاؤں کی خدمت میں اپنے خلفیہ مولانا مولوی سید حفیظ الدین اور مولانا مولوی سید علی کے ذریعہ دعوتِ اسلام کا پیغام بھیجا۔

حضرت قطب ویلور ۲ شعبان المعظم ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء کو حجاز تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ ایک بہت بڑا قافلہ تھا۔ آپ نے وہاں دوسال قیام کیا۔ آپ کی ذاتِ گرامی سے وہاں بہت سارے لوگوں کو علمی و روحانی فیض پہنچا۔ آپ نے طائف کا بھی سفر کیا اور وہاں چند دن قیام فرمایا۔ آپ کی عربی تصنیف ''رسالۂ الف مقام'' اسی فردوس حجاز کی خوش گوار فضا میں جلوہ نما ہوئی۔

حضرت قطب ویلور مکہ مکرمہ پہنچے تو شریف مکہ نے آپ کی خدمت میں حاضری دی اور آپ سے تحفہ اثناء عشریہ کو عربی میں ترجمہ کرنے کی گزارش کی۔ آپ نے قبول فرمایا اور چند دنوں کے اندر ترجمہ کر دیا۔ شریف مکہ آپ کو ترجمہ کے ساتھ مملکت روم بھیجنا چاہا لیکن آپ نے روم جانا پسند نہیں کیا تو ترجمہ روم روانہ کر دیا گیا۔

حضرت قطب ویلور مکہ تشریف لے گئے تو وہاں حضرت مولانا شاہ اسحاق دہلوی مہاجر مکی بھی سکونت پذیر تھے۔ جن سے آپ نے علمی استفادہ فرمایا۔ شاہ صاحب نے آپ کو ماہ جمادی الاول ۱۲۶۲ھ میں تبرکاً سندِ حدیث بھی دی جس کا تذکرہ مولانا حکیم

سید عبدالحیٔ حسنی نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

''صحب الشیخ اسحق الدھلوی المھاجر بمکة الشریفه وأخذ عنه' الطریقة''

حضرت قطب ویلور مکہ مکرمہ میں تقریباً ایک سال مقیم رہنے کے بعد مدینۂ منورہ تشریف لے گئے۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ روضۃ النبی ﷺ پر حاضر ہوئے اور اندر داخل ہونا چاہا تو دربان نے روک دیا۔ آپ سے یہ امتناع سہا نہ گیا اور اسی وقت بڑی بے تابی کے ساتھ باہر ہی سے بآواز بلند سلام پیش کیا: السلام علیکم یا جدّی ! حضور ﷺ نے جواب دیا: تعال یاولدی۔ دربان اور زائرین نے آواز نبوی سنی تو انگشت بدنداں رہ گئے اور دربان اپنے کئے پر پشیمان ہوگئے۔ اس واقعہ کے بعد آپ ہر روز روضۂ نبوی ﷺ میں داخل ہوتے تھے اور روضۂ مبارک کی جاروب کشی فرماتے ور قندیلوں کو صاف کیا کرتے تھے۔

اس طرح حرم نبویؐ کی پر کیف ایمانی و روحانی فضا میں آپ کی زندگی کے شام و سحر بسر ہو رہے تھے۔ ایک رات خواب دیکھا، نبی کریمؐ تشریف لائے ہیں اور ارشاد فرما رہے ہیں۔ رح یاولدی۔ میرے فرزند ہندوستان واپس جاؤ۔

نیند سے بیدار ہوئے تو رسول محترم کی جدائی کے تصور سے بے چین ہو گئے اور بادل نخواستہ ہندوستان لوٹنے کا ارادہ رکرلیا۔ کیونکہ آپ اسی سرزمین میں تادم زیست رہنے کی نیت سے مدینہ آپہنچے تھے، روضۂ نبویؐ پر وداعی سلام پیش کرنے کے لئے پہنچے، اپنا سر مبارک دروازہ شریف پر رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، یہاں تک کہ

غنودگی اور خواب کی کیفیت پیدا ہوگئی، نبی کریم ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوئے، اور دربارنبویؐ سے یہ مژدہ جان فزا ملا، یاولدی لاتحزن انت من ارضنا، میرے فرزند غمگین نہ ہوتم ہماری زمین سے ہو۔ نیند سے بیدار ہوگئے چہرہ سے حزن و ملال دور ہوگیا زمین سعادت گاہ دارین میں دفن ہونے کی بشارت مل گئی تو خوشی خوشی مدینہ منورہ سے نکل کھڑے ہوئے یہ ساری تفصیل حضرت قطب ویلور کے ہم سفر خلیفہ مولوی عبدالباسط نے اپنے قلمی سفرنامہ میں تحریر کیا ہے۔

حضرت قطب ویلور ۹ ذی الحجہ ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۶ء کو ویلور رونق افروز ہوئے

سن تھا بارا سے ساٹھ پر دوم ماہ ذوالحج کی تھی یقین نہم
ہوا بالخیر وارد ویلور ہوا ویلور اس سے مطلع نور

(ملخص از مثنوی ص:۳۵)

حضرت قطب ویلور ۴ شوال المکرم ۱۲۸۸ھ کو دوسری مرتبہ سفر حجاز پر روانہ ہوگئے۔ اس سفر میں آپ کے ہم راہ آپ کے صاحب زادے شمس العلماء حضرت مولانا مولوی رکن الدین سید شاہ محمد قادری اور آپ کے ہمشیر زادے حضرت مولانا مولوی سید شاہ محمد قادری اور مریدین و خلفاء اور متعلقین و متوسلین کی خاصی تعداد تھی۔

حضرت قطب ویلور کی ذات گرامی سے جب وسیع پیمانہ پر اصلاح و دعوت کا کام شروع ہوا تو بعض شر پسندوں نے ۱۲۵۵ھ میں آپ کے خلاف حکومت میں یہ شکایت درج کروائی کہ آپ مسلمانوں کو برطانوی حکومت کے خلاف جہاد پر ابھار رہے ہیں۔ حکام نے آپ کو قید کرنے اور آپ پر مقدمہ چلانے کا حکم صادر کر دیا۔

چتور کے صدر حوالات میں ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں شیخ کو داخل

رکھا گیا۔ شیخ نے تمام الزامات اور اعتراضات کا جواب پورے اطمینان وسکون کے ساتھ مدلل اور موثر طریقہ سے دیا۔ بالآخر آپ کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے آپ کو باعزت رہا کر دیا گیا۔

حضرت قطب ویلور کی باعزت رہائی کے بعد برطانوی حکام نے اس واقعہ کی اطلاع ملکۂ انگلستان کو دی اور لکھ بھیجا کہ آپ پر عائد کردہ الزامات بے بنیاد ثابت ہوئے۔ اس پر کوئن وکٹوریہ نے حضرت قطب ویلور کی خدمت میں ایک مکتوب بھیجا۔ جس میں اس بات کا اعتراف کیا ''ہم نے آپ کو بے جا ایذا پہنچائی آپ کے ساتھ سرکاری حکام کا جوررویہ رہا وہ ان کی اپنی ذمہ داری کی بناء پر تھا اور نہ انہیں آپ کے ساتھ کوئی دشمنی اور عداوت نہیں تھی۔ ہم اس واقعہ میں آپ سے معذرت خواہ ہیں۔

نکاح واولاد:

حضرت قطب ویلور کا پہلا نکاح آپ کے پھوپھا حضرت سید غوث قادری ویلوری کی دختر نیک اختر سیدہ عائشہ بی بی صاحبہ سے ہوا۔ جن کے بطن سے ایک صاحب زادی امۃ الصمد تولد ہوئی۔ حضرت قطب ویلور نے پہلے سفر حج سے واپسی کے بعد جب کہ آپ کی اہلیۂ محترمہ کا وصال ہو چکا تھا۔ دوسرا نکاح محترمہ عفت النساء بی بی صاحبہ سے ۱۲۶۷ھ میں کیا جن کے بطن سے سید شاہ رکن الدین محمد قادری ۱۲۶۹ھ میں پیدا ہوئے۔

(دارالعلوم کا ادبی منظرنامہ: ص: ۱۹۹۔۲۲۰: راہی فدائی)

حضرت قطب ویلور نے عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں کتابیں لکھی ہیں۔

(۱) ترجمۂ تحفہ اثناء عشریہ

(۲) صراط المؤمنین

(۳) رسالہ در جواب حفظی

(۴) رسالۂ الف مقام

(۵) فصل الخطاب بین الخطاء والصواب

(٦) جواہر الحقائق

(۷) جواہر السلوک

(۸) غایۃ التحقیق

(۹) مکتوبات لطیفی

(۱۰) خلاصۃ العلوم

(۱۱) شفاعۃ بالاذن

(۱۲) احیاء السنہ

(۱۳) احیاء توحید

(۱۴) تنبیہ الجاہلین

(۱۵) فطرہ کے احکام

حج کے بعد حضرت قطب ویلور کی طبیعت میں کافی ضعف اور اضمحلال پیدا ہو گیا۔ ''محرم کی چھ تاریخ تھی۔ آپ زیارتِ نبوی ﷺ سے مشرف ہوئے۔ اپنے فرزند ارجمند سید محمد رکن الدین کو خرقۂ خلافتِ آبائی اور خلفائی سے سرفراز کیا۔

گیارہ محرم پنجشنبہ کا دن تھا کہ آواز نہایت پست ہو گئی اور لب مبارک ہلنے لگے۔ مولوی شہاب الدین صاحب لبِ مبارک کے نزدیک کان لے گئے تو صاف طور

پر یہ صدا سنی ''لقد نظر اللّٰہ الیّ '' اسی حالت میں عصر کے وقت قفس عنصری سے روحِ پُر فتوح پرواز ہوئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دوسرے دن جمعہ تھا، نماز جمعہ کے بعد تمام زائرین نے جو ستر ہزار سے کم نہ ہوں گے، جنازے کی نماز پڑھی اور جنت البقیع میں اہل بیت کے پائین دفن ہوئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۶)

سالک مسالک شریعت وطریقت

حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری ویلوری

(۱۲۶۹ھ ۱۳۳۵ھ)

اس خاندان کی روشن خیال وزمانہ شناس اور متحرک وفعال چھٹی شخصیت شمس العلماء حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری ہے۔ آپ حضرت قطب ویلور کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت نبی کریم ﷺ کی بشارت اور مختلف بزرگانِ کرام کے مراقبات ومبشرات اور پیشن گوئیوں کے مطابق ۲۲، شوال المکرّم ۱۲۶۹ھ کو ویلور میں ہوی۔

حضرت رکن الدین نے اپنے والد ماجد اور حضرت مولانا مولوی شاہ محمد حنیف قادری سے درسِ نظامیہ کے نصاب کی تکمیل کی اور اپنے والد ماجد کے زیرِ نظر سلوک کی منزلیں طے کیں۔ عمر کی انیسویں بہار میں والد ماجد کے ہمراہ حجِ بیت العتیق کے لئے روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ میں ۷ محرم الحرام ۱۲۸۹ھ کو والد ماجد حضرت قطب ویلور نے اپنی وفات سے چاردن قبل آپ کو بیعت وخلافت اور ایک سوا کانوے سلاسل میں اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت رکن الدین اپنے والد ماجد کی وفات حسرت آیات کا غم وصدمہ لئے ہوئے مدینہ منورہ سے ویلور واپس تشریف لائے تو خاندانی روایات کے مطابق ۳، جمادی الآخر روز پنجشنبہ ۱۲۸۹ھ کو آپ کی رسم سجادگی نہایت تزک واحتشام کے ساتھ

ادا کی گئی۔ اس عظیم الشان تاریخ ساز اجلاس میں علماء وفضلاء صوفیاو اتقیاء، روساء وعمائدین، شعراء وادباء اور عوام لناس کی کثیر تعداد شریک رہی۔

حضرت رکن الدین کے دور میں ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی وقومی، علمی و دینی اور معاشی واقتصادی زندگی میں ایک زبردست انقلاب کے آثار نمایاں ہوگئے۔ سامراجی تسلّط اور برطانوی اقتدار کی وجہ سے ہندوستان کی مسلم ریاستیں نیم مردہ ہوگئیں۔ مغربی علوم وفنون کے ارتقاء اور مغربی تہذیب وتمدن کی یلغار اور عیسائیت کی نشر واشاعت اور انگریزی زبان کے غلبہ کی وجہ سے اور انگریزی سرکاری زبان بن جانے کے باعث مسلمانوں کے لئے متعدد اور مختلف سنگین مسائل کھڑے ہوگئے، ان حالات میں بعض ذی فہم اور صاحب بصیرت حضرات میدانِ عمل میں تشریف لائے اور انہوں نے مسلمانوں کے علمی و دینی اور مذہبی وملی تشخص وشعار کو باقی و برقرار رکھنے کی جدوجہد شروع کردی اور مسلمانوں کی نئی نسل کو دینی تعلیم سے آراستگی کے ساتھ جدید علوم سے آراستہ کرنے کی مہم شروع کردی۔

دارالعلوم لطیفیہ کی خشتِ اولین ۱۱۴۰ھ اور ۱۱۵۰ھ کے درمیانی عرصہ میں حضرت رکن الدین کے جدّ اعلیٰ حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری کے ہاتھوں رکھی گئی۔ ۱۳۰۲ھ میں حضرت رکن الدین نے اس کی جدید تشکیل کی۔ چنانچہ آپ نے طلبا کی مستقل سکونت کے لئے وسیع عریض عمارت بنائی اور اس میں درس وتدریس کے لئے ایک کشادہ ہال تعمیر کیا۔

حضرت رکن الدین نے زمانہ اور وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے تعلیمی میدان میں بڑی مفید اور عظیم اصلاحات کیں اور مدرسہ میں مختلف علوم وفنون اور

انگریزی تعلیم کا انتظام کیا اور درس نظامیہ کے نصاب کو جاری کیا اور شمال و جنوب کے لائق و فائق علماء و فضلاء اور ماہرین فنون کو درس کے لئے منتخب کیا اور جب طلبا کی پہلی جماعت فارغ ہوئی تو آپ نے ایک عظیم الشان جلسہ بنائے عمارت مدرسۂ لطیفیہ و تقسیم اسناد بتاریخ ۱۹ شعبان المعظم ۱۳۱۱ھ روز دوشنبہ منعقد کیا۔ جس میں علماء و فضلاء، مشائخ و صوفیا، امراء اور وساء اور عوام کی بھاری اکثریت شریک رہی۔

اس تاریخ ساز اجلاس کے موقعہ پر حضرت مولانا رکن الدین کے علاوہ حضرت مولانا سید محمد فخر الدین فخری، حضرت مولانا سید شاہ درویش پیر قادری میسوری، حضرت مولانا ابوالفضل سید شاہ محمد نظام الدین نقوی قادری فخری، حضرت مولانا منشی غلام محمود مہاجر مدراسی، حضرت مولانا مولوی شاہ محمد ولی اللہ قادری شاہنوری، حضرت مولانا محی الدین چیدہ حسینی وغیرہ کے فکر انگیز اور پر مغز خطابات ہوئے اور طلبائے فارغین کی صلاحیت سے بھرپور تقاریر ہوئیں۔ اس جلسہ کی روئیداد اور دارالعلوم لطیفیہ کی تعلیمی رپورٹ اور مستقبل کے تعمیراتی منصوبوں سے متعلق ایک مفصل رپورٹ ''روئیداد جلسۂ دستار بندی و جلسہ بنائے عمارت مدرسہ لطیفیہ'' کے نام سے شائع کی گئی ہے اور یہ روئیداد ڈیمی سائز کے ۱۱۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور یہ راقم الحروف کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

اس مقام پر حضرت مولانا رکن الدین کے ولولہ انگیز اور فکر انگیز خطاب پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا فائدہ سے خالی نہیں۔ اس موقعہ پر آپ کے دو خطابات ہوئے۔ خطابِ عام صفحہ ۲۲ سے لے کر صفحہ ۵۸ اور خطاب خاص صفحہ ۱۱۱ سے لے کر ۱۱۸ پر پھیلا ہوا ہے۔ آپ کی پرزور تقریر آپ کی زمانہ شناسی اور لطیف جذبات، پاکیزہ احساسات، روشن

خیالات اور تعمیراتی اقدامات کی آئینہ دار ہے۔

''ارباب مجلس! کیا ہماری طبیعتوں میں یہ جوش اسلام نہیں ہے کہ افلاس اور بے علمی کی مہلک بیماری کی مریض قوم کو صحیح وتندرست بنائیں اور کیا ہم کو اپنے مسلمانوں کی افسوسناک حالت پر توجہ ونظر نہیں ہے کہ ان کی تعلیم وتربیت کی خبر گیری ہر وقت کرتے رہیں اور کیا ہمارے میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ اسلام کے بجھتے ہوئے چراغ کو روشن اور منور کریں۔ اس مقام میں مدرسہ کی عمارت کی نہایت ضرورت ہے۔

اور جن طلباء کا خیال علم دین کے علاوہ انگریزی پڑھنے کا ہے، ان کے لئے بھی ایک صیغہ انگریزی اس مدرسہ سے متعلق کیا جائے۔ طلباء کے لئے ایک دارالفنون قائم کریں تاکہ ہمارے بھائیوں کی اولاد رزقِ حلال کا ذریعہ پیدا کرلیں اور علم وہنر سے بہرہ ور ہوجاویں۔ اسی دارالفنون میں ایک مطبع بھی رہے، علم سکھلانے میں حاضرین کو فیض پہنچتا ہے۔ لیکن کتابوں کے طبع کرانے میں علم کا فیض نزدیک ودور اور حاضر وغائب سب کو بآسانی پہنچے گا۔

مدرسہ میں ایک حکیم بھی ایسا رکھنا چاہئے کہ جس کو یونانی اور انگریزی طبابت سے بھی واقفیت ہو اور وہ طبیب جن طلبا کو فن طب کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے ان کو اس علم کی تعلیم دیا کرے تاکہ وہ لڑکے اس شریف علم کی بدولت عزت کے ساتھ اپنا قوت (روزی) بھی پیدا کرلیں اور خلائق کو بھی نفع پہنچائیں۔

تعلیم انگریزی درجہ کفر تک پہنچاتی ہے! یہ ہرگز نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ بھی ایک زبان ہے۔ متعدد زبانوں کا سیکھنا اور اس میں کمال پیدا کرنا، کمالاتِ انسانی میں شمار کیا جاتا ہے، تو ہمارے ملکی بودوباش کے لحاظ سے اور معاشی امورات کے سرانجام

دینے اور اظہار حوائج ومطالب کی غرض سے اور ہمارے دین حق پر حملوں کے دفاع کی نیت سے انگریزی تعلیم بری نہیں۔۔۔۔۔۔علم کیا ہے؟ انسان کی موروثی متاع ہے۔ علم نہیں تو میراث نہیں۔علم نہیں تو دولت نہیں۔علم نہیں تو دنیا نہیں۔علم نہیں تو آخرت بھی نہیں۔

اس اجلاس سے جنوبی ہند کی مایہ ناز اور زمانہ شناس علمی شخصیت حضرت مولانا سید محمد فخر الدین فخری نے بھی خطاب کیا۔جس کا ایک اقتباس یہاں نقل کیا جارہا ہے۔

جس طرح دینی علم کا حاصل کرنا ضروری ہے۔اسی طرح دنیوی علم کا جاننا بھی لازمی ہے۔دنیوی علوم وفنون کے حاصل کرنے میں ہمیں زمانے کی رفتار اور ضرورتوں پر بھی نظر رکھنی چاہیئے،علوم وفنون کو زمانے سے لازمی نسبت اور خصوصیت ہے۔آج کل ہم کو اور ہماری اولاد کو دینی علم کے علاوہ دنیوی علم کا جاننا اشد ضروریات سے ہے۔

اس زمانے میں انگریزی تعلیم بقدر ضرورت واجب ہے۔فی زمانا بغیر انگریزی جانے کے، دنیا کے کاروبار نہیں چلتے۔جب تک کہ یہ طلباء انگریزی نہیں جانیں گے دنیا کے سامنے اسلام پیش نہیں کرسکتے۔پھر وہ بھاری کام نشر اسلام کا ہاتھ نہ آئے گا۔جس کے طفیل میں ہمیں خیر امت کا تمغہ ملا ہے۔

جس طرح ہمارے طلبا مشرقی علوم میں کامل مہارت حاصل کر کے تحصیل کی سند لیتے ہیں۔ایسے ہی مغربی علوم میں انہیں اعلیٰ درجہ کی سند دلائی جائے اور موجودہ زمانہ میں اسلام کو ایسے ہی طالب علموں کی ضرورت ہے جو مشرقی اور مغربی علوم میں کامل نصیبہ حاصل کیئے ہوں۔

تعلیم سے بہت لوگ غلطی کرے کے فقط مردوں کی تعلیم مراد لیتے ہیں۔یہ ان

کی سراسر غلطی ہے، علم معاد اور علم معیشیت کی ذمہ داری میں مرد اور عورت دونوں برابری کا حق رکھتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مرد، علم کے زیور سے آراستہ ہوں اور عورت محروم رہے۔ عورتوں کی تعلیم و تربیت نہایت ضروری ہے۔ ہم اسلامی تاریخ سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں عورتیں بھی تعلیم یافتہ تھیں۔

جنوبی ہند میں حضرت قطب ویلور کے بعد حضرت مولانا رکن الدین پہلے عالم ہیں۔ جنہوں نے مسلمانوں کے حق میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم اور سائنسی علم کو ضروری سمجھا اور زندگی مین انگیریزی زبان کی ضرورت و اہمیت اور اسلام کی تبلیغ میں انگریزی زبان کی ضرورت و حاجت اور نئے علوم وفنون کی ضرورت و افادیت کو محسوس کیا اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایک عظیم علمی وفنی دانش گاہ کا خاکہ اور نقشہ پیش کیا۔ اگر اس وقت جنوب کا جمود ٹوٹ گیا ہوتا تو ایک صدی قبل ہی سرزمین جنوب پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جیسی علمی و سائنسی دانش گاہ معرض وجود میں آگئی ہوتی اور یہاں کے مسلمان عصری اور سائنسی تعلیم کے میدان میں سابقین اولین کا مقام حاصل کر لیتے۔

حضرت مولانا رکن الدین وسیع النظر، وسیع الخیال اور وسیع المشرب عالم دین تھے۔ آپ کے اندر گروہی محبت، جماعت حقارت، مسلکی عصبیت اور اختلافی مسائل میں شدت نہ تھی۔ آپ مذہباً حنفی اور مشرباً قادری اور مزاجاً اعتدال پسند تھے اور تمام مکاتیب فکر کے لوگوں کے ساتھ عزت واحترام، حسنِ اخلاق وحسن سلوک اور رواداری و سیر چشمی سے پیش آتے تھے۔ اسی لئے آپ کے روابط وتعلقات میں بڑی وسعت تھی۔ آپ کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، درسگاہیں اور مسلم یونیورسٹی وجود میں آئیں تو ان کے بارے میں بعض اہل علم افراط وتفریط اور تشدد وتعصب کا

شکار ہو گئے لیکن حضرت مولانا رکن الدین نے اس باب میں اپنا تعمیری مزاج و کردار اور اعتدال و توازن کو برقرار رکھا۔ اس دیار و امصار میں ندوۃ العلماء کی تحریک غلط فہمیوں اور شکوک و شبہات کی شکار تھی ایسے ماحول میں حضرت مولانا رکن الدین نے ندوۃ العلماء کی تائید اور حمایت کی۔ جس کی وجہ سے خواص و عوام ندوہ کی جانب مائل اور متوجہ ہوئے۔ حضرت مولانا رکن الدین نے ندوۃ العلماء کے دسویں اجلاس منعقدہ مدراس ۳،۴،۵، جنوری ۱۹۰۴ء میں اپنے صاحب زادے حضرت مولانا مولوی سید شاہ عبداللطیف قادری ملی کو اپنا قائم مقام بنا کر مکتوب کے ساتھ بھیجا۔ ذمہ دارانِ اجلاس نے یہ مکتوب حاضرین جلسہ کے سامنے پڑھ کر سنایا۔

حضرت مولانا رکن الدین کو ۱۸۹۸ء میں آپ کی خدماتِ عالیہ کی بنا پر وائسرائے ہند اور گورنر جنرل آف انڈیا کی طرف سے ایک بہترین قیمتی تحفہ اور "شمس العلماء" کا خطاب دیا گیا۔

حضرت مولانا رکن الدین کے دور میں دار العلوم لطیفیہ میں شمال و جنوب کے باکمال اساتذۂ کرام درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ بعض حضرات کرام کے نام یہ ہیں۔ حضرت مولانا مولوی فقیہہ محمد محی الدین قادری عرف دبلے محی الدین۔ حضرت مولانا مولوی محمد نینا صاحب کایل پٹنم، حضرت مولانا مولوی سید شاہ علیم اللہ بختیاری، رائچوٹی۔ والد ماجد حضرت سید شاہ صبغۃ اللہ بختیاری سابق مدرس باقیات صالحات ویلور (آندھرا پردیش) حضرت مولانا مولوی سید شاہ فضل اللہ قادری، حضرت مولانا مولوی سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری، حضرت مولانا مولوی محمد تقی لکھنوی، حضرت مولانا مولوی افہام اللہ لکھنوی، حضرت مولانا مولوی احمد حسن کانپوری، حضرت

مولانا مولوی حافظ سید عبدالجمیل پشاوری، مولانا مولوی ابوالسعادات احمد کویاشالیاتی ملیباری، حضرت مولانا مولوی الحاج حافظ قاری سید قاسم صاحب، حضرت مولونا مولوی الحاج محی الدین حسین چیدہ، وغیرہم۔

حضرت مولانا رکن الدین کی ذات گرامی سے ہزاروں افراد بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے۔

حضرت مولانا رکن الدین کا عقد سعید آپ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت مولانا مولوی سید شاہ فضل اللہ قادری کی صاحب زادی سے ہوا۔ جن کے بطن سے مولانا سید شاہ عبداللطیف مکی اور سید شاہ غوث پیر قادری اور چھ صاحب زادیاں تولد ہوئیں۔

۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء کو آپ کا وصال ہوا اور اپنے دادا حضرت محوی کے بغل میں محوِ خواب ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

(۷)

زبدۃ العرفاء حضرت مولانا مولوی سید شاہ عبداللطیف قادری
المعروف حضرت مکی ویلوری
(۱۲۹۸ھ ۱۳۳۸ھ)

اس خانوادے کے ساتویں صاحب زہد بزرگ حضرت مولانا مولوی سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف حضرت مکی قدس سرہٗ ہیں۔ حضرت مولانا رکن الدین کے بڑے صاحب زادے ہیں۔ آپ کی پیدائش ۲۶ ربیع الاول ۱۲۹۸ھ روز دوشنبہ بوقت سہ پہر ویلور میں ہوی۔ آپ کی تعلیم اپنی آبائی درس گاہ، دارالعلوم لطیفیہ ہی میں ہوی۔ والد ماجد سے سلوک کی تعلیم پائی۔ اور ایک سوا کا نوے سلاسل میں بیعت وخلافت اور اجازت کی نعمت پائی۔ ۱۳۲۵ھ میں حضرت مولانا رکن الدین کی وفات ہوی تو آپ خانقاہ کے گدی نشین اور دارالعلوم لطیفیہ کے سرپرست ہوئے۔ آپ کے دور میں دارالعلوم لطیفیہ ترقی کی شاہ راہ پر گامزن رہا۔ بے شمار طالبانِ علوم نبوت نے اکتسابِ علم کیا۔ ان میں سے بعض حضرات کو علمی دنیا میں کافی شہرت حاصل ہوئی جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ مولانا مولوی ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری

۲۔ مولانا مولوی سید شاہ شہاب الدین قادری۔ ترچنا پلی

۳۔ مولانا مولوی حکیم قاضی غلام غوث شریف، ویلوری

۴۔ مولانا مولوی مولانا مولوی مدیکار محمد قاسم، آمبور

۵۔ مولانا مولوی مفتی عبدالباسط، محمود بندری

۶۔ مولانا مولوی محمد اکرم بھٹکلی

۷۔ مولانا مولوی محمد کویا ملیباری

حضرت عبداللطیف کی شخصیت و سیرت سے متعلق مؤلف ''انوار اقطاب ویلور'' کا بیان ملاحظہ ہو:

سانولا رنگ، کشادہ پیشانی، گھنی داڑھی، چہرہ پُر گوشت و بارعب، سینہ عریض، جسم لحیم، قد متوسط، آواز وزن دار پُر وقار، بہت سنجیدہ، متین اور حلیم الطبع تھے، وضع داری کا پاس بہت زیادہ تھا، تا زیست آباء واجداد کے نقشِ قدم پر چلتے رہے۔ طبیعت میں خلق سے بے نیازی بہت زیادہ تھی۔ خدمتِ خلق کا جذبہ تھا۔ جو بھی سائل آیا اس کا سوال پورا کیا۔ آپ کا دستر خوان ہمیشہ کشادہ رہا۔ دوست اور دشمن سبھی سے شاداں و فرحان ملتے تھے۔''

حضرت عبداللطیف مذہبی و تعلیمی مسائل اور ملی و قومی معاملات میں اپنے والد حضرت رکن الدین کے نقش قدم پر تھے۔ آپ نے ندوۃ العلماء کے اجلاس (منعقدہ مدراس ۱۴، ۱۵، ۱۶، شوال المکرّم ۱۳۲۱ھ) میں شرکت کی اور بحیثیت میر مجلس، اجلاس ندوۃ العلماء سے خطاب فرمایا۔ آپ کی یہ تقریر روئداد اجلاس دہم، ندوۃ العلماء مدراس میں شائع ہوئی ہے۔

حضرت عبداللطیف ۱۳۳۸ھ میں سوئے حرم چل پڑے۔ ایک شب خواب میں اپنے والد ماجد حضرت رکن الدین اور اپنے دادا محترم حضرت قطب ویلور کو دیکھا، یہ دونوں حضرات آپ کو ارضِ حرم آنے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ جیسے ہی آپ ان کی

ملاقات کے لئے آگے بڑھے تو حضرت قطب ویلور نے فرمایا حرم میں ملاقات ہوگی۔ اس خواب کا ذکر اپنی والدہ ماجدہ سے کیا تو وہ تعبیر سمجھ گئیں اور اسی وقت ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ حضرت عبداللطیف چہارشنبہ ۳۰ شوال ۱۳۳۸ھ ویلور سے روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ بڑے صاحب زادے مولانا مولوی ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری اور مولانا مولوی مفتی عبدالباسط اور چند حضرات تھے۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد آپ اُمّ القریٰ میں تھے۔ ۱۹ ذی الحجہ کو جنت الماویٰ تشریف لے گئے۔ جہاں ایک جگہ ٹھہر کر بہت دیر تک دعا میں مشغول تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ وہاں سے واپس ہوتے ہی مولانا مفتی عبدالباسط کو طلب فرمایا اور اپنے ہم سفر فرزند کی جانشینی اور آستانہ کی سجادہ نشینی کے لئے خلافت نامہ تحریر کرنے کا حکم دیا۔ اور جوارِ حرم میں صاحب زادۂ والا شان حضرت مولانا مولوی ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری کو بیعت و خلافت سے نوازا۔ اور اسی روز ۱۹، ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ کو سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ دوسرے روز ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ کو آپ کی تجہیز و تکفین عمل میں آئی اور ایک لاکھ زائرینِ حرم نے آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی اور آپ جنت الماویٰ میں اسی جگہ مدفون ہوئے جہاں آپ ایک روز قبل محوِ دعا تھے۔

آپ کا عقد مسعود ۱۳۲۲ھ حضرت قطب ویلور کے ہمشیر زادے حضرت سید شاہ عبدالقادر قادری کی صاحب زادی سے ہوا۔ جن کے بطن سے چار لڑکے اور دو لڑکیاں تولد ہوئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۸)

امام العارفین حضرت مولانا مولوی حافظ ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری ویلوری

(۱۳۲۴ھ ۔ ۱۳۷۸ھ)

اس خانوادہ کی آٹھویں بزرگ شخصیت حضرت مولانا مولوی حافظ ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری علیہ الرحمہ ہیں۔ جو حضرت عبداللطیف مکی کے فرزندِ اوّل ہیں۔ آپ کی ولادت شب یکشنبہ ۴، ربیع الاول ۱۳۲۴ھ کو شہر ویلور میں ہوی۔ آپ کی تعلیم دارالعلوم لطیفیہ میں ہوئی۔ آپ کے اساتذہ کرام میں حضرت مولانا الحاج مولوی محی الدین حسین چیدہ اور مولانا مولوی حافظ سید قاسم صاحب کے نام قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے آپ کی تعلیمی استعداد کو مضبوط کیا۔

۱۳۲۸ھ میں اپنے والد ماجد حضرت عبداللطیف کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کے والد محترم نے اپنے انتقال سے ایک دن پہلے حرم شریف میں متعدد علماء مشائخ اور زائرین حرم کے سامنے آپ کو خرقۂ خلافت پہنایا اور یہ وصیت و نصیحت فرمائی کہ شریعتِ مطہرہ پر عمل کریں۔ طریقت و حقیقت پر ثابت رہیں اور لوگوں کو دینِ حق کی طرف دعوت دیں اور اس کام میں دشمنوں کی دشمنی، حاسد کے حسد، عیب چینوں کی عیب جوئی، فتنہ پردازوں کی فتنہ انگیزی کی طرف مطلق التفات نہ کریں۔ اور اپنے کام میں ہمہ تن مصروف و مشغول رہیں جیسا کہ آپ کے خلافت نامہ سے عیاں ہے۔

ارض حرم سے لوٹنے کے بعد یکم ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو آپ کی رسم سجادگی عالی شان پیمانہ پر ادا کی گئی۔ جس میں مختلف سلاسل کے مشائخ، سادات، علماء، فضلاء، شعراء، ادباء، روساء، خویش، اقارب اور اہالیان شہر کی خاصی تعداد شریک رہی۔ اس موقعہ پر منظوم اور منثور تہنیت نامے پڑھے گئے۔ مولانا احمد کویا شالیاتی نے عربی زبان میں اپنے تاثرات کو پیش کیا۔ اس منظوم کلام کے دو شعر ملاحظہ ہو۔

هنـــا كـم اليوم بـالاقبـال تبشير	يابى المكان ولوه جاء الزمان وراى
دارالعـلوم بـه بـاهـت لـطيفيه	بـان لـركـن الهـدى والـديـن

حضرت ابوالفتح سجادہ نشین ہونے کے بعد پورے عزم واستقلال اور ثبات و استقامت کے ساتھ دارالعلوم لطیفیہ کی ترقی اور خانقاہ کی روایات کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف و مشغول ہو گئے۔ آپ کے دور میں جنوب اور شمال کے قابل علماء منصب درس پر فائز رہے۔ جن میں سے بعض اساتذہ کرام دارالعلوم لطیفیہ ہی کے خوشہ چین تھے۔ چند مدرسین کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ مولانا مولوی سید شاہ حیدر ولی اللہ ناظم دارالعلوم لطیفیہ

۲۔ مولانا مولوی غلام نبی صاحب ساکن گیدڑ پور، ضلع ہزارہ

۳۔ مولانا مولوی اسرائیل خان ساکن خاکہی، ضلع ہزارہ

۴۔ مولانا مولوی مفتی عبدالرشید خان، سابق سرپرست، جامعہ عربیہ، ناگپور

۵۔ مولانا مولوی غلام حیدر پشاوری

۶۔ مولانا مولوی جیلانی بستی

۷۔ مولانا مولوی سید شاہ شہاب الدین قادری ترچنا پلی

۸۔ مولانا مولوی سید حسام الدین گڑیاتم

۹۔ مولانا مولوی احمد کویا شالیاتی، کیرالہ

۱۰۔ مولانا مولوی احمد کٹی، کیرالہ

۱۱۔ مولانا مولوی محمد رامناڈ کالیکٹ، کیرالہ

۱۲۔ مولانا مولوی رضوان الرحمٰن، سہسوانی، ضلع بدایون

۱۳۔ مولانا مولوی مفتی ابوالمعالی علوی ملیباری ویلوری

۱۴۔ مولانا مولوی حافظ سید عابد صاحب ویلوری

حضرت ابوالفتح کے دست مبارک پر بہت سارے اشخاص نے بیعت کی۔ آپ نے بعض اہل علم کو خلافت سے نوازا۔ ان میں مولانا حکیم محمد غلام غوث شریف صاحب گورنمنٹ قاضی، ضلع شمالی آرکاٹ اور مولانا مولوی ابوصالح غضنفر حسین شاکر، سابق ناظم جامعہ دارالسلام عمرآباد کے نام قابل ذکر ہیں۔

حضرت ابوالفتح وسیع الخیال اور وسیع المشرب بزرگ تھے۔ ہمیشہ مثبت اور تعمیری نقطۂ نظر کو اختیار فرماتے تھے۔ مسلکِ اہل حدیث کی درس گاہ ۱۹۲۴ء میں جامعہ دارالسلام، عمرآباد کا قیام عمل میں آیا تو آپ نے بنفس نفیس اس کی افتتاحی تقریب میں شرکت فرمائی اور اپنے دستِ مبارک سے سنگِ بنیاد رکھا اور اس کی فلاح و بہبودی اور ترقی کے لئے دعا فرمائی۔ قیام جامعہ کے بعد بھی روابط قائم رکھا۔ ایک وقت ایسا بھی آپہنچا جب کہ جامعہ کو ایک لائق و فائق استاذ کی ضرورت پیش آئی تو اس موقعہ پر آپ نے اپنے مرید و خلیفہ اور دارالعلوم کے استاذ حضرت علامہ شاکر نائطی کو جامعہ میں درس

دینے کے لئے بھیج دیا۔ جہاں شاکر نائطی صاحب نے درس وتدریس اور نظامت کے فرائض انجام دئے۔ مسلکی رواداری اور باہمی محبت والفت کی ایسی نظیر موجودہ زمانہ میں دینی درسگاہوں کے اندر خال خال ہی مل سکتی ہے۔

حضرت ابوالفتح کی سیرت و شخصیت اور اخلاق وکردار سے متعلق مولانا ذکریا نے اپنی کتاب ''خانوادۂ اقطاب ویلور'' میں جو تاثرات قلم بند کیا ہے وہ قابل مطالعہ اور لائق نقل ہے۔ اوران کا یہ بیان شہادتِ عینی کا درجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ ان کو حضرت ابوالفتح کی طویل صحبت اور ہم نشینی کا شرف حاصل رہا۔

''اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ (حضرت ابوالفتح) بچپن ہی سے کریمانہ اخلاق اور شریفانہ وضع قطع کے مالک تھے۔ فقراء ومساکین کے ساتھ انتہائی تعظیم وتکریم سے پیش آتے۔ بڑوں کی عزت کرتے چھوٹوں پر شفقت فرماتے۔ حد درجہ حیا پسند اور کم گو تھے۔ بہ نسبت کلام کے سکوت زیادہ فرماتے تھے۔ آپ کی ہر دلعزیزی کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ ہر مذہب کے آدمی کشاں کشاں حضرت کی زیارت اور قدم بوسی کے لئے چلے آتے۔ صبح ہوتے ہی ہندو مسلم کا ایک عجیب سماں بندھ جاتا۔ جہاں عفو ودرگذر آپ کی فطرت تھی۔ وہاں صبر وتحمل آپ کی خمیر میں داخل تھا۔ حد درجہ غیور تھے۔ کسی رئیس کی محفل میں جانا اپنی فطرت کے خلاف تصور فرماتے تھے۔ اپنے مریدین کی دعوت پر ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ زندگی تکلف وتصنع سے عاری تھی۔ آپ کی شخصیت بڑی پُر وقار تھی۔ جمال باکمال کا یہ حال کہ مجرد دیدار ہی سے سنگ دل موم ہو جاتا۔ بڑے سے بڑا سرکش اور ظالم ہی کیوں نہ ہو، جب آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تو سراپا عجز ونیاز و مرقع خلوص بن جاتا۔ مگر آپ کا یہ وطیرہ رہا کہ اپنی زندگی میں سخت سے سخت مخالف و

معاند سے بھی ترش روئی کے ساتھ کبھی پیش نہ آئے۔ بلکہ پوری بشاشت اور انشراحِ قلب کے ساتھ ہم کلام ہوتے۔ آپ مستجاب الدعوات تھے۔لوگ دور دور سے دعا کے لئے حاضر ہوتے۔''

حضرت ابوالفتح صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔آپ کی ذات گرامی سے کئی ایک کرامات صدور پذیر ہوئیں۔

حضرت ابوالفتح نے تقریباً چالیس سال تک مسند سجادگی کو زینت بخشی۔ ۱۳۷۵ھ میں اپنے تین چھوٹے بھائیوں حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری، حضرت مولانا مولوی ابوصالح عمادالدین سید شاہ محمد ناصر قادری، حضرت مولانا مولوی ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری کو خلافت عطا کی۔

حضرت ابوالفتح کا نکاح ۱۳۵۳ھ میں آپ کے عم محترم حضرت سید غوث پیر قادری کی بڑی صاحب زادی کے ساتھ ہوا اور آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوی۔آپ کی وفات ۱۲محرم ۱۳۷۸ھ روز چہارشنبہ بوقت صبح ۷ بجے سی ایم سی ہسپتال ویلور میں ہوی۔ جس کی اطلاع آپ نے پہلے ہی اپنے خاندان والوں کو دے دی تھی۔آپ کے برادرِ محترم حضرت مولانا ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ کو اپنے خاندانی گنبد کے اندر مغربی سمت حضرت ذوقیؔ علیہ الرحمہ کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔

علامہ شاکر نائطی کا لکھا ہوا قطعۂ تاریخ رحلت درگاہِ شریف کی دیوار پر چسپاں ہے۔جس سے آپ کی تاریخ وفات معلوم ہوتی ہے۔

حضرت بوالفتح سلطان محی الدین

عبدِ قادر قدوۃ اہل صفا

کردرحلت آہ، تاریخ وصال

گفت شاکر غالب قطب الکبریا

۱۳۔۔۔۔۔۔ھ۔۔۔۔۔۷۸

☆☆☆☆☆☆☆☆

(۹)

شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری ویلوری

(۱۳۳۸ھ ۱۴۱۵ھ)

اس خانوادہ کے بانی و مورث اعلیٰ حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری کی نرینہ اولاد کی سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی اور اس آستانہ کے آخری سجادہ نشین اعلیٰ حضرت ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری ہیں جو حضرت عبداللطیف مکی کے دوسرے صاحب زادے ہیں۔

آپ کی ولادت ۲۱ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ روز چہارشنبہ بوقت طلوع سحر ہوی۔ حضرت ابوالنصر کی تعلیم و تربیت مدرسہ لطیفیہ میں ہی ہوی۔ آپ نے قرآن کریم حفظ کرنا شروع کیا۔ چند ہی پارے حفظ کر سکے اور تحفیظ کا سلسلہ ادھورا رہ گیا۔ آپ نے اپنے برادر محترم حضرت ابوالفتح کے زیرِ سایہ سلوک کی تعلیم پائی اور ۱۰، ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ روز جمعہ بیعت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ اپنے برادر محترم و شیخ مکرم کی وفات کے چالیس دن بعد تقریبِ اربعین میں بتاریخ ۲۲، صفر المظفر ۱۳۷۸ھ کو مسندِ سجادگی پر رونق نما ہوئے اور تادمِ زیست دارالعلوم لطیفیہ اور خانقاہ کی خدمت میں مصروفِ عمل رہے۔

حضرت ابوالنصر کی ذات والا صفات سے بیعت و ارادات کا سلسلہ دور دور تک خوب پھیلا۔ آپ نے چند مخصوص علماء کو خلافت سے نوازا اور ان کے ذریعہ جنوب کے

علاقہ میں درس وتدریس ، تصنیف و تالیف اور وعظ و نصیحت کا کام وسیع پیمانہ پر ہورہا ہے۔ان میں سے بعض خلفاء کے اسماء یہ ہیں:

۱۔مولانا مولوی سید مصطفیٰ حسین بخاری کڈپہ، چیرمن مدینہ انجینئرنگ کالج کڈپہ، سجادہ نشین آستانۂ بخاریہ، کڈپہ۔ ۲۔مولانا مولوی شاہ محمد انوار اللہ سر قاضی، یم اے، قاضی شمالی آرکاٹ، ۳۔مولانا مولوی پی محمد ابوبکر ملیباری، استاد دار العلوم لطیفیہ ویلور، ۴۔مولانا مولوی سید شاہ عبدالجبار صاحب باقوی، ناظر مدرسۂ ثنائیہ کڑپہ۔ ۵۔مولانا مولوی شبیر احمد اکرمی، قاضی شہر بھٹکل ۶۔مولانا مولوی سید برہان الدین عنطری باقوی، استاذ مرکز الثقافۃ السنیہ ۔ کیرلا ۷۔مولانا مولوی پی کے موسیٰ کٹی باقوی، مدرس باقیات صالحات ویلور ۸۔مولانا مولوی سید شاہ یوسف بغدادی، ناظر مدرسہ اسلامیہ کڈپہ، خطیب مسجد بہادرخان کڈپہ ۹۔سماحة الشيخ عبدالله هزيم مراقب شئون الاسلامية والاوقاف بحرين ۱۰۔مولوی حافظ ابوالنعمان ڈاکٹر بشیر الحق قریشی ایم اے، پی، ایچ، ڈی،

راقم مقالہ نے آپ کی سرپرستی میں ربع صدی کا زمانہ گزار دیا۔اوراسے اس مدت میں آپ کی سیرت وشخصیت اور کردار وعمل کے گوشوں اور پہلوؤں کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔آپ کے اندر حق گوئی، بے باکی، معاملات کی صفائی، قلب کی صفائی، زبان کی صفائی، سادگی ، بے نفسی، بے نیازی، قوتِ ارادی، قوت فیصلہ، لوگوں کے صرف محاسن کا اظہار ،لوگوں کے عیوب سننے سے نفرت وناپسندیدگی بدرجۂ اتم موجود تھی۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا مشاہدہ راقم الحروف نے کیا ہے۔

حضرت ابوالنصر کی خدمت میں مختلف مکاتیب فکر کے علماء اور فضلاء اور دینی

درس گاہوں کے اساتذہ اور عصری دانش گاہوں کے دانش دروں اور ملی تنظیموں کے سربراہوں کی حاضری کا سلسلہ قائم رہتا تھا۔ اور آپ ہر ایک کے ساتھ انتہائی محبت و الفت اور اکرام واعزاز کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اختلاف وفکر ونظر کی سطح سے بلند ہو کر کشادہ ذہنی ووسعتِ قلبی اور اعلیٰ ظرفی سے پیش آنا یہ آپ کے مزاج ومنہاج میں داخل تھا۔

آپ بہت ہی متحرک وفعال اور محنتی تھے۔ بہ نفس نفیس اپنے باغات اور کھیتوں کو تشریف لے جاتے تھے اور اپنی نگرانی میں زراعت اور کاشت سے متعلقہ امور کو انجام دیا کرتے تھے۔ دار العلوم اور خانقاہ کے اخراجات ومصارف کی تکمیل کے لئے مکانات اور دکانات کی تعمیر کی، جس سے مالی استحکام کی صورت پیدا ہوگئی اور آپ کی ہی مسلسل محنتوں کے باعث آج دار العلوم ایک خود کفیل ادارہ بن گیا، آپ کا سفرہ عام تھا۔ ''بریں خوان یغمٰی چہ دشمن چہ دوست، ہمیشہ فرماتے کہ: مہمان کی خدمت کرنا اور اس کو خوش کرنا ہمارا فرض ہے۔ مہمان پر خرچ کرنے سے ہماری آمدنی میں برکت اور اضافہ ہوتا ہے۔ آپ کا عقد مسعود اپنی حقیقی پھوپی کی صاحب زادی بنتِ حضرت سید امین الدین علی قادری، جاگیردار عرس ورنگل کے ساتھ ۵، مارچ ۱۹۴۵ء مطابق ۱۹، ربیع الاول ۱۳۶۵ھ کو ہوا۔ آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوی۔

۱۶۔ نومبر ۱۹۹۴ء مطابق ۲۱ جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ بروز شنبہ علی الصباح دنیائے فانی سے چل بسے۔ اور آپ کا مزار و درگاہِ شریف میں حضرت قربیؔ اور حضرت ذوقیؔ کے درمیان میں واقع ہے۔ آپ کی وفات سے حضرت عبد اللطیف بیجاپوری کی صلبی ونرینہ اولاد کی سجادگی کا دور مکمل اور منتہی ہوگیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

(۱۰)

سید السادات حضرت مولانا الحاج ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر قادری المعروف میراں باشاہ ویلوری

(۱۳۲۹ھ – ۱۴۰۴ھ)

حضرت ابوالنصر کے دو حقیقی چھوٹے بھائی حضرت مولانا الحاج ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر قادری اور حضرت مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری ہیں جو آپ کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے۔ اول الذکر بھائی کی ولادت ۵، ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ کو ویلور میں ہوی۔ آپ کی تعلیم و تربیت دارالعلوم لطیفیہ میں ہوی اور اپنے سب سے بڑے بھائی حضرت ابوالفتح کے ہاتھوں پر بیعت کی اور ان ہی سے خرقۂ خلافت پہنا۔ ۱۴۰۰ھ میں حجِ بیت اللہ و زیارت نبویؐ سے شرف یاب ہوئے۔ دارالعلوم لطیفیہ کے امور و معاملات میں اپنے بھائیوں کے معاون اور دستِ راست تھے۔ آپ کا عقدِ مسعود اپنے عم محترم حضرت سید شاہ غوث پیر قادری کی چھوٹی صاحب زادی سے ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ ہوا۔ اور آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

آپ کی وفات ۱۹، رجب المرجب، ۱۴۰۴ھ کو مدراس میں ہوئی۔ حضرت مکان کے احاطہ میں واقع قبرستان میں مدفون ہوئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری ویلوری

(۱۳۳۶ھ — ۱۴۰۷ھ)

ثانی الذکر بھائی حضرت ابوالحسن کی ولادت روز چہار شنبہ ۱۵، جمادی الاول، ۱۳۳۶ھ کو ویلور میں ہوی۔ آپ نے گورنمنٹ محمڈن ہائی اسکول، ویلور میں ایس ایس ایل سی تک تعلیم پائی اس کے بعد مدراس تشریف لے گئے اور محمڈن کالج مدراس سے بی اے، کا امتحان امتیازی حیثیت سے کامیاب کیا۔ پھر لا کالج مدراس میں داخل ہوئے اور قانون کی تعلیم حاصل کی۔ لیکن خانگی حالات کے باعث ڈگری حاصل نہ کر سکے، ویلور واپس آگئے اور دارالعلوم لطیفیہ کی نظامت سنبھال لی۔ ۱۳۷۵ھ میں اپنے بڑے بھائی حضرت ابوالفتح کے ہاتھوں پر بیعت اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے اپنے دورِ نظامت میں دارالعلوم لطیفیہ کو خوب ترقی دی۔ زمانہ کے حالات اور تقاضوں کے تحت کئی ایک اقدامات کئے۔ مولوی عالم، مولوی فاضل اور تحفیظ قرآن کے ساتھ مدراس یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء (عربی) منشی فاضل (فارسی) ادیب فاضل (اردو) میں طلباء کو شریک کروایا۔ اور ان کے نصاب کی تعلیم کے لئے درس کا انتظام کیا۔ اور ۱۹۶۵ء میں دارالعلوم لطیفیہ کا الحاق مدراس یونیورسٹی سے کروایا۔ آپ کے اس اقدام کی وجہ سے کئی ایک فارغین، اسکول اور کالج میں ملازمت کر رہے ہیں۔

آپ نے طلباء کے اندر تقریری ذوق وشوق اور استعداد پیدا کرنے کے لئے انجمن دائرۃ المعارف قائم کیا اور اپنی سرپرستی اور اساتذہ کی نگرانی میں ہفتہ وار مشقی

جلسوں کے انعقاد کا انتظام فرمایا۔اور ہر طالب علم کو ہفتہ میں ایک مخصوص عنوان پر تقریر کرنے کا مکلّف ٹھہرایا جس کی وجہ سے آپ کے عہد میں بے شمار طلباء اچھے مقرر بن کر ابھرے۔

آپ نے طلباء میں تحریر کی صلاحیت و قابلیت اجاگر کرنے کے لئے دارالتصنیف والاشاعت کے نام سے ایک ادارہ قائم فرمایا اور ۱۹۶۵ھ میں اپنی ادارت میں ایک موقر وضخیم سالنامہ ''اللطیف'' کا اجرا کیا جو آج تک پوری آب وتاب اور پابندی کے ساتھ شائع ہورہا ہے۔راقم الحروف تین دہوں سے اسکی ادارت کے فرائض انجام دے رہا ہے۔اس میں طلباء واساتذہ کے مضامین اور حضرت مکان کے بزرگوں کی کئی ایک تصانیف کی اشاعت ہورہی ہے۔آپ کی کوششوں کے باعث بہت سی نادراور نایاب کتابیں اوران کے ترجمے منظر عام پر آچکے ہیں۔ان میں چند کتابیں یہ ہیں۔

۱۔مجموعۂ رسائل قربی ۲۔میزان العقائد ۳۔انشاءعقائد ذوقی

۴۔بیعت غائب وحاضر ۵۔جواہرالسلوک ۶۔خانوادۂ اقطابِ ویلور

۷۔انوارِاقطاب ویلور

حضرت ابوالحسن کی شخصیت بڑی پرکشش، دل آویز اور مرنجان مرنج تھی۔ہر شخص آپ سے ملنے کے بعد آپ کے اخلاق سے متاثر اور گرویدہ ہوجاتا تھا۔اورآپ کی ذات کئی ایک خوبیوں اور کمالات کی مالک تھی۔عہد طفولیت ہی سے شریفانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کا ظہور ہوتا رہا۔آپ کو بی اے کی سند کے ساتھ جو اخلاقی سند عطا کی گئی ہے اس میں یہ جملہ لکھا ہوا ہے۔

"یہ وہ طالب علم ہے جس کے عمدہ اخلاق کی وجہ سے اساتذہ اس کا احترام کیا کرتے ہیں"۔ ۷ دسمبر ۱۹۸۶ء بروز اتوار آمبور کے راستے میں حرکتِ قلب بند ہوجانے کے باعث کارہی میں انتقال ہوا۔ حضرت مکان کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں۔

خانوادہ حضرت قطب ویلور کی نرینہ اور صلبی اولاد کا سلسلہ ختم ہوا، اور حضرت ابوالحسن کی دوصاحبزادیوں سے آل کا سلسلہ جاری ہوا۔

آپ کا عقد سعید ۴، جمادی الاول ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۵۱ء کو حضرت سید شاہ میراں محی الدین، ورنگل کی دختر نیک اختر سے ہوا۔ جن کے بطن سے دو لڑکیاں ہوئیں۔ آپ کی کوئی نرینہ اولاد زندہ نہیں رہی۔ بڑی صاحبزادی حضرت مولانا سید شاہ عثمان قادری عرف فصیح پاشاہ حیدرآباد دام اقبالہ سے بیاہی گئیں ہیں۔ حضرت عثمان کو اللہ نے دو لڑکے اور دو لڑکیاں عطا کی ہے، بڑے صاحبزادے سید شاہ محمد طاہر قادری ہیں جو آپ کے دست راست ہیں اور چھوٹے صاحبزادے سید شاہ محمد باقر قادری ہیں جو زیر تعلیم ہیں، بڑی صاحبزادی آپ کے ہمشیر زادہ سید محمد مظفر سے منسوب ہیں اور چھوٹی صاحبزادی آپ کے برادر زادے سید احمد اظہر سے منسوب ہیں، حضرت عثمان دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم سے بھی آراستہ ہیں۔ بی کام، ایم اے اور پی ایچ ڈی کی اسناد سے سرفراز ہیں اور اس وقت آپ آستانہ کے سجادہ نشین اور دار العلوم لطیفیہ کے ناظم ہیں۔

حضرت ابوالحسن کی چھوٹی صاحب زادی حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد شطاری بنگلوری سے منسوب ہے۔ حضرت ہلال کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہوئی اللہ نے

انہیں دو صاحبزادیاں عطا کی، بڑی صاحبزادی سید خواجہ قیام الدین چشتی عرف ہاشم سے منسوب ہے۔ حضرت ہلال 10 اکتوبر ۲۰۰۷ء کو سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مختصر تعارف مفتیان کرام

(۱)

صدر مفتی حضرت مولانا ابوالمعالی علوی صاحب ملیباریؒ

از مولانا ابوالمکارم سید شاہ مصطفیٰ حسین بخاری لطیفی کڈپوی

میانہ قد، گورا جسم، خوبصورت، خوبرو ہمیشہ دمکتا ہوا ہنس مکھ چہرہ، آج بھی جب کبھی ان کا نام نامی یاد آجاتا ہے تو ان کی دلآویز نورانی شکل نظروں میں گھوم جاتی ہے۔ آپ نے دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز میں اپنے علمی سفر کا آغاز کیا۔ درس نظامیہ کی تکمیل فرمائی، ملیباری ہونے کی وجہ عربی گرامر کی منظوم کتاب ''الفیہ ابن مالک'' جو غالبًا علم نحو کی منتہی کتاب ہے اس میں آپ کو کافی درک حاصل تھا۔ ہمیشہ کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتے، درس نظامیہ کی کتابوں پر اچھی طرح دسترس حاصل تھی، صرف ونحو کے ساتھ علم معانی، بیان اور بدیع پر آپ کو کافی عبور حاصل تھا۔ حنفی فقہ کی مشہور کتابیں شرح وقایہ اور ہدایہ آپ ہی کے ذمہ تھیں اگر چہ کہ آپ شافعی مسلک تھے لیکن حنفی فقہ پر اچھا خاصہ عبور رکھتے تھے دار العلوم میں دورہ حدیث کا معاملہ آپ ہی کے ذمہ تھا، مولوی عالم کے فارغین کو صحیح بخاری کے دورہ کا اہتمام پورے ادب واحترام سے فرماتے تھے، خود باوضوء ہوتے اور طلباء کو بھی وضو کی تاکید فرماتے، بڑے ہی دلچسپ انداز میں مکمل دو گھنٹیاں یعنی تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک بخاری شریف کا درس مبارک جاری فرماتے، درس کے اختتام پر آپ بہت ہی شادان اور مسرور ہوتے تھے، عربی ادب کی مختلف کتابیں دیوان متنبّی، سبع معلقات، حماسہ وغیرہ آپ کے زیر درس ہوا کرتی تھیں۔ فتاویٰ نویسی میں آپ کو بڑا کمال حاصل تھا ایک دو نہیں ان گنت فتاویٰ آپ کے قلم فقہ

ریز سے منصۂ شہود پر آچکے ہیں غرض آپ نے اپنی پوری زندگی درس وتدریس اور فتاویٰ نویسی میں گذاردی۔

دارالعلوم کے درسی اوقات سے فراغت کے بعد آپ روحانی علاج معالجہ میں مشغول ہوتے، کافی لوگ آپ سے شفایابی اور صحت یابی کے لئے دوردور سے آتے اور آپکی دعاؤں سے آپ کی روحانی تعویذات سے بھرپور استفادہ کرتے تھے، آپ کی زبان وتحریر میں بڑی تاثیر تھی۔ آپ بہت ہی قناعت پسند تھے انتہائی رحم دل، منکسر المزاج تھے، کبھی بھی آپ میں تندی اور سختی نہیں دیکھی گئی۔ ہر ایک کے ساتھ پیار و محبت، شفقت ورافت اور حسن سلوک آپ کی عادت جمیلہ تھی غرض آپ ایک ولی صفت انسان تھے۔

یہ آفتاب علم ودانش 1973ء میں ایک مختصر سی علالت کے بعد ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مکان کے اندرونی احاطہ میں واقع قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

(۲)

حضرت مولانا سیّد حمید اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ
سابق استاذ دارالعلوم لطیفیہ ویلور۔

از: ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی
صابق صدر شعبہ عربی، فارسی اردو، مدراس یونیورسٹی

مولانا سید حمید اشرف کچھوچھہ شریف میں پیدا ہوے۔ غالباً ۱۹۳۰ء کے آس پاس تاریخ پیدائش ہوگی۔ والد کا نام سید حبیب اشرف ہے۔ سید حبیب اشرف تقویٰ اور کردار کی بلندی میں کچھوچھہ شریف میں ممتاز ترین تھے۔ تحصیل علم وعبادت اور ریاضت سب سے بڑا مشغلہ تھا۔ انھوں نے اپنے سبھی بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ سید حمید اشرف نے ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں پائی۔ پھر کچھوچھہ شریف میں مدرسۂ جامعہ اشرفیہ میں درسِ نظامی کی تحصیل میں لگ گئے۔ شرح جامی تک پڑھا تھا کہ یہاں سے چھوڑ کر مدرسۂ اشرفیہ مبارک پور چلے گئے۔ وہاں دوبارہ شرح جامی پڑھی۔ پھر وہاں سے بھی نکل کر جونپور آے۔ یہاں کا قدیم شہرت یافتہ مدرسہ حنفیہ اب بھی اپنی دیرینہ روایات پر چل رہا تھا اور یہاں کے مشہور عالمِ دین مولانا عبدالقیوم محمد قائم فرنگی محلی، تنہا استاد تھے۔ یہ مدرسہ نواب جونپور کی سرپرستی میں آ گیا تھا اور وہی اس کے کفیل تھے۔ مولانا حمید اشرف نے یہاں مشکوٰۃ شریف ختم کی۔ مولانا عبدالقیوم محمد قائم کی بینائی بہت کم زور ہوگئی تھی اور عزیز اور ہونہار شاگرد مولانا حمید اشرف کو پڑھانے کے لیے مطالعہ کرنا اور تیاری کرنا ضروری تھا۔ بینائی کی کمزوری کے سبب استاد نے شاگرد سے کہا کہ تمہاری استعداد کسی منتہی

طالب علم سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہے۔ اس لیے اب تمہاری دستار بندی کردی جائے اور سندِ فضیلت دے دی جائے۔ لیکن مولانا سید حمید اشرف کو یہ منظور نہ ہوا۔ اس لیے مولانا نظام الدین الہٰ آبادی کی شہرت سُن کر چند ماہ اُن کے آگے بھی زانوئے بلند تہہ کیا۔ لیکن چند ماہ بعد وہاں سے بھی واپس آگئے۔ انھوں نے مولانا ابراھیم اور مولانا اعزاز علی کی شہرت سُن کر رکھی تھی۔ یہ دونوں استاد دیوبند میں تھے۔ ان کی شہرت سُن کر مولانا سید حمید اشرف دیوبند گئے اور آخر کار وہاں سے سندِ فراغت حاصل کی۔

سند فراغت حاصل کرنے کے بعد کئی جگہ درس دیا۔ ناگپور، بہرائچ، گونڈہ وغیرہ آخر میں ویلور پہنچ گئے۔ اور دارالعلوم لطیفیہ، مکانِ حضرت قطبِ ویلور میں منصب درس وتدریس پر فائز ہو گئے۔ یہ بیسویں صدی عیسوی کا وسطی دور تھا اور اس وقت دارالعلوم لطیفیہ کی زمام نظامت حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ بی،اے، کے ہاتھوں میں تھی۔ جن کی سرپرستی میں شمال وجنوب کے لائق وفائق علماء وفضلاء درس دے رہے تھے۔ جن میں مولانا مولوی عبدالواحد جونپوری اور حضرت مولانا مولوی محمد طبیب الدین اشرفی مونگیری، حضرت مولانا مولوی سید ابوالمعالی علوی ملیباری نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

مولانا سید حمید اشرف کو درسِ نظامیہ کی کتب متداولہ میں مہارتِ تامّہ حاصل تھی اور آپ حدیث، فقہ اور عربی و فارسی ادب کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کو فنِ تصوف سے ذاتی شغف اور خاندانی وابستگی تھی۔ اس طرح آپ نے تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ تزکیۂ اور تطہیر کا کام بھی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔

مولانا حمید اشرف ایک بہترین مصنف اور مترجم بھی تھے۔ آپ نے بزرگانِ مکان کی فارسی کتابوں کو اردو کا جامہ پہنایا۔ جن میں انشائے عقائد ذوقی بھی ہے۔ آپ کی نوکِ قلم سے

بے شمار علمی وفقہی اور تحقیقی مضامین نکلے اور ''اللطیف'' کی زینت بنے۔ اگر ان کی تدوین کی جائے تو مولانا کی ایک بہترین تصنیف قرار پائیں گے۔

مولانا جب تک دارالعلوم میں مدرس رہے۔ اس وقت تک ''اللطیف'' کی ادارت آپ کے تحویل رہی اور آپ نے ادارت کے فرائض کو بڑی خوبی وعمدگی اور پورے خلوص کے ساتھ انجام دیا۔ اور اسی کے ساتھ آپ نے طلباء کے اندر تحریری ذوق اور ان کے اندر انشاء پردازی کی قابلیت پیدا فرمائی۔ اور افراد سازی کا عظیم الشان کام انجام دیا۔ جس کا فیضان ہے کہ آپ دارالعلوم لطیفیہ سے علاحدہ ہونے کے بعد بھی یہاں کی دنیائے تصنیف بارونق اور آباد ہے۔ آپ کے فیض یافتگان اور خوشہ چینوں میں مولانا مولوی ابوالمکارم سید مصطفٰی حسین بخاری لطیفی اور مولانا مولوی حافظ ابوالنعمان ڈاکٹر بشیر الحق قریشی لطیفی ایم، اے، پی، ایچ، ڈی، کے نام قابل ذکر ہیں۔ جن کے ذریعہ دارالعلوم لطیفیہ میں علمی وادبی اور تحریری و تصنیفی عمل جاری رہ سکا۔

مولانا کو افتاء میں بھی بصیرت حاصل تھی۔ دارالعلوم کی جانب سے صادر ہونے والے تمام فتاویٰ آپ کی نظر سے گزرتے تھے اور اصلاح وترمیم فرماتے اور تصدیق وتصویب فرماتے تھے۔ چنانچہ فتاویٰ کے دفتروں میں آج بھی آپ کی دستخط موجود ہیں۔

مولانا ایک خلیق اور باکردار شخصیت کے مالک تھے۔ تمام اساتذہ کرام کے ساتھ آپ کے تعلقات خوش گوار تھے۔ طلباء کے ساتھ بڑی شفقت اور محبت کا برتاؤ تھا۔ انتظامیہ بھی آپ کی صلاحیتوں اور آپ کے کردار کی بلندیوں سے بہت متاثر اور بڑا اقدر دان تھا۔

مدرسی کے زمانہ ہی میں انھوں نے انگریزی زبان بھی سیکھنا شروع کر دیا تھا۔ درس نظامیہ کے علاوہ انھوں نے الہ آباد سے درسِ عالیہ کی بھی سندیں حاصل کیں۔ جو یہاں یوپی

گورنمنٹ اور بعض یونیورسٹیوں سے بھی تسلیم شدہ ہیں۔ اس بنیاد پر انھوں نے ہائی اسکول، انٹر میڈیٹ اور بی،اے، کے انگریزی امتحانات پاس کئے۔ ان امتحانات میں انگریزی کا Advanced Course ہوتا ہے۔ اس لیے ان کو انگریزی میں اچھی استعداد حاصل کرنی پڑی۔ پھر علیگڑھ یونیورسٹی سے عربی میں ایم،اے، اور ایم،فل؛ کیا۔

مولانا نے لوگوں کے اصرار پر تھوڑے دنوں یعنی چند ماہ پیری مریدی بھی کی۔ ہمارے گھر میں پیری مریدی تو تھی۔ لیکن اسے کبھی بھی ذریعۂ معاش نہیں بنایا گیا۔ جگہ جگہ تقریر کرنے کے لئے جلسوں کے انعقاد کا بھی کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ گھر کی حیثیت خانقاہ کی تھی اور خانقاہی زندگی تھی۔ چنانچہ اسی گھر میں امیرِ ملت مولانا سید امیر اشرف کی تربیت ہوی جو آگے چل کر بالکل تارک الدنیا ہوگئے۔ زبان میں وہ اثر تھا کہ جو منہ سے نکل جائے وہ پتھر کی لکیر تھا۔ مولانا حمید اشرف نے چند ماہ پیری مرید کا تجربہ کیا۔ مریدوں سے جو کچھ حاصل ہوا وہ وہیں غریبوں میں تقسیم کر دیا اور خود خالی ہاتھ گھر واپس آگئے۔ پھر اسے مطلق چھوڑ دیا۔

انگریزی اور عربی زبانوں میں جو انھیں استعداد حاصل تھی، وہ علماء میں بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ ان کی استعداد کو دیکھ کر کسی نے انھیں سعودی عرب میں جگہ دلا دی۔ جہاں انھیں عربی سے انگریزی میں ترجمہ کا کام مل گیا۔ چند سال وہاں رہے۔ وہاں کی آمدنی سے انھوں نے اپنی غریب بہنوں کی مدد کی۔ اس کے بعد واپس آگئے۔

بمبئی کے پاس ایک جگہ ممبرا ہے۔ وہاں کسی مدرسہ میں عارضی طور پر درس حدیث کے لیے انھیں بلایا گیا۔ بڑے اصرار کے بعد انھوں نے قبول کر لیا۔ جلسۂ دستار بندی کے وقت انھیں طلباء سے خطاب کرنے کو کہا گیا۔ تقریر و خطابت سے ان کو دلچسپی نہ تھی۔ سینہ بھی کمزور تھا۔ بڑے اصرار پر آمادہ ہوے۔ اور کہا جب مجھے عربی کے طلباء کو خطاب کرنا ہے تو عربی زبان ہی میں

خطاب کرنا چاہیے۔ پھر ایک گھنٹہ عربی زبان میں تقریر کی۔ بعد میں اردو میں بھی خلاصہ پیش کردیا۔ وہاں کسی مولوی کو عربی زبان میں تقریر کرتے ہوئے لوگوں نے پہلی بار دیکھا۔ چوں کہ وہ عربی ایم،اے، اورایم،فل؛ بھی تھے۔ اس لیے مہاراشٹرا کالج ممبئی کے لوگوں نے اپنے کالج میں عربی پڑھانے کے لیے مقرر کرنا چاہا۔ لیکن کالجوں میں عربی تعلیم مدارس کی طرح نہیں ہوتی۔ کالجوں میں چند کتابیں کے چند انتخابات ہی پڑھائے جاتے ہیں۔ کالج والوں نے کہا کہ آپ کو گورنمنٹ سے منظور شدہ تنخواہ ملے گی۔ جو کسی مدرسہ میں نہیں مل سکتی۔ لیکن انھوں نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ اب میری زندگی کا مقصد روپیہ کمانا نہیں ہے بلکہ حدیث کی خدمت کرنا ہے اور وہ آپ کے کالج میں رہ کر نہیں ہوسکتی۔

ممبرا کے مدرسہ کے بعض طلباء کا بیان ہے کہ مولانا سید حمید اشرف جب بخاری شریف کا درس دیتے تھے تو طلباء سے کہتے تھے کہ وہ جتنے صفحات چاہیں پڑھیں دوسرے یہ کہ ہر حدیث کی لغات، سلسلۂ روایت، راوی کا ثقہ یا غیر ثقہ ہونا۔ نحوی وصرفی مسائل اور اس سے متعلق تمام مسائل پر فی البدیہہ بحث کرتے تھے۔ حدیث پر ایسا ملکہ اس زمانہ میں دیکھا نہیں گیا۔ یہی نہیں بلکہ وہ درسِ نظامی کے ہر مضمون پر ایسی نظر رکھتے تھے کہ سننے والا یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ مضمون میں اختصاص رکھتے تھے۔ فلسفہ ومنطق، صرف ونحو، علم حدیث، عربی ادب، فارسی ادب، غرض کہ متداول علوم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جس میں وہ کامل دستگاہ نہ رکھتے ہوں۔

مولانا کے مزاج میں حد سے زیادہ کسر نفسی اور درویشی تھی۔ انھیں اپنے وفورِ علم کا احساس تھا۔ علم کا احساس آدمی میں بڑائی کا احساس پیدا کرتا ہے۔ نفس کی اس علّت کو توڑنے کے لیے کچھ دنوں چھوٹے بچوں کو پڑھانے کی نوکری کی۔ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر الف با وغیرہ پڑھاتے تھے۔ لوگ دیکھ کر ہنستے اور مذاق اڑاتے تھے۔ ظاہر ہے زمانہ کا مزاج ایسا ہی ہوتا ہے۔

خاندانی وجاہت کا لباس کبھی نہیں پہنا۔ اکثر کرتے کا بٹن کھلا ہی رہتا۔ گھر میں دوسروں کے کھانے کا اہتمام کرتے اپنے لیے چنے کی روٹی اور چٹنی پسند کرتے۔ سارا رمضان شریف میں بھی اکثر یہی کھاتے تھے۔

مولانا سے میں نے بھی چند کتابیں پڑھیں۔ اُن کے ساتھ رہنے کا اتنا موقعہ نہ ملا کہ میں ان سے پوری تعلیم حاصل کر سکتا۔ علم الصیغہ اور ایک کتاب فقہ میں پڑھی۔ میں نے درسِ نظامی میں پڑھانے کے طریقہ پر بعض اعتراضات کئے، بحثیں بھی کیں۔ آخر میں انھوں نے یہ جواب دیا کہ اگر اس طرح نہ پڑھائیں تو ہمیں نہ قابل سمجھا جائے۔ درسِ نظامیہ میں تدریس کا یہی اسلوب ہے۔ میں نے کہا کہ اس طرح وقت بہت ضائع ہوتا ہے۔ زمانہ اتنی ترقی کر گیا کہ کم وقت میں آدمی زیادہ حاصل کر سکتا ہے۔

گھر سے ایک روز صبح کو فیض آباد یا لکھنؤ کے لیے نکلے۔ بعض دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ انھیں جانے سے منع کیا۔ ایک صاحب نے کہا : چچا! آپ کے جانے سے یہ درخت اداس نظر آ رہے ہیں۔ لیکن مشیّت ایزدی کو جو منظور ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ غالبًا واپسی میں جیپ بے راہ ہوگئی اور کسی درخت سے ٹکرا گئی۔ یہ حادثہ جان لیوا ثابت ہوا۔ شرعی اعتبار سے یہ موت شہادت کا درجہ رکھتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

(۳)

حضرت مولانا طبیب الدین اشرفی صاحب

مونگیری علیہ الرحمہ

از: مولانا ابولمکارم سید شاہ مصطفیٰ حسین بخاری لطیفی کڈپوی

دارالعلوم لطیفیہ میں غالباً شمالی ہندوستان سے آنے والے قابل اساتذہ کرام میں آپ بہت ہی کم عمر استاذ تھے۔ آپ نہایت ہی ذہین وفطین، صاحب علم وحکمت، یگانہ روزگار واقع ہوئے ہیں، آپ کو شعروشاعری سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا اگرچہ کہ آپ نعت گو شاعر حضرت بیکل اتساہی سے کافی متاثر تھے۔ مگر مزاج اس کی طرف مائل نہ تھا۔ اس کے برخلاف آپ کا اشہب قلم میدان نثر نگاری میں رواں دواں رہتا تھا۔ آپ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا، علم ودانش کی جو بھی کتاب جہاں سے بھی دستیاب ہوتی ،حاصل کرتے اور اپنے ذوقِ مطالعہ کی تسکین فرماتے، علمی معلومات میں تلاش وجستجو سے نہیں تھکتے تھے۔ طلباءِ عزیز کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔ مختلف مکاتب فکر حضرات کی کتابوں کا مطالعہ بڑے انہماک سے کرتے تھے۔ آپ کو علم تصوف، علم معرفت، سے کافی لگاؤ تھا۔ دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز کے فیض یافتہ جامعہ دارالسلام عمرآباد کے جلیل القدر استاذ علامہ غضنفر حسین شاکر نائطی علیہ الرحمہ سے آپ نے کافی استفادہ کیا۔ نیز آپ نے ایک صاحبِ طریق وسلسلہ برنگ چلتا پھرتا اسلامی انسائیکلوپیڈیا حضرت مولانا سید شاہ صبغۃ اللہ بختیاری، فاضل فارغ دیوبند سابق ناظم جامعہ باقیات الصالحات سے بھرپور استفادہ کیا، شاہ صاحب قبلہ نے بھی انتہائی

وسعت قلبی کے ساتھ علمی وتحقیقی میدان میں آپ کی بڑی رہنمائی کی تھی، جومثالی تھی۔

حضرت مولانا محمد طیبب الدین اشرفی صاحب دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور کے فارغ التحصیل تھے تازہ بتازہ نو بنو 1962ء میں دارالعلوم لطیفیہ ویلور میں آپ کا ورود مسعود ہوا۔آپ دبلے پتلے چھریرے گورے بدن کے مالک تھے، چہرہ منور پر گھنی سیاہ ریش مبارک بہت زیب دیتی تھی، آپ صاحب جلال بھی تھے صاحب جمال بھی، طلباء پر آپ کا کافی رعب اور خوف تھا وہ آپ کے حجرہ سے ہوکر گذرنے سے بھی گریز کرتے تھے، لیکن آپ کی شفقت عالم بھی عجیب ہوتا تھا۔

معقولات کی اکثر کتابیں آپ ہی کے سپرد تھیں، مسائل تصوف پر کافی دسترس حاصل ہونے کی بدولت کافی ذوق وشوق سے پڑھاتے تھے اور بہتر سے بہتر انداز میں ان کی گتھیوں کو سلجھایا کرتے تھے۔

ناظم دارالعلوم حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری B.A نے حضرت مولانا طیبب الدین اشرفی صاحب کے آنے کے بعد دارالتصنیف والاشاعت کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی اور آپ سے تصنیف وتالیف کا کام لینا شروع کیا، آپ ہی کی محنت وکاوش کا نتیجہ ہے کہ دارالعلوم کا پہلا میگزین سالنامہ اللطیف غالباً 1963ء میں اشاعت پذیر ہوا۔آپ ہی کی وجہ سے طلباء میں لکھنے کا ذوق وشوق پیدا ہوا یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے بہت سے طلباء میدان تصنیف وتالیف کے شہسوار بنے ہوئے ہیں۔

مولانائے محترم نے بزرگان مکان حضرت قطب ویلور قدس اسرارھم کی کئی ایک کتابوں کا ترجمہ فرمایاہے اوران کی تاریخ بڑی محنت و جانفشانی سے مرتب کی، جو

انوار اقطاب ویلور کے نام سے مشہور و معروف ہے جو آنے والے محققین اور ریسرچ اسکالروں کے لئے منبع و مأخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کے تدریسی دور میں دارالعلوم لطیفیہ میں اردو زبان و ادب کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ دارالعلوم لطیفیہ میں جب تک آپ کا قیام رہا ''سالنامہ اللطیف'' آپ کی ہی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔

فتاویٰ نویسی کے بورڈ کے آپ بھی ایک رکن تھے آپ کی نظروں سے بھی فتاویٰ کا گذرنا ضروری ہوتا تھا آپ کی تصدیق و تصویب اور دستخط کا بھی اس پر چسپان ہونا ضروری تھا۔

1968ء تک تقریباً سات سال تک دارالعلوم لطیفیہ میں اپنی گرانقدر خدمات کو جاری و ساری رکھا جو یقیناً نا قابل فراموش ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا عبدالواحد جونپوری علیہ الرحمہ فاضل دارالعلوم دیوبند

از: مولانا ابوالمکارم سید شاہ مصطفیٰ حسین بخاری لطیفی کڈپوی

جنوبی ہند کے تاریخی شہر دارالسرور ویلور کے بزرگانِ حضرت مکان کی یہ دیرینہ روایت رہی ہے کہ وہ ہمیشہ دارالعلوم لطیفیہ ویلور میں طلباء کی تعلیم وتربیت کے لئے اپنے علاقے کے قابل اساتذہ کرام کے علاوہ شمالی ہند سے بھی قابل اساتذہ کرام کو مدعو کرتے رہے ہیں، اکثر ان کی نظر جامع الکمالات اساتذہ کرام پر رہتی تھی ان کا واحد مقصد یہ ہوتا تھا کہ دارالعلوم کے طلبا ان فاضل اساتذہ کرام سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے اپنے دل ودماغ کو علمی جواہرات سے معمور ومنور کرلیں۔

بزرگانِ حضرت مکان کے اخلاق کریمانہ کا یہ عالم ہوتا تھا کہ وہ اپنے مہمان اساتذہ کرام کی دلجوئی اور پذیرائی میں حتی الامکان کوشش کرتے تھے ان کے قیام کے لئے بہتر انتظام کے ساتھ اپنے ہی مکان سے کھانے پینے کا بھی خاص اہتمام فرماتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ مہمان اساتذہ کرام اپنے وطن سے سینکڑوں کلومیٹر کی طویل مسافت کے باوجود اپنے اہل خانہ کو ایک حد تک فراموش کرتے ہوئے پوری دلجوئی و دل بستگی کے ساتھ درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے، ان کو اپنے وطن سے دوری کا شاید ہی احساس ہوتا ہو۔

شمالی ہند کے اساتذہ کرام میں حضرت مولانا عبدالواحد جونپوری علیہ الرحمہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔ جونپور آپ کا وطن مولوف تھا۔ مولانا فرماتے

تھے جب دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ہوا تھا حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب آپ کے ہم عصر مدرسہ تھے جسکی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ جب قاری طیب صاحب جنوبی ہند کے دورہ پر تھے خانقاہ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز میں حضرت مولانا ابوالنصر قطب سید شاہ محمد باقر قادری سجادہ نشین سے ملاقات کے لئے تشریف لائے جب انہوں نے مولانا عبدالواحد جونپوری کو جو دیکھا حیران ہوگئے، اور بڑے ہی بے تکلف انداز میں پوچھا، تم یہاں کب آگئے ہم تم کو دارالعلوم دیوبند میں درس وتدریس کے لئے تلاش کرر ہے تھے۔

مولانا کو درس نظامی کی کتابوں میں اچھی خاصی مہارت حاصل تھی آپ کی عمر کا بیشتر حصہ اسی دشت کی سیاحی میں گذر چکا تھا۔ جب آپ جنوبی ہند کی اس مشہور و معروف درسگاہ دارالعلوم لطیفیہ تشریف لائے تو آپ کی شخصیت ایک ماہر منجھے ہوئے استاد کی تھی، آپ کا تقرر 1963ء میں ہوا جب آپ مسند آرائے درس وتدریس ہوئے تو آپ کو معقولات ومنقولات کی کتابیں دی گئیں۔ جس میں آپ کے لئے دشواری تو درکنار لذت کیشی کا سامان تھا۔ طلبائے عزیز آپ کی ذات والا صفات سے کافی استفادہ کرتے ہوئے آپ کی جواہر ریز زبان سے برستے ہوئے جواہرات کو اپنے دامن میں سمیٹ لینے کی بھرپور کوشش کرتے تھے۔

حضرت مولانا عبدالواحد جونپوری کئی سال تک مسند درس وتدریس پر فائز رہے۔ افتاء سے بھی وابستہ رہے، اکثر وبیشتر فتاویٰ میں آپ کی تصویب وتصدیق رہی، یہیں ویلور میں آپکی ایک آنکھ کا آپریشن ہوا۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں کچھ علیل سے رہنے لگے ماہ شعبان میں 1970ء میں اپنے وطن جونپور لوٹ گئے وہیں کچھ دنوں

کے بعد آپ کا وصال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

****

(۵)

حضرت مولانا سید شاہ حسام الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ گڈیاتم

از: مولانا ابوالمکارم سید شاہ مصطفیٰ حسین بخاری لطیفی کڈپوی

قدیم جنوبی آرکاٹ کے مدراس میں آپ کی شخصیت بہت ہی مشہور ومعروف تھی دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز میں تشریف لانے سے پہلے آپ معدن العلوم وانمباڑی میں درس وتدریس کی خدمات انجام دے رہے تھے، جناب مولانا حکیم عبدالباری صاحب اور دیگر حضرات کے توسط و ایماء پر آپ کو 1961ء میں دارالعلوم لطیفیہ میں درس و تدریس اور افتاء کے لئے مدعو کیا گیا، آپ بہت ہی خوش مزاج ولی صفت انسان تھے آپ کو صرف ونحو کے علاوہ علم فقہ میں کافی درک حاصل تھا، فتاویٰ نویسی میں اچھی خاصی مہارت حاصل تھی ۔ دارالعلوم میں آپ کا قیام بہت ہی مختصر تھا۔ طبیعت کی علالت کی وجہ سے دیڑھ سال سے کم مدت میں اپنے وطن گڈیاتم کو رخصت ہوگئے۔ کچھ دنوں کے بعد آپ کا وہیں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۶)

مولانا مولوی سید شاہ مصطفیٰ حسین بخاری لطیفی کشفی

ازڈاکٹر راہیؔ فدائی کڈپوی۔

آپ خاندان سادات بخارا کے چشم و چراغ ہیں، آپ کے والد حضرت سید حسن بخاری عرف سید پیر باشاہ ابن حضرت ابوالحسن سید شاہ عبدالقادر بخاری کا شمار شہر کڈپہ کے باوقار معزز تاجروں میں ہوتا ہے۔ جنھوں نے خاندانی شرافت کے باوصف رزق حلال کے لیے محنت و مشقت سے کبھی جی نہیں چرایا۔ مولانا بخاری صاحب کی ولادت شہر حیدرآباد میں بتاریخ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۸ء ہوئی۔ تعلیم کی شروعات گھر پر اپنے والد کی رہنمائی میں اور پھر مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد کڈپہ کے ناظر و بانی مشہور عالم دین و مصلح ملت حضرت مولانا مولوی سید شاہ محمد یعقوب صاحب بغدادی باقوی کے زیر سرپرستی ہوئی۔ ابتدائی فارسی و عربی کی تکمیل کے بعد مولانا بخاری صاحب نے ۱۹۵۶ء میں ویلور کا رُخ کیا اور دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان میں مولوی کورس میں داخلہ حاصل کرلیا۔ جہاں آپ نے مولانا محمد طیب الدین اشرفی بہاری، مولانا سید حمید اشرف کچھوچوی اور مولانا مفتی ابوالعالی علوی ملیباری جیسے علماء و فضلاء سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ آپ کی فراغت ۱۹۶۳ء میں درجۂ عالمیت سے اور ۱۹۶۵ء میں درجۂ فضیلت سے ہوئی۔ چونکہ آپ ایک ہونہار، محنتی، بااخلاق اور باصلاحیت طالب علم تھے اس لئے فراغت کے فوری بعد ۱۹۶۶ء میں آپ کو اپنے مادر علمی ہی میں خدمت درس و تدریس پر مامور کردیا گیا۔ شہر کڈپہ جہاں آپ کا بچپن گزرا، شعر و شاعری کے خوش گوار ماحول کے

لئے دور دور تک مشہور ہے۔ کڈپہ میں سالانہ تین چار عظیم مشاعرے اور وقتاً فوقتاً ادبی محفلیں منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ مولانا بخاری پر ان کا خاصہ اثر پڑا اور آپ جب مدرسہ لطیفیہ پہنچے تو وہاں کا خالص علمی و ادبی ماحول نے سونے پہ سہاگا کا کام دیا، قابل اساتذۂ کرام کی رہنمائی نے آپ کے ذوق کو مہمیز لگائی تو آپ بخاری سے قیصر بن گئے اور میدان شعر و سخن میں شہہ سواری کرنے لگے۔ ان ہی دنوں میں حضرت علامہ شاکر نائطی سے ملاقات ہوئی تھی۔ حضرت شاکر نائطی اپنے بزرگوں سے ملاقات کرنے عمر آباد سے حضرت مکان ویلور کثرت سے آیا جایا کرتے تھے۔ مولانا بخاری نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر آپ سے خوب اکتساب فیض کیا جس کی بدولت مولانا بخاری کا ادبی ذوق کافی حد تک جلا پا گیا۔ حضرت شاکر نائطی نے اپنے شاگرد رشید کا تخلص قیصر نکال کر کشفی رکھا۔ بہ قول مولانا بخاری حضرت شاکر نائطی نے فرمایا کہ "مولوی صاحب! قوم کے خادم کو قیصر تخلص زیب نہیں دیتا۔ آپ اپنے بزرگوں کے نام پر کشفی رکھ لیجئے۔ مولانا کشفی بخاری کی ایک نعت شریف کے چند اشعار پیش کئے جارہے ہیں جو ۱۹۶۱ء کے آس پاس لکھی گئی تھی۔

یوں ہم بے خودی میں سمائے ہوئے ہیں — مئے عشق میں ڈگ مگائے ہوئے ہیں
تمنائے جنت پھر اس دل میں کیسے — کہ جس میں محمدؐ سمائے ہوئے ہیں
مدینہ کا ہر ذرۂ خاک چو میں — یہ ہی اک تصور بسائے ہوئے ہیں
ملائک ہو یا حور، یا جن و انساں — یہاں سب خودی کو مٹائے ہوئے ہیں
لیے ہم بھی کشفی نیاز عقیدت — محمدؐ کے روزے پہ آئے ہوئے ہیں

حضرت شاکر نائطی نے اپنی علالت کی وجہ سے ویلور آنا جانا ترک کردیا تو مولانا بخاری نے بھی اپنی شاعری ترک کردی۔ اس بات کو محسوس کرتے ہوئے آپ کے استاذ مولانا طبیب الدین اشرفی صاحب نے آپ کی توجہ مضمون نویسی اور نثر نگاری کی طرف مبذول کرادی۔ مولانا طبیب الدین اشرفی چونکہ اہلِ زبان تھے۔ اس لیے انھوں نے آپ کے مضامین کی خود اصلاح کی اور زبان و بیان کے اعتبار سے آپ کو پختہ و شستہ کردیا۔ اس کے بعد آپ نے کئی علمی و ادبی مضامین سپرد قلم کیے جو دارالعلوم کے آرگن سالنامہ ''اللطیف'' کی زینت بنے۔ مولانا بخاری ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۸ء تک ''اللطیف'' کے مدیر رہے۔ آپ نے طلبۃ العلوم میں ادب و انشا کا اعلیٰ ذوق پیدا کیا، مدرسہ میں ہر ہفتہ یعنی ہر شب جمعہ بیت بازی کی محفلیں سجتی تھیں اور ادبی مذاکرے ہوتے تھے۔ ان سب کے پس پشت آپ کی ادبی شخصیت کارفرما رہتی تھی۔ آپ کا علمی و ادبی قابل ذکر کارنامہ ''جواہر السلوک'' کا ترجمہ ہے۔ بہ قول آپ کے ''اس عظیم الشان کتاب کے ترجمے کی سعادت میرے لیے کسی بھی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھی۔ جس وقت یہ ناچیز بزرگانِ مکان حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ کی سرپرستی میں علامہ شاکر نائطی علیہ الرحمہ کے ترجمہ کو متن کے ساتھ ترتیب دے رہا تھا۔ یہ خواہش دامن گیر ہوی کہ کم از کم دس فائدوں کو مکمل کردیا جائے لہٰذا اللہ کا نام لے کر نویں فائدے کے تقریباً نصف حصہ کی اس عبارت ''نیز باید دانست کے اقوال و افعال الخ سے ترجمہ کرنا شروع کردیا، الحمد اللہ دس فائدے مکمل ہوگئے۔ مزید ۲۴ فائدوں کا ترجمہ بھی ہوگیا۔ اس وقت بقیہ ۶ فائدوں کے ترجمے کا کام جاری ہے. انشاء اللہ تعالیٰ وہ بھی عن قریب ہوجائیگا۔''

آپ نے اسی خاندان اقطاب ویلور کے چشم و چراغ اور آستانۂ حضرت قطب ویلور کے سجادہ نشین اعلیٰ حضرت سید شاہ محمد باقر قادری کے دست مبارک پر بیعت کی، خرقۂ خلافت سے بہرہ ور ہوئے۔ مولانا بخاری صاحب یکم مارچ ۱۹۷۹ء کو مدراس یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ(Syndicate) کے رکن منتخب کیئے گئے۔اس منصب بلند پر چند ماہ فائز رہنے کے بعد بعض ناگزیر حالات کی بناپر دارالعلوم لطیفیہ کی خدمت تدریس سے ۱۹۷۹ء کے اواخر میں مستعفی ہوگئے اور اپنے وطن مالوف کڑپہ لوٹ آئے۔ یہاں آپ ایک طرف آبائی تجارت ''گھڑی سازی'' کے فروغ دینے میں جٹ گئے ہیں۔تو دوسری طرف علم وادب کی خدمت بھی پورے انہماک کے ساتھ کررہے ہیں۔ چنانچہ آپ کا قائم کردہ ادارہ '' ہُدیٰ انگلش میڈیم ہائی اسکول'' جوعن قریب کالج کی شکل اختیار کرنے والا ہے، ترقی پر روز افزوں گامزن ہے۔علاوہ ازیں آپ انجمن ترقی اردو کڈپہ کے ضلعی صدر ہیں۔آل انڈیا ملی کونسل کے ریاستی رکن بھی۔آپ سے بہت سارے افراد نے استفادہ کیا جن میں مولوی حافظ بشیرالحق لطیفی ادھونی، مولوی محمد شاکراللہ شاکر لطیفی مدن پلی، مولوی محمد حنیف غازی لطیفی اور مولوی مصطفیٰ کمال لطیفی میسوری قابل ذکر ہیں۔مولانا بخاری صاحب اپنے خاندانی آستانہ بخاریہ کے موجودہ سجادہ نشین ہیں۔

حواشی

سال نامہ اللطیف'' پہلا شمارہ ۱۹۶۱ تا ۱۹۶۲ء ص ۳۶

''جواہرالسلوک'' ص ۴

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۷)

حضرت مولانا قاضی شاہ محمد انوار اللہ قادری لطیفی یم، اے،
کی علمی وقومی خدمات کا تعارف

پروفیسر سیّد صفی اللہ۔ سابق صدر شعبہ عربی، فارسی و اردو۔ مدراس یونیورسٹی

دارالعلوم لطیفیہ کو جو فضیلتیں حاصل ہیں، ان میں ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ ویلور دارالسرور کے قاضی شہر بھی اسی مدرسہ کے فاضل اساتذہ میں سے ہیں۔ جو مولوی شاہ محمد انوار اللہ کے نام نامی سے مشہور ہیں۔ پیدائش کے لحاظ سے آپ کا وطن کرناٹک کا صوبہ ہے جس کے ایک مقدس علمی شہر بیجاپور سے متصل ایک گاؤں میں آپ کی ولادت۔ ۱۰، جون ۱۹۴۶ء کو ہوی۔ ابوالفصیح محمد انوار اللہ کا خاندان سر قاضی خاندان کہلاتا ہے۔ اور آپ اپنے وطن میں ہی نہیں، ویلور اور مضافات علاقوں میں بھی اسی عرفِ عام سے مشہور ہیں۔

والد ماجد مولانا سید فقیہہ علی سر قاضی نے آپ کو ابتدائی تعلیم تک اپنے ہی گاؤں میں رکھا اور جب اعلیٰ تعلیم دلانے کا موقعہ آیا تو خانقاہِ حضرت مکان کی طرف توجہ دی۔ اپنے فرزند کو لیے سیدھے ویلور دارالسرور پہنچے اور دارالعلوم لطیفیہ کی گود میں ڈال دیا۔ حالاں کہ ان کی اپنی تعلیم جامعہ نظامیہ حیدر آباد میں ہوی تھی۔

یہ بات ۱۹۵۷ء کی تھی۔ نو سال کی مشق و مزاولت اور تعلیم و تربیت کے بعد ۱۹۶۶ء میں آپ نے یہاں سے فارغ التحصیل ہونے کی سند حاصل کی۔ دورانِ تعلیم

آپ برابر اپنی ذہانت کا ثبوت دیتے رہے۔ اور اپنے قابل اساتذہ مولانا مولوی مفتی ابوالمعالی علوی صاحب ملیباری (مرحوم) حضرت مولانا طبیب الدین اشرفی مونگیری، حضرت مولانا سید شاہ حسام الدین صاحب گڑیاتمی (مرحوم) حضرت مولانا سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی (مرحوم) اور مولانا عبدالواحد صاحب جونپوری (مرحوم) سے خوب استفادہ کیا۔

دارالعلوم سے سندِ مولوی فاضل حاصل کرنے کے بعد آپ اپنے وطن لوٹ گئے اور چاہتے تھے کہ وہیں رہ کر دینی و علمی خدمت انجام دیں لیکن خدا آپ سے کہیں اور ہی خدمت لینا چاہتا تھا۔ چناں چہ دارالعلوم لطیفیہ سے بلاوا آ گیا کہ اس کی خدمت کے لیے ویلور چلے آؤ۔

ان دنوں لطیفیہ کا نظم ونسق مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ کے ہاتھ میں تھا۔ بہ حیثیتِ ناظم مدرسہ آپ کی نظرِ تجربہ کار ہر طالب علم پر رہتی تھی۔ طالب العلموں کو پرکھنے اور ان کی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ لگانے میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ اور آپ کی نظر انتخاب مولوی انواراللہ صاحب پر کبھی کی پڑ چکی تھی۔ لہٰذا وقت آنے پر آپ نے موصوف کو اپنے مدرسہ کے لیے طلب کر لیا۔ ادھر مولوی صاحب نے بھی سوچا کہ اپنے مدرسہ کا حق آپ پر سب سے زیادہ ہے۔ اس لیے طلبی پر فوراً لبیک کہتے ہوئے ویلور پہنچ گئے۔ اس دن کو آج تقریباً تیس سال ہو رہے ہیں۔ ان تیس برسوں میں آپ نے دارالعلوم کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

دارالعلوم کی تدریسی خدمات کو شروع ہوئے ڈیڑھ سال بھی نہیں گزرا کہ قاضی شہر کے عہدے کے لیے حضرت ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ

ناظم دارالعلوم لطیفیہ کی نظر انتخاب بھی آپ ہی پر پڑی۔ اور ۲۰ اپریل ۱۹۶۸ء کو گورنر مدراس کی جانب سے آپ کو قضاوت بھی تفویض ہوگئی۔

۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۰ء تک میرا قیام دارالعلوم لطیفیہ کے ایک کمرے میں رہا۔ ان دنوں ہر شام مغرب یا عشاء کے بعد میرا دارالعلوم کے اساتذہ کے ساتھ مل بیٹھنا ہوتا تھا خاص طور پر مولوی محمد انوار اللہ، مولوی محمد مصطفٰے حسین بخاری، مولوی محمد شبیر اکرمی، مولوی بشیر احمد کٹانجوری اور کبھی کبھی مولوی سید حمید الدین اشرفی کی صحبتیں ہوجاتیں۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگتیں۔ اور اس دوران دین سے سیاستِ حاضرہ تک کئی موضوعات زیرِ بحث آجاتے۔ ٹھیک دس بجے بجلی گل ہوجاتی۔ ایسے میں چاندنی رات ہوتی تو ہم صحن میں اٹھ آتے۔ کبھی کبھی یہ محفلیں حضرت میراں پاشا صاحب کے حضور جمنے لگتیں۔ جن کا بستر مدرسہ کی عمارت کی مشرقی راہداری کے شمالی سرے پر لگتا تھا۔ بڑے ہی مرنجان مرنج شخصیت کے مالک تھے۔ اور آپ کی صحبتوں میں بڑا لطف آتا تھا۔ آپ جہاں دیدہ تھے، فہم وفراست بلا کی تھی۔ ہر موضوع پر آپ کی نظر تھی۔ آج وہ لمحے یاد آجاتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے ان میں کھوسا جاتا ہوں۔ مولانا انوار اللہ صاحب سے میری قربت انھیں شبینہ محفلوں کی وجہ سے بڑھی تھی۔

رفتہ رفتہ یہ محفل بھی بکھرنے لگی۔ مولوی بشیر احمد کچھ مدت بعد اپنے وطن لوٹ گئے مولوی شبیر اکرمی نے اپنے وطن بھٹکل میں سُنا ہے ایک اچھا مدرسہ کھول لیا ہے۔ اور مزے میں ہیں۔ مولوی سید مصطفٰے حسین بخاری بھی اپنے وطن کڈپہ لوٹ گئے جہاں پہلے ہی سے گھڑیوں کی تجارت موجود تھی، پھر تاجرانہ ماحول پر علمی ذہنیت غالب آگئی۔ پہلے ہائی اسکول کی بنیاد رکھی، پھر جونیر کالج کھولا اور اب ایک انجنیئر نگ کالج کے مالک

ہیں۔مگر مولوی انوار اللہ صاحب ایک بار جو دارالعلوم کی خدمت کا عہد کر کے اپنے وطن سے نکلے تھے اسے آج تک نبھائے ہوئے ہیں اور بحسن وخوبی نبھائے ہوئے ہیں۔ بلکہ میں کہوں گا کہ دوہری ذمہ داری نبھا رہے ہیں۔ایک تو تدریسی خدمات اور دوسری قضاوت اور دارالافتاء کی ذمہ داری۔

عوام کے حالات ایسے بھی بڑے پیچیدہ ہوتے ہیں جو شادی بیاہ سے شروع ہوکر آپسی جھگڑوں اور طلاق تک پہنچ جاتے ہیں اور شر پسند عناصر بھی ہوتے ہیں جو اختلافی مسائل پر طرح طرح سے فتوے حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ان معاملات کو نپٹانے کے لئے جس دل گردے،فہم وفراست،معاملہ فہمی اور دوراندیشی کی ضرورت ہوتی ہے اللہ نے اس سے بھی موصوف کو پوری فراخ دلی کے ساتھ متصف کیا ہے۔میں نے سنا ہے کہ لوگ آپ کے فیصلوں اور فتوؤں سے پوری طرح مطمئن ہیں۔

ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور بھی فیوض سے نوازا ہے۔آپ ان خوش نصیب افراد سے ہیں جنھیں اقطاب ویلور کے آخری چشم و چراغ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی فیوض حاصل کرنے کا شرف حاصل ہے۔ ۱۹۷۲ء میں اعلیٰ حضرت نے آپ کو بیعت و خلافت سے سرفراز فرمایا اور ۱۹۷۳ء میں سندِ اجازت مصافحہ بھی عطا ہوی۔

۱۹۷۰ء کے بعد میں مدراس آگیا تو موصوف سے میری ملاقاتیں کم ہوگئیں، سال چھ مہینہ میں ایک بار مل لئے تو مل لئے اور وہ بھی کوئی سبیل نکل آئے تو۔ ۱۹۸۲ء کی ایک ملاقات میں آپ سے جب یہ مژدہ سنا کہ میسور یونیورسٹی سے اردو میں ایم،اے؛ پاس کر چکے ہیں تو جی خوش ہوگیا۔افضل العلماء تو پہلے ہی مدراس یونیورسٹی

سے کر چکے تھے۔

ادیب فاضل، منشی فاضل اور افضل العلماء کے کورسوں کی وجہ سے دارالعلوم لطیفیہ کا الحاقی تعلق مدراس یونیورسٹی سے بہت پہلے سے تھا۔ مدراس یونیورسٹی کی انتظامی کمیٹیوں مثلاً ایکڈمک کونسل، سینٹ اور سنڈیکیٹ میں (عربی، فارسی اور سنسکرت علوم کے الحاقی کالجوں کے لیے بھی ان انتظامی کمیٹیوں میں نمائندگی موجود ہے۔ اسی نمائندگی کے تحت ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۰ء تک تین سال کے لیے آپ ایکیڈمک کونسل کے لیے نامزد ہوے۔ اس دوران ایک فعال کارکن کی حیثیت سے آپ نے جو خدمات انجام دیں وہ اپنی جگہ پر ہیں لیکن یہ اس تجربہ کی دین ہی تھی کہ آپ کا دماغ بعض پہلوؤں پر بڑی تیزی سے کام کرنے لگا۔

دراصل جن الحاقی مدارس کے لیے یہ سیٹیں مختص تھیں ان میں عربی مدارس کی تعداد زیادہ تھی اور سنسکرت مدارس کی کم۔ لیکن بعض ہمارے ہی نافہم اندیشوں کی حماقت سے سنڈیکیٹ جیسی سب سے اعلیٰ کمیٹی میں سنسکرت کالج کے نمائندے منتخب ہوجاتے تھے۔ قاضی صاحب نے اس صورت حال کا تجزیہ کیا اور ایک نتیجہ پر پہنچے، تمام مدارس سے رابطہ پیدا کیا۔ آپسی تعلقات استوار کئے اور اتفاق کی ایسی فضا بنائی کہ سنسکرت والوں کا غلبہ ناممکن ہوگیا۔ آپ کی ان کوششوں کا یہ پھل ملا کہ اس بار تمام مدارس نے مل کر متفقہ طور پر آپ ہی کو سنڈیکیٹ کے لیے نامزد کردیا۔ اس طرح ۱۹۹۷ء میں آپ سنڈیکیٹ کے ممبر منتخب ہوگئے۔ اسے ایک ہی سال ہوا ہے لیکن اس سال کی مدت میں بھی آپ کے لیے بہت طویل اور بہت اہم ثابت ہوی۔ آپ کی غیر معمولی کارکردگی سے بہت جلد آپ کا شمار سنڈیکیٹ کے اہم ممبروں میں ہونے لگا۔ عام طور پر یہ دیکھا

جاتا ہے کہ کسی کو کوئی بڑا سا منصب مل گیا تو وہ عام لوگوں سے کترانے لگتا۔ اس کے دروازے عوام کے لئے بند ہوجاتے ہیں۔ مبادا کہ لوگ طرح طرح کے کام نہ کرنا پڑیں۔ لیکن سر قاضی صاحب کا معاملہ اور ہی ہے۔ کتراتے رہنا تو دور کی بات ہے آپ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کوئی آئے اور ان سے کام لے۔ چناں چہ کتنے ہی لوگوں کے مسائل جو برسوں سے یونیورسٹی میں لاینحل حالت میں پڑے ہوئے تھے آپ کی کوششوں سے دنوں بلکہ گھنٹوں میں طے ہوگئے۔ اپنے اختیارات کا آپ کو پورا علم ہے اور ان اختیارات کے استعمال میں آپ کبھی پیچھے نہیں رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں ان کے دو چار کارناموں پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالتا چلوں۔

وانمباڑی کا خواتین کالج کچھ دیر سے شروع ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے ایک مسئلہ پیدا ہوگیا تھا۔ اور یونیورسٹی کی جانب سے کالج کو مراسلہ مل چکا تھا کہ اس کالج کی طالبات اس سال کے امتحان میں شرکت نہیں کرسکیں گے۔ یہ بات آپ کے علم میں لائی گئی تو پریشان ہو اٹھے کہ اس طرح تو طالبات کا ایک سال برباد ہوجائے گا چناں چہ آپ نے دوڑ دھوپ شروع کی اور ایک ہفتہ کے اندر اندر یونیورسٹی کی اس رکاوٹ کو منسوخ کرا کے امتحان کی اجازت دلوادی۔

اسلامیہ کالج وانمباڑی میں شعبۂ اردو کو عربی شعبہ سے علاحدہ کر کے ایک آزاد شعبہ کی حیثیت دی گئی تو پتہ نہیں کیوں یہ بات ایک خاص طبقہ کو بری لگی اس نے اس مستحسن اقدام کے خلاف چیخ پکار کی اور اپنے رسوخ سے اس فیصلہ کو یونیورسٹی سے منسوخ کرادیا۔ جب یہ بات آپ کے علم میں لائی گئی تو آپ نے یونیورسٹی کے عملہ کو اس غلط حکم نامہ کے لیے باز پرس کی اور فوراً اردو شعبہ کو آزاد کی حیثیت دلوادی۔

آپ کا اس سے بڑا کارنامہ منشی فاضل، افضل العلماء اور ادیب فاضل کے لیے الگ الگ نصابی کمیٹیوں کی تشکیل ہے۔ اب تک ان کورسوں کے نصابات تیار کرنے کا کام کالجوں کے لیے بنے ہوے بورڈ آف یونیورسٹی کے تحت تھا۔ اس کی وجہ سے ان کورسوں پر بورڈ کی نشستوں میں مناسب غور وخوص نہیں ہو پاتا تھا۔ مولانا نے اس نزاکت کو محسوس کیا۔ اس نزاکت کو تو دوسرے بھی محسوس کرتے تھے لیکن وہ بے بس تھے۔ اس کا علاج مولانا محمد انوار اللہ ہی کر سکتے تھے اور انھوں نے کیا بھی یوں کہ ان کے لیے دو الگ الگ بورڈ آف اسٹڈیز بنوائے ایک افضل العلماء اور منشی فاضل کے لیے اور دوسرا ادیب فاضل کے لیے یونیورسٹی کی تاریخ میں اس جرأت کی مثال نہیں ملتی۔

آپ کا ایک اور جرأت مندانہ اقدام ان مذکورہ کورسوں کو ڈگری کورسوں کے مساوی قرار دینا ہے۔ جن کی بنیاد پر مذکورہ کورسوں کے پاس کیئے ہوے امیدوار براہ راست ایم اے میں داخلہ لے سکیں گے۔ یہ ایسا کارنامہ ہے جو گذشتہ پچیس برسوں سے ایک خواب بنا رہا ہے جن کی تعبیر بفضلِ خدا مولانا کے ہاتھوں ملی۔ جس کام کو برسوں سے ناممکن سمجھا جا رہا تھا اسے مولانا نے چٹکی بجائے انجام دے دیا۔

مولانا کی دلچسپی اپنی قوم تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ آپ کی نظر یونیورسٹی کے دوسرے معاملات پر بھی ہے۔ پچھلے دنوں یونیورسٹی نے ایک بہت ہی سینئر پروفیسر کو رجسٹرار کا عہدہ سنبھالنے کی دعوت دی مگر اسے "انچارج" ہی بنائے رکھا مولانا کو یہ بات بہت بری لگی۔ آپ نے سنڈیکیٹ کی میٹنگ میں یہ آواز اٹھائی کہ ایسے شخص کو جو رجسٹرار بننے کا پوری طرح اہل ہے محض انچارج بنائے رکھنے کا کیا مطلب ہے۔ اور بعض گوشوں کے باوجود سخت مخالفت کے آپ میدان میں کود پڑے، زمین ہموار کی اور وائس

چانسلر کے لیے حالات کو ایسے ساز گار بنایا کہ ان پروفیسر صاحب کو رجسٹرار بنانا آسان ہوگیا۔ جس کے لئے وائس چانسلر اور رجسٹرار دونوں نے ممنونیت کا اظہار کیا ہے۔

قیاس یہی کہتا ہے کہ اس کام نے آپ کے بہت سے دشمن پیدا کردئے ہوں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے آپ کے دوستوں کی فہرست میں اور اضافہ ہوگیا۔ جنہوں نے آپ کے ساتھ زیادہ تو آپ کے دوست تھے ہی، جنھوں نے مخالفت کی وہ بھی آپ کے دوست بنے رہنے ہی میں اپنی بھلائی سمجھے۔

بات دراصل یہ ہے کہ مولانا یہ نہیں دیکھتے کہ کون سا مسئلہ کس کا ہے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ کیا صحیح اور کیا غلط۔ آپ ہمیشہ حق کا ساتھ دیتے ہیں اور غلط مطالبہ یا غلط فیصلہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام کے دلوں میں اپنے لیے عزت پیدا کرلیتے ہیں میں نے خود دیکھا کہ ہر شخص کے دل میں چاہے وہ یونیورسٹی کا افسر اعلیٰ ہو یہ ادنیٰ ملازم اپنے دل میں آپ کے لیے کتنا احترام اور کتنی محبت رکھتا ہے اور یہی وہ وصف ہے جو آپ کو دوسرے ممبروں میں امتیازی شان عطا کرتا ہے۔

ایک طرف مجھے آپ کے کارناموں پر ناز ہے تو دوسری طرف اپنی قوم کی بدلتی ہوی حالت پر کہ اب وہ اپنے محسن کو پہچاننے لگی ہے۔ ورنہ روایت تو یہی ہے کہ جو کچھ کرنے کا عزم لیکر اٹھتا ہے لوگ اسی کے درپے ہوجاتے ہیں۔ میں نے سنا کہ سینڈیکیٹ کے لئے منتخب ہونے کے بعد کچھ اداروں نے تہنیتی اجلاس منعقد کرکے آپ کو مبارک باد پیش کی تھی اور اب پھر کچھ ادارے تہنیتی اجلاسوں کے ذریعہ آپ کی خدمات کا اعتراف کرنا چاہتے ہے۔ مگر آپ اس کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو مان جانا چاہئے۔ میں مانتا ہوں کہ یہ بات آپ کی نیاز مندی اور

منکسرانہ مزاج کے خلاف ہے۔لیکن اسی سے قوم میں ایک اچھی عادت پڑے گی۔ایسے اجلاس مثالی بنیں گے اور وہ تعصب اور مردہ پرستی کے دائرے سے نکل کر اچھے افراد کی عزت کرنا سیکھے گی اور آپ کے معاملہ میں یہ ضروری ہے کیوں کئے ایک سال کے اندر اتنے سارے کارنامے انجام دیئے ہیں کہ آج تک میں نے کسی سنڈیکیٹ کے ممبر کو نہیں دیکھا۔اتنا کچھ کرنے کے باوجود آج بھی آپ تازہ دم ہیں۔اور ہر لمحہ منتظر کہ کون آئے اور آپ سے کام لے۔

خدا سے دعا ہے کہ آپ کو ایسے عہدوں پر قائم دائم رکھے تاکہ قوم آپ سے استفادہ کرتی رہے۔

نوٹ: دارالعلوم لطیفیہ ویلور میں استاذ محترم مولانا شاہ محمد انواراللہ صاحب مدظلہ کی تدریسی خدمات پر نصف صدی کی تکمیل کے لئے اب صرف تین سال باقی ہیں۔مترجم ومرتب۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۸)

مولانا مولوی پی محمد ابوبکر صاحب ملیباری لطیفی

از مولانا ڈاکٹر سید شاہ عثمان قادری

مولانا مولوی پی محمد ابوبکر صاحب ملیباری لطیفی خلیفہ اعلیٰ حضرت ہیں اور لطیفیہ کی ممتاز شخصیتوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ اور حضرت میران پاشاہ اور ناظم صاحب مرحوم تینوں حضرات آپ پر بہت شفیق و مہربان تھے۔ خاص کر حضرت میراں پاشاہ صاحب جناب ابوبکر صاحب کو بہت چاہتے تھے اور ''ابوئی'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔

مولانا ابوبکر کی پیدائش 1951ء میں شہر وویلور میں ہوئی آپ کے والد کا اسمِ گرامی جناب میران کٹی تھا۔ مولانا ابوبکر صاحب کے نانا کیرلا کے ایک مشہور عالم دین تھے اس لئے ابوبکر صاحب کی والدہ نے آپ کو بھی ایک جید عالم بنانا چاہا اور اس غرض سے دارالعلوم لطیفیہ میں آپ کو داخل کرادیا۔ مولانا ابوبکر صاحب بچپن ہی سے بہت ذہین تھے۔ اپنا سبق کلاس میں ہی یاد کرلیا کرتے تھے۔ درسی کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں کا بھی مطالعہ کرتے اور رات کا بڑا حصہ مطالعہ میں گذارتے تھے۔

بچپن میں آپ نے جن جید اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ان میں مولانا محمد عاشق محمد صاحب، مولانا زکریا صاحب، مولانا مولوی علوی صاحب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ تعلیمی سلسلہ کے آخری ایام میں آپ کے اساتذہ تھے جناب مولوی طبیب الدین اشرفی، مولانا حمید اشرف، وغیرہ۔

اگرچہ آپ ملیباری ہیں لیکن آپ کو عربی کے ساتھ ساتھ فارسی اور اردو پر بھی مہارت حاصل ہے۔ کسی اسکول میں داخلہ لئے بغیر ہی انگریزی، تمل اور ملیالم زبانوں میں آپ کو تقریری اور تحریری لیاقت حاصل ہوگئی۔ مولوی عالم، مولوی فاضل کے علاوہ آپ نے مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء اور منشی فاضل امتحان پاس کئے۔ پھر پنڈت ٹریننگ کا امتحان بھی پاس کرلیا۔ سند حاصل کرنے کے ساتھ ہی مدرسہ ہی میں مدرس کے منصب پر فائز ہو چکے تھے۔

نکاح اور اولاد

آپ کا نکاح جناب کے، کے ابوبکر صاحب کی دختر مریم صاحبہ سے ہوا۔ نکاح اعلیٰ حضرت نے پڑھایا تھا۔ آپ کی چار لڑکیاں اور تین لڑکے ہیں۔

خدمات

مدرس کی حیثیت سے دار العلوم لطیفیہ میں ۲۵ پچیس سال سے تدریسی خدمات انجام دیتے آرہے ہیں، فارسی عربی کی مختلف کتب پڑھاتے ہیں اور بے حد مقبول استاد ہیں۔

آپ ایک شعلہ بیان مقرر ہیں۔ اپنی تقریر میں بہت ہی عالمانہ انداز میں احادیث، دلائل پیش کرتے ہیں اور سامعین آپ کے بیان سے بے حد متاثر ہوتے ہیں۔

عملیات میں بھی آپ کو اچھا خاصہ دخل ہے۔ عوام کی اصلاح اور خدمت خلق کے لئے آپ نے عملیات کا سہارا لیا ہے۔ آپ کئی سال سے سالنامہ ''اللطیف'' کی ادارت کررہے ہیں۔ اس کے علاوہ مقبول ومعروف فارسی کتاب ''خوارق حیدریہ'' اردو ترجمہ کرکے ''اللطیف میں قسط وار شائع کرایا۔ اس ترجمہ کی خوبی خود مترجم کے

الفاظ میں مفہوم خیز ترجمہ ہے۔

علاقہ کیرلا میں ''استقبال قبلہ'' سے متعلق ایک فتنہ اٹھ کھڑا تھا۔ مولوی احمد کویا صاحب شالیاتی ملیباری جو حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادریؒ مکی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اس فتنہ پر ایک کتاب ''خیرۃ الادلۃ فی ھدی استقبال قبلہ، کے نام سے عربی میں تصنیف کی۔ مولوی ابوبکر صاحب نے اس تصنیف کا نچوڑ مضامین کی صورت اردو میں پیش کیا ہے اور بڑی خوبی سے اصل کتاب کی روح ترجمہ میں منتقل ہوی ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے کئی مضامین لکھے جو اللطیف کی زینت بنے رہے۔ مضمون نگاری کا سلسلہ ان کے طالب علمی کے دور سے ملتا ہے۔ اس دور کے مضامین میں ''دین اور اس کی حقیقت'' مجاہدین اسلام کے کارنامے'' اور سیرت حضرت علی کرم اللہ'' بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

مابعد دور کے مضامین'' خطاب از فصل الخطاب'' کے عنوان سے چند مضامین سپرد قلم کئے ہیں۔ یہ مضامین دراصل حضرت قطب ویلور کی تصنیف فصل الخطاب بین الخطا والصواب'' سے ماخوذ ہیں۔ اصل تصنیف فارسی میں ہے، مولانا ابوبکر نے کتاب کے چند اہم گوشوں کو اردو میں پیش کیا ہے۔

مولوی ابوبکر کے کچھ اور اہم مضامین کے عنوانات درج ذیل ہیں۔

۱) گفتار کے غازی بن تو گئے کردار کے غازی بن نہ سکے۔ مضمون نگار نے اس مضمون میں ملت کی زبوں حالی کو اس طرح پیش کیا ہے کہ جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ مضمون اللطیف کے 1971ء کے شمارے میں چھپا ہے۔

۲) ''ایک تاریخی غلط فہمی کا ازالہ'' اس مضمون میں مصنف نے شہنشاہ ہند جلال

الدین محمد اکبر کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ ان پڑھ نہیں تھا بلکہ ایک علم نواز عالم تھا۔ اپنی بحث کی دلالت میں مصنف نے مختلف واقعات سے مدد لی ہے۔

۳) ''حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی'' یہ مضمون دراصل ایک فارسی قلمی بیاض کا اردو ترجمہ ہے جو حضرت موصوف کے حالات زندگی پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس کی اشاعت اللطیف میں 1983ء میں ہوی تھی۔

مولوی ابوبکر کو زبان پر پورا قابو ہے۔ آپ کے مضامین کی عبارت بڑی جاندار اور حسبِ موضوع ہوتی ہے ادھر کچھ مدت سے آپ کا قلم خاموش ہے۔ دراصل آپ کی دوسری مصروفیات اتنی مہلت دیتی ہی نہیں کہ آپ اس طرف سکوں کے ساتھ متوجہ ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتاویٰ لطیفیہ

فتویٰ نمبر(۱)

یہ رقعہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی فضیلت میں ہے۔

حضرت ذوقیؔ کے تحریر کردہ یہ وہ رقعات ہیں جو دوسرے لفظوں میں فتاویٰ ہیں جو آپ نے مختلف لوگوں کے نام تحریر کیا ہے یہ قلمی کاغذات حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ، سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ کے تحویل تھے۔ موصوف کے حسب ایماء استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید حمید اشرف کچھوچھوی استاذ دارالعلوم لطیفیہ نے ترجمہ کیا اور انشائے عقائد ذوقیؒ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں، ان رقعات اور فتاویٰ کا ترجمہ استاذ محترم کے قلم سے ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی

****

عزیز سعید جناب حسن علی زید عمرہٗ

واضح ہو کہ جب حضرت محمد ﷺ تمام انبیاء میں افضل ہیں تو یقیناً آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہوگی۔ حضور ﷺ کی امت میں سب سے افضل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

صحابہ میں سب سے افضل اہل بیعت رضوان ہیں۔ یہ ایک ہزار چار سو تھے۔ اہل بیعت رضوان میں سب سے افضل اہلِ اُحد ہیں جو کہ ایک ہزار تھے۔ اہل احد میں سب سے افضل اہل بدر ہیں کہ جو اصحاب طالوت کی تعداد کے مطابق تین سو تیرہ نفوس تھے۔ اہل بدر میں سب سے افضل وہ چالیس اشخاص ہیں کہ جس چالیس کا اتمام حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی سے ہوا۔ پھر ان چالیس میں سب سے افضل عشرہ مبشرہ ہیں کہ جنکے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دخول جنت کی بشارت دی تھی۔ ان عشرہ مبشرہ میں سب سے افضل خلفاء راشدین ہیں یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم۔

ان خلفائے راشدین میں سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں، پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ، پھر حضرت علیؓ ہیں۔ شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی فضیلت پر سب کو اتفاق ہے۔ اور ختنین یعنی حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی فضیلت میں اختلاف ہے۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ سے افضل ہیں، لیکن بعض حضرات اس کے برعکس حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے افضل کہتے ہیں۔

ہمارے لئے جمہور کی پیروی ضروری ہے اس لئے ہم یہی کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ سے افضل ہیں اور یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ جو شخص عقل کی پیروی کر کے اسکی مخالفت کریگا وہ گردابِ ضلالت میں پڑیگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا مستحق ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۲)

صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرنے سے زبان روکنے کے بیان میں

محبیؒ مکرم جناب احمد عبداللہ عرف پیر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

واضح ہو کہ امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ صحابہ کا ذکر ہم صرف بھلائی اور بہتری کے ساتھ کریں گے۔ پس واجب ہے کہ ہر ایک صحابی کا ذکر صرف خیر ہی کے ساتھ کیا جائے اور جو کچھ شیعہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں وہ غلط ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی صحابہ ہی کے زمرہ سے ہیں اور رسول ﷺ کے شرف صحبت کا احترام ضروری ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کا اتباع واجب ہے اور جو شخص ان حضرات کی مخالفت اور اپنی عقل کی متابعت کریگا وہ گمراہ ہوگا۔ آں عزیز کو بھی معلوم ہے کہ اس زمانہ میں بہت سے لوگ اپنی عقول فاسدہ کی متابعت کر کے گمراہ ہو گئے ہیں اور اپنے بزرگوں کا طریقہ چھوڑ کر گردابِ ضلالت میں جا پڑے ہیں۔

بے ادب تنہا خود ہی برباد نہیں ہوا بلکہ اس نے اپنے فتنہ کی آگ ایک عالم میں لگا دی جب اللہ تعالیٰ کسی کو رسوا کرنا چاہتا ہے تو پاک لوگوں کے معاملات میں انگشت نمائی کی طرف اسکا دل مائل کر دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۳)

جو لوگ صحابہ کے کفر کے قائل ہیں انکی تکفیر کے اثبات میں یہ رقعہ ہے۔

محبّ صادق محمد باقر سلمہ اللہ تعالیٰ،

آنجناب نے کہا تھا کہ محققین کے نزدیک روافض کی تکفیر ثابت نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ لوگ صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں اور صحابہ کی تکفیر کفر نہیں ہے ، کیونکہ ان کی تکفیر کسی علّت اور سبب سے ہے، جو مستلزم کفر نہیں ہے۔

اور شیخ علی متقی نے لکھا ہے کہ بخارا کے بعض لوگوں نے روافض کے اقوال و افعال کو سببِ معصیت قرار دیتے ہوئے ان کی عورتوں اور لڑکیوں کو بغیر نکاح کے جائز سمجھا ہے، یہ بالکل غلط ہے۔ بلکہ انہوں نے روافض کے کفر کا اثبات کیا ہے۔

فقیر کہتا ہے کہ شیخ علی متقی کے کلام کا یہ مطلب نکالنا بالکل تعجب خیز ہے، اس لئے کہ خود شیخ کی عبارت روافض کے کفر کو مستلزم ہے بلکہ اس سے ترقی کر کے کہتا ہوں باوجود یکہ روافض بدترین خلائق ہیں۔ پھر بھی ان کی تکفیر مستلزم کفر ہے تو صحابہ کی تکفیر (کہ جو بہترین امت ہیں اور ان کے فضائل کہ جو آیات و احادیث سے ثابت ہیں) کیوں کر مستلز کفر نہ ہوگی، پس اگر یہ کہا جائے کہ تکفیر یعنی کفر کی طرف نسبت کرنا یہ الگ چیز ہے، اور مکفر یعنی کافر قرار دینا یہ دوسری چیز ہے، تو جب صحابہ کی تکفیر سے مکفر ہونا لازم نہیں تو اسی طرح روافض کی تکفیر سے روافض کا کافر ہونا کیا ضروری ہے۔

جواب میں ہم کہیں گے کہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ صحابہ کی تکفیر کفر نہیں ہے بلکہ گناہ کبیرہ ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ روافض اس گناہ کا ارتکاب حلال سمجھ کر کرتے ہیں یا بغیر

استحلال کے کرتے ہیں، دوسری صورت بالکل مفقود اور منفی ہے، اسلئے کہ روافض میں کوئی بھی ایسا نہیں پایا جاتا جو تکفیر صحابہ کو ایمان کا جز نہ سمجھتا ہو۔ لہٰذا روافض کی تکفیر میں کوئی شک نہیں ہے اور یہی ہمارا مقصود تھا۔ ہاں اگر کوئی رافضی ایسا مل جائے کہ جو اس معصیت کو حلال نہ سمجھتا ہو تو وہ کافر نہیں ہے لیکن ایسا کوئی فرد اب تک ملا نہیں ہے۔ اس لئے یہ کہنا بجا ہے کہ یہ ایسی کلّی ہے جسکا خارج میں وجود نہیں۔ والسلام

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۴)

یہ رقعہ صحابہ کی شان میں دلیری و گستاخی کی ممانعت میں ہے
اور اس بیان میں ہے کہ ان کے اختلافات خطاءِ اجتہادی کی وجہ سے تھے،
خلافت و امامت کی تحصیل کے لئے نہ تھے۔

محبّ صادق زین الدین سلمہ اللہ تعالیٰ

واضح ہو کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص صحابہؓ کرام میں سے کسی پر سب و شتم کرے گا مثلاً وہ یہ کہے کہ صحابۂ کرام گمراہی یا کفر پر تھے تو اسے قتل کیا جائے گا اور اگر اسکے علاوہ کوئی اور اتہام ان پر رکھے تو اسے سخت عذاب دیا جائے گا۔

امام محمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کرنا الحاد و بے دینی ہے اور انوار شافعیہ نامی کتاب میں ہے کہ وہ صحابہ جنہوں نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں صف آرائی کی، وہ نہ فاسق ہیں نہ کافر بلکہ وہ اپنے فعل و عمل میں مخطی ہیں۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہٗ کی شان میں طعن و تشنیع کرنا جائز نہیں ہے، وہ اکابر صحابہ سے

ہیں۔شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے کہ جو کچھ صحابہ میں اختلاف ونزاع اور جنگ وجدال واقع ہوا وہ خلافت کے لئے نہیں تھا بلکہ خطاء اجتہادی کی بنا پر تھا۔امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جو کچھ اختلافات ہوئے وہ خطاء اجتہادی کی بنا پر تھے۔یہ اختلاف تحصیل امامت کے لئے نہ تھا۔

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ واعظ پر امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے واقعہ قتل و شہادت کا بیان حرام ہے اسی طرح صحابہ میں جو اختلاف ونزاع واقع ہوا اس کا بھی بیان کرنا جائز نہیں۔اس لئے کہ یہ چیز صحابہ کے بارے میں طعن وبغض کا باعث ہے حالانکہ یہ حضرات دین کا علم ہیں۔گویا دین کی عزت وسربلندی انہیں سے وابستہ ہے۔ لہٰذا صحابہ کا ذکر صرف خیر اور نیکی کے ساتھ ہی کرنا چاہیئے اس علاقہ اور اطراف میں بعض نادانوں سے ازراہِ جہالت و نادانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض نامناسب باتیں سنی جاتی ہیں ان کو تہدید وتنبیہ کرنا چاہیئے تا کہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کریں، اور اگر اپنی حرکت ناشائستہ سے باز نہ آئیں تو فقیر کے سامنے پیش کریں تا کہ تنبیہ کی جائے۔والسلام۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۵)

یہ رقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے محبت وعقیدت رکھنے کے بارے میں ہے۔

محبِّ صادق محمد جعفر سلمہ اللہ تعالیٰ

واضح ہو کہ کل ایک عاقل اور فہیم شخص سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ کہنے لگے کہ مجھکو حضرت معاویہ سے نہ دوستی ہے نہ عداوت، فقیر نے کہا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ کی جماعت سے ہیں۔ ان کے ساتھ دوستی رکھنا اہل سنت والجماعۃ کا طریقہ ہے، اور اہل سنت سے عداوت گمراہی ہے۔ اربابِ ہدایت پر یہ مخفی نہیں ہے کہ تم جیسے لوگوں کی محبت یا عداوت سے حضرت معاویہ کا نہ فائدہ ہے نہ نقصان بلکہ اس کا نفع یا نقصان تمہیں کو پہنچے گا۔

پس سب سے مقدم یہ ہے کہ حضرت معاویہ سے دوستی رکھو، ان کی عداوت ترک کرو، اور حضرت علی اور امیر معاویہ میں جو اختلاف ونزاع ہوا ہے اس سے قطع نظر کرلو۔

اگر تمہارا اعتقاد اس کے خلاف ہوگا تو سچائی اور سلامتی کی راہ سے دور جا پڑو گے۔ اور اگر تمہارا اعتقاد اہل سنت کے مطابق ہوگا تو تم کامیاب ہوگے۔ والسلام۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (٦)

یہ رقعہ اس مسئلہ میں ہے کہ اہل قبلہ کو اس وقت تک کافر نہ کہنا چاہئے جب تک کہ وہ معصیت کو حلال نہ سمجھیں

محبّ صادق شاہ سیف اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ،

واضح ہو کہ اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کرنی چاہئے اگر چہ وہ گناہِ کبیرہ ہی کا مرتکب ہو۔ جب تک وہ اس کو حلال نہ سمجھے اور جب اس کو حلال سمجھے تو اس کی تکفیر میں کوئی اندیشہ و تردد نہیں ہے۔

آدمی تین باتوں کے انکار سے کافر ہو جاتا ہے۔ اوّل نص قطعی کا انکار، دوم حدیث متواتر کا انکار، سوم اجماع کا انکار، جو کہ مفید یقین ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس انکار سے پناہ میں رکھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتاویٰ حضرت قطب ویلور

فتویٰ نمبر(۷)

اس فتویٰ سے حضرت قطب ویلور کے فتاویٰ شروع ہورہے ہیں۔

(۱) مخلوق کی نذر زندہ ہو یا مردہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) حنفی شخص حدیث کی رو سے ہاتھ کندھوں تک اٹھائے تو کیا حکم ہے؟

(۳) تشہد میں انگلی اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

آپ نے دینی مسائل دریافت کیا ہے اس سے دل بہت خوش ہوا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ شریعتِ مطہرہ آپ کے دل میں قرار پکڑے ہوے ہے۔ برتن سے وہی چیز ٹپکتی ہے جو اس میں ہوتی ہے اور فتویٰ ملفوفہ بھی فقیر ہی کا لکھا ہوا ہے جو ۱۲۶۸ھ میں لکھا تھا لیکن وہ فتویٰ ناقص رہنے کی وجہ سے دوسرا اکمل فتویٰ ملفوف کیا ہوں، اس سے اسناد کے ساتھ مفصل حالتیں معلوم ہونگی۔

سب سے پہلے یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ ہمارا دین دین محمدی ہے۔ موسوی وعیسوی وغیرہ نہیں ہے۔ پھر اس دین میں ترہتر ۷۳ فرقے ہیں۔ ہمارا فرقہ سنت و جماعت کا ہے۔ خارجیہ، رافضیہ، قدریہ، جبریہ، معتزلہ، مرجیہ، ظاہریہ، باطینہ وغیرہ کا نہیں ہے۔ پھر اہل سنت جماعت کے اندر چار مستقل مجتہد سے چار مذہب رائج ہیں اور مشہور ہیں۔ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، ان چاروں مذاہب میں حق دائر ہے اور بے خطر ہے اور ان کے اختلاف میں رحمت ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ علماء کا اختلاف رحمت ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جزیل المواھب میں فرماتے ہیں۔ جان لو کہ اس ملت کے اندر مذاہب کا اختلاف بہت بڑی نعمت اور فضیلت ہے اور

اس میں لطیف بھید ہے جس کو علماء جانتے ہیں اور جہلا اس سے اندھے ہیں، یہاں تک میں نے سنا، بعض جہلا کہتے ہیں کہ حضورﷺ ایک شریعت لائے تو پھر یہ چار مذاہب کہاں سے پیدا ہو گئے۔ پھر ان چاروں مذاہب میں یا تو لوگ، مجتہد فی المذہب ہیں جیسے امام ابو یوسف اور امام محمد، امام طحاوی، کرخی، سرخسی، بزودی، قاضی خان، رازی، ابوالحسن قدوری اور صاحب ہدایہ برہان مرغینانی وغیرہ ہیں یا لوگ مقلد ہیں یعنی مجتہدوں کی پیروی کرنے والے ہیں جیسے ہم حنفیہ وغیرہ، پھر یہ چاروں مذہب، مکہ، مدینہ، عرب، عجم، روم، شام، مصر، مغرب، ایران، توران، ہند، سندھ، سواد اعظم میں جہاں کے مشہور ہیں اور چاروں مذہب کی پیروی کرنے والے سیدھی راہ پر ہیں جیسا کہ حضورﷺ نے فرمایا علیکم بالسواد الاعظم تمہارے اوپر سوادِ اعظم کی پیروی لازم ہے۔ پھر جو احکام مجتہدوں نے استنباط کئے ہیں۔ المجتهد يخطى ويصيب کے حکم سے (مجتہد غلطی و صحیح کرتا ہے) صواب و خطاء کے درمیان متردد ہیں۔ لیکن وہ مجتہد جس نے صحیح اجتہاد کیا اس کے لئے دو اجر ہے۔ اور جس نے غلطی کی اس کے لئے ایک اجر ہے۔ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مصیب کے لئے دو اجر ہے اور مخطی کے لئے ایک اجر ہے۔ ایسا ہی توضیح وغیرہ اصول کی کتابوں میں ہے۔

امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ مکتوبات جلد ثالث کے بائیسویں مکتوب میں لکھتے ہیں کہ مجتہد کے اوپر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیوں کہ غلطی میں بھی اس کو ثواب کا ایک درجہ حاصل ہے اور اس کی تقلید اگرچہ خطاء میں ہے پھر بھی نجات کا سبب ہے، انتہیٰ۔ اعتراض مقلد پر ہے کہ قرآن اور حدیث سے کوئی مسئلہ نکالے اور اجتہاد کرے تو قطع نظر خطاء سے، اس کو صواب میں بھی کوئی ثواب نہیں ہے اور اس مقلد کی پیروی

کرنے والے کو نجات نہیں ہے اور وہ مقلد اور اس کا پیروی کرنے والا دونوں عاصی ہیں جیسا کہ کسی کام کا حکم دینا عہدیداروں کا کام ہے۔ سپاہیوں کا نہیں، اگر کوئی سپاہی اپنے عہدیدار کے حکم کے خلاف کچھ کرے یا دوسرا سپاہی اس کی پیروی کرے تو وہ سپاہی اور اس کا پیرو دونوں مجرم ہوں گے۔ اب آپ کے سوال کا جواب لکھتا ہوں، آپ نے تحریر کیا ہے کہ مخلوق کی نذر چاروں اماموں کے نزدیک جائز ہے یا نہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ مخلوق زندہ ہو یا مردہ۔ اس کی نذر حرام ہے، نذر خواہ ماکولات کی ہو یا مشروبات کی ہو، یا نقود کی ہو۔ کیونکہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کے لئے جائز نہیں۔

صاحب فتاویٰ الخیر یہ فرماتے ہیں، کہ مخلوق کی نذر حرام ہونے پر اجماع ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں مرقوم ہے کہ وہ نذر جس میں اکثر عوام مبتلا ہیں، یہ ہے کہ کسی ولی اللہ کی قبر پر حاضر ہوتے ہیں اور مزار کا غلاف پکڑ کر عرض کرتے ہیں یا سیدی فلاں، اگر مراد پوری ہو جائے تو میری جانب سے آپ کو سونے کی یہ چیں پیش کروں گا۔ اس طرح کی نذر باطل ہونے پر اجماع ہے۔ ہاں! اگر یہ کہا جائے کہ یا اللہ میں نے تیری نذر کی ہے اگر تو میرے فلاں مریض کو شفاء عطا فرمائے یا میری فلاں مراد پوری کر دے تو میں سیدہ نفیسہ (یا کسی اور بزرگ کا نام لے کر) کی درگاہ شریف کے پاس بسنے والے مساکین و فقراء کو کھانا کھلاؤں گا، یا مسجد کے لئے فرش یا چراغ جلانے کے لئے تیل دونگا یا اس شخص کو روپیہ دونگا جو مسجد کی خدمت کرتا ہے تو یہ نذر درست ہے۔ اس لئے کہ یہ ان اشیاء میں سے ہیں جن کا فائدہ فقراء کے لئے ہے اور نذر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اور ولی کا ذکر نذر میں اس لئے جائز ہے کہ وہ مستحقین نذر پر نذر کو خرچ کرنے کا محل

ہیں لیکن نذر کا مصرف صرف فقراء ہیں۔ اور نذر ذی علم اور شیخ کی درگاہ پر حاضر ہونے والوں پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے مگر جب کہ یہ فقیر محتاج ہوں تو جائز ہے۔

اور اولیاء اللہ کی مزارات پر اولیاء اللہ کے تقرب کے اعتقاد سے جو چیزیں لئے جاتی ہیں ان کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔ بیک قول جب تک کہ نذر میں محلّہ کے فقراء ومساکین پر اس مال کے خرچ کرنے کا ارادہ نہ کیا گیا ہو اور عوام کی اکثریت اسی غلطی میں مبتلا ہے۔ فقہائے کرام کے ان اقوال سے اتنی بات واضح ہے کہ نذر اگر بالاستقلال کسی ولی کے لئے ہے تو یہ باطل ہے اور اگر نذر اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور ولی کا ذکر مصرف کے بیان کے واسطے ہو تو یہ نذر صحیح ہے۔

لے۔ اس مسئلہ میں مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بڑی عمدہ تحقیق کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس امت میں ارواح سے استعانت طلب کرنا کثرت سے واقع ہے۔ اس امت کے جہلاء اور عوام جو ہر کام میں اولیاء اللہ کو مستقل فاعل سمجھ لیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ شرک جلی ہے۔ حاجات اور مرادیں پوری ہونے کے لئے اولیاء اللہ کی جو نذریں مانی جاتی ہیں وہ معمول اور مرسوم ہیں۔ اکثر فقہائے کرام نے ان کی حقیقت اور نوعیت کو کما حقہ سمجھنے اور جاننے کی کوشش نہیں کی۔ اور اولیاء اللہ کی نذر کو اللہ کی نذر پر قیاس کرتے ہوئے اس پر حرام کا حکم لگادیا۔ نذر اگر بالاستقلال ولی کے واسطے ہو تو یہ صحیح نہیں ہے۔ لیکن اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ میت کی روح کو انفاق مال اور اطعام طعام کے ثواب کا ھدیہ پہنچایا جائے اور صحیح احادیث کی رو سے ایک امر مسنون ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ام سعد وغیرھا کے بارے میں وارد ہے اور ایسی نذر پوری کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اس نذر کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے۔ کہ اگر آپ کو نذر مانی ہو تو اس طرح کہیں۔ اھدی

ثواب ھذا القدر الی روح فلاں۔اس چیز کا ثواب میں فلاں بزرگ کی روح کو پہنچاتا ہوں۔ایسی صورت میں ولی کا ذکر عمل منذور کے تعین کے واسطے ہے نہ کہ مصرف کے واسطے،اوراس نذر کا مصرف نذر کنندگان کے پاس اس ولی کے متوسلین ہوتے ہیں مثلاً اقاریب،خدام اور ہم سلسلہ اشخاص وغیرہ۔

بے شک نذر کنندگان کا مقصد یہی ہے تو اس نذر کا شرعی حکم یہ ہے کہ بلاشبہ جائز ہے اوراس کا پورا کرنا واجب ہے اوراس لئے کہ شریعت مطہرہ میں یہ معتبر قربت اور صحیح تقرب ہے۔

ہاں!اگراس ولی کو بالاستقلال،حلاّل مشکلات یا شفیع غالب ہونے کا اعتقاد رکھا جائے تو یہ عقیدہ شرک اور فساد تک پہنچانے والا ہے لیکن واضح رہے کہ اس قسم کا عقیدہ رکھنا علاحدہ چیز ہے اور نذر ایک علاحدہ چیز۔

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینا چاہئے کہ نذر کا لفظ ہدیہ وغیرہ کے معنی میں بھی مستعمل ہے چنانچہ صاحب غیاث اللغات لکھتے ہیں۔

نذر بفتح نون اور سکون ذال معجمہ،پیمان کے معنی میں ہے اور نذر یہ ہے کہ آدمی اپنی جانب سے کسی چیز کو اپنے اوپر واجب کر لے۔مثلاً روزہ رکھنا،اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا،بزرگوں کے ایصال ثواب کے لئے کھانا کھلانا وغیرہ۔

اور وہ نقد و جنس جو امراء اور سلاطین کی خدمت میں ملاقات کے وقت پیش کرتے ہیں وہ بھی نذر ہے۔اور امام ربانی مجدد الف ثانی نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر کیا ہے۔نذر شمار سید۔تمہاری نذر پہنچی اور مولانا شاہ اسماعیل دہلوی نے صراط مستقیم میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کی نذر و نیاز کے صحیح ہونے میں شک اور شبہ نہیں۔

اور باشاہوں کی خدمت میں جو چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ تمام عبادت کے معنی میں نہیں ہے بلکہ ھدیہ کے معنی میں ہیں۔ مسئلہ نذر کے تعلق سے لوگ ایک دوسرے کے بزرگوں پر جو طعن و تشنیع کر رہے ہیں اس سے ہر فریق کی نادانی و جہالت اور نفسانیت ظاہر ہو رہی ہے۔

ل ترجمہ حاشیہ : نذر میں مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی اپنے چچا و مرشد مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے موافقت رکھتے ہیں چنانچہ صراط مستقیم کے دوسرے باب میں فرماتے ہیں جیسا کہ ماحصل یہ ہے۔

اولیاء اللہ کی نذر و نیاز اگر اس وضع اور طریقہ پر پوری کی جائے کہ اس میں شرکِ خفی مال کا اسراف اور متعدد وجوہ سے بدعات کا اختراع نہ ہو تو نذر و نیاز مستحسن اور مستحب ہے اور وہ شریعت مطہرہ کے حکم کے موافق ہے۔

****

پھر آپ نے سوال کیا ہے کہ حنفی بموجب ابو حمید ساعدی کی حدیث کے ہاتھ کندھوں تک اٹھاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ حنفی مجتہد ہے تو حدیث پر عمل کر سکتا ہے اور مقلد ہے تو اس پر اپنے امام کی تقلید واجب ہے ایسا ہی کتب اصول میں واقع ہے۔ اور امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ جلد اول کے مکتوب دو سو چھیاسی ۲۸۶ میں فرماتے ہیں کہ مقلد کو کوئی حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ اپنے مجتہد کی رائے کے خلاف کتاب و سنت سے احکام نکالے اور اس پر عمل کرے انتہٰی۔ اور مقدمہ ایضاح الحق کے فصل اول میں مسئلہ استنباط احکام کے بارے میں ہے کہ شرط ثانی آنکہ قایس از مجتہدین باشد نہ از مقلدین انتہٰی یعنی دوسری

شرط یہ ہے کہ قیاس کرنے والا مجتہدین سے ہو مقلدین سے نہیں۔ اس صورت میں حنفی مقلد کو مجتہدین حنفیہ کی تقلید کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث ابوحمید ساعدی جسکی عبارت یہ ہے رَاَیْتُہٗ اِذَا کَبَّرَ جَعَلَ یَدَیْہِ حِذَاءَ مَنْکِبَیْہِ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ تکبیر احرام کہتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کندھے کے مقابل اٹھاتے تھے اور یہ شافعی کا مذہب ہے اور ہمارے نزدیک دونوں کانوں کی لو تک رکھتے ہیں اور یہ بھی احادیث میں آیا ہے۔ اور بعض روایتوں میں کانوں کے اوپر تک آیا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے متوسط کو اختیار کیا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایتوں کی اس طرح تطبیق دی ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں کندھوں کے مقابل اور انگوٹھا کان کے برابر اور دوسری انگلیاں کان کے اوپر ہوں۔ اور ہوسکتا ہے کہ مختلف اوقات میں ان میں سے ہر ایک ظاہر ہوا ہو۔ واللہ اعلم۔ انتہٰی۔

****

پھر آپ نے سوال کیا ہے کہ تشہد میں انگلی اٹھانے کا کیا حکم ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ انگلی اٹھانے کے بارے میں اٹھائیس صحیح حدیثیں آئی ہیں مگر صحیح بخاری میں اس کا کچھ ذکر نہیں ہے۔

امام الائمہ امام اعظم اور صاحبینؒ ، مالکیہؒ ، شافعیہ اور حنبلیہؒ سب کے سب اٹھانے کی جانب گئے ہیں اور علماء ماوراء النہر اس کے خلاف گئے ہیں۔ غرض یہ کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور فتویٰ بھی مختلف ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل فصل الخطاب میں وضاحت سے لکھا ہوں۔ یہ کتاب عنقریب چھپنے والی ہے پس آدمی انگلی اٹھانے میں مختار،

ہے۔جھگڑا کرنے سے کوئی نتیجہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ سنت و جماعت کے مذہب حقہ پر قائم رہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر(۸)

شفاعت رسول اکرم ﷺ

ذیل کا فتویٰ مرواگل کے قاضی سید مخدوم صاحب کے استفسار پر قدوۃ السالکین عمدۃ العارفین مولانا الحاج الحافظ سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ حضرت قطب ویلورؒ نے شفاعت بالاذن کا ثبوت قرآن وحدیث اور کتب صالحین سے پیش کیا ہے۔فتویٰ اردوئے قدیم (دکھنی) میں لکھا گیا ہے۔ درمیان میں جہاں عربی اور فارسی اقتباسات موجود ہیں، ان کا اردو ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے تاکہ عوام بھی اس سے مستفید ہو سکے۔ یہ فتویٰ ۱۲۷۳ھ مطبع مولوی فیض اللہ کلکتہ سے چھپا تھا، اب یہ بالکل نایاب ہے جس کا ایک نسخہ کتب خانۂ دارالعلوم لطیفیہ میں محفوظ ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

****

سوال : علمائے مدراس نبی مختار ﷺ کو شفاعت کے مختار، رکھے ہیں، اور علمائے بمبئی شفاعت بالاذن کہتے ہیں اور حضرت کو غیر مختار کہتے ہیں، یہ دونوں قول میں کون سا قول صحیح ہے۔

الجواب : علمائے عرب اور عجم میں علمائے مدراس و بنگالہ اور بمبائی سب بالاتفاق یہی کہتے ہیں کہ شفاعت بالاذن ہے۔ اس بات میں علماء کے درمیان اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ اسناد اس بات کی تفاسیر اور کتب احادیث اور عقائد وغیرہ سے آگے آوینگے اور سرور انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دوسو ایک نام ہیں۔

کتاب دلائل الخیرات میں ایک نام مختارؐ آیا ہے۔ اس کا معنا برگزیدہ ہے چنانچہ مزرع الحسنات شرح دلائل الخیرات میں ہے:

''مختار برگزیدۂ خدائے تعالیٰ برائے اعلیٰ مرتبۂ رسالت فرمودہ۔'' انتھیٰ۔

(مختار وہ ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے رسالت کے مرتبۂ اعلیٰ کے لئے برگزیدہ کیا ہے۔

تفسیر حسینی میں ہے من ذالذی یشفع کیست آنکس که او شفاعت کند از انبیاء و ملائك وغیرایشاں عنده نزدیك او، درروزِ قیامت کسی را که اِلّا باِذْنِهٖ مگر بد ستورے او که اجازتِ شفاعت دهد انتهیٰ۔

کون ہے وہ جو کسی کی شفاعت کرے انبیاء، ملائک اور ان کے سوا اللہ کے نزدیک قیامت کے دن مگر وہی جن کو شفاعت کی اجازت دی جائے۔

اور تفسیر رحمانی میں ہے من ذامن الملائكة والانبیاء فضلا من الاصنام الذی یشفع عنده ان یقاومه اوینا صبه الا باذنه نخقیقاللمعبودیة۔ انتهیٰ۔

اس آیت کا حاصل مضمون یہ ہے کہ کون ہے وہ، فرشتوں سے اور پیغمبروں سے جو شفاعت کرے نزدیک اللہ تعالیٰ کے مگر اسی کے حکم سے، واسطے ثابت کرنے بندہ پن کے۔ سو کیا طاقت کسی کی جو اللہ سے مقابلہ کرے یا دشمنی کرے، پھر بتاں کس گنتی میں ہیں۔

اورعیون التفاسیر میں ہے من ذالذی یشفع عنده' بیان انکار بالاستفهام لعظمته و کبریائه فی الدنیا والاخرة وان احدا لا یقدر تکلّما بالشفاعة وغیرها عنده یوم القیامة الا باذنه ای الا باذن فی الکلام والشفاعة لمن یشاء فی من یشاء ۔ انتھٰی۔

ترجمہ: اس کی بڑائی اور بزرگی، دنیا وآخرت میں رہنے کے سبب سے، استفہام انکار کے طور پر بیان کر کے کہتا ہے کہ کوئی قدرت نہیں رکھتا شفاعت وغیرہ کی، بات کہنے کی اس کے پاس قیامت کے دن، مگر اسی طور پر کہ حکم دیوے بات کرنے کا اور شفاعت کا جس کو کہ چاہے اور جس کے باب میں کہ چاہیئے۔

اورتفسیر بیضاوی میں ہے قل للّٰه الشفاعة جمیعا لعلّه ردّ لما عسیٰ یجیبون به وهو ان الشفعاً اشخاص مقربون هی تما ثیلهم والمعنی انه مالك الشفاعة کلها لا یستطیع احد شفاعة الاباذنه ولا یستقل بهاثم قرر ذلك الملك کله لا یملك احدان یتکلم فی امردون اذنه ورضائه ثم الیه ترجعون، یوم النیامة فیکون له الملك الیضاینئذ انتھٰی۔

ترجمہ : شاید یہ رد ہے اس بات کا کہ جواب میں کہیں گے بت پرست لوگ سو یہ کہ اپنے شفیع مقرب شخص ہیں، یہ ان کی مورتیں ہیں یعنی بتاں اور معنی یہ ہیں کہ وہ مالک ہے بالکل شفاعت کا کوئی شفاعت کر نہیں سکتا مگر اس کے حکم سے اور آپ ہی آپ شفاعت کر نہیں سکتا، پھر مضبوط کیا اس بات کو سو، فرمایا مقرر وہی مالک ملک کا ہے بالکل قدرت نہیں رکھتا کوئی بات کرنے کی اس کے کام میں، اس کے حکم اور خوشی کے سوائے۔ پھر اس کے طرف پھر جاؤ گے قیامت کے دن۔ سو ہو جاویگی بادشاہی

اس کی اس وقت میں۔

اور تفسیر جلالین میں ہے۔قل للّٰہ الشفاعۃ جمیعا ای ھو مختص بھا فلا یشفع احد الا باذنہ۔ انتھٰی۔ترجمہ: کہدے کے اللہ ہی کی ہے شفاعت بالکل یعنی وہی ہے خصوصیت رکھنے والا اس کے ساتھ سو شفاعت نہ کرے گا کوئی بھی مگر اس کے حکم سے۔

اور امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:قال رسول اللّٰہ ﷺ فیاتونی فاستاذن علی ربی فیوذن لیٰ قال القاضیؒ عیاض معناہ فیوذن لی فی شفاعۃ الموعود بھا وایضا قال عیاض جاء فی حدیث انس و حدیث ابی ھریرۃ ابتداء النبی ﷺ سجودہ وحمدہ والاذن لہ فی الشفاعۃ امتی امتی۔ انتھٰی۔

ترجمہ : یعنی قول نبی ﷺ کا ہے، پس آئیں گے آدمیاں نزدیک میرے تو میں اذن چاہوں گا اپنے پروردگار سے، پھر مجھ کو اذن دیا جائے گا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اس کا معنی یہ لکھتے ہیں کہ پس مجھے شفاعت کا اذن دیا جائے گا جو اس کا وعدہ کیا گیا تھا، اور پھر کہے قاضی عیاض کہ آیا ہے حدیث میں انسؓ اور ابوہریرہؓ کے ہے، رسول اللہ ﷺ بعد سجدہ ہونے اور حمد کرنے اور اذن شفاعت پانے کے پہلا لفظ امتی امتی فرماوینگے۔

اور مخدوم محمد ہاشم بن عبدالغفور بن عبدالرحمٰن سندھی شنوی حنفی کتاب میں فرائض الاسلام کے لکھے ہیں:ان شفاعۃ نبینا ﷺ وسائر الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام وشفاعۃ الاولیاء والعلماء والصلحاء بعد ان یاذن اللّٰہ تعالیٰ لھم حق انتھٰی۔یعنی تحقیق کہ شفاعت کرنا ہمارے پیغمبر ﷺ کا اور شفاعت کرنا دوسرے پیغمبروں کا اور اولیاء کا اور علماؤں کا اور پرہیزگاروں کا بعد اذن دینے اللہ کے

ان کو، حق ہے۔

اور شیخ عبدالحق دہلویؒ شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں فاستأذن علی ربی فی دارہ۔ پس طلب اذن میکنم نزد پروردگار خود در سرائے عزت وے کہ مقامے خاص و جائے مخصوص است کہ ہیچ کس را دراں مدخلے و گنجائش نبود فیوذن لی علیہ پس اذن کردہ می شود مرا بدر آمدن بروئے تعالیٰ۔ انتہیٰ۔ (ترجمہ: پھر میں درگاہِ عزت اور مقام خاص اور جائے مخصوص میں جہاں کسی کو کوئی دخل و گنجائش نہیں میں اپنے پرودگار سے شفاعت کی اجازت طلب کرونگا پھر مجھے اجازت دی جائیگی کہ اللہ کے حضور میں حاضر ہو جاؤں)

مزرع الحسنات شرح دلائل الخیرات میں ہے اصوبھم کلاما درست و نیکو ترین ایشاں ازروے سخن کردن کہ ہر گزدراں خط را وانبود۔ یعنی وقتے کہ اذن دھی اور شفاعت سخن نکند پیش تو، مگر موافق رضائے تو۔ انتہیٰ۔ (سب سے زیادہ درست کلام یہ ہے کہ جس وقت آپ کو شفاعت کا حکم دیا جائے گا تو آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی بات نہیں کریں گے۔ مگر وہی جو رضائے الٰہی کے موافق ہو۔)

اور تکمیل الایمان میں ہے والشفاعۃ حق درخواستن رسل وانبیاء واولیاء واخیار و علماء، وملائکہ کہ ایشاں را در درگاہ عزت و آبرو وراہ سخن باشد، گناہ گاراں را از پروردگار خود حق است واول کیکہ فتح باب شفاعت کند محمد رسول اللہ ﷺ بود و فردا ظاہر شود کہ اور درگاہ خداوندی چہ قدر جاہ و عزت بودہ است روز روز اوست وجاہ جاہ اوست اللّٰھم بحق جاہ محمد اغفر لنا۔ (شفاعت حق ہے، رسولوں، نبیوں، اولیاء واخیار و علماء و ملائکہ جن کو درگاہِ رب

العزت میں آبرواور باریابی ہے ان کا اپنے پروردگار سے گناہ گاروں کے واسطے درخواست کرنا ثابت ہے ۔اورسب سے پہلے جوشفاعت کا دروازہ کھولیں گے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور روز قیامت یہ حقیقت ظاہر ہوجائے گی کہ درگاہِ خداوندی میں حضور اکرم ﷺ کی کیا قدر ومنزلت اورعزت ہے، وہ روز آپ ہی کی شانِ ظہور کا دن ہےاور وہ دن آپ ہی کے مرتبہ ومقام کے ظہور کا دن ہے۔)

پیغمبر ما بعزّ و اقبال   کاید بشفاعت اندراں حال

(ہمارے نبی صاحب عزت واقبال ہیں) (کہ ایسے حال میں شفاعت کیلئے آئیں گے)

آں دم کہ پے شفاعت آید   باذن خدادے لب کشاید

(اسوقت جبکہ آپ شفاعت کے لئے آئیں گے)(اللہ کے حکم سے زبان کھولیں گے)

اور ملا جامی قدس سرہٗ یوسف زلیخا میں فرماتے ہیں۔بیت

کند با ایں ہمہ گمراہی ما   ترا اذن شفاعت خواہی ما

(ہماری ان تمام گمراہیوں کے باوجود آپ کو ہمارے لئے شفاعت چاہنے کا اذن ہوگا۔)

اور مخدوم محمد ہاشم سندی، حیات القلوب فی زیارۃ المحبوب میں لکھے ہیں۔

و نیز بگوید ایں الفاظ را کہ روایت کردہ است آہنا ر ابزاز و بیہقی از حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، کہ گفت جمع کند حق سبحانہ تعالیٰ در روزِ قیامت مردم را در صعید واحد پس تکلم نہ کند ہیچ یکے از ایشاں پس اول کیکہ خواندہ شود اور حضرت محمد ﷺ باشد، پس بگوید او ﷺ کہ لبیك وسعدیك والخیر فی یدیك والمھدی من ھدیة وعبدك بین یدیك وبك والیك لا منجاء منك الا الیك تبارکت وتعالیت سبحانك رب البیت۔

پس دریں وقت اذن داده شود پیغمبر ﷺ رابشفاعة وهمیں وقت است مراد بقول حق تعالیٰ که فرمود عسیٰ ان یبعثك ربك مقاما محموداً ۔ کذا فی بدرالسافرۃ السیوطی۔ انتہٰی۔

(بزاراور بیہقی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ بندوں کو قیامت کے دن ایک کشادہ جگہ میں جمع کریگا، پس ان میں سے کوئی کچھ نہیں بولیگا، پس پہلے جسے بلایا جائیگا وہ حضور اکرم ﷺ ہوں گے، پھر آپ ﷺ فرمائیں گے۔) لبیك وسعدیك والخیر فی یدیك والمهدی من هدیتاوعبدك بین یدیك وبك والیك لا منجاء منك الا الیك تبارکت وتعالیت سبحانك رب البیت۔

پھر اس کے بعد اس وقت حضور ﷺ کو شفاعت کرنے کی اجازت دی جائیگی اور اللہ تعالیٰ کے اس قول (عسی ان یبعثك ربك مقاما محمودا) سے مراد وہی وقت ہے جیسا کہ بدرالسافرہ میں مرقوم ہے۔)

اور شیخ عبدالحق دہلوی ''مدارج النبوۃ'' پہلی جلد کے تیسرے باب میں لکھے ہیں۔ ومعلوم است که شفاعت بے اذن حق وبے رضائے او نمی باشد ولیکن او تعالیٰ اذن میکندورضامی دهد بشفاعت همه بمقتضائے وعدۂ خود که کرده است بارضائے وے وان اللّٰه لایخلف المیعاد۔ انتہٰی۔

(اور یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت اور خوشنودی کے بغیر شفاعت نہیں ہوگی لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ اپنی تمام کئے ہوئے وعدوں کے اقتضاء کے مطابق شفاعت کرنے کی اجازت عطافرماتا ہے)

اور مولوی محمد سعید اسلمی صاحب ''سفینۃ النجات'' میں لکھے ہیں آں حضرت

اول شافع اند و هیچ کس را ازانبیاء جرأت در عذر خواهی کسے نخواهد و رحمت للعالمین امت خود را از خدائے تعالیٰ درخواست کند وازهمه بیشتر در عذر خواهی گنه گاران دستورے وماذون ومجاز گردو، چنانچه دریں باب اخبار صحیحه بسیار وار داندو انکارا ◻ آں بدعت و فسق باشد اگر بلا قصد اهانت بودو گرنه کفراست۔

آں حضرت ﷺ پہلے سب کی شفاعت کریں گے اور کوئی پیغمبر کو اس وقت میں کسی کے واسطے عذر خواہی کرنے کی جرأت نہ رہیگی بلکہ انبیاء اپنا ہی بچاؤ حق سے چاہنے لگیں گے، پھر ایسے وقت رحمۃ اللعالمین اپنی امت کا بچاؤ حق تعالیٰ سے چاہیں گے اور سب سے آگے گنہگاروں کے واسطے شفاعت کا اذن اور درخواست کریں گے پھر درگاہِ خداوندی سے اذن اور اجازت دی جائے گی جیسا کہ اس بارے میں صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں اس کا انکار کرنا بدعت اور فسق ہے، اگر بغیر اہانت کے ہوئے اور اگر اہانت کے طور پر ہے تو کفر ہے۔

اور گلزار ھدایت میں عمدۃ العلماء بدرالدولہ قاضی الملک بہادر لکھے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا قیامت کے دن اللہ سے اجازت لینا اور شفاعت کروانا اس پر اتنی احادیث ہیں کہ جس کے انکار کی مجال نہیں انتھیٰ۔

اور اس کتاب کی صحت پر مولوی ارتضا علی خان بہادر اور مولوی اسلمی صاحب اور دوسرے علماء مدراس سب کے مہر اور دستخط ہیں اور سید شاہ کمال الدین صاحب قدس سرہٗ قصیدۂ خصائصِ نبویؐ میں لکھے ہیں۔ بیت

کریں گے اذن کی مفتاح سے ایسا حمد | اداشفاعت مطلق کا فتح مغلق در

اس اسناد سے معلوم ہوا کہ معنے مختار کا برگذیدہ ہے اور باتفاق علماء شفاعت بالاذن ہے اور فتح باب شفاعت اور شفاعت کبریٰ کے مالک سرور عالم ﷺ ہیں۔ پھر شفاعت کو بے اذن الٰہی کہنا قرآن وحدیث اور اجماع امت کے خلاف کرنا ہے اور خدائے وحدہٗ لاشریک کے کارخانے میں غیر خدا کو شریک کرنا ہے، چونکہ کوئی حس اور عضو بے اذن جان کے حرکت نہیں کرتا ہے پھر کوئی جان بدون حکم جان جان اور خالق جان کے، حرکت کیسے کریگا۔

لاتتحرك ذرة الا باذن اللّٰه، واللّٰه اعلم بالصواب اللهم بحق جاه محمد صلى اللّٰه عليه وسلم اغفر لنا واجعلناه لنا شفيعا يوم القيمة وصلى اللّٰه تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد واٰله وصحبه وسلم۔

☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر(۹)

وجودیہ میں ملحد اور غیر ملحد کا فرق

ذیل کا فتویٰ قدوۃ السالکین حاج البلد الامین شاہ محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ حضرت قطب ویلور علیہ الرحمہ نے مولانا عبدالقادر صاحب نامی ایک عالم کے تعلق سے صادر فرمایا تھا جن کے عقائد سے متعلق وانمباڑی کے علماء وفضلاء اور سنّی عوام نے استفسار کیا تھا۔

مولانا عبدالقادر میرے مکان میں سالہا سال رہے۔ انہوں نے میرے روبرو کہا تھا کہ میں ملاحدہ کو گمراہ اور کافر بولتا ہوں، اولیائے وجودیہ کو نہیں۔ اگر اسی طرح وہ

ملاحدہ کو کافر کہہ رہے ہیں تو بے شک ہدایت پر ہیں۔اور اگر اولیائے وجودیہ کو کافر کہہ رہے ہیں تو بے شک وہ گمراہ ہیں۔

امام حجۃ الاسلام محمد غزالی، شیخ الاسلام عبداللہ انصاری، شیخ فریدالدین عطار، مولانا جلال الدین رومی، شیخ شمس الدین تبریزی، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، شیخ کبیر صدرالدین قونوی، خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسودراز، سید جعفر مکّی، شیخ عبدالکریم جیلی، شیخ شرف الدین داؤد قیصری، خواجہ عبیداللہ احرار، مولانا نورالدین جامی، مولانا عبدالغفور لاری، خواجہ عبدالباقی، مولانا شاہ ولی اللہ، بحرالعلوم ملک العلماء، مولانا باقر آگاہ مدراسی۔ یہ سب علماء اور اولیاء، وحدت الوجود کے قائل ہیں۔

وجودیہ میں ملحد اور غیر ملحد کا فرق یہ ہے، ملحد و زندیق وہ ہے جو خدا اور عالم میں فرق نہ کرتا ہو، بندے کو خدا، حادث کو قدیم، ملوث کو منزّہ، حرام کو حلال اور نجس کو پاک سمجھے۔

اور جو خدا اور عالم میں فرق کرے اور شریعتِ مطہرہ کی قید میں رہے اور لوگوں کو نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن، ذکر الٰہی، خوفِ خدا، رجا، تقویٰ اور صلاح کی جانب بلائے تو وہ صحیح العقیدہ مومن ہے اور الحادو زندیقہ سے پاک اور بری ہے، جیسا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنے مکتوب میں تحریر کیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ مومن کو کافر بولنے والا بالفعل کافر ہو جاتا ہے تو پھر مومنوں کے پیشوا اور دین کے اکابرین کو کافر کہنے والا کیسے کافر نہیں ہوگا؟ اور وہ محبت اور اقتداء کے لائق کیونکر ہوسکتا ہے۔ گالی دینا بہت بُرا کام ہے اور سب گالیوں میں بڑی اور بُری گالی کسی مسلمان کو کافر کہنا ہے۔ اور اہل سنت و جماعت کے اکابرین کو ایسی بری گالی دینا سنّیوں کا کام نہیں۔ پھر سنّی علماء کی تحقیر کرنا اور مومنوں کو کافر قرار دینا گویا اہل

سنت و جماعت کے مذہب کو بگاڑنا اور سنیوں میں اختلاف اور پھوٹ ڈالنا ہے۔ اتفاق بہت بڑی دولت ہے۔ حیوانوں میں ہاتھی، اونٹ، بیل اور بکریاں، انبوہ اور گروہ میں مل جل کر چرتے ہیں، اور چیونٹیاں قطار در قطار چلتی ہیں اور مطلب و مقصود حاصل کرتی ہیں۔

دولت ہمہ از اتفاق خیزد   بے دولتے از نفاق خیزد

رب العالمین مومنوں کے ایمان کی حفاظت فرمائے اور اہل سنت و جماعت کے طریقہ پر چلائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۱۰)

مسبعات عشر

سوال : آپ نے مسبعات عشر کے ورد کے طریقہ سے متعلق استفسار کیا تھا۔

جواب : سعادت آثار، تفسیر عزیزیہ میں ان لک فی النھار سبحاً طویلاً کے تحت لکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نماز فجر کے بعد اسی جگہ پر اشراق تک ذکر اور فکر میں مشغول رہتے تھے۔ حضور اکرمؐ نے حضرت خضر علیہ السلام کو اس وقت میں اور بعد نماز عصر سے مغرب تک مسبعات عشر کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اور کیمیائے سعادت کی دسویں فصل میں رکن اول میں لکھا ہے:

اگر کوئی جامع ورد چاہے تو قرآن، ذکر اور دعا جو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت ابراہیم تیمیؒ کو انکے مکاشفات میں سکھلائی ہے ان کا ورد کرے اور اسکی بڑی

فضیلت ہے اور اس کے مسبعاتِ عشر کہتے ہیں۔

اور وہ دعا دس چیزوں مشتمل ہے اور ہر ایک کو سات مرتبہ پڑھا جائے۔ سورۃ الفاتحہ، معوذتین یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس، سورۃ الاخلاص، سورۃ الکافرون اور آیت الکرسی، یہ چھ چیزیں قرآن سے ہیں اور چار ذکر ہے، ایک **سبحان الله والحمدلله ولااله الا الله والله اکبر اور دوسری اللهم اغفر للمؤمنین والمومنات اور دیگر اللهم اغفرلی ولوالدیّ وافعل بی وبهم عاجلاً وآجلاً فی الدنیا والآخره، ماانت له' اهل ولا نفعل بنایا مولانا مانحن له اهل انك غفور رحیم۔**

اسکی فضیلت میں ایک طویل حکایت ہے جس کو ہم نے کتاب احیاء سے نقل کیا ہے۔

روایات سابقہ سے معلوم ہوا کہ مسبعات عشر کے ورد کے لئے ایک مقررہ وقت ہے اور اس کا پڑھنا مسنون ہے لیکن طلوع آفتاب سے قبل پڑھنے اور اس کی مداومت کے وجوب پر کوئی سند نہ مل سکی۔ لیکن غیر موکدہ مستحبات اور مسنونات میں بھی دوام بہتر ہے۔

نیز حفظ الایمان کی دو رکعتیں جو بعض بزرگوں سے منقول ہیں ان کی کوئی قوی سند نہیں پائی گئی۔ مذکورہ نماز جب فضائل اعمال سے ہے تو اس کا ادا کرنا بھی افضل ہے گر چہ کہ اس باب میں کوئی معتبر اور قوی سند نہیں پائی گئی۔ ارأیت الذی ینهٰی عبدًا اذا صلیٰ۔

یزید پلید کے باب میں جو لکھا گیا ہے اس کی سند بھی کہیں دستیاب نہ ہوسکی۔

زیادہ : وقت تنگ ہے۔

خدا تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں رہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (١١)

یہ ان سات سوالوں کا جواب ہے جو حضرت قطب ویلور کے خلیفہ مولانا حفظی استنبولی نے آپ سے مکہ معظّمہ کے دوران قیام ۱۲۶۸ھ میں کیا تھا۔

اس کا ترجمہ مولانا طبیب الدین اشرفی مونگیری استاد دار العلوم لطیفیہ کے قلم سے ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی

****

سوالات

١ نسبت جو صوفیہ کی اصطلاح میں بولی جاتی ہے اس کے کیا معنی ہیں، اور ٢ اعیان ثابتہ کے کیا معنی ہیں، ٣ نقطۂ سویداء ، ٤ ھویۃ ٥ مثال مطلق اور ٦ لطیفۂ ربانی کیا ہے ٧ اور مولانا جلال الدین رومیؒ کے اس بیت کا کیا مطلب ہے۔

ہفت شہر عشق را عطار گشت ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

****

جوابات

جواب ١ : سوال اول کا یہ ہے کہ نسبت لغت عرب میں طرفین کے درمیان علاقہ کو کہتے ہیں'' اور اصطلاح صوفیہ ایسا علاقہ ہے جو خالق جل مجدہٗ اور مخلوق کے درمیان واقع ہے، اور متکلمین اسکی تعبیر صانع اور مصنوع سے کرتے ہیں، جیسے کلال (کمہار) کی نسبت کوزے کے ساتھ ہے اور ظاہر کتاب وسنت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور صوفیہ اگر وجودیہ ہیں، تو اس نسبت کی تعبیر وحدت کا ظہور کثرت میں

ہونے سے کرتے ہیں۔ جیسے پانی کا ظہور موج اور حباب کی صورت میں، اور کہتے ہیں کہ یہ کثرت اعتباری وحدت حقیقی ماء مطلق کے مزاحم نہیں ہے۔ اس تعبیر کا حاصل یہ ہے کہ وہ حق و خلق میں عینیت ثابت کرتے ہیں اور اس معنی کو تاویل و تمثیل سے مشروع و معقول قرار دیتے ہیں، اور اگر صوفیہ شہودیہ ہیں تو اصل کی نسبت ظل کے ساتھ کرتے ہیں جیسے کہ پھیلے ہوئے ضوء شمس کی نسبت شمس کے ساتھ ہے۔ ظل اس جگہ تجلی کے معنی میں ہے۔ یعنی مرتبہ ثانیہ میں شئی کا ظہور اور یہ کثرت ظلی بھی وحدت حقیقی شمس کے لئے مخل نہیں ہوسکتی ہے۔ بس اتنا ہی فرق تعبیر اول اور ثانی کے درمیان ہے کہ ہر چند کہ ظل کو حقیقی دیگر کہیں۔ لیکن اس اصل کا غیر نہیں ہے۔ کیونکہ اسی اصل نے مرتبۂ ثانی میں ظہور فرما کر اپنے کو ظل ظاہر فرمایا ہے۔ لیکن حمل مواطاۃ اس جگہ ایک دوسرے پر صحیح نہیں ہے اور امواج و دریا کی صورت میں صحیح ہے،، پس شہودیہ اسی تعبیر سے من وجہ غیریت اس طرح ثابت کرتے ہیں، کہ توحید وجود حقیقی میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور اس معنی کو کتاب اور سنت سے آسانی سے استنباط کرسکتے ہیں۔ پہلے طریقے سے نسبت کے معنی کی صورت صوفیائے وجودیہ کی کتابوں سے دریافت کرنا چاہئے۔ اور شہودیہ کے طریقے سے یہ ہے کہ ان کے نزدیک حقائق ممکنات مرتبہ علم الٰہی میں اعدام اور وجود سے مرکب ہیں۔ اس معنی میں کہ اعدام کی حیثیت اضافی ہے یعنی عدم العلم جسکی تعبیر جہل سے کی گئی ہے اور عدم القدرت جس کی تعبیر عجز سے کی گئی ہے اور ان کے علاوہ کہ مفہوم متمائزہ رکھتے ہیں، مرتبہ علم الٰہی میں ظاہر ہیں اور آئینہ صفات حقیقہ جو ان اعدام کے مقابل میں کئے گئے ہیں ان صفات کے انوار ان مرایا میں منعکس ہوتے ہیں اور یہی اخلاط تعینات عالم کے مبادی ہوئے پس ان کے نزدیک اعیان ثابتہ علم الٰہی میں اعدام اضافیہ اور ظلال،

صفات حقیقیہ سے مرکب ہیں، اور خارج ظلی کے آئینے میں جو خارجِ حقیقی کے ظل میں آثارِ خارجیہ کے مصدر ہیں۔ پس اعیان خارجیہ ان کے نزدیک وجودِ ظلی سے موجود ہیں، نہ وجودِ حقیقی سے اور وہ خارج ظلی میں متحقق ہیں، نہ خارج حقیقی میں جو وجودِ حقیقی کے تحقق کا موطن ہے اور عالم کے اندر جو کچھ کہ وجود اور اس کے توابع سے موجود ہیں۔ وہ ظلاً وانعکاساً حضرت حق جلّ شانہ' کے وجود سے مستفاد ہیں، پس وجود حقیقی کے ساتھ خارجِ حقیقی میں سوائے اللہ کے کوئی موجود نہیں ہے اور یہی توحید ہے، اور جبکہ عدم منشاء شر اور نقص ہے ہے اور وجود خیر وکمال کا مبداء ہے اور عالم عدم و وجود سے مرکب ہے بلکہ عدم، عالم کا ذاتی ہے اور وجود عاریۃً ہے اور وجود حق ہے بسیط اور خیر وحسن محض ہے۔ عالم کا عین نہیں ہوسکتا۔ تو یقینی طور عالم حسن وقبح کا مجموعہ ہوگا۔ لیکن وجوہ حسن یہ کل حضرت وجود سے مستفاد ہے اور قبح کی کل جہتیں عدم کی جانب سے حاصل ہیں۔ جس وقت کے سالک اپنی قوت واستعداد کے اور مشائخ کے جذب کے ذریعے جو جذبۂ الٰہیہ کا ظل ہے سیر عملی میں حضیض امکان سے اوج وجوب میں اسا ساخت کے قطع کرنے میں جو حجاب ظلمانی ونورانی کے ختم ہونے سے مراد ہے، جو حدیث کے موافق حق اور خلق کے درمیان واقع ہے، طے کرتا ہے۔ اس کے مقابل نسبت کے فیوض و برکات جو ظاہر ومظہر کے درمیان متحقق ہے۔ ان حجابوں کے دور ہونے سے جو حقیقت میں شمس حقیقی کے انوار تعین سالک کے آئینے میں ظاہر ہونے سے مانع ہوتے ہیں پورے طور پر ظاہر ہوجاتے ہیں اور ان انوار کے غلطہ سے آئینہ مذکور ڈھک جاتا ہے۔ اس حالت کو نسبت فنائی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور فنا کے بعد لازم ہے کہ وجود سے کارخانۂ بشریت اور احکام شریعت کو قائم کرسکے۔ اس نسبت کو بقائی کہتے ہیں۔ پس اگر سالک حجابات

ظلمانی اورنورانی کو پورے طور سے طے کرلے اور صفات وشیونات کی تجلی سے گذر کرذات محبت کی تجلی سے مشرف ہوجائے، اورنبوت کا زمانہ باقی ہے تو نبی ہوجائے گا اوردرجۂ عصمت میں کہ اس سے مراد شر کے نہ صادر ہونے کا احتمال ہے، پہنچتا ہے، ورنہ امکان سے وجوب کی جانب مسافت طے کرنے کی مقدار میں عدم سے جو شر محض ہے بہت دور ہوجاتا ہے اور وجودحق سے جو غیر محض ہے قریب تر ہوجاتا ہے۔اور جب عدم کے ظلمات انوارِ وجود کے غلبہ سے مضمحل ہوجاتے ہیں اکثر مصدر خیر ہوجاتا ہے لیکن کبھی وقوعِ شر کا بھی احتمال ہوتا ہے، اس وقت ولی نبی کا نائب ہوجاتا ہے اور اپنے بنی نوع انسان کی تربیت واصلاح کرتا ہے، اور یہی وہ حقیقت ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اوراولیاء محفوظ ہوتے ہیں۔

صوفیہ شہودیہ رحمہم اللہ کے مسلک پر مختصر طریقے پر اس قوم کی اصطلاح میں ظہور نسبت کے معنی یہی ہیں غور کرو، یہ تمام مکاتیب مولانا مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب ثالث سے ہے، اور وحدت الوجود اور وحدت شہود کے درمیان توفیق اور اس کے دیگر متعلقات امام ربانی کے چوالیسواں ۴۴ مکتوب کے اندر جو جلد ثانی میں ہے۔اور انہیں کے دوسرے مکتوبوں میں اور مکتوب مدنی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما میں ملاحظہ فرمائیں۔اس وقت اس پر زیادتی کی گنجائش نہیں ہے۔

جواب۲ : سوال ثانی کا جواب یہ ہے کہ اعیان ثابتہ وہ اعیان حقائق ممکنات اورعلم حق تعالیٰ ہیں، ایسے ہی اصطلاحات کاشی میں ہے اور مقدمۂ قیصری میں ہے کہ اعیان ثابتہ کے اندر دو اعتبار ہیں۔ایک اعتبار یہ ہے کہ اعیان ثابتہ، اعیان خارجیہ کے حقائق ہیں، پس وہ اعتبار اول کے لحاظ جیسے ابدان، ارواح کے لئے ہے اور

اعتبارِ ثانی کے لحاظ سے جیسے کہ ارواح، ابدان کے لئے ہے۔ اور اعیان خارجیہ اس کے آثار واحکام ہیں۔ یعنی اعیان ثابتہ کے عکوس اور ظلال ہیں۔ اس لئے کہ اعیان ثابتہ نے وجود کی بو بالکل نہیں سونگھی ہے۔ یعنی وجود خارجی کی '' جیسا کہ ہمارے افعال اور اقوال ہمارے معلوماتِ متخیلہ کے ظل ہیں، نیز جسطرح افعال واقوال کے ظہور سے معلوماتِ متخیلہ زوال قبول نہیں کرتے ہیں۔ ایسے ہی اعیانِ خارجیہ کے ظہور سے اعیان ثابتہ، زوال پذیر نہیں ہوتے ہیں۔ نیز اگر اعیان خارجیہ بالذات علم الٰہی سے خارج ہوجائے اور زوال پذیر ہوجائے تو لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جاہل ہوجائے۔ نعوذ باللہ منہا۔

جواب ۳ : سوال ثالث کا جواب یہ ہے کہ نقطۂ سویداء سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے کہ سالک کو عروج کے وقت نقطۂ سیاہ ہی کی طرح مشہود ہوتا ہے۔ چنانچہ امام ربانی اپنے عروج کے بیان میں فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ایک ایسا نور جو تمام اشیاء کو محیط ہے، ظاہر ہوا اور میں نے اسکو حق جل وعلا جانا۔ اور وہ نور سیاہ رنگ رکھتا، عرض کیا تو فرمایا کہ حق جل سلطانہٗ مشہود ہے۔ لیکن پردۂ نور میں، نیز فرمایا کہ یہ انبساط جو اس کے نور کے اندر معلوم ہوتا ہے علم کے اندر ہے۔ ذات جل شانہٗ کے اشیاء معمدہ سے متعلق ہونے کے واسطے سے جو بلندی وپستی میں واقع ہے پھیلا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے نفی انبساط کرنا چاہئے۔ اس کے بعد وہ پھیلا ہوا نور سیاہ انقباض کی جانب رخ کیا اور تنگ ہونے لگا یہاں تک کہ نقطہ کی صورت میں ہوگیا۔ انتہٰی۔ اور بعض اوقات میں نقطۂ سویداء سے مراد سویداء دل لیتے ہیں۔ جو دل پر غیر محسوس اور غیر مجسم ہوتا ہے اور آدمی کے گناہ میں مبتلا ہونے کے بعد پڑتا ہے۔ واللہ اعلم۔

جواب۴ : سوال رابع کا جواب یہ ہے کہ ہویت سے مراد وجود بُحت کا مرتبہ ہے۔ قیصری نے حقیقت وجود کے مقدمہ میں فرمایا کہ جب بشرط لاشئی لیا جائے تو صوفیہ کے نزدیک اس کو مرتبۂ احدیت سے موسوم کرتے ہیں۔ جس میں جملہ اسماء اور صفات گم ہیں اور جمع الجمع حقیقۃ الحقائق اور عماء بھی نام رکھتے ہیں۔ اور جب بشرط شئی لیا جائے تو تمام اشیاء اس کے کلی جزئی جو اس کے لئے لازم ہیں جن کا نام اسماء اور صفات رکھتے ہیں، یہ مرتبۂ الٰہیہ ہے جسے صوفیہ کے نزدیک واحدیۃ اور مقام الجمع سے موسوم کرتے ہیں اور یہی ایصال کے اعتبار سے، ان اسماء کے لئے مظاہر ہے جو اعیان اور حقائق میں ایسے کمالات تک جو خارج میں اسکی استعداد کے مناسب ہے، مرتبہ ربوبیت سے موسوم کرتے ہیں۔'' اور جبکہ لابشرط شئی لایا جائے تو اسے ھویۃ ساریہ سے موسوم کرتے ہیں، جو تمام موجودات میں ساری ہے'' اور اصطلاحات کاشی میں ہے کہ ہویۃ ذات کا اعتبار غیبۃ اور فقدان کی مناسبت سے ہے۔

جواب۵ : سوال خامس کا جواب یہ ہے کہ مثال مطلق، نفس کل کے قوت خیالیہ کو کہتے ہیں اور مثال مقید ہر موجود کے قوۃ خیالیہ کو کہتے ہیں اور مقدمہ قیصری میں ہے کہ حقائق جو ہر یہ عوالم روحانیہ، عقلیہ خیالیہ میں سے ہر ایک کے اندر موجود ہیں اور ان کے لئے ان ان عالموں کے اعتبار سے صورتیں ہیں۔ اور جب یہ چیز ثابت ہوگئی کہ قوۃ خیالیہ جو نفس کلیہ کے لئے پائی جاتی ہے جو ان تمام کو محیط ہے جس کو ان کے علاوہ قوی خیالات نے گھیر رکھا ہے اس عالم کا محل اور مظہر ہے اور اس عالم کا نام، عالم مثال اس وجہ میں پائی جاتی ہے اور اس وجہ سے کہ وہ پہلی مثال صوری ہے۔ اس کیلئے جو اعیان اور حقائق کی صورتوں سے حضرت الٰہی میں موجود ہیں اور اس کا نام خیال مفصل

بھی رکھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ غیر مادی ہے اور خیال متصل سے مشابہ ہے۔ پس معانی میں سے کوئی معنی اور ارواح میں سے کوئی روح ایسی نہیں ہے جس کے لئے صورۃ مثالی نہ ہو، جو اس کے کمالات کے مطابق اور مناسب ہے۔ اس لئے کہ ان سے ہر ایک کے لئے اسم ظاہر سے ایک حصہ ہے۔

نیز اسی مقدمہ میں ہے کہ یہ صورِ مثالیہ کی ظلال ہیں، نیز اسی میں ہے کہ مثالات مقید جو وہ خیالات ہیں اسی سے ایک انموذج (نمونہ) اور اس کے ظل سے ایک ظل ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے عالمِ روحانی کے وجود پر دلیل کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اسی لئے اربابِ کشف اس کو اس عالم سے متصل قرار دیا ہے۔ جس سے وہ روشن ہے، جیسے نالیاں اور نہریں جو سمندر سے متصل ہیں اور روشندان اور کھڑکیاں جسکے ذریعہ سے گھر میں روشنی پہنچ رہی ہے اور ہر ایک موجودات سے جو عالم ملک کے اندر ہیں مثال مقید ہیں جیسے کہ خیال عالم انسانی میں خواہ وہ فلک یا ستارے یا عنصر یا معدن یا نبات یا حیوان ہوں، اس لئے ان میں سے ہر ایک کے لئے روح اور قوۃ روحانیہ ہے اور اس عالم کو عالمِ مثال سے ایک حصہ ہے، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو عوالم کے اندر ایک دوسرے سے مناسبت، اور مطابقت نہ ہوتی، زیادہ زیادہ یہ ہے کہ اس کا ظہور جمادات میں اس طرح نہیں ہے جیسے حیوانات کے اندر اس کا ظہور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی شئی مگر یہ کہ اس کے حمد کی، وہ تسبیح خواں ہے لیکن تم لوگ ان کی تسبیحوں کو نہیں سمجھتے ہو، اور تحقیق کہ خبر صحیح میں آیا ہے جس کی تائید حیوانات کے مشاہدات سے ہوتی ہے کہ بہت سے امور ایسے ہیں جس کا مشاہدہ بنی آدم نہیں کر سکتے ہیں مگر اربابِ کشف اس کا مشاہدہ کرتے ہیں جو شمار سے باہر ہے۔ اور ممکن

ہے کہ وہ شہودِعالم، مثالِ مطلق کے اندر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عالم مثال مقید میں ہو۔ اللہ ہی اس کو زیادہ جاننے والا ہے اور مثال کی تفصیل کا باقی حوالہ اور اسکے باقی اقسام کا حوالہ بڑی بڑی کتابوں میں ہے۔ اسکی تفصیل کے لئے وقت موافقت و معاونت نہیں کرتا ہے۔

جواب ٦ : سوال سادس کا جواب یہ ہے کہ لطیفۂ ربانیہ سے مراد لطیفۂ انسانیہ ہے اور اصطلاحاتِ کاشی میں ہے کہ لطیفہ ہر وہ بلند اشارہ اور باریک معنی ہے جو فہم میں ظاہر ہوتا ہے، وہ ایسی حقیقت ہے جس کے اندر شک وشبہ کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ اور لطیفۂ انسانیہ وہ نفس ناطقہ ہے جس کو صوفیہ کے نزدیک قلب کہتے ہیں اور حقیقت میں وہ روح کو اتارتا ہے ایک ایسے مرتبے کی جانب جو نفس سے قریب ہے۔ جس کو من وجہ نفس سے ایک مناسبت ہے۔ اول کا نام صدر اور ثانی کا نام فواد رکھتے ہیں۔ انتہیٰ۔ اور یہ نفسِ ناطقہ مادہ سے خارج ایک جوہر ہے اور بالذات اس کو افعال میں دخل ہے۔ اور یہی ہے جس کا نام، امارہ، لوامہ، ملہمہ، مطمئنہ، راضیہ، مرضیہ، کاملہ، رکھتے ہیں۔ پس وہ جس صفت سے متصف ہوتا ہے اس اتصاف کے اعتبار سے اس کا نام رکھتے ہیں۔ لیکن نفسِ شہوانیہ وہ ایک لطیف بخار ہے جو حیات اور حس اور حرکت ارادیہ کا حامل ہے۔ اور اسی کا نام حکماء روح حیوانی رکھتے ہیں۔ اور وہ ایسا جوہر ہے، جو بدن پر چمکتا ہے۔ پس اگر بدن کے ظاہر اور باطن حصے پر چمکے تو یقظہ حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر صرف بدن کے باطن حصے پر چمکے تو اس سے نوم حاصل ہوتا ہے اور اگر کلی کے طور پر اس سے علیحدہ ہو جائے تو اس سے موت آجاتی ہے۔ پاک ہے اسکی ذات جو صانع عالم اور حکیم ہے۔ ایسے ہی کتاب سیر اور سلوک الی ملک الملوک میں ہے۔

جواب ۷ : سوال سابع کا جواب یہ ہے کہ سبعہ سے مراد مقامات سبعہ ہے جو اہل اللہ کے نزدیک مشہور ہیں۔ان میں کا اول مقام ظلمات الاغیار جسے نفس امارہ کہتے ہیں۔اور ثانی مقام الانوار جس میں نفس کو لوامہ کہتے ہیں۔ ثالث مقام الاسرار جس میں نفس کو ملہمہ کہتے ہیں، رابع مقام الکمام، جس منزل میں نفس کو مطمئنہ کہتے ہیں، خامس مقام الوصال جس میں نفس کو راضیہ کہتے ہیں۔ سادس مقام تجلیات افعال جس منزل میں نفس کو مرضیہ کہتے ہیں۔

سابع مقام تجلیات الصفات والاسماء جس منزل میں نفس کو کاملہ کہتے ہیں اور شیخ کا کلام حضرت عطار کے علوشان کی جانب مشیر ہے اور اپنے نفس کو تواضع وانکسار سے متصف کرتے ہیں۔اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

حضرت قطب ویلور نے یہ فتویٰ ۲ جمادی الاول ۱۲۶۲ھ کو مکہ معظّمہ میں لکھا ہے (مترجم) محمد طیب الدین اشرفی مونگیری

مدرس دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطبؒ ویلور۔(علاقۂ مدراس)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۱۲)

حضور ﷺ کا الہام حجت قطعی اور اولیاء کرام کا الہام غیر قطعی ہے

یہ جاننا چاہیئے کہ سرورِ انام ﷺ کا الہام حجت قطعی ہے اور اولیائے کرام کا الہام اختلافی اور غیر قطعی ہے۔"صاحب مسلم الثبوت" نے کہا حضور اکرم ﷺ کا الہام حجتِ قطعی ہے۔آپؐ کے لئے بھی اور غیروں یعنی امت کے لئے بھی حجت ہے۔حضور

اکرمؐ کے سوا دوسروں کے الہام سے متعلق یہ جو کہا گیا کہ احکام میں حجت ہے۔ یہ قول صوفیاء کے ایک گروہ اور جعفریہ کے جانب منسوب ہے۔ اور یہ جو کہا گیا کہ ''صرف صاحب الہام پر حجت ہے'' یہ قول عامۃ العلماء کی طرف منسوب ہے اور یہ جو کیا گیا کہ ''اصل میں حجت نہیں'' یہ قول ابن الہمام کی جانب منسوب ہے۔

بحرالعلوم نے شرح مسلم الثبوت میں لکھا ہے کہ اس طریقہ کا علم اس علم سے زیادہ بلند ہے جو غیر قطعی ادلہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس شیخ (ابن ہمام) جیسوں سے یہ نہایت تعجب انگیز بات ہے، ایک ظرف علم (یعنی الہام) کو ترک کر دیا۔ شاید انہوں نے یہ زعم کیا ہے کہ الہام خطرات کے قسم کی ایک بات ہے جو قلب میں پیدا ہوتی ہے حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے۔ کیا تم نے اپنے زمانہ کے قطب شیخ ابویزید البسطامی سے نہیں سُنا کہ انہوں نے ایک محدث کو لکھا تم ایک میت سے دوسری میت سے روایت کرتے ہو اور علم حاصل کرتے ہو اور پھر اس کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہو، لیکن ہم اس زندہ وحی (اللہ) سے علم حاصل کرتے ہیں جس کو موت نہیں۔

اور اگر تم شیخ محی الدین ابن عربی، قطب وقت سید محی الملۃ والدین سید عبدالقادر جیلانی جن کا قدم تمام ولیوں کی گردنوں پر ہے، شیخ عبداللہ تستری، شیخ ابومدین الغربی، شیخ ابویزید بسطامی، سید الطائفہ جنید بغدادی، شیخ ابوبکر شبلی، شیخ عبداللہ انصاری اور شیخ احمد النامقی الجامی اور ان کے علاوہ دیگر اولیائے کرام کے مقامات و حالات وجد اور اذواق میں غور و فکر کرو تو عقل یقین سے جان لو گے کہ ان کو جو الہام کیا گیا ہے اس میں کوئی شبہ راہ نہیں پا سکتا، بلکہ وہ حق ہے، حق ہے، اور نفس الامر کے مطابق ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ یہ علم ضروری پیدا کر دیتا ہے کہ وہ الہام اللہ کی

طرف سے ہے لیکن وہ (اولیاء) اس ظرف علم (الہام) کو صرف مدد اور تائید محمدیؐ ہی سے پاتے ہیں، بالذات بغیر وسیلہ کے ہرگز حاصل نہیں ہوتا۔ اگر شیخ اکبر خلیفة الله فی الارضنین خاتم فص ولایت محی الملة والدین شیخ ابن عربی قدس سرہ' وقفنا بفهم کلماته الشریفه کے کلام میں غور وفکر کریں تو تمہیں کسی وہم کا شک وشبہ باقی نہیں رہیگا کہ ان کو جو الہام کیا جاتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور وہ ایسی چیز ہے جو اس قابل ہے کہ وہ تم کو اس بات کی تنبیہ کرے کہ وہ (الہام) دین کے علم ضروری میں سے ہے۔ کیونکہ اس امت کے اولیاء سے افضل ہیں، جیسا کہ اس امت کے نبی، انبیائے سابقین سے افضل ہیں۔ اور کوئی شک نہیں کہ بنی اسرائیل میں جو اولیاء موجود تھے مثلاً حضرت مریم، ام موسیٰ، اور زوجۂ فرعون، جن کی طرف وحی کی جاتی تھی جو کم از کم ایسا الہام تھا جس کے ساتھ یہ علم ضروری بھی پیدا ہوتا تھا کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے پس وہ قطعی حجت ہے۔ اگر اس امتِ مرحومہ میں سے تحصیل علم قطعی میں کوئی ان سے فاضل تر نہ ہو تو ایسی صورت میں امت مرحومہ کا شخص ان اولیاء بنی اسرائیل سے فضیلت میں انتہائی درجہ کم مرتبہ ہوگا اس لئے کہ تفاضل (ایک دوسرے پر فضیلت) صرف علم سے ہے اور علم کے ماسوا کسی اور چیز میں فضیلت کا اعتبار نہیں۔

شیخ کبیر صدرالدین قونوی، ''تبصرہ''، میں فرماتے ہیں امتِ محمد ﷺ کے کامل اولیاء کی ایک جماعت کو رسول اللہ ﷺ کے اذواق میں سے ایک حصہ میسر ہے اور ان کو اولیاء کے انبیاء کہتے ہیں اور حقیقت میں یہی حضرت مصطفیٰ ﷺ کے اخوان، وارث اور خلفاء ہیں اور فرمانِ مصطفیٰ ﷺ میرے بعد آنے والے بھائیوں کی ملاقات کا کیا ہی شوق ہے۔ اسی خاص طبقہ کی طرف اشارہ ہے اور یہی طائفہ اس فرمانِ محمدیؐ کا مصداق

ہے۔ علماء امتی کانبیاء سائر الاھم وممن خلقنا امة یھدون بالحق وبه یعدلون ۔اور جن کو ہم نے پیدا کیا اس میں ایک امت ہے جو حق کے ساتھ ہدایت کرتے ہیں اور حق کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جب اوپر جاتے ہیں تو فائدہ حاصل کرتے ہیں اور جب نیچے اترتے ہیں تو دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

''تبصرہ'' میں ایک جگہ شیخ قونوی لکھتے ہیں: بجز نبوت تشریع کے (جو ان کے درمیان نہیں ہے اس لئے کہ وہ نبوت تشریع ایک بند دروازہ ہے ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین) دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اذواق ومکاشفات میں ان کا حصہ ہے یاابابکرلیس بینی وبینك فوق الاانني بعثت ۔اے ابوبکرؓ مجھ میں اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں بجز اس کے کہ میں مبعوث ہوا ہوں یاعمر لولم ابعث لبعثت اے عمر! اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو تم مبعوث ہوتے۔

امام ربانی جلد دوم کے ۵۵ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں: یہ بات صحیح ہے کہ خواص اہل اللہ، اللہ کی ذات وصفات اور افعال کی معارف میں بعض ان اسرار ودقائق کا علم رکھتے ہیں جن سے ظاہر شریعت ساکت ہے۔ علماء ظاہر اُمور دین کے اندر اخبار غیبیہ کو اخبار پیغمبراں کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں اور دوسروں کو ان غیبی اخبار میں شریک نہیں سمجھتے، یہ بات معنی وراثت کے منافی ہے، اور بہت سارے علوم ومعارف صحیحہ جو دینِ متین سے متعلق رکھتے ہیں، ان کی نفی ہے۔ البتہ شرعی احکام کا ادلۂ اربعہ سے تعلق ہے جن میں الہام کی گنجائش نہیں۔ لیکن امور دینیہ جو احکامِ شرعیہ کے علاوہ ہیں، وہ بہت ہیں۔ اور ان میں اصل خاص الہام ہے اور یہ اصل، عالم کے فنا ہونے تک قائم ہے۔ پس دوسروں کو ان بزرگوں سے کیا نسبت۔

سوال : جب دین کتاب وسنت سے مکمل ہو گیا ہے تو کمال کے بعد الہام کی کیا ضرورت ہے اور وہ کونسی کمی رہ گئی تھی جو الہام سے پوری کی جائے؟

جواب : الہام دین کے کمالاتِ خفیہ کو ظاہر کرنے والا ہے نہ کہ دین میں زائد کمالات کو ثابت کرنے والا۔ جس طرح اجتہاد، مظہر احکام ہے، اسی طرح الہام، مظہر دقائق واسرار ہے۔ جن کے جاننے سے اکثر لوگوں کی سمجھ قاصر ہے۔ اگرچہ کہ اجتہاد اور الہام میں فرق واضح ہے، کیونکہ اجتہاد کا اعتماد، عقل ورائے پر ہے اور الہام میں ایک قسم کی اصلیت پیدا ہو گئی جو اجتہاد میں نہیں ہے۔ الہام نبیؑ کے اعلام اور اخبار کے مانند ہے جو ماخذ سنت ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا۔ الہام اگرچہ کہ ظنی ہے اور نبی کا اعلام قطعی ربنا اٰتنا من لدنك رحمةً وهيّئ لنا من امرنا رشده۔

مولوی دہلوی صراط مستقیم کے پہلے باب میں لکھتے ہیں اس سے اعلیٰ وارفع درجہ، نیابت عن اللہ کا مقام ہے جس کا تعلق حدود شرعیہ کے مقرر کرنے اور حقیقتِ حکم کی جگہ مظنت حکم کو قائم کرنے اور عموماً تربیت نوعِ انسانی کے ارکان، آداب، شروط اور مفسدات کے معین کرنے سے ہے۔ فی الحقیقت یہ مقام اصحاب شرائع انبیاء ومرسلین کا مقام ہے۔ اور ان (انبیاء ومرسلین) کی مکمل طاعت کے سبب اس مقام کا ایک پرتو انبیائے کرام کے عظیم المرتبت متبعین کو حاصل ہوتا ہے جن کو صوفیاء کے عرف میں ''مفہمین'' کہتے ہیں اور اس مقام کو پیشواء اربابِ تعلیم ومقتدائے اصحابِ تفہیم حضرت شیخ ولی اللہ قدس سرہٗ کی اصطلاح میں ''مقام قرب فرائض'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

مولوی دہلی ''خاتمہ صراط مستقیم'' میں لکھتے ہیں کمالات ولایت کے طریق استفادہ کے باب میں پہلے یہ جاننا چاہئے کہ اولیاء اللہ کے ہر طریقہ میں مجاہدات،

ریاضات، اذکار، اشغال اور مراقبات متعین کئے گئے ہیں۔

نیز اسی میں لکھتے ہیں کہ اشغال، اذکار، مجاہدات اور مراقبات فی الحقیقت تشریع کا ظل اور پرتو ہیں اور جو شخص مقام قرب فرائض میں قائم ہے اگر وہ عزیز، انبیاء کی قسم سے ہوتو لازم ہے کہ صاحب شریعت مجددہ ہو۔ ورنہ اللہ تک پہنچانے والے طریق کے اوضاع کا تعین اسکے اصل طبیعت سے فوارہ کے مانند جوش زن ہوتا ہے اور اس میں تعلیم وتعلّم کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور یہ جاننا چاہئے کہ علوم دینیہ کی کئی قسمیں ہیں، شرح مشکوٰۃ کتاب العلم میں شیخ الہند لکھتے ہیں کہ علم سے علم دین مراد ہے جو کتاب وسنت سے متعلق ہو اسکی دو قسمیں ہیں:۔ مبادی اور مقاصد، مبادی وہ علوم ہیں جن کا تعلق اعمال واخلاق اور عقائد سے ہے اور یہ سب علم معاملہ ہیں۔ اور علم مکاشفہ وہ نور ہے جو طریق حق کے سلوک اور صدق معاملہ کے بعد دل میں پیدا ہوتا ہے جس کے بعد حقائق اشیاء کی کماہی معرفت منکشف ہوتی ہے اور ذات وصفات اور افعال حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور اس کو علم حقیقت اور علم وراثت کہتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے من عمل بما علم ورثه الله علما مالا يعلم۔ جو شخص اپنے حاصل کئے ہوے علم پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس علم کا وارث بناتا ہے جس کو وہ نہیں سیکھا۔ چنانچہ آیت واتقوا الله ويعلمكم الله میں بھی اس معنی کی طرف اشارہ ہے۔ اور علم ظاہر وباطن جو کہتے ہیں اس کے بھی یہی معنی ہیں اور ان میں سے ایک کی دوسرے سے نسبت، بدن اور جان اور پوست اور مغز کی ہے۔ آیات واحادیث جو علم کی شان وفضیلت کے باب میں وارد ہیں، وہ ان تمام اقسام پر تفاوت مراتب ودرجات کے ساتھ شامل ہیں۔

مولوی دہلوی ''مقدمہ ایضاح الحق'' کے فصل اول میں لکھتے ہیں: امر دین سے مراد وہ چیز ہے جس سے احکام شارع کا تعلق ہوسکتا ہے جیسا کہ فرمایا اذا امرتکم بشئی من امردین فاخذ وہ بہ ۔جب میں تمہارے دین کے امر میں کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو۔اس معنی امرِ دین بطریق استقراء، عقائد حقہ، اخلاق جمیلہ، مقامات حالات، واردات قلبیہ، اقوال لسانیہ اور افعال جسمانیہ میں خواہ جنس عبادات سے ہوں یا جنس عادات سے ہوں، یا جنسِ معاملات سے ہوں منحصر ہے۔

اسی سے یہ بات ظاہر ہے کہ احکامِ شرعیہ، ادلہَ اربعہ سے مربوط ہیں جن میں الہام کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن احکام شرعیہ کے علاوہ امور دینیہ بہت ہیں جن میں اصل خاص الہام ہے۔مقامات، حالات، واردات اور اخبار غیبیہ جو اولیائے کرام اور وارثین انبیائے کرام کی امتیازی خصوصیات ہیں، الہام سے مربوط ہیں۔

اور امور غیبیہ، عقائد حقہ ہیں یا اعمال انسانیہ، اول کو علم کلام کہتے ہیں اور ثانی (یعنی اعمال انسانیہ) اعمال بدنیہّ ہیں یا اعمال قلبیہ اور ان میں سے اول (یعنی اعمال بدنیہ) کو جو اقوال لسانیہّ اور افعال جسمانیہ ہیں علم فقہ کہتے ہیں۔اور ان میں سے ثانی (یعنی اعمال قلبیہ) کو اگر رذائل سے خالی اور فضائل سے مزیّن ہو تو اس کو اخلاقِ جمیلہ کہتے ہیں اور اگر حالاتِ قدسیہ کے انوار سے قلب منوّر ہو تو اس کو علم تصوف کہتے ہیں۔

اجتہاد، علماء فقہ کے ساتھ ہی خاص نہیں، صوفیاء بھی اجتہاد میں فقہاء کے ساتھ شریک ہیں۔شیخ الہند ''مرج البحرین'' میں فرماتے ہیں۔اس طائفہ صوفیہ کے بھی خاص طریقے، آداب، اصطلاحات اور مستحسنات ہیں جیسے خانقاہوں کی تعمیر، الباس خرقہ، اجرائے مقراض، کیفیات ذکر، خلوت گزینی اور اجتماع سماع وغیرہ اور علماء فقہ کی طرح

ان امور کے اندر صوفیہ کے اجتہادات اور استنباطات ہیں۔اور یہ بھی ابواب علم کی ایک قسم ہے کہ جس میں اجتہاد کی صحت اور اس کے شرائط اور سنت و بدعت کی تحقیق سے بحث ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مقام پر صوفی اور فقیہہ دونوں برابر ہیں اور دونوں سے اپنے اصل کے وجود اور دلیل کی صحت کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

مولوی دہلوی ''صراط مستقیم'' کے پہلے باب میں لکھتے ہیں، شریعت کا ایک باطن ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے قلب کا تعلق ہے۔ایک ظاہر ہے اور وہ اوامر کی پیروی اور مناہی سے اجتناب ہے۔

نیز اسی میں لکھتے ہیں چونکہ اصحاب طرق (مختلف سلاسل) کے اولیاء کبار نے فنِ باطن شریعت میں امامت حاصل کی اور اصلاح قلب کے قواعد میں (جو دین متین کا خلاصہ ہیں) اجتہاد کی قوت حاصل کی تھی۔جب حُب ایمانی کو متواترات اور یقینیاتِ دینیہ سمجھا اور اس کے حاصل کرنے کے طریقوں کو جمہور اہل ملّت نے محفوظ پایا، یہاں تک کہ عوام اہل ملّت میں سے ہر عامی (جو ان کے بابرکت زمانہ میں موجود تھا) اللہ کی اطاعت، جواز مطلق کے احکام کی پیروی، شرع نبویؐ کی پابندی اور دین مصطفویؐ کو اپنا دین بنالینے کو یقینی طور پر اپنے ذمہ فرض جانتا تھا اور شکر منعم اور اس کی محبت کی اچھائی اور کفرانِ منعم اور اسکی مخالفت کی برائی کو تمام بدیہات میں سے سب سے زیادہ بدیہی شمار کرتا تھا۔اس بناء پر ان اولیائے کرام نے اپنے پیروں کے اوہان میں ان حقائق کو مسلم الثبوت پایا تو حُب ایمانی (یعنی طور ولایت) اور اسکے لوازم کی بحث تحصیل حاصل سمجھ کر احکام حُب عشقی (یعنی طریقہٴ ولادت) کی تفصیل اور اس کے ثمرات کی وضاحت اور ان کی تحصیل کی راہوں کے احاطہ کا قصد کیا اور اس امر میں بڑی کوشش کی ہے اور اہل اسلام

کے جم غفیر کو نفع عظیم پہنچایا اور اس سبب سے بارگاہِ رب العالمین میں عظیم وجاہت اور بڑی عزت پائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں ان کے مراتب ودرجات بلند کرے۔

اسی وجہ سے شیخ الاسلام نے ''منازل السائرین'' میں ان سو مقامات کا ذکر کیا جو سفر اول بین العبد والرب میں واقع ہیں اور ان تمام مقامات کو آیاتِ قرآنی کی دلیلوں سے ثابت کیا ہے۔

اور سند العلماء مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ''سورۃ البقرہ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ وہ چھ گروہ ہیں جن کی پیروی اللہ کے حکم سے فرض ہے۔ ان میں سے مجتہدین شریعت اور شیوخ طریقت بھی ہیں، کہ جن کا حکم عوام کے لئے بطریق واجب مخیر" لازم الاتباع ہے، اس لئے کہ اسرارِ شریعت اور دقائق طریقت کا سمجھنا ان مجتہدین اور صوفیاء) کے لئے آسان اور سہل بنایا گیا ہے۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔ اہل ذکر سے دریافت کرلو اگر تم نہیں جانتے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۱۳)

اگر کوئی شخص بیعت کرنے کے بعد انکار کردے تو اسکا حکم کیا ہے

سوال : شہرہ آفاق صحیح العقیدہ صاحب طریقت پیر سے ایک شخص بیعت کرنے کے بعد اسکا انکار کر رہا ہے اور ارتداد کی روش اختیار کیا ہے اور اپنے پیر اور پیر کے شیوخ کی نسبت بے ادبی کا اظہار کر رہا ہے۔ شریعت اور طریقت کی رو سے اس کا

حکم کیا ہے۔ بینوا وتو جروا۔

جواب : جو شخص بھی پیر کامل کی بیعت ، فسخ کرے وہ طریقت میں مرتد ہے۔ شیخ محمد غوث گوالیری ''اوراد غوثیہ'' میں فرماتے ہیں۔ بیعت میں پہل کرنا مرید کا فعل ہے۔ بیعت کے بعد پیر کا اختیار ہے اور اس میں شرط یہ ہے کہ شیخ زندہ ہو اور مرید بالغ ہو، اپنے اختیار سے مرید ہونے کے بعد اگر وہ بیعت توڑنا چاہے تو نہیں توڑ سکتا۔ اگر سو جگہ بھی بیعت کرے تو وہاں مرید نہیں ہوگا۔ اور جس پیر نے اس کو پہلے مرید کیا ہے اسی کی بیعت ثابت رہیگی۔ اور اس بیعت کا قبول کرنا یا رد کرنا اسی پیر کا حق ہے۔ بیعت کا حکم عقد کے حکم کے مانند ہے۔ عقد مجازی ہے اور بیعت حقیقی۔ اگر پہلے پیر سے منحرف ہو تو طریقت میں مرتد ہے۔

پیر کا رد کرنا اور انہیں ایذا پہنچانا شقاوت و بدبختی کی جڑ ہے۔ امام ربانی شیخ احمد سرہندی رسالہ ''مبدأ و معاد'' میں لکھتے ہیں۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کے انعامات اور رسول اللہ ﷺ کے احسانات کے بعد پیر کے حقوق تمام دوسرے حقداروں کے حقوق پر فوقیت رکھتے ہیں بلکہ دوسروں کے حقوق کو پیر کے حقوق سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہی تمام کے حقیقی پیر ہیں۔

ہر چند جسمانی ولادت، والدین سے ہے، لیکن معنوی ولادت پیر کے ساتھ مخصوص ہے۔ جسمانی ولادت کی زندگی چند روزہ ہے۔ ولادتِ معنوی کی زندگی دائمی اور ابدی ہے۔ اور پیر ہی ہے جو مرید کی معنوی نجاستوں کو اپنے قلب و روح سے دور کرتا ہے اور اسکے باطن کو پاک و صاف کرتا ہے۔ بعض مریدوں کے حق میں جو توجہات ہوتے ہیں ان میں محسوس ہوتا ہے کہ ان کے نجاستِ باطنی کی تطہیر میں کچھ آلائش،

صاحب توجہ کو لائق ہوتی ہے جس کا اثر کچھ مدت تک رہتا ہے۔ پیر ہی ہے جس کے توسل اور واسطہ سے (مرید) حق عز و جل تک پہنچتا ہے، اور یہ (خدا تک پہنچنا) تمام دنیاوی اور اخروی سعادتوں سے بلند تر ہے۔ پیر ہی ہے جس کے وسیلہ سے نفسِ امّارہ (جو اپنی ذات سے گندہ اور خبیث ہے) پاک اور مطہر ہو جاتا ہے اور وہ (نفس) امّارہ کے مقام سے مطمئنہ تک پہنچتا ہے اور کفر طبعی سے نکل کر اسلام حقیقی میں آجاتا ہے۔ گر بگویم شرح ایں بے حد شود

جاننا چاہیئے کہ پیر کی قبولیت میں سعادت اور پیر کو رد و انکار کرنے میں شقاوت و بدبختی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ حق سبحانہ کی رضا، پیر کی رضا کے پردہ میں ہے۔ جب تک مرید اپنے پیر کی مرضی اور خوشنودی میں اپنے آپ کو گم نہ کرے وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضامندی حاصل نہیں کرتا۔ پیر کو آزار و تکلیف دینے میں مرید کے لئے آفت ہے۔ اس کے بعد جو ذلت بھی ہو اس کا تدارک ممکن ہی نہیں ہے اور اس کے بعد کسی چیز سے تدارک ممکن نہیں۔ پیر آزاری، مرید کے لئے شقاوت و بدبختی کی جڑ ہے۔ العیاذ باللّٰہ سبحانہ' من ذالك ۔ معتقدات اسلامیہ میں خلل اور احکام شرعیہ پر عمل میں قصور اسی (پیر آزاری) کے ثمرات و نتائج ہیں۔ احوال و مواجید کا تعلق تو باطن سے ہے۔ ان کا کیا حال بیان کیا جائے، اگر اتفاقاً پیر آزاری کے باوجود ان احوال کا کوئی اثر باقی رہے تو اسکو استدراج سمجھنا چاہیئے کیونکہ پیر کو ایذا پہنچانا آخر کار تباہی و خرابی کا باعث ہوگا اور نقصان کے سوا کوئی نتیجہ نہ ہوگا۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ محی الدین سید عبداللطیف عفی عنہ،

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۱۴)

ذیل کا فتویٰ مجدد جنوب حضرت علامہ سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ قطب ویلور قدس سرہٗ نے شہر رانی بنّور ضلع دھاڑواڑ کے ایک امام وخطیب مولانا بڑے میاں صاحب کو دکھنی زبان میں روانہ فرمایا تھا۔ جس کی نقل من وعن ھدیۂ ناظرین ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

اللہ کے پاس بیٹا یا بیٹی مخصوص کر کے مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

تمہیں پوچھے تھے کہ کسی نے یا اللہ، یا رسول اللہ میرے تیئں بیٹا یا بیٹی دیو کہے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور کہنے والا مشرک ہے یا نہیں؟

جواب اس کا یہ ہے کہ ایسا کہنا جائز نہیں اور کہنے ہارا مشرک ہے۔ اس لئے کہ پیدا کرنا اور بیٹا دینا مخصوص خدا ہی کا کام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ لَّا یَخْلُقُ اَفَلَاتَذَکَّرُوْنَ ۔ (کیا جو شخص پیدا کرتا ہو وہ اس جیسا ہو جائے گا جو پیدا نہیں کرسکتا۔ پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے)

اور پیغمبران اپنے کو اولاد پیدا نہیں کر سکتے ہیں۔ دوسروں کو اولاد کیسا دیتے آپ ہی پیدا کر سکتے ہیں تو خدا سے اولاد کی (کیوں) مانگتے۔ جیسے زکریا پیغمبر، خدا سے فرزند مانگتے ہیں۔ فَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا یرثُنِیْ وَیَرَثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَجْعَلْہُ رَبِّ رَضِیًّا ۔ (اے میرے پروردگار مجھ کو اپنے پاس سے ایک وارث (بیٹا) عطا فرما جو

میرے اور میرے جدِّ امجد حضرت یعقوبؑ کے خاندان کے وارث بنے اور میرے رب اس کا اپنا پسندیدہ بنا۔)

****

پھر تمہیں پوچھے تھے کہ کسی نے بولے اللہ اور رسولؐ حاضر و ناظر ہے، ایسا بولنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب اس کا یہ ہے کہ ایسا بولنا جائز نہیں اور بولنے والا مشرک ہے۔ اس لئے کہ ہر جا حاضر اور ناظر رہنا مخصوص خدا ہی کا کام ہے۔ اس کام میں کوئی مخلوق شریک نہیں، 'بحر الحرائق' اور 'عالمگیری' اور 'فصول عمادی' اور 'مختار الفتاویٰ' اور 'خلاصہ' اور 'خانیہ' میں ہے کہ کسی شخص نے شہادت سے خدا اور رسولؐ کے نکاح کیا تو صحیح نہیں، پھر کافر ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ ہر جا حاضر و ناظر رہنے پر غیب دانی پر حضرت کے اقرار کرنا عالم الغیب کے فرمودہ سے یعنی لا یعلم الغیب الا اللّٰہ سے منکر ہونا ہے۔

****

پھر تمہیں پوچھے تھے کہ کسی نے یا رسول اللہ میرے تئیں روزی دیو کر کے کہے ایسا کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کہنے والا مشرک ہے یا نہیں؟

جواب اس کا یہ ہے کہ ایسا کہنا بھی جائز نہیں اور کہنے والا مشرک ہے۔ بشرطیکہ سرورِ عالم ﷺ کو حقیقی روزی رساں اور مسبب جانے اور خدا کے ساتھ روزی رسانی میں شریک کرے۔ اور اگر سرورِ عالم کو وسیلہ گردانے اور آپؐ کو سبب روزی جانے تو یہ بات دوسری ہے۔

مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رسالہ 'حسن عقیدہ' میں فرماتے ہیں:

ولا يشفى مريضاً ولايرزق رزقاًولا يكشف ضراً الاهوَ جمعتى انه‘ يقول بشئى كن فيكون بعمنى لاتسبب العاوى الظاهرى كمايقال تشفى الطيب المريض وررزق الامير الجنه فهذا عنده۔ انتہیٰ

فقرا ایک کتاب فصل الخطاب بین الخطاء والصواب لکھا ہے۔ مدراس میں چھپنے والی ہے۔ اس میں ایسے مقدمات مفصلاً مذکور ہیں، وہ دیکھ لیں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ مسلمانوں کوتوفیق دیوے تا مذہب حقہ‘ پر سنت جماعت کے قائم رہیں اور افراط وتفریط سے بچیں۔ مرقوم: دہم محرم الحرام سہ شنبہ ۱۲۸۷ھ

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۱۵)

کیا روحِ انسانی فانی ہے؟

مجدد جنوب ہندوستان سلطان المرشدین حضرت العلام سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف قطب ویلور قدس سرہٗ نے روحِ انسانی اور بعض فقہی مسائل اور احکام پر بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے۔ یہ گراں قدر افادات وتبرکات فارسی اور دکھنی زبان میں ہیں۔ احقر نے صرف فارسی متن کا ترجمہ کیا ہے اور مضامین کا لحاظ کرتے ہوئے درجِ ذیل عنوان تجویز کیا ہے۔ اور دکھنی حصہ کو من و عن باقی رکھا ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

كل شئى هالك الا وجهه کی رُو سے روحِ انسانی فانی ہے یا نہیں؟

”آپ نے دریافت کیا تھا کہ عقائد کی کتابوں میں انسان کی روح کو فانی لکھا ہے اور امام حجۃ الاسلام غزالی نے ”کیمیائے سعادت“ میں روح کو ابدی اور غیر فانی کہا ہے اس تضاد اور اختلاف کی کیا وجہ ہے؟“

محبت اطوار!

”حدیث نبویؐ میں سات چیزوں کو (یعنی عرش، کرسی، لوح، قلم، جنت، دوزخ اور ارواح) کو ابدی اور غیر فانی کہا گیا ہے۔ اور بعض حضرات علماء، صور کو بھی ابدی کہتے ہیں۔ اس طرح ابدی اور غیر فانی اشیاء کل آٹھ ہوئیں۔

كل شئى هالك الا وجهه کی آیت کریمہ کے پیش نظر بعض علماء مذکورہ حدیث میں تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیت کریمہ کے مطابق اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی ذات کے سوا ہر شئے کے لئے فنا و ہلاکت ہے اس لئے ضروری اور لازمی ہے کہ مذکورہ اشیاء کے لئے بھی فنا کو تسلیم کیا جائے اگر چہ کہ وہ فنا و ہلاکت ہے صرف ایک لمحہ کے لئے ہو۔ تا کہ آیت اور حدیث میں کوئی اختلاف اور تضاد نہ رہے۔

اور بعض علمائے کرام مثلاً امام غزالی، شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ صدر الدین قونوی قدس اللہ اسرارہم مذکورہ حدیث میں کوئی تاویل نہیں کرتے اور ظاہر حدیث کے مطابق سات چیزوں یعنی (عرش، کرسی، لوح، قلم، جنت، دوزخ، ارواح) کو ابدی کہتے ہیں۔ اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ ونفخ فى الصور فصعق من فى السمٰوٰت ومن فى الارض الا ماشاء الله ۔ (صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے، جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں۔ مگر جسے اللہ چاہے)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صُور پھونکنے کے وقت تمام چیزیں بے ہوش یا فنا ہو جائیں گی۔ مگر جس کو اللہ چاہے، وہ فنا یا بے ہوش نہیں ہوں گے۔

لہٰذا وہ سات چیزیں جن کا ذکر حدیث میں ہے وہ اسی الا ماشاء اللّٰہ۔ کے استثناء میں داخل ہیں اور پہلی آیت: کل شئی هالك الا وجهه دوسری آیت و نفخ فی الصور کی وجہ سے عام مخصوص منہ البعض ہوگی تو نہ آیت، آیت میں تعارض ہوگا اور نہ آیت اور حدیث میں تعارض ہوا۔ سید محمد راجی قدس سرہٗ نے ''شرح گلشنِ راز'' میں اس اختلاف کی جانب اشارہ کیا ہے۔ وہ دیکھ لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۱۶)

ایام مخصوص میں صدقہ کا حکم

آپ نے مقررہ اور مخصوص ایام مثلاً سوم، دہم، چہلم میں کھانا کھلانے کے مسئلہ سے متعلق استفسار کیا تھا۔

مخدوم من!

اموات کے لئے صدقہ کرنا جائز ہے اور نافع ہوتا ہے۔ بشرطیکہ زمان اور مکان کی قید سے مقید نہ ہو اور حدیث شریف میں آیا ہوا ہے صدقہ گناہوں اور خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔ جس طرح پانی آگ کو بُجھا دیتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حدیثِ شریف میں صدقہ کا حکم زماں و مکان کے ساتھ مخصوص اور مقید نہیں ہے۔ بلکہ مطلق وارد ہے اور مطلق کو مطلق پر محمول کرنا ہے اربابِ اصول کے مقررہ قواعد میں سے ایک ہے۔

نیز اس بات کا ثبوت بھی فراہم نہ ہوسکا کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں

مخصوص اور مقررہ ایام کے اندر صدقہ دئے ہوں۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ صدقہ ایک عبادت ہے جو زمان و مکان یا کسی دوسری وجہ سے غیر مشروع تخصیص اور قید کی وجہ سے بدعت ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ اصول میں مقرر ہے۔

ہاں! اس قدر ضرور ہے کہ کسی شخص کے انتقال کے بعد سات دن تک صدقہ دینا مستحب ہے اور یہ قیدِ زمانی اور تخصیص، شریعتِ مطہرہ کے حکم کے مطابق اور موافق ہوگی۔ جیسا کہ مشکوٰۃ کی شرح میں بابِ زیارۃ القبور میں مرقوم ہے۔

اور بعض علمائے کرام نے یاتی قبور الشہداء علی راس کل حول (شہداء کی روح قبور کی جانب ہر سال کے شروع میں آتی ہے) کہ حدیث سے سالانہ (فاتحہ) کو بھی مستحب قرار دیا ہے۔ مائۃ المسائل کے مصنف نے اس کی تفصیل کسی قدر بیان کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۱۷)

انسان کے مجبور اور مختار ہونے کا مسئلہ

قدوۃ السالکین عمدۃ الکاملین، مجدد جنوب حضرت علامہ شاہ محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ قطب ویلور قدس سرہ، نے مرزا سردار بیگ صاحب حیدرآبادی اور میر احسن اللہ صاحب حیدرآبادی کے استفسار پر درج ذیل فتویٰ تحریر فرمایا تھا۔ جس میں مفتی موصوف نے انسان کے مختار اور مجبور ہونے پر عالمانہ اور صوفیانہ بحث کی ہے۔ فارسی متن ترجمہ ھدیۂ ناظرین ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

از مسئلہ جبر و اختیار استفسار و اشعار رفتہ بود۔

کرم اطوار!

جبر چهاراست : جبر جزئی و این ضد اختیار است۔ سالك رادر بدایت حال یقین باید دانست که نفس اورا اختیاری هست که امر و نهی و وعد و وعید بر آن متفرع است۔ ان النفس لامارة بالسوء۔ امر بے اختیاری نمی باشد۔ اگرچه ایشان حقیقةً مجبورانه و ازخود آگاهی ندارند۔

دویم جبر یقین و آن درمرتبۂ توحید افعال است۔

سیوم جبر تخلق و آن درمقام توحید صفات است و متوسطان درین مرتبۂ مجبوریت خودرا مشاهده می نمایند۔

چهارم بالاتر ازین سه جبر، جبر کلّی است و آن راجبر تحقق خوانند و آن درمرتبۂ بقاء بعدالفناء اخص خواص رادست دهد۔

دراین مرتبه جبر و جابر و مجبور یکے باشد۔ باز این جا اختیارے روے مے نماید چنان‌چه درهدایت مختاربود۔

مثنوی

جملہ عالم مقرا اختیار

امر و نہی آن بیارو آن میار

جبریش گوید کہ امر و نہی لا است

اختیارے نیست آن جملہ خطا است

درخرد جبر از قدر رسوا تر است

زر آن کہ جبرے حسِ خودرا منکرش
اختیارے ہست مارا بے گماں
حسن منکر رابیانی شدعیاں
سنگِ را ہر گز نگو کردہا
از کلوخی کس

آدمی را کس نگوید ہیں بیر
یا بیا اے کور خوش درمن نگر

امرونہی و خشم و تشریف و عقیب
نیست جز مختار را اے پاک حبیب
این کہ فردا ایں کنم یا آن کنم
یک دلیل اختیار است اے صنم

جملہ قرآن امرونہی است ووعید
امر کردن سنگِ مرمر راکہ دید

ہیچ دانی ہیچ عاقل ایں کند
یاکلوخ و سنگ خشم و کین کند

استادان کودگاں رامی زنند
آن ادب سنگ سیہ راکیے کند

ہیچ گوئی سنگ را فردابیا
درنیانی من ترابدہم سزا
خالقے کہ اخترو گردوں کند
امرونہی جا ہلانہ چوں کند
آن یکے بررفت بالائے درخت
می نشاند اومیوہ رادزدانہ سخت
صاحب باغ آمدو گفت اے دنی
از خدا شرمیّت گوچہ می کنی

گفت از باغ خدا بندۂ خدا
اومیوہ را خورد کہ حق کردش عطا

عامیانہ چہ ملامت می کنی
بخل برخوانِ خداوندِ غنی
گفت اے ایبک بیاور آن رسن
تا بگویم من جواب باالحسن!

پس بہ بستش سخت آندم بر درخت!
می زد اوبر پشت و ساقش چوب سخت
گفت آخت از خدا شرمے بدار
می کشی ایں بے گنہ رازار زار
گفت این چوب خدا این بندہ اش
می زند بر پشت دیگر بندہ خوش
چوب حق و پشت وپہلو آن او
من غلام و آلت فرمان او
گفت توبہ کردم از جبری عیار
اختیار است اختیار است اختیار است
چون نہ رنجوا سلسلہ مند
اختیار ہست
درآں کاریکہ میلستت بدان
قدرت خودراھمی بینی عیان
واندران کاریکہ میلت نیست خواست
خویش راجبرے کنی کا ین از خداست

ترک کن ایں جبر راکاین بس تہی ست

تابدانی سرّ سرّ جبر چیست

یک مثالی اے دل پئے فرق بیار
تابدانی جبر را از اختیار !
دست کو لرزاں بود از ارتعاش
وآں کہ دستے را بکرزانی زجاش

ہردو جنبش افریدۂ حق شناس
لیک نتواں کرداین باآن قیاس

زان پشیمانی کہ دادی لرزش اش
خود پشیماں نیست مرد مرتعش

بحث عقلی ایں چہ عقلِ حیلہ گر
تاضیعفی رہ برد آن جا مگر
کردحق و کرد خلق ہردو ببین
کرد مارا ہست و آن پیدا ببین

گرنباشد فعل ماااندر میان

پس مگوکس راچرا کردی چناں

فعل حق افعال مارا موجد است
فعل ما آثار فعل ایزداست
زانکہ ناطق حرف بیند بے غرض
کیے شودیک دم محیط دو عرض

گر بمعنی رفت غافل شدز حرف
پیش و پس یک دم نہ بیند ہیچ طرف

مرد کامل ہردوبیند درعیان
او یقین داند نماند درگمان

اختیار آن اختیارش نیست کرد
اختیارش چون سواری زیر گرد

قدریش براختیارات جهان
نفی نکند اختیاری بالاذآن
خواستش می گوئی بروجہ کمال

که نباشد نسبت جبر و ضلال
چوں کہ گوئی فسق من خواہ دی است
خواہ خود را نیز ہم میدان کہ ہست

زانکہ بے خواہ تو ہم فسق تو نیست
فسق تاجبرش تناقض گفتنی است

ترجمہ مثنوی

اختیار کا سارا جہاں قائل اور معترف ہے
حکم دینا کہ یہ لاؤ اور منع کرنا کہ وہ نہ لاؤ
جبر کے قائل کا یہ کہنا کہ امرونہی بے معنی بات ہے
انسان کو کوئی اختیار ہی نہیں یہ کہنا خطااور غلط ہے
عقلاً جبر، قدر سے زیادہ برا ہے ،کیوں کہ
جبری اپنے حس و حرکت کا منکر ہے
بلا شک و شبہ ہمیں اختیار حاصل ہے اور منکر اختیار
کے خلاف اس کا اپنا حِس ہی کھلی دلیل ہے
پتھر سے کوئی شخص نہیں کہتا کہ آ
ڈھیلے سے کون وفادار چاہتا ہے(اس لئے کے اس میں حس ہی نہیں ہے۔)

انسان سے کوئی نہیں کہتا ہاں اُڑ، اندھے شخص سے کوئی

نہیں کہتا: آ مجھے غور سے دیکھ (اس لئے کہ ان میں اس کی حس ہی نہیں ہے۔)

حکم دینا، منع کرنا، غصہ کرنا، اعزاز دینا، اتباع کرنا اے

پاک دل یہ سب امور مختار ہی کے لئے ہیں

(یہ سوچنا کہ) آنے والے کل کے دن میں یہ کروں گا وہ کروں گا

اے عزیز! یہ سوچ وفکر اور احساس خود اختیار کی دلیل ہے۔

سارا کلام مجید امرونہی اور وعید سے بھرا پور ہے

سنگ مرمر کو حکم کرنا کہیں سنا اور دیکھا گیا ہے

(مطلب یہ کہ قرآن کا مخاطب صاحب اختیار ہی ہے)

کیا کوئی سمجھ دار آدمی ڈھیلے اور

پتھر سے غصہ اور کینہ رکھتا ہے؟

اساتذہ اور معلمین طلبا کو مارتے اور پیٹتے ہیں کیا اس طرح

کی تادیبی کارروائی پتھروں کے ساتھ کی جاتی ہے۔

کیا تم پتھر سے یہ کہتے ہو کہ کل آ۔

اگر نہیں آیا تو تجھے میں سزا دوں گا؟

وہ خالق جس نے ستاروں اور آسمان کی تخلیق فرمائے جاہلوں

کی طرح کیسے حکم دے سکتا ہے اور کیسے منع کرسکتا ہے؟

مولانا جلال الدین رومی مذہب جبریہ کے ابطال میں رقم طراز ہیں:

ایک شخص درخت پر چڑھا اور چوروں کی طرف بہت سارے پھل توڑنے لگا۔

باغ کا مالک آ پہنچا اور اس سے کہنے لگا: اے کمینے! تو کیا کر رہا ہے۔ خدا سے تیرا ڈر اور شرم کہاں چلی گئی؟

جواب دیا: خدا کے باغ سے خدا کا بندہ کچھ کھجوری کھا رہا ہے، جو کہ اس کو خدا نے دی ہیں۔

تو جاہلوں کی طرح یہ کیا ملامت کر رہا ہے؟ خداوند غنی کے دسترخوان پر یہ کیسی بخیلی اور کنجوسی؟

یہ سن کر باغ کے مالک نے اپنے نوکر سے کہا کہ ایک رسی لاؤ، تاکہ میں اس مکار کو جواب دوں۔

پھر اسی وقت اس نے اس کو درخت سے کس کر باندھ دیا اور ایک مضبوط لاٹھی لے کر اس کی کمر اور پنڈلی پر مارنا شروع کیا۔

اس نے چیخ کر کہا: خدا سے شرم کر، مجھ بے قصور کو کیوں بری طرح مار رہا ہے۔

اس نے کہا: یہ خدا کی لاٹھی ہے۔ یہ اس کا بندہ دوسرے بندے کی پشت پر مار رہا ہے۔

لاٹھی خدا کی، کمر اور پہلو بھی خدا کی ملک، میں اس کے تابع اور اس کے حکم کا غلام ہوں۔

اس وقت کہنے لگا: اختیار ہے، اختیار ہے، اختیار ہے، میں جبری عیار سے توبہ کرتا ہوں۔

جو کسی بھی کام کی طرف تمہارا میلان ہو تو تم کھلے طور پر اپنی قدرت کا معائنہ کر لیتے ہو (یعنی سمجھ جاتے ہو کہ میں قادر ہوں مختار ہوں)

اور جس کام کی طرف تمہارا میلان نہیں ہوتا تو تم خود کو مجبور سمجھتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔

اس قسم کے جبر کو ترک کر دو یہ حقیقت سے خالی ہے۔ تا کہ تم جبر کے راز کو بھی جان لو۔

جبر کا راز یہ ہے کہ افعال کا موجد اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن جو فعل بندے کے اختیار سے صادر ہوتا ہے اور جو فعل بندے کے اختیار کے بغیر صادر ہوتا ہے۔ درحقیقت اس کے درمیان ایک فرق ہے۔ جیسا کہ مولانا روم علیہ الرحمہ نے اس کی تفسیر کی ہے۔

اے دل! جبر واختیار میں فرق کے لئے ایک مثال لے آو

تاکہ تم جان لو جبر کیا ہے، اختیار کیا ہے۔

ایک وہ ہاتھ ہے جو رعشہ کی وجہ سے لرز رہا ہو حرکت

کر رہا ہو اور ایک وہ ہاتھ ہے جس کو تم حرکت دے کر اپنی

جگہ سے ہٹاؤ۔

دونوں حرکتیں خدا کی پیدا کردہ سمجھو۔ لیکن تم رعشہ کی

حرکت کو اختیاری حرکت پر قیاس نہیں کر سکتے۔

ہاتھ کو تم نے خود حرکت دی ہے لہٰذا اس سے تم پشیمان ہو

رعشہ والا پشیمان نہیں ہے۔

یہ عقلی بحث ہے اور عقلی بحث کی کوئی خاص کہ عقل حیلہ گر

شاید وہ ضعف ہی کی حالت میں حقیقت تک پہنچے۔

خدا کا فعل اور ہمارا فعل دونوں دیکھ لو۔ ہمارا فعل نیست

نہیں ہست ہے اور یہ بات ظاہر ہے۔

اگر درمیان میں ہمارے فعل ہی کا وجود نہ ہو تو پھر کسی بھی

شخص کو یہ نہ کہو کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟

ہمارے افعال کا خالق فعل حق ہے اور ہمارا فعل فعل خالق

کے آثار میں سے ایک اثر ہے۔

اس لئے کہ معنے سے بے غرض ہو کر بولنے والے کی نظر صرف حرف پر ہوتی ہے۔ وہ بیک وقت حرف و معنی کا احاطہ کیوں کر سکتا ہے۔

اگر معنی پر جائے تو حرف سے غافل ہو جائے گا اس لئے کہ کسی بھی طرف دیکھنے والا بیک وقت آگے اور پیچھے دیکھ نہیں سکتا۔

مرد کامل کی نظر کھلے طور پر حرف و معنی دونوں پر ہوتی ہے وہ یقین رکھتا ہے۔ شک میں مبتلا نہیں ہے۔

خدا کے اختیار نے بندے کے اختیار کو نیست کر رکھا ہے اور اس کا اختیار گرد و غبار میں پوشیدہ سواری کی طرح پوشیدہ ہے۔

اصل جہان کے اختیارات پر اللہ تعالیٰ کی قدرت ان اختیارات میں سے کسی بھی ایک اختیار کی نفی نہیں کریگی۔

تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو تو پھر جبر اور ضلال کی نسبت اللہ کی طرف کیوں نہیں کی جاسکتی۔

تم کیوں کر کہہ سکتے ہو کہ میرا فسق و فجور میں مبتلا ہونا اللہ کے ارادے سے ہے۔ تمہارے اپنے ارادے کا بھی جائزہ لو کہ تم بھی ارادہ رکھتے ہو۔

اس لئے کہ تمہارے ارادے کے بغیر تمہارا فسق بھی ممکن نہیں ہے تو فسق و جبر کو جمع کرنا قول بالتناقض ہے۔

حاصل کلام!

ہم مقلدین کو اس قسم کے مقدمات میں بحث و گفتگو کرنا ممنوع ہے۔ اور اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ خیر اور شر ہر دونوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ ہاں! اس مسئلہ کا حل فنا اور بقا پر موقوف ہے۔ قیل و قال میں میسر نہیں ہے۔ پھر خط و کتابت کے ذریعہ کیا حل ہوسکتا ہے۔ اللّٰہ یشرح صدرکم ویرفع قدرکم بحرمۃ سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۱۸)

سوال : مسئلہ وحدت الوجود دلائل شرعیہ سے ثابت ہونے کی صورت میں اس کے منکر کو کافر یا فاسق قرار دینا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب : اس کا جواب یہ ہے کہ جو چیز دلیل شرعی سے ثابت ہو، اس کا انکار کرنے والا کافر یا فاسق ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ فرضِ غیر متفق کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوتا ہے بلکہ فاسق ہوتا ہے اور اسی طرح واجب غیر متفق کا انکار کرنے والا فاسق نہیں ہوتا ہے جس کا وجوب کسی مجتہد کے نزدیک ثابت نہ رہے۔ اور اسی طرح ایسی سنت کا انکار کرنے والا جس کا ثبوت خبر متواتر اور خبر مشہور سے نہیں بلکہ خبر واحد سے ہے،

کافر اور فاسق نہیں ہوتا بلکہ بدعتی اور گنہگار ہوتا ہے اور اسی طرح ایسے مستحب کا انکار کرنے والا جسکا ثبوت استحباب، حدیث سے نہیں ہے، وہ نہ کافر ہے نہ فاسق، نہ بدعتی، نہ گنہگار جیسا کہ اصول کی کتابوں اور کتاب مفتاح الصلوٰۃ میں ہے۔

اب جاننا چاہئے کہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا مسئلہ مجتہدان باطن کے قیاس سے اور وجود کی اثنینیت کا مسئلہ وجود اصلی سے مجتہدین ظاہر کے قیاس سے مستنبط ہے۔ یہ تینوں مسئلے اہل سنت کے اجتہادی مسائل میں سے ہیں اور ان میں اختلاف، مذاہب اربعہ کے اختلاف کے مانند ہے۔

ادلۂ شرعیہ میں کسی عامی مقلد کا قیاس کوئی دخل اور وزن نہیں رکھتا جیسا کہ اصول کے کتابوں میں ہے۔

امام ربانی جلد دوم کے ۵۵ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں احکام شرعیہ کے اثبات میں معتبر کتاب اور سنت ہے اور مجتہدین کا قیاس و اجماع امت بھی مثبت احکام ہے۔ ان چار ادلۂ شرعیہ کے بعد کوئی دلیل احکام شرعیہ کی مثبت نہیں ہوسکتی۔

مقلد، مجتہد کی تقلید کے سوا چارہ نہیں رکھتا ہے البتہ ان اختلافات اجتہادیہ (مذاہب اربعہ) میں سے کسی ایک مذہب کو پسند کرنے کا مختار ہے لیکن طعن اور انکار کی صورت میں تعزیر و ملامت اور سرزنش کے قابل ہے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولوی نوراللہ کے نام لکھے ہوئے مکتوب میں فرماتے ہیں۔ قائلین توحید وجودی میں سے جو شخص بھی جادۂ اعتدال سے پیر باہر رکھے تو نوبت، الحاد و زندقہ تک پہنچا دے گی۔ ضرور ضال اور گمراہ ہوجاتا ہے اور اسی طرح قائلین توحید شہودی میں کوئی شخص جادۂ اعتدال سے قدم باہر رکھتے ہوئے علماء و صوفیاء کے گروہ کثیر کی تکفیر و تضلیل کرے تو

ضرور قابل طعن و ملامت ہے۔

نیز مولانا اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں کہ ایک عامی شخص جو ہنوز صوفیائے صافیہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچا ہے اور نہ عالم متکلم ہے۔ وہ اس بات کا مکلّف ہے، کہ اجمالی طور پر یہ جانے کے صوفیہ صافیہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حق ہے اور میرا فہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتا متشابہات قرآن پر ایمان کی طرح۔

ملاّ علی قاری ''رسالہ سمّ القوارض'' میں فرماتے ہیں: کہ احناف کے درمیان یہ بات جو مشہور ہے وہ قول مخترع و مبتدع ہے کہ اگر حنفیہ، شافعی مذہب کی جانب منتقل ہو جائیں تو ان کی تعزیر کی جائے۔ اور اگر شافعیہ، مذہب حنفی کی جانب منتقل ہو جائیں تو ان کو معزول کیا جائے۔ ہاں اگر یہ انتقالِ مذہب، مذہبِ اول سے سرکشی و طغیانی کی وجہ سے ہو تو ضرور تعزیر کی جائے خواہ وہ حنفی ہو یا شافعی۔

نویں صدی ہجری کے مجدد و مجتہد اور احادیث نبوی کے حافظ شیخ جلال الدین سیوطی جزیل المواہب فی اختلاف المذاہب میں فرماتے ہیں۔ یہ بات بڑی تعجب خیز ہے کہ کچھ لوگ اس طرح سے بعض مذاہب کی فضیلت بیان کرتے ہیں کہ اس سے دوسرے مذاہب کی تنقیص لازم آتی ہے اور اس سے بسا اوقات بے علم نادانوں کے درمیان خصومت و دشمنی اور جنگ و جدال کی فضا پیدا ہو جاتی ہے اور یہ چیز تعصب اور حمیت جاہلیہ کا سبب بن جاتی ہے۔ البتہ علماء حق کا دامن اس قسم کی آلودگیوں سے پاک و صاف ہے۔ اور بے شک مسائل فروعیہ میں صحابۂ کرام کے درمیان بھی اختلافات رونما ہوئے حالانکہ یہ حضرات خیر امت ہیں۔ لیکن انہوں نے کبھی آپس میں ایک دوسرے سے دشمنی و عداوت نہیں کی اور نہ ہی ایک دوسرے کو خطا اور غلطی سے منسوب کیا۔

اس بیان سے ظاہر ہوا کہ جو دلیل شرعی سے ثابت ہو، اس کا منکر کافر یا فاسق ہونا ضروری نہیں اور کوئی عامی مقلد، اختلافاتِ اجتہادیہ میں انکار وطعن کرے تو وہ مطعون اور قابل ملامت وسرزنش ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۱۹)

سوال : مسئلہ وحدت الوجود کشف والہام سے ثابت ہونے کی صورت میں دوسروں پر حجت ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب : اس کا جواب یہ ہے کہ مسئلہ وحدت الوجود کشف مجرد نہیں کہ دوسروں پر حجت نہ ہوگا۔ وہ تو کشف مدلل ہے جس پر دلائل عقلیہ ونقلیہ قائم ہیں۔ پھر کیسے حجت نہیں ہوسکتا۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنے فتویٰ میں فرماتے ہیں:

وحدت الوجود حق اور واقع کے مطابق ہے کیونکہ اس کے ثبوت پر دلائل عقلیہ اور نقلیہ قائم ہیں جیسا کہ شیخ علی مہایمی گجراتی کی تصنیف ادلۃ التوحید میں مشروح اور مبسوط ہے۔

بالخصوص اس مسئلہ کی تفصیل اور اس کے دلائل کتاب اجلۃ التائید شرح ادلۃ التوحید میں دیکھنا چاہئے۔ جو شیخ ابراہیم کردی کی تصنیف ہے۔ اس کے ساتھ چند دلائل فتویٰ غایۃ التحقیق کے پانچویں سوال کے جواب میں پیش کئے گئے ہیں، وہاں دیکھ لیں، الغرض مسئلہ وحدۃ الوجود کشف مجرد نہیں بلکہ کشف مدلل ہے جو دوسروں پر حجت ہوسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۲۰)

سوال : صاحب کشف کو اپنا کشف قرآن وسنت پر پیش کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب : اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہاں، صاحب کشف کو اپنا کشف قرآن وحدیث اور شریعت کے مقابل پیش کرنا لازم ہے۔ اسی لئے صاحبان کشف اپنے کشف کو قرآن وحدیث کے مقابل پیش کرنے سے بہت سی دلیلیں پائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید سے یہ ہیں۔ اینما تولوا فثم وجه الله تم جدھر منہ کرو ادھر وجہ اللہ ہے (خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہے) سنریهم ایاتنا في الافاق الخ ہم ان کو دکھلائیں گے اپنے نمونے دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں، یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ یہ ٹھیک ہے۔ کیا تمہارے رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں۔ سنو۔ انہیں ضرور اپنے رب سے ملنے میں شک ہے سنو وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

هو الاول والآخر الخ وہی ہے اول وہی آخر، وہی ظاہر وہی باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔ نحن اقرب اليه الخ اور ہم اس کے پاس ہیں تم سے مگر تمہیں نگاہ نہیں۔ ونحن اقرب اليه من حبل الوريد اور ہم شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں وفي انفسكم افلا تبصرون۔ اور وہ خود تمہارے نفوس میں ہے کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔ واذا سالك عبادي الخ اے میرے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں۔ وما رميت اذ رميت الخ۔ اے محبوب، وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی وكان الله بكل شيئ محيط اور ہر چیز پر اللہ کا قابو

ہے۔ اللّٰــہ نــور السموات و الارض۔ اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، کــل شیئی ھـــالك الاو جھـــہ۔ ہر چیز فانی ہے سوائے اسکی ذات کے۔ ویــبـقــی و جــہ ربك ذوالــجــلال و الاکــرام اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات کی عظمت اور بزرگی، اور احادیث شریف میں یہ ہیں۔ اہل عرب کی باتوں میں سب سے زیادہ سچی بات لبید کا قول ہے:

الا کل شیئی ماخل اللّٰہ باطل وکل نعیم لامحالة زائل

اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے اور لامحالہ ہر نعمت زائل ہونے والی ہے و لا یزال عبــــــدی الخ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ قرب حاصل کرتا رہتا ہے تو میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں۔ جب اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

و ان احــد کــم اذا قــام الخ اور بیشک تم میں سے کوئی شخص جب نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے تو وہ یقیناً اپنے رب سے مناجات کرتا ہے بلاشبہ اس کا رب اس کے درمیان اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔ و ان اللّٰــہ یــقــول اذا مرضت الخ بے شک اللہ بندے سے کہے گا جب میں مریض ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی اور میں بھوکا رہا تو، مجھے کھلایا نہیں (بندہ کہے گا پروردگار تو کیسے بیمار ہو سکتا ہے تو تو دوسروں کو بیماری سے نجات دیتا ہے۔ اللہ کہے گا، بے شک ٹھیک ہے، لیکن فلاں وقت میں میرا فلاں بندہ بیمار تھا، اگر تو اسکی عیادت کرتا تو وہاں مجھے پالیتا یعنی میری خوشنودی حاصل کرتا۔

اور انجیل متی کے ۲۵ ویں باب میں بھی یہی بات آئی ہوئی ہے اور ترمذی نے

ایک طویل حدیث کی روایت کی ہے والذی نفس محمد الخ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص رسّی کو ساتویں آسمان سے زمین کی طرف ڈال دے تو اللہ پر ہی اترے گی یعنی اللہ ہر شئی پر محیط ہے۔ پھر حضور اکرمؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ھو الاول والآخر والظاھر والباطن و ھو بکل شئی علیم۔

ان صحیح احادیث کے علاوہ بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

شیخ ابراہیم کردی: اجلة التائید فی شرح ادلة التوحید۔ میں فرماتے ہیں کہ جمہور متکلمین نے مذکورہ آیات واحادیث کی تاویل کی ہے۔ چنانچہ ان کی تصریحات یہ ہیں۔

آیت فاینما تولو فثم وجه الله۔ میں الوجه۔ سے مراد توجہ فی الصلوٰۃ ہے۔

اور آیت حتیٰ یتبن لهم انه الحق ۔ میں الحق۔ سے مراد اس کا خالق ہے۔

اور آیت بکل شیئی محیط ۔ میں احاطه ۔ سے مراد علم ہے۔

اور آیت ھو الاول والآخر والظاھر۔ سے کثرت دلائل مراد ہے۔

اور آیت نحن اقرب الیه من حبل الورید۔ میں قرب سے مراد معیت اور علم ہے۔ اور وما رمیت اذارمیت ۔ کی آیت میں اللہ کا اپنی طرف رمی کی نسبت کرنے سے مراد حضور اکرم ﷺ کو قوت عطا کرنا ہے۔ اور حضورؐ کی حدیث کنت سمعه و بصره سے آیات الٰہیہ کو دیکھنے اور سننے والا مراد ہے اور لهبط علی الله سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے علم سے نازل ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ ساری تاویلات وحدۃ الوجود یا حلول وغیرہ کے شبہات سے بچنے کے لئے کی گئی ہیں۔ لیکن یہ سب ظاہر کے خلاف ہیں اور بعض آیات اور احادیث کے اندر استدلال کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے ہم ان سارے شبہات کو وحدۃ الوجود کے اثبات

سے دور کریں گے جس کے بعد کوئی ایسا شبہ باقی نہیں رہیگا جو تاویل کا متقاضی ہو۔

امام ربانی باوجود اس کے کہ اس مسئلہ کے اندر مخالف ہیں، جلد اول کے ۲۸۶ ویں مکتوب میں اعتراف کرتے ہیں، کہ ظہور آیات واحادیث سے وجود کا ایک ہی ہونا معلوم ہوتا ہے اور اسی طرح سریان قرب اور معیت معلوم ہو رہا ہے بلکہ اہل اللہ تو وحدۃ الوجود کو بطریق وجدان اپنے اندر پائے ہوئے ہیں۔

قیصری ''مقدمہ تائیہ'' میں فرماتے ہیں۔ وجود میں سے جو سمجھ میں آتا ہے وہ صرف ایک ہی چیز ہے۔ اس کا مکابرہ کرنے والا اپنے وجدان سے نزع وخلاف کرنے والا ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ کبیر صدر الدین قونوی کی تصانیف اور شیخ فقیہ علی مہابی گجراتی کی کتاب ''ادلۃ التوحید'' اور شیخ ابراہیم کردی کی کتاب ''شرح ادلۃ التوحید'' اور قیصری کی کتاب ''مقدمہ فصوص الحکم'' وغیرہ میں تفصیلات دیکھ لیجئے۔

صوفیاء اور علماء کے اقوال کی کوئی حد اور حصر نہیں ہے البتہ علمائے متاخرین (جو تیرھویں صدی ہجری میں گذرے ہیں) چند اقوال فتویٰ غایۃ التحقیق میں نقل کئے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے وہ سب کچھ واضح ہوگا، جو ارباب کشف اپنے کشف کو شریعت کے مقابل پیش کئے ہوئے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۲۱)

سوال : کیا صوفیائے کرام کے اکثر مسائل ظاہری شریعت کے خلاف ہیں؟

جواب : اس سوال کا جواب یہ ہے کہ شریعت کے باطنی مسائل ظاہری شریعت سے اختلاف نہیں رکھتے، کیونکہ اہل باطن ظاہری معنوں کو قبول کر لینے

کے ساتھ ساتھ دوسرے معانی بھی رکھتے ہیں، جن کی تردید ظاہری شریعت نہیں کرتی، لیکن ان معانی کو عوام الناس کی عقلیں سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انی جاعل فی الارض خلیفة نیز فرماتا ہے وعلم آدم الاسماء کلھا اور اخبار و آثار اور تورات کے دفتر اول باب اول میں ان اللہ خلق ادم علی صورتہ وارد ہے۔

نیز اخبار اور انبیائے سابقین کے صحیفوں میں من عرف نفسہ فقد عرف ربہ آیا ہوا ہے۔ نیز میرا بندہ مجھ سے تقرب حاصل کر لیتا ہے تو اسکا کان ہو جاتا ہوں اور جب اس کو دوست بنا لیتا ہوں اور اسکی زبان بن جاتا ہوں۔ نیز میں بیمار ہوا اور تو نے میری عیادت نہیں کی میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو اسکی عیادت کرتا تو گویا میری عیادت کیا ہوتا۔

اور بھی اس جیسی بہت سی مثالیں وارد ہوئی ہیں۔ ان نصوص و مقدمات کا صحیح حل مذکورہ اخبار و احادیث کے ایسے (باطنی) معانی کے انکشاف پر موقوف و مبنی ہے کہ اکثر ارباب فہم ان معانی کے سننے کی تاب و طاقت نہیں رکھتے (چنانچہ یہی وجہ ہے کہ) وہ تعلیم اسماء اور معنی خلافت سمجھنے سے قاصر رہے گئے۔ اور لفظ صورت کے معنی کے تعلق سے تشبیہ میں پھنس کر یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ، صورت سے مراد ظاہری صورت ہی ہو سکتی ہے، اور بعض حلول و اتحاد کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان معانی کے سمجھنے میں عقلمند افراد کا یہ حال ہو تو ناسمجھ لوگوں کا حال کیا ہوگا۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ لوگوں سے ان کی عقل و فہم کے مطابق گفتگو کیا کرو۔ نیز یہ ارشاد ہے کہ ان امور کو چھوڑ دو جن سے لوگ نامانوس ہیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔

یہ حدیثیں مذکورہ حقائق و معانی کے اعلان و اظہار کے حق میں رکاوٹ

پیدا کرتی ہیں اور شریعت ان کے اظہار کی اجازت نہیں دیتی ہے۔ دراصل ان حقائق و معانی کا انکشاف صحیح سلوک وتربیت اور جذبۂ معرفت الٰہی پر موقوف ہے حجۃ الاسلام امام محمد الغزالی کی تصنیف کیمیائے سعادت میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔

نیز اہل ظاہر نے وحدۃ الوجود اور حلول وغیرہ کے بے بنیاد شکوک وشبہات سے بچنے کے لئے چند دوسری آیتوں اور حدیثوں کی تاویلات کی ہیں جن کی تفصیل فتویٰ غایۃ التحقیق میں سپرد قلم ہے۔

کوتاہ بیں افراد قرآن کریم کے معانی ومطالب کو ظاہری تفسیر میں منحصر سمجھتے ہیں اور اہل باطن کے بیان کردہ معانی وحقائق کو تحریف قرآنی تصور کرتے ہیں۔

صاحب امحاض النصیحہ فقیہ علی مہایمی گجراتی، شیخ ابن عربی پر تنقید اور طعن و تشنیع کرنے والے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ اس معاملہ میں گدھے کی طرح رینک رہا ہے اور اس عورت کی طرح چیخ و پکار کر رہا ہے، جس کا بچہ مر چکا ہو، اور وہ یہ کہتے پھر رہا ہے کہ شیخ قرآن میں تحریف کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ تو قرآن کے ظاہری معانی کو بدستور برقرار رکھتے ہوئے بطریق اشارہ ان اسرار وحقائق کا استخراج کرتے ہیں، جن کے سمندر کبھی پایاب نہیں ہوتے اور شیخ نے کبھی اس تفسیر باطنی کے ذریعہ تفسیر ظاہری کی نفی نہیں کی بلکہ خود طعن و تشنیع کرنے والے کا مذکورہ اعتراض اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تردید کر رہا ہے۔ مافرطنا فی الکتاب من شیئی باوجودیکہ ظاہری اعتبار سے قرآن کریم میں بہت سے امور نہیں ہیں حالانکہ منزل قرآن میں یہ دعویٰ ہے کہ ہم نے قرآن کے اندر کوئی چیز نہیں چھوڑی بلکہ ہم نے تمام چیزوں کا احاطہ کیا ہے۔ نیز اس ارشاد خداوندی کی بھی تردید ہو جاتی ہے۔ قل لو کان البحر

مـدادالـكـلـمـات الآية۔اور حضورؐ اکرم کے اس ارشادِ مبارک کی نفی لازم آتی ہے، بے شک قرآن کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور اس کے لئے حدود ہیں، اور ان حدود کے لئے ایک مطلع بھی ہے۔اس بیان سے واضح ہوا کہ چند آیات و احادیث کے دوسرے معنی جو اہل باطن کے کشف و تحقیق سے ماخوذ ہیں۔ جو شریعت سے ہم آہنگ اور اس کے موافق ہیں۔البتہ ان معانی کے سمجھنے سے اہل ظاہر کی عقلیں قاصر ہیں اور کوتاہ نظر ان معانی کو تحریف تصور کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۲۲)

سوال : کیا اسرار و حقائق اور ان کے دقیق معانی عوام سے پوشیدہ رکھنا ضروری ہے؟

جواب : اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اسرار و حقائق کے دقیق معانی عوام سے پوشیدہ رکھنا ضروری ہے تا کہ یہ چیزیں انہیں تشکیک وانکار اور علماء وصوفیاء کی تکفیر و تضلیل تک نہ پہنچادیں۔چنانچہ کـلـمـوا الناس الخ اور دعـوا ممماینکرون کی حدیثیں اس حقیقت کی نشاندہی کر رہی ہیں۔

مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی سورۃ التسائل کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

اس سورۃ میں مقصود بیان یہ ہے کہ حقائق امور اخرویہ، ذات وصفات، مسئلہ قضاوقدر، جبر واختیار، توحیدی وجودی، توحید شہودی، مشاجرات صحابہ اور احکام شرعیہ کی حکمتیں جو لوگوں کی عقل وفہم سے بالاتر اور ان کی سمجھ بوجھ سے باہر ہے۔ان مسائل

کے بارے میں زیادہ سوالات کرنا نہایت قبیح اور مذموم ہے۔اس لئے کہ لوگ (ان حقائق کے دقیق معانی نہ سمجھنے کی بناپر) انکار کر بیٹھتے ہیں ورنہ کم از کم (یہ مسائل ومباحث) اکثر کے ذہن میں تشکیک کا باعث ہوتے ہیں۔حالانکہ ایمان ان چیزوں سے متعلق زیادہ تحقیق وتفتیش کرنے اوران اموروںمسائل کی کمیات وکیفیات کی تفصیلات جاننے پر موقوف نہیں ہے۔اور یہی وہ خطرناک مرض ہے جو اس امت میں گمراہ فرقہ بندی اورعقائد میں بگاڑ کا باعث بن کرایک عالم کے ایمان کو ہوامیں اڑادیا ہے۔غرض اللہ تعالیٰ نے مذکورہ سورہ میں اس صورتِ حال (مذکورالصدر مسائل وامور میں تحقیق و تفتیش اور کثرت سوال ومباحثہ) کی قباحت بیان کی ہے،تاکہ لوگ اس قسم کے مسائل میں الجھنے سے احتراز کریں اور گمراہی وضلالت کے بھنور میں نہ پھنس جائیں۔

مولانا شیخ ابراہیم کُردی جو مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پیر ومرشد ہیں ''اجلۃ التائید'' فی شرح ادلۃ التوحید میں فرماتے ہیں:

اہل باطن کا یہ فرمان کہ اسرار ربوبیت کا افشاء اوراظہار،کفر ہے۔اس خیال کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ان معانی وحقائق اور دقائق تک عوام کے فہم کی رسائی نہیں ہوسکے گی۔اور حضور اکرم ﷺ نے ہدایت دی ہے کہ جس کسی نے لوگوں کے روبرو ایسی نئی اور نامانوس بات کہہ دی جسے ان کا فہم اخذ نہ کرسکا تو یہ صورت حال بعض لوگوں کے لئے فتنہ ہوگی اور یہی چیز اولیائے کرام کے انکار اور بالخصوص ان کی تکفیر کا باعث ہوگی۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک بعضے علوم پوشیدہ صورت ہیں جن سے عارف باللہ نفوس ہی واقف ہوتے ہیں اور جب وہ ان علوم ومعارف اور حقائق کو اپنی زبانوں پر لاتے ہیں تو وہی لوگ ان علوم کا انکار کرتے ہیں جو اللہ کے تعلق سے

مبتلائے فریب ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ علمائے سلف اہل استعداد ہی کو ان حقائق و معارف کی طرف رہنمائی کرتے تھے اور نا اہل کو ان چیزوں سے باز رکھتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے۔ جس نے یہ دولت علم کسی نا اہل کو عطا کی تو گویا اس نے یہ نعمت ضائع کردی۔ اور جس نے کسی صاحب استعداد سے اس نعمت کو چھپایا تو ظلم کیا۔ اور اس علم کے باب میں عوام کے نقصان اٹھانے کا سبب یہ ہے کہ جب وہ کسی حیثیت اور جہت سے سمجھ نہیں پا رہے ہیں تو وہ ان حقائق کو یا تو قبول کرینگے یا قبول نہیں کرینگے۔ اگر قبول نہ کریں تو اس علم کے عارفین کا انکار کریں گے اور بعض اوقات ان کے قتل اور ان کی تکفیر واہانت پر جری و بے باک ہو جائیں گے، بیشتر عوام اسی نوع کے ہیں۔ اگر قبول کریں تو اس علم کی پہنائیوں کو سمجھ نہ سکیں گے اور کبھی اپنے لئے ربوبیت کا دعویٰ کریں گے اور کبھی اپنی ربوبیت کے زعم میں، اباحیت اعمال کے مرتکب ہونگے۔ اس دعوے کے ساتھ کہ ان کے لئے ربوبیت حاصل ہے، نیز اس ادعاء کے ساتھ کہ یہ امور ان کے اندر عموماً ظلمت و تاریکی کا باعث نہیں ہوتے۔ حالانکہ یہ تمام دعوے اور مزعومات بے سروپا اور گمراہی و باطل ہیں۔ بھلا انہیں الوہیت کیونکر حاصل ہوسکتی ہے جبکہ وہ اپنی ذات سے موجود نہیں ہیں بلکہ ان کا وجود غیر کا رہین منت ہے، اسی طرح وہ نفس وجود ہی نہیں ہیں۔ غرض وہ نہ تو اپنی شخصیتوں کے اور نفوس کے خالق ہوسکتے ہیں نہ زمیں و آسمان کی تخلیق کے مالک بن سکتے ہیں، پھر بھلا ان کے اندر بظاہر جو جو اعمال شنیعہ کو اپنے نفس کی ظلمت و کثافت کے سبب اختیار کرلیا ہے۔ اگر چہ کہ انہیں اسکا احساس و شعور نہیں ہے، اسی لئے محققین نے فرمایا : ہر وہ حقیقت جس کو شریعت نے رد کردیا ہو، وہ باطل ہے اور ہر وہ شریعت جو اپنے عامل کو اپنے اسرار حقیقت کی طرف مائل نہ کرے وہ معطل اور بے ہودہ ہے۔

اور امام ربانی مکتوبات کی جلد ثالث مکتوب ۹۵ میں اسرار الٰہیہ کے اخفاء سے متعلق فرماتے ہیں:

اگر اس نظام کا تھوڑا سا حصہ جو اس بارگاہ سے مربوط ہے، ظاہر کیا جائے یا ایک اشارہ بھی جو ان معاملات سے، جو اس کارخانہ سے وابستہ ہے، ظاہر کیا جائے تو شہ رگ کاٹ دی جائے اور گردن اڑا دی جائے۔ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان بعض علوم و معارف کے اظہار کے سلسلہ میں جو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اخذ کئے تھے، قطع البلعوم کہتے ہیں تو دوسروں کے تعلق سے کیا کہا جا سکتا ہے۔ حقائق اور غوامض اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ اپنے نہایت خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے اور نا اہل اشخاص کو اس کے آس پاس بھی بھٹکنے نہیں دیتا۔ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے جو سارے عالموں کے لئے رحمت ہیں۔ اپنے کمال معرفت اور وفورِ قدرت کی بناء پر یہ اسرار و رموز ابو ہریرہ وغیرہ کو عنایت فرمایا، اور فیض حاصل کرنے والوں کی استعداد اور قابلیت کا اندازہ کرتے ہوئے ان پوشیدہ موتیوں کو ان پر نچھاور کیا۔

اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں:

اگر تو واقعی عاشق صادق ہے تو ان اسرار و رموز کو بر سر عام بیان نہ کر۔ کیا نہیں دیکھا غلبۂ سکر اور مستیٔ عشق سے سرشار ہو کر حلاج نے ایک راز فاش کیا جس کے سبب سولی پر چڑھایا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۲۴۳)

سوال : کیا صوفیائے ذوی الاحترام کی اصطلاحات کی تشریح اور توضیح، عالم متبحر اور مرشد مستقل کی ذات پر موقوف ہے؟

جواب : اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت میں صوفیاء صافیہ جو کہ برگزیدۂ انام اور اسلام کرام کا بقیہ نمونہ ہیں، انہوں نے تعلیم و تربیت، اور ذوق و شوق پیدا کرنے کے لئے قرآن کریم اور احادیث کے غوامض و دقائق ہی سے استنباط نہیں کیا بلکہ ان کے ظواہر سے بھی استخراج کیا ہے۔ اور کیا سلوک و معاملات اور کیا حقائق و مکاشفات، دونوں ہی باب میں بہت ساری اصطلاحات مقرر کی ہیں اور کئی تصنیفات وتالیفات تحریر کی ہیں جیسا کہ ائمہ مجتہدین و جلیل القدر علمائے متبحرین نے علوم دین جیسے تفسیر، حدیث، اصول، فقہ اور ان کے علوم آلیہ مثلاً نحو، صرف، اشتقاق معانی اور بیان وغیرہ کی اصطلاحات کے بارے میں متعدد چھوٹی بڑی کتابیں مرتب اور تصنیف کی ہیں اور کسی دین آشنا نے اس کو قابل ملامت بدعت نہیں گردانا ہے۔ اگر بدعت ہی ہے تو اس کو بدعت واجبہ اور مندوبہ ہونا چاہئے۔ جیسا کہ بدعت کی تقسیم میں ائمہ کرام نے اسکی تصریح کی ہے۔ اسی طرح مولوی محمد باقر آگاہ نے ایقاظ الغافلین میں بیان کیا ہے۔

علم ظاہر اور اس کی مصطلحات سے علم و آگہی بغیر مرشد کے کیونکر میسر ہوسکتی ہے لکل فن رجال ہر مردے و ہر کارے، مثل مشہور ہے۔

مثنوی ۔ اگر کسی شخص کو محض علم ظاہری سے خدا شناسی نصیب ہوسکتی تو

امام رازی دین کے رازدار ہوتے''انتباہ'' نامی کتاب میں مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شیخ تاج الدین سنبھلی خلیفہ خواجہ محمد باقی سے حکایت کرتے ہیں کہ شیخ بوعلی الدقاق قدس سرہٗ نے فرمایا: جو درخت بذات خود اگتا ہے اس کے لئے پھل نہیں ہوتا۔ اگر پھل ہو بھی تو وہ بدمزہ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنت وعادت بھی اسباب کے وجود اور لزوم پر جاری ہے جیسا کہ ظاہری توالد وتناسل والدین کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی طرح ولادت معنوی کا حصول بھی بغیر مرشد کے دشوار اور مشکل ہے اور صاحب الرسالۃ المکیہ فرماتے ہیں: جس شخص کا کوئی مرشد ومربی نہیں، شیطان اس کا مرشد ہے۔

طعنہ زن افراد کی طعن وتشنیع کے اسباب میں سے ایک سبب، صوفیاء کی اصطلاحات سے لاعلمی اور عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔

''صاحب نفحات'' شیخ ابن عربی کے حالات میں فرماتے ہیں۔ ناقدین کی تنقید اور تشنیع کا سبب تقلید اور تعصب ہے یا صوفیاء کی اصطلاحات سے لاعلمی وناآشنائی ہے۔ یا پھر ان حقائق ومعانی کی باریکیاں اور پیچیدگیاں ہیں جو ان حضرات نے اپنی تصانیف میں بیان کی ہیں۔ یا اس طعن وتشنیع کا باعث صوفیاء کے کلام کو معنی مشترک یا قریب الفہم معنی پر حمل وانطباق ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۲۴)

سوال :آیت نحن اقرب الیه من حبل الورید اور ان الله علی کل شئی محیط اور حدیث خلق الانسان علی صورته وغیرها اور کتب اعتقادی کی تاویلات جو صوفیائے کرام کے نزدیک متحقق اور ثابت ہیں، وہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب : اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نحن اقرب الیه من حبل الورید اوران اللّٰه علیٰ کل شیئی محیط کی آیت اورحدیث شریف ان اللّٰه خلق آدم علیٰ صورته اوران کے ساتھ ساتھ جن معانی کے قائل ہیں وہ صحیح اور درست ہیں اورشریعت ان کی تردید نہیں کرتی ہے لیکن اس کے معانی کو سمجھنے سے عوام کی عقلیں قاصر ہیں جیسا کہ غایۃ التحقیق میں ذکر کیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۲۵)

سوال : انا من نوراللّٰه و کل شئی من نوری و انا عرب بلا عین و انا احمد بلا میم ۔کی حدیثیں صحیح ہیں یانہیں؟

جواب : اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بعض صوفیاء نے اپنی تصانیف میں حدیث انا من نور اللّٰه و کل شئی من نوری کو نقل کیا ہے اور صاحب فیض عام نے اس کا معنی ومفہوم صفحہ ۴۹ میں اس طرح بیان کیا ہے:

یہی جاننا چاہئے کہ مراد اس حدیث سے یہ ہے کہ ظہور سرورِ عالم ﷺ کا اللہ کے نور سے ہے۔لیکن نہ بطریق تجزی وانتقال واستحالہ کے کیونکہ یہ صفات اجسام کثیفہ کے ہیں، نہ بے چون و بے چگونہ کے بلکہ بطریق فیض کے ہے جیسا ظہور شخص کا آئینہ میں دیکھو تو شخص اپنی ذات اور صفات پر جیسے کا تیسا باقی ہے، پھر ظہور اس کا جو آئینہ میں ہوا ہے سو محض بطریق فیض کے ہے نہ بطریق تجزی واستحالہ وانتقال کے۔پس نسبت اس شخص کی عکس کے ساتھ عینیت کی بھی ہے۔غیریت کی بھی، ویسا ہی سرور عالم ﷺ کی

نسبت کو اللہ کے ساتھ جاننا چاہئے۔ انتہیٰ۔

اس حدیث کی سند ان الفاظ کے ساتھ اگرچہ کہ محدثین و عارفین سلف کی تصانیف میں مل نہ سکی لیکن قیصری نے اس حدیث کے مضمون کو دوسرے الفاظ میں شرح فصوص کی آٹھویں فصل میں حوالۂ قلم کیا ہے۔

چنانچہ لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے، پہلی چیز جو خدا نے پیدا کی وہ میرا نور ہے اور آپ ﷺ نے نور سے عقل مراد لی ہے چنانچہ اس کی تائید آپ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی اولین تخلیق عقل ہے۔ شیخ الہند عبدالحق محدث دہلوی نے بھی مدارج کی پہلی جلد میں اس حدیث کو کسی قدر تغیر کیساتھ نقل کیا ہے کہ تمام اشیاء اسی نور کے مظاہر اور تجلیات ہیں آپ کا ارشاد ہے میں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوں اور مومنین میرے نور سے ہیں اور دوسری روایت یوں ہے انامن نور اللّٰہ والمومنون منی۔

یہ اسی حدیث کی طرف اشارہ ہے اور مومنین کے ساتھ تخصیص وتقئید اتفاقی اور مقتضائے حال کے موافق ہے۔

اور جب نور الٰہی نے اپنے تکوینی وجود کے اعتبار سے تنزل فرمایا تو اس کی وساطت سے عقول، نفوس، لوح، قلم، عرش، کرسی، افلاک، کواکب، ارکان، معادن، نباتات، حیوانات اور انسان پیدا ہوئے، مذکورہ امور میں انسان تمام حقائق کونیہ کا جامع پیکر ہے۔ نیز بعض بزرگوں نے حدیث انا احمد بلا میم کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور اس کا معنی شریعت مطہرہ کے موافق بیان کیا ہے لیکن مستند صوفیاء اور محدثین کی کتابوں میں یہ حدیث نہیں پائی گئی۔

اور حدیث انا عرب بلا عین کی کوئی اصل نہیں ہے، اس کے علاوہ بھی لفظ

عرب میں حرف ''ب'' غیر مشدد اور رب میں مشدد ہے۔ لہٰذا افصح العرب والعجم کی جانب ایسی حدیث کی نسبت کرنا غلطی ہوگی، اگر چہ کہ بعض صوفیاء نے اس کے معنی بھی موافق شریعت بیان کیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۲۶)

کیا ہندوستان دارلحرب ہے؟

یہ فتویٰ ہندوستان کے دارلحرب ہونے اور انگریزوں کے حربی ہونے اور دارلحرب سے ہجرت کرنے اور اس میں سکونت اختیار کرنے اور اس میں سود کھانے سے متعلق ہے۔

آپ کی تحریر ۲۲ جمادی الآخر کو موصول ہوی اور دیگر مسائل کے استفسار سے آگاہی حاصل ہوی۔

اللہ تعالیٰ تمہارے علم اور عمل کے درجات میں اضافہ فرمائے تمہیں سارے مشتبہات و مکروہات اور دارین کی بلاؤں سے اپنی امان میں رکھ کر نجات عطا کرے۔

فقیر ایک مدت سے کتب فقہ کے مطالعہ سے محروم ہے، اور دل بھی مائل نہیں ہے۔ کیا کہا جائے مدتِ زندگی ایسی ہی بسر ہو رہی ہے، جیسی ہماری پرورش ہوی، اور ویسی ہی ہماری روش ہے۔ علاوہ ازیں میں قلیل الفرصت ہوں، تمہارے سوالوں کا جواب دینا بھی ضروری تھا۔ لہٰذا مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کا فتویٰ تمہارے سوال کے

جواب میں روانہ کیا ہوں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس امت کے لئے چراغ ہیں اور شاہ عبدالعزیز دہلوی اور مولانا عبدالعلی لکھنوی، یہ دونوں ہمارے زمانہ میں علوم ظاہر و باطن کے جامع اور خانہ اسلام کے ستون اور ہندوستانی مسلمانوں کی آنکھ ہیں۔

ہدایہ اور مذہب، (ابوحنیفہ) کی دوسری کتابوں میں جو کچھ لکھا ہوا ہے، وہ تو ظاہر ہے اور جو کچھ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مذہب امام اور انگریزوں کے عمل (پالیسی) کی بنیاد پر، ہندوستان کو قول راجح کی بنا پر دارالحرب قرار دیا ہے، یہ تمام تفصیلات تمہاری نظر سے گذر چکی ہوں گی۔ مجھ جیسے ہیچ مدان مقلد میں اتنی ہمت کہاں کہ ائمہ کے عظیم اجتہادات کے بارے میں لب کشائی کرسکوں اور مجھ بے دست و زبان اور بے سرو چشم کو اتنی کہاں طاقت، کہ خانۂ اسلام کے ستون اور ہندوستانی مسلمانوں کی آنکھ کے بارے میں کچھ کہہ سکوں۔

ہاں! دارالحرب میں سود کھانا اور انگریزوں کا حربی ہونا۔ یہ دونوں مختلف فیہ مسئلے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے علاوہ ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) میں سے کسی امام نے دارالحرب میں سودخوری کو جائز نہیں قرار دیا ہے۔ جو لوگ انقلاب حکومت کو جائز نہیں سمجھتے ہیں اور وہ لوگ جو انقلاب کو جائز قرار دیتے ہیں، ان میں سے بھی ایک طائفہ کا قول ہے کہ انگریزوں کے عمل (حکومت اور پالیسی) سے ہندوستان دارالاسلام سے دارالحرب کی طرف منتقل نہیں ہوا، امور مختلفہ میں اگر چہ کہ اجتناب کرنا قول راجح اور درست ہو تو بھی ورع اور تقویٰ کا تقاضہ یہ ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے اور کسی مجتہد کا قیاس خطا پر مبنی اور مرجوح ہو، تب بھی ایسے قیاس پر عمل

کرنا، دائرہ شریعت سے خارج نہیں کرتا۔

قرآن وحدیث، اجماع اور مذکورہ تین چیزوں پر مبنی قیاس کا نام شریعت ہے۔ لہٰذا امام کا اجتہادی مسئلہ بھی مذکورہ چار دلائل شرعیہ میں سے چوتھی دلیل ہے۔ فتویٰ اپنی جگہ ایک چیز ہے لیکن تقویٰ بھی ایک چیز ہے۔

بے حکم شرع آب خوردن خطا است

درخون بفتویٰ بریزی رواست

(پانی بہانا بادی النظر میں ایک معمولی کام دکھائی دیتا ہے، لیکن وہ بھی اگر خلاف شرع بہایا جارہا ہے تو گناہ لازم آئے گا اور خون بہانا ایک عظیم فعل ہے۔ لیکن وہ بھی اگر حکم شریعت کے مطابق بہایا جارہا ہے تو روا، اور درست ہے۔)

حاصل کلام شریعت، صراط مستقیم ہے جو شخص صراط مستقیم سے ایک رائی کے دانہ برابر بھی ہٹ جائے تو وہ جیسے جیسے آگ بڑھتا جائے گا صراطِ مستقیم سے دور ہوتا جائے گا اور یہاں تک کہ اپنی منزل مقصود کو پہنچنے سے محروم رہیگا۔ اللہ تعالیٰ بحرمت سید المرسلین والہٖ ہمیں اور تمہیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

آپ نے دارالحرب میں سکونت ورہائش کے جواز اور عدم جواز سے متعلق بھی استفسار فرمایا تھا۔ آپ نے قرآن کریم میں یہ آیت دیکھی ہوگی، اس کی تفسیر وتشریح معتبر ومستند اور مبسوط تفاسیر میں دیکھئے۔ ان الذین توفھم الملئکة ظالمی انفسھم قالو افیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللّٰہ واسعة فتھا جروا فیھا۔ (جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کررہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان

سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے کہا، ہم زمین میں کمزور تھے، فرشتوں نے کہا کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے)

اور دارالحرب میں سود کا مسئلہ مختلف فیہ ہے سکونت اور چیز ہے، اور سود خوری دوسری چیز ہے۔ ہاں! اگر کوئی شخص کسی غیر مختلف فیہ (متفقہ) امر کا، کسی شرعی حیلہ کے ذریعہ ارتکاب کرے تو لوگوں کے نزدیک مجرم نہیں ہوگا اور قاضی بھی المرء یوخذ باقرارہ۔ (انسان کو اس کے اقرار پر مؤاخذہ کیا جائے گا) کے تحت کسی کے دل پر حکم لگانے کا اختیار نہیں ہے لیکن ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک پکڑا جائے گا کیونکہ دلوں کی پوشیدہ چیزوں کو علام الغیوب اور مالک القلوب کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال سے واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نیکیوں کی توفیق میں زیادتی عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۲۷)

کسی شخص کو کافر کہنے کا حکم

درج ذیل فتویٰ میں مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی کی تکفیر سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ حضرت مکتوب نگار قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ فقیر مولوی اسمٰعیل کی تکفیر کرنے والوں کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان، یزید پلید کی تکفیر نہ کرنے اور سب و شتم نہ کرنے کی وجہ سے اور احتیاط پر عمل کرنے کی وجہ سے مطعون نہیں ہیں تو یہ فقیر احتیاط پر عمل کر رہا ہے تو، اس پر طعن و تشنیع کیوں کی

جارہی ہے۔

شاید یہ حقیقت لوگوں کی نگاہوں سے مخفی اور مستور ہے
کہ ایسی باتوں اور ایسے کاموں میں مشغول و مصروف ہوجانا، جن
سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچے تو یہ نادانوں کا کام ہے۔ خدا
معلوم کہ مسلمانوں کو مولوی اسمٰعیل دہلوی کو کافر قرار دینے میں اور
انہیں ملت اسلام سے خارج کرنے میں اس قدر اصرار و اہتمام اور دلچسپی
کیوں ہے؟

ہزار کفار کو غلطی سے زمرۂ اسلام میں باقی رکھ
کران کو رحمت خداوندی کا مستحق بنادینا یہ ایک کم درجہ غلطی ہے۔ بہ
نسبت اس غلطی کے کہ کسی مسلمان کو زمرۂ اسلام سے خارج کر کے
اس کو عذاب خداوندی کا مستحق قرار دے دیا جائے۔

****

آپ کا استفسار ۵ رجب المرجب ۱۲۶۸ھ کو فقیر کے نام موصول ہوا۔ استفسار میں بعض لوگوں کے افتراء اور بہتان کا سبب مجھ سے پوچھا گیا ہے۔ عزیز مکرم، مجھے کچھ نہیں معلوم کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کون ہیں، ان کا مذہب کیا ہے، کل قیامت کے دن وہ دوزخی ہیں یا جنتی ہیں، مومن ہیں یا کافر ہیں، جو کچھ واقعہ یا حقیقت ہے وہ ظاہر ہوجائیگی۔ لیکن صاحب تکمیل الایمان نے قول و لا نکفر و لا عن کی جانب کفر و لعنت کے رجوع کرنے کے اندیشہ کے متعلق لکھا ہے وہ آپ کی نظر سے گذرا ہوگا۔ علامہ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ وہ مسئلہ جس کا تعلق کفر سے ہے

اگراس میں ۹۹ احتمال کفر کے کے ہوں اور ایک احتمال اس کی نفی کا ہوتو مفتی اور قاضی کے لئے بہتر ہے کہ وہ نفی والے احتمال پر عمل کریں، اس لئے کہ ہزار کفار کو غلطی سے زمرۂ اسلام میں باقی رکھ کر ان کو رحمت خداوندی کا مستحق بنا دینا یہ غلطی کم درجہ اور معمولی ہے، بہ نسبت اس غلطی کے کہ کسی مسلمان کو غلطی سے زمرۂ اسلام سے خارج کر کے عذاب خداوندی کا مستحق قرار دے دیا جائے۔

مسئلہ مذکورہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ اگر قائل اپنے قول کی تاویل کرتا ہوتو اس کی تاویل قبول کی جائے گی۔اور تکفیر وغیرہ کا حکم اس وقت ہے کہ جب قائل نے معنیٰ کفر کا قصد کیا ہو۔حدیث میں آیا ہے رفع عن امتّی الخطاء و النسیان اگر اس سے خطاء یا نسیان ایسا ہوا ہے، تو وہ معاف ہے۔فتاویٰ قاضی خان میں ہے اگر کسی نے غلطی سے کلمہ کفر کا تکلم کر دیا تو اس کی وجہ سے کسی کے نزدیک بھی کافر نہ ہوگا۔

منابیع میں ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں متعدد وجوہ موجب تکفیر ہوں اور ایک وجہ مانع تکفیر ہوتو مفتی پر لازم ہے کہ وہ اس وجہ کو اختیار کرے جو مانع تکفیر ہے مسلمان سے حسن ظن کی وجہ سے پھر اگر قائل کی نیت اسی جانب تھی جو مانع تکفیر ہے، تو وہ مسلمان ہے اگر اسکی نیت اس جانب نہ تھی کہ جو موجب تکفیر ہے تو مفتی کے فتوے سے اسے کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ اسے توبہ اور کلمہ کفریہ سے رجوع اور تجدید کا حکم دیا جائے گا۔

حاشیہ سراجیہ محیط اور ذخیرہ میں ہے کہ مسلمان کافر نہ ہوگا جب تک کہ وہ کفر کا ارادہ نہ کرے، اگر چہ اس نے کلمۂ کفریہ کا تلفظ کیا ہو۔

خلاصہ میں مرقوم ہے کہ ایسا لفظ جس میں چند احتمالات اور وجوہ ہیں، اسکی وجہ سے قائل کافر نہیں ہوگا اس لئے کہ کفر سب سے بڑی سزا ہے۔لہٰذا اس کے لئے جرم بھی بڑا ہونا چاہئے اور

جب لفظ محتمل الوجوہ ہے تو جرم کی شدت باقی نہ رہی تو پھر سزا بھی سخت نہ ہوگی۔

ملتقط میں مرقوم ہے کہ عالم کو چاہئے کہ جب اس کے سامنے اس قسم کا معاملہ پیش ہوتو وہ اہل اسلام کی تکفیر میں جلد بازی سے کام نہ لے۔ حالانکہ یہ اس کو معلوم ہے کہ اگر کسی کو تلوار کے خوف سے کلمۂ کفریہ کے تلفظ پر مجبور کیا گیا ہو اور اس نے جان کے خوف سے کلمۂ کفر زبان سے کہہ دیا ہو، جب بھی وہ مسلمان ہی رہتا ہے، کافر نہیں ہوتا۔

جب سے فقیر نے صراط مستقیم مطبوعہ ۱۲۳۹ھ کا مطالعہ کیا ہے مولوی اسمٰعیل صاحب کے سبّ وشتم اور تکفیر کرنے والوں سے متفق نہیں ہے، جس طرح خلفاء ثلاثہ کی تکفیر کرنے والے یعنی روافض کا اور خلیفہ رابع حضرت علیؓ کی تکفیر کرنے والے یعنی خوارج کا اہل سنت والجماعت ساتھ نہیں دیتے اور روافض وخوارج اس وجہ سے اہل سنت سے ناراض رہتے ہیں اور ان پر افتراء اور اہتمام رکھتے ہیں، اسی طرح فقیر جو مولوی اسمٰعیل صاحب کی تکفیر کرنے والوں کے ساتھ شریک نہیں ہے تو وہ لوگ مجھ سے ناخوش ہیں اور مجھ پر افترا و بہتان رکھتے ہیں۔

سراج الامۃ امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان، یزید پلید کی عدم تکفیر اور عدم سب و شتم کی وجہ سے اور احتیاط پر عمل کرنے کے باعث مطعون نہیں ہیں۔ تو یہ فقیر جو مولوی اسمٰعیل صاحب کی تکفیر نہیں کرتا اور احتیاط پر عمل کرتا ہے تو اس پر کیوں طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔ قرآن مجید، احادیث شریف اور بزرگان دین کے اقوال سب فرعون کے کفر پر دلالت کرتے ہیں اور صاحب مسیح الازہر نے فرعون کو تمام اگلوں اور پچھلوں میں سب سے زیادہ شقی اور بد بخت لکھا ہے۔ لیکن اس کے باوجود شیخ ابن عربی نے فرعون کے ایمان کو تاویلات سے ثابت کیا ہے اور اس کی تکفیر سے اجتناب کیا ہے اور یہ عدم تکفیر شیخ

محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ العزیز کی قطبیت میں کچھ بھی خلل انداز نہ ہوی اور کسی نے شیخ کو فرعون یا کافر نہیں بنایا بلکہ ملا جلال الدین دوّانی نے شیخ ابن عربی کی وسعت نظری اور مخلوق پر شفقت کو دیکھ کر شیخ کی مدح و تحسین کی ہے تو اگر فقیر نے احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے مولوی اسمٰعیل کی تکفیر نہیں کی تو فقیر کے ایمان میں کیا فرق پیدا ہوگا۔ اور کس طرح اس مسکین کو اسمٰعیلی کہا جا سکتا ہے۔ یہ مسکین اہل سنت والجماعت سے ہے اور حنفی المذہب ہے، لیکن اگر صرف مولوی اسمٰعیل صاحب کی عدم تکفیر کی وجہ سے کوئی مجھے اسمٰعیلی کہتا ہے، تو فقیر اسمٰعیلی ہے، جیسا کہ امام شافعی صاحب فرماتے ہیں، کہ اگر آل رسول ﷺ کی محبت موجب رفض ہے، تو میں رافضی ہوں اس لئے کہ آل رسول کی محبت سے بڑھ کر اور کیا شئی ہوگی۔ اگر اس وجہ سے کوئی مجھے رافضی سمجھتا ہے تو سمجھا کرے۔ اس کے اس لعن وطعن سے میں آل رسول ﷺ کی محبت کو ترک نہیں کر سکتا۔

شاید یہ حقیقت لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے کہ اپنے مذہب سے خارج کرنا اور ایسی باتوں میں مشغول ہونا، جن سے ملت اسلام کو نقصان پہنچے، احمقوں اور نادانوں کا کام ہے۔ نصاریٰ باوجود عیسیٰ پرستی کے لاکھوں لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کرتے ہیں اور اپنی جماعت کو بڑھاتے ہیں۔ وہ روز بروز اسکی کوشش کرتے ہیں۔ عیسائی باوجود عیسیٰ پرستی کے لاکھوں لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کرتے ہیں اور اپنی جماعت کو بڑھاتے ہیں۔ وہ روز بروز اس کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا معلوم کہ مسلمانوں کو باوجود خدا پرست ہونے کے مولوی اسمٰعیل صاحب کی تکفیر کرنے اور ان کو زمرۂ مومنین سے خارج کرنے اور مسلمانوں کے اندر تفریق وانتشار پیدا کرنے پر اس قدر اصرار واہتمام کیوں ہے۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ جو شخص شہرت رکھتا ہو اور مطعون نہ ہو، یہ عنقا کے حکم میں

ہے، کیونکہ مثل مشہور ہے الشھرۃ آفت۔

ہمارے اسلاف اور بزرگ بھی لوگوں کے طعن و تشنیع کا نشانہ بنے ہیں۔ امام ربّانی شیخ محی الدین ابن عربی اور دوسرے مشائخ متاخرین، ائمہ اطہار، ائمہ اربعہ اور خلفاء اربعہ سب تکفیر اور لعن وطعن میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ مروانی ستر سے زائد سال تک اپنے زمانہ خلافت میں نمبروں پر خلیفہ رابع حضرت علیؓ پر لعن طعن اور سب وشتم کرتے رہے ہیں۔ رافضی خلفاء ثلاثہ (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ) اور دیگر صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں۔ اور لاکھوں خارجی خلیفہ رابع اور دوسرے اہل بیت کی تکفیر کرتے ہیں، تو جب اتنی بڑی بڑی ہستیاں لوگوں کے طعن و تشنیع سے نہ بچ سکیں تو یہ فقیر طاعنین کی زبان سے کیسے بچ سکتا ہے۔

بوستان

اگر درجہاں از جہاں رستہ است ‌‌ دراز خلق بر خویشتن است

کس ازدست جور زبانہا نرست ‌‌ اگر خود نما یست وگرخود پرست

بد امن درآویزدت بدگماں ‌‌ بکوشش تواں دجلہ راپیش بست

نشاید زبانِ بد اندیش بست ‌‌ کہ یارد بکُن سلامت نشست

حاصل کلام! کار مومن یہی ہے کہ وہ خدا کو اپنے پیش نظر رکھے اور کسی شخص کی بات کی کوئی پرواہ نہ کرے۔ حدیث شریف ہے، انی ترکت فیکم الثقلین، کتاب اللّٰہ وعترتی۔ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت۔

ہر چند کہ یہ مسکین عاجز کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے لیکن وہ اہل بیت نبوی کا ایک

فرد ہے اور کتاب اللہ کی پیروی کرنے والا ہے شاہراہ شریعت کا راہ رو ہے۔

آج یہ حقیقت مخفی اور پوشیدہ ہے لیکن کل یہ روشن ہوجائے گی کہ اس فقیر کی پیروی کرنے والا راہ حق کا رہرو نظر آئے گا اور اس فقیر کی مخالفت کرنے والا بے راہ نظر آئے گا۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت　　　　که با که باختۂ عشق در شب دیجور

اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہوں کہ وہ مجھے اور تمام دوستوں اور تمام مسلمانوں کو جادۂ شریعت پر قائم رکھے گا، اللہ تمہارے ساتھ رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۲۸)

اسفار عروجی، اسفار نزولی، توحید وجودی، توحید شہودی، توحید ذاتی، توحید افعالی، اولیائے کرام کی ولایت، انبیائے کرام کی ولایت،، ولایت محمدیؐ وغیرہ

درج ذیل فتوے میں اسفار عروجی، اسفار نزولی، توحید وجودی، توحید شہودی، توحید ذاتی، توحید افعالی، اولیائے کرام کی ولایت، انبیائے کرام کی ولایت، ولایت محمدیؐ وغیرہ کی مختصر سی وضاحت کرتے ہوئے کتاب ''جواہر السلوک'' (مصنف حضرت قطب ویلور) کے دسویں اور ۳۲ ویں فائدہ کے مطالعہ کی ہدایت دی گئی ہے۔

اور یہ صراحت کی گئی ہے کہ لوگوں کی استعداد و قابلیت کے اختلاف سے ان کے سلوک کے اندر بھی اختلاف ہوتا ہے۔ بری خصلتوں اور مذموم عادتوں سے پاک وصاف ہونے کے بعد طریقہ قادریہ، چشتیہ،

نقشبندیہ اور مجددیہ کے بزرگوں کے اذکار اور اشغال میں مشغول رہیں۔
ان اذکار اور اشغال کی تاثیر و برکت سے سالک و طالب کو فرشتوں سے مشابہت پیدا ہوتی ہے اور ان اشغال کا نتیجہ نکلتا ہے کہ سالک کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت حاصل ہوتی ہے، آپ سامنے رہیں تو حقائق و معارف اور مسائل کی تفہیم ہو سکتی ہے کیونکہ یہ علم کتابوں سے نہیں، صحبتوں سے میسر ہوتا ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

آپ کا استفسار پچیس ۲۵ رمضان المبارک ۱۲۸۷ھ کو پہنچا جس میں صالحین کی صحبت اختیار کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے۔

سعادت آثار! آیت کریمہ انعمت علیھم، وانعم اللہ علیھم کی تفسیر، تفسیر رحمانی اور تفسیر عزیزی اور ان کے علاوہ دیگر کتب تفاسیر میں ملاحظہ کیجیے تو معلوم ہو جائے گا کہ صالح کون ہے اور اس کی صحبت کی برکت کیا ہے؟ یہی وہ صحبت جسمانی ہے کہ خیر التابعین حضرت اویس قرنی کو نبی کریم ﷺ کی صحبت میسر نہ رہنے کے باعث آپ ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے۔ تو اسی سے آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ صحبت جسمانی کے اثرات اور فوائد کیا کیا ہیں۔ غربت اسلام کے اس زمانہ میں اہل اللہ کی صحبت کو غنیمت جاننا چاہیئے۔

بعد ازیں معلوم ہو کہ راہِ خدا میں سلوک کے اندر سالک کو دو راستے سامنے آتے ہیں۔ ایک راہ سلوک، دوسرا راہ جذب، راہِ سلوک اور مجاہدہ کی تفصیلات

''جواہر السلوک'' (مصنف حضرت قطب ویلورؒ) کے ۳۲ ویں فائدہ میں دیکھ لیں کہ طالب کو اوامر کے بجالانے ونواہی سے بچنے اور رذائل سے خالی ہونے اور فضائل اخلاق سے آراستہ ہونے کے بعد بزرگانِ طریقہ قادریہ چشتیہ اور نقشبندیہ، ومجددیہ کے اذکار واشغال کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت کا حصول ہے، جس کو سکینہ اور نور سے تعبیر کرتے ہیں، اور اسی میں ملائکہ سے مشابہت اور اس پر جبروت کی جانب آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اور راہِ جذب کو جواہر السلوک کے دسویں فائدے میں تلاش کیجئے جس کو سفر اول، سفر دویم، سفر سوم، سفر چہارم کہتے ہیں۔ اسفار عروجی کے اندر لا الہ الا اللہ کی حقیقت حاصل ہوتی ہے اور اسفار نزولی میں محمد رسول اللہ ﷺ کی حقیقت کھلتی ہے۔ سفر اول میں اولیاء کے ولایت کی انتہا ہے۔ اور سفر دویم ولایت انبیاء کی نہایت ہے۔ اور سفر سوئم عروجی میں ولایت محمدی ﷺ کی انتہا ہے۔ ولایت اولیاء کے اندر جذب کی ابتدا، فناء افعالی سے ہے۔ جس کو توحید افعالی کہتے ہیں اس کے بعد فناء ذاتی میں ہے جس کا نام توحید ذاتی رکھتے ہیں اور ان توحیدوں کو وحدت در کثرت اور احدیت در کثرت بھی کہتے ہیں۔ اور اس ولایت اولیاء میں یا تو حق کا شہود، صورت کے آئینے میں ہے یا معنی (حقیقت) کے آئینے میں ہے۔ یا صورت ومعنی ہر دونوں کے اندر ہوتا ہے۔ اس کو توحید وجودی کہتے ہیں، یا شہودی کہتے ہیں اس کو ادراک بسیط اور فناء الفناء اور تجلی برقی اور نہایت ولایت اولیاء کہتے ہیں۔

اس مرتبہ توحید شہودی میں حق کے سوا کوئی مشہود نہیں ہے اور یہ ملائکہ مہیمہ کا مرتبہ ہے جو اپنے اور غیر کے ساتھ مشغول نہیں ہوتے۔ اور ان مراتب جذب کو قربِ نوافل کہتے ہیں۔ اور سفر چہارم نزولی کے اندر عبد کی بقا باللہ اور کثرت در وحدت وکثرت

دراحدیت کہتے ہیں۔اوران تمام مراتب بقاء کوقربِ فرائض بھی کہتے ہیں۔

اوراسی جگہ معلوم ہونا چاہئے کہ ولایت اولیاء اجمال ہے اور ولایت انبیاء اور ولایت محمدی علیہم الصلوٰۃ والسلام، ولایت اولیاء کی تفصیل ہے۔ ولایت اولیاء کے اندر وحدت کے چہرے سے کثرت حجاب دور ہوتا ہے اور ولایت انبیاء کے اندر کثرت کا حجاب دور ہوتا ہے۔اور ولایت انبیاء کے اندر کثرت علمیہ باطنیہ (یعنی اسماء الٰہیہ کا قرب) کے چہروں سے وحدت کا حجاب دور ہوتا ہے۔اور ولایت محمدی ﷺ کے اندر تقید بالضدین ظاہراور باطن کا زوال احدیہ عین الجمع میں حصول کے ساتھ ہوتا ہے۔ نیز جاننا چاہئے کہ لوگوں کی استعداد کے اختلاف سے ان کے سلوک کے اندر بھی اختلاف ہے۔اس مقدمہ کی بھی مختصر تفصیل جواہرالسلوک کے فائدے بیس وپچیس میں پا سکتے ہیں،آپ نے سنا ہوگا کہ علم منہ سے لو نہ کہ کتابوں اور دفتروں سے۔معاملہ،قلم سے نہیں، سامنے رہنے سے واضح ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۲۹)

تقلید اجتہاد

مولانا عمر خان کتوال پلٹن ہفتم فوج کے استفسار پر درجِ ذیل سات مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔

(۱) تقلید واجتہاد (۲) اجتہاد واستنباط سے حاصل شدہ احکام ومسائل میں خطاوصواب دونوں پہلو ہیں اور مجتہد ومقلد کو ان پرعمل کرنے سے اجروثواب ہے۔

(۳) اپنے امام کے مذہب کے خلاف عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۴) ایک امام کی پیروی اور تقلید کرنی چاہئے۔(۵)

ائمہ طریقت اور تمام صوفیائے کرام، ائمہ اربعہ کے مقلد رہے ہیں۔

(٦) ایک حنفی شخص کن حالات وضروریات میں شافعی مسلک پرعمل کرسکتا ہے اور اسی طرح ایک شافعی شخص کن صورتوں میں حنفی مسلک پرعمل کرسکتا ہے۔ دوسرے امام کے مذہب پرعمل کرنے کی صورت میں تلفیق کا خاص خیال رکھا جائے۔(۷) تلفیق کی صورت وشکل کیا ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

گرامی نامہ دستیاب ہوا جو مسائل دینیہ کے استفسار پر مشتمل تھا۔ جن میں سات مسئلوں کا جواب طلب کیا گیا ہے۔ اس دور پرفتن میں عوام افراط وتفریط کا شکار ہوچکی ہے۔ ان ہی دلسوز اور جانکاہ حالات کو دیکھتے ہوے میں نے ''فصل الخطاب'' کے نام سے ایک کتاب سپرد قلم کی ہے۔ انشاء اللہ عنقریب مولوی غلام قادر صاحب مدراسی کے پریس میں زیور طباعت سے آراستہ ہوجائیگی۔ لہٰذا آپ مسائل مذکورہ کی تفصیل اور تشریح ''فصل الخطاب'' میں تلاش کیجئے۔

حاصل کلام مجتہد کے استنباط شدہ احکام خطا اور صواب دونوں پہلو رکھتے ہیں۔ خواہ مجتہد مستقل ہو، یا غیر مستقل۔ اور اگر اس کا اجتہاد درست اور صحیح رہے، تو دوگونہ اجر وثواب پائے گا ورنہ یک گونہ اجر وثواب کا مستحق بہر حال رہیگا۔ اور مجتہد کی تقلید کرنے والا اگر خطا میں ہو تو بھی وہ ثواب کا مستحق ہوگا اور نجات پائے گا۔ لہٰذا کسی مقلد کو جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے امام کے خلاف عمل کرے۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں کہ کسی شافعی کو لائق نہیں ہے کہ نکاح بے ولی اور حق شفعۂ جوار اور اسی قسم کے وہ مسائل جو امام شافعی کے مذہب کے خلاف ہیں ان کو موضوع بحث بنا کر کسی حنفی پر اعتراض کرے یعنی مقلد کے لئے روا نہیں ہے کہ دوسرے امام کے مذہب پر حرف گیری کرے اور اس کے مقلدین پر اعتراض کرے۔

اور اگر کوئی شافعی شخص ولی کے بغیر نکاح کرے اور نبیذ خرما کا استعمال کرے تو اس کو ان چیزوں سے روکنا اور منع کرنا ہر شافعی اور حنفی پر ضروری ہے۔ لہٰذا ہر ایک مذہب کے مقلد پر یہ بات واجب ہے کہ وہ اپنے امام کے مذہب کی اتباع کرے۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی شخص اپنے اجتہاد کے خلاف عمل کرے تو وہ گناہ گار ہوگا۔ مثلاً کسی نے قبلہ کا رخ جاننے کے لئے اجتہاد کیا اور اپنے اجتہاد کردہ رخ کے خلاف نماز ادا کیا تو گناہگار ہو جائے گا اگر چہ کہ دوسرا اس کو صحیح گمان کر رہا ہے۔

اور ایسا ہی کسی مقلد کا اپنے امام کے مذہب کے خلاف عمل کرنا بھی حرام ہے۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں آدمی گناہگار سمجھا جائیگا۔

اور یہ بہت ہی بے ہودہ اور نا قابل اعتبار بات ہے کہ آدمی اپنا مذہب جب چاہے تبدیل کر سکتا ہے کیونکہ جب آدمی اپنے خیال کے مطابق کسی امام کو فاضل تر قرار دے اور خود کو اس امام کا مقلد قرار دینے کے بعد ضروری ہے کہ وہ اپنے ہی متعین اور مقرر کردہ امام کے مذہب پر عمل کرے مثلاً کوئی شخص امام شافعی کو فاضل سمجھنے کے بعد ان کے مذہب کے خلاف عمل کرنا خواہشاتِ نفسانی کے علاوہ اور کیا سبب ہو سکتا ہے۔

صاحب شرح منہاج الاصول الی علم الوصول فرماتے ہیں کہ

حضرت امام شافعیؒ اور دیگر مجتہدین کا اتفاق ہے کہ مقلد جمیع مسائل میں اپنے ہی امام کی تقلید کرے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، بادشاہِ بخارا کے چھٹے سوال کے جواب میں لکھتے ہین کہ کسی حنفی کو بعض احکام میں مذہب شافعی پر عمل کرنے کی اجازت تین صورتوں میں ہے۔ان میں سے پہلی صورت یہ ہے کہ حنفی شخص جن مسائل کے اندر امام شافعی کی تقلید کرنا چاہتا ہے، ان مسائل کو کتاب وسنت کی روشنی میں حنفی مذہب پر ترجیح دے اور اس کے بعد عمل کرے۔ظاہر بات ہے کہ یہ اتنا عظیم کام ہے کہ ہر کس وناکس انجام نہیں دے سکتا اور یہ کام مجتہد ہی کرسکتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی حنفی مسئلہ پر عمل دشوار ہو اور اس مسئلہ میں شافعی مذہب پر عمل کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے مثلاً پانی کے مسائل میں حضرت امام اعظمؒ کے یہاں ضیق اور کچھ سختی ہے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے ملک میں پانی کی تنگی نہیں ہے۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ وہ شخص صاحب تقویٰ اور طہارت ہو اور صرف احتیاط کی خاطر شافعی مذہب اختیار کرے تو درست ہے مثلاً حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مقدار سے کچھ زائد صدقہ دینا ضروری ہے۔لہٰذا اس مسئلہ کے احتیاطی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوے شافعی مسئلہ پر عمل کرے تو جائز ہے اور اسی طرح احتیاط کے خیال سے مور کا گوشت کھانا چھوڑ دے تو درست ہے.

لیکن ان تینوں صورتوں میں ایک قید یہ بھی رہے گی کہ تلفیق بین المذاھب کی صورت پیدا نہ ہو جائے، اور دونوں مذہب کی پیروی میں ایسی صورت اور شکل نہ نکلے جو دونوں مذہب کے لحاظ سے صحیح نہ ہو، مثلاً حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فصد (خون کا

نکلنا) ناقضِ وضو نہیں ہے، لیکن امام اعظمؒ کے نزدیک ناقض وضو ہے، اگر کوئی صاحب وضو کے بعد بلحاظ شافعی مذہب اسی وضو سے ایسے امام کے پیچھے نماز ادا کرے جو فاتحہ کی قرأت نہ کرنے والا ہو، ایسی صورت میں تلفیق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ شافعی مذہب کے لحاظ سے وضو ٹھیک ہے لیکن فاتحہ کی قرأت نہ ہونے کی وجہ سے نماز درست نہیں، اور حنفی مذہب کی رو سے نماز ٹھیک ہے لیکن فصد کی وجہ سے وضو نہیں ہے۔

حاصل کلام! اگر کوئی حنفی شخص مذکورہ تین صورتوں سے ہٹ کر مذہب شافعی پر عمل کرے یا کوئی شافعی شخص مذہب حنفی پر عمل کرے تو ناجائز اور حرام ہے۔ کیونکہ اس طرح اپنی سہولت اور اپنے نفس کی خاطر اپنے امام کی تقلید ترک کر دینا ہے، گویا دین کے ساتھ لہو ولعب اور استہزاء کے مترادف ہے۔

مولانا نظام الدین حنفی لکھنوی اور مولانا عبدالعلی حنفی لکھنوی نے ''شرح مسلم'' میں اور مولانا شاہ اسمٰعیل حنفی دہلوی نے ''ایضاح الحق'' میں ''تنویر العینین'' سے استفادہ کرتے ہوئے جو لکھا ہے کہ مجتہد معین کی تقلید واجب نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی ایک امام کی تقلید استمراری اور دوامی حیثیت سے واجب نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مطلقاً کسی معین مجتہد کی تقلید واجب نہیں۔ اگر کسی مجتہد کو معین نہ کیا جائے تو یہ بالکل اسی طرح ہے کہ آدمی بے لگام گھوڑے کی سواری کرے۔ اگر مجتہد کا تعین واجب نہ ہوتا تو ان لوگوں کو حنفی کہنا کیا معنی رکھتا ہے۔

اور سید احمد مجاہد، مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی، شیخ عبدالرحیم دہلوی، مولانا سید عبداللہ، شیخ آدم بنوری، امام ربانی و دیگر مشائخ کرام حنفی ہیں۔ صاحب ''سفینۃ الاولیاء'' لکھتے ہیں کہ خواجہ بہاؤالدین نقشبندی اور اس سلسلہ

کے اکثر علماء ومشائخ اور عوام حنفی ہیں۔ایک مجتہد کی طرف ان اکابرین کی نسبت سے معلوم ہوا کہ مجتہد معین کی تقلید واجب ہے۔

شیخ الہند ''مرج البحرین'' میں لکھتے ہیں کہ طریقت کے تمام ائمہ کرام ''مذاہب فقہا'' کی اتباع کرتے تھے۔

سید الطائفہ جنید بغدادی، امام سفیان ثوری کے مذہب کی پیروی کرتے تھے اور غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حنبلی تھے۔اور امام شبلیؒ، مالکی تھے اور امام جریری، حنفی تھے اور امام محاسبی، شافعی تھے۔قدس اللہ اسرارھم رضی اللہ عنھم غرض مجتہد معین کی تقلید کا مسئلہ ساری دنیا میں مشہور ومتواتر اور معمول ہے اور حضرت امام غزالیؒ کی طرف جو قول منسوب ہے، وہ بالکل ضعیف ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ مقلد کو حق حاصل نہیں کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے احکام استخراج کرے۔امام ربانی شیخ احمد سرہندی اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ مقلد کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے امام کے مقابلہ میں قرآن وحدیث سے احکام کا استنباط کرے اور ان پر عمل کرے۔

مولانا شاہ اسماعیل حنفی دہلوی اپنی کتاب ''ایضاح الحق'' کے مقدمہ میں استنباط احکام کے مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوے لکھتے ہیں، دوسری شرط یہ ہے کہ قیاس کا حق صرف مجتہدیں کو حاصل ہے۔

موجودہ زمانہ میں بہت سے لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو کتاب وسنت سے احکامات اخذ کرتے ہیں اور ائمہ کرام کی خلاف ورزی میں اور نئے نئے احکامات نکالنے میں پیچھے نہیں ہے۔اور امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان کی تقلید و پیروی کا دعویٰ کرنے کے

باوجود دین متین میں اپنی نفسانی خواہشات کے تحت رخنہ ڈالتے ہیں اور احادیث مشکوٰۃ (صاحب مشکوٰۃ شافعی تھے جس کی وجہ سے انہوں نے بیشتر حدیثوں کو اپنے مسلک کے تحت جمع کیا ہے) سے احکام اخذ کرتے ہیں اور ان حدیثوں کو سامنے رکھ کر مسئلہ رفع یدین (ہاتھ اٹھانا) اور وضع یدین علی الصدر (سینہ پر ہاتھ باندھنا) پر بحث کرتے ہوئے دونوں جلیل القدر امام حضرت شافعیؒ اور حضرت ابوحنیفہؒ کے درمیان فیصلہ کرتے ہیں اور عدم رفع اور وضع پر بدعت کا حکم صادر کرتے ہیں۔

اتنا ہی نہیں مزید طرفہ یہ ہے کہ علم تصوف سے لاعلم اور ناآشنا ہوتے ہوئے بھی حضرات شیخین شیخ محی الدین ابن عربی اور امام ربانی مجدد الف ثانی کے درمیان حکم اور ثالث بنتے ہیں۔ اور وحدۃ الوجود کے بطلان اور وحدت الشہود کے اثبات پر فیصلہ صادر کرتے ہیں اور بے شمار اولیاء کرام اور صالح علماء پر حلول و اتحاد کی تہمت باندھتے ہیں اور ان نفوس قدسیہ کی طرف کفر والحاد کی نسبت کرتے ہیں۔ کبرت کلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ میرے امتیوں کی عمر ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے۔ فقیر کی عمر ستر سال ہو چکی ہے اور لبِ گور بیٹھا ہوا ہے۔ طاقت جواب دے چکی ہے فقہی مسائل اور اختلافات کی طرف سے توجہ کم ہوئے عرصہ بیت چکا ہے اسکے ساتھ ساتھ بہت عدیم الفرصت ہوں۔ ایک انار سو بیمار والا معاملہ ہے۔ مسائل کی تفتیش و تفحص اور انتخاب کا موقع نہیں مل رہا ہے۔ ذہن مختلف خیالات میں الجھا ہوا ہے۔ لیکن دل میں بہت سی باتیں ہیں۔ مگر کیا کیا جائے زبانِ قلم میں اتنی توانائی نہیں ہے کہ ان کی ترجمانی بن سکے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۳۰)

بیعت کے لغوی معنی اور اس کا شرعی مفہوم

زیر نظر فتویٰ میں بیعت کے لغوی معنی اور شرعی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے اسکی مختلف قسموں مثلاً بیعت ہجرت، بیعت جہاد، میدان جہاد سے نہ بھاگنے پر بیعت، بیعت تقویٰ اور بیعت تبرک کی تشریح کی گئی ہے۔ اور جو لوگ بیعت کو صرف خلافت کے ساتھ مخصوص اور محصور قرار دیتے ہیں۔ اور صوفیہ کے ہاں رائج بیعت کو بے اصل قرار دیتے ہیں اس نقطۂ نظر کی تردید احادیث کی روشنی میں کی گئی ہے۔ (من مات بغير امام)(من لم يعرف امام زمانه) فقد مات ميته جاهلية (جو شخص اپنے زمانے کے خلیفہ کو نہ پہچانے اور امام کے بغیر مر جائے تو اس کا خاتمہ سوٴ پر ہوا۔

اس حدیث کی تاویل اور تشریح کے ساتھ خلیفہ اور امام سے مراد کون ہے؟ اس کی وضاحت کی ہے، اور خلیفہ کے تقرر کے مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ اور خلیفہ کے تقرر کے باب میں قدرت واختیار اور عجز واضطرار اور معصیت ولزوم معصیت کے پہلو کو واضح کیا ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

آپ کی تحریر کو مسائل دینی کے استفسار پر مشتمل پا کر بے پایاں مسرت اور شادمانی حاصل ہوی۔ الحمدللّٰه على ذالك۔ لغت میں بیعت کا معنی یہ ہے کہ کسی

شخص کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر کسی معاملہ میں عہد و پیمان کیا جائے اور شریعت کی زبان میں عبادت اور تقرب کے خیال سے کسی معاملہ میں کسی آدمی کے ہاتھ پر عہد کرلینا، یہ بیعت کہلاتا ہے۔

شرعی بیعت کئی طرح کی ہوا کرتی ہے جیسے بیعت خلافت جس میں خلیفہ اپنی خلافت کے اقرار اور اثبات پر ملت کے افراد سے بیعت لیتا ہے۔

بیعت اسلام، بیعت تقویٰ، بیعت ہجرت، بیعت جہاد اور جہاد میں ثابت قدم رہنے کے لئے بیعت، یہ تمام بیعت ہی کی نظائر اور امثال ہیں۔

صوفیائے کرام کے ہاں جو بیعت رائج ہے، وہ تین حیثیت کی حامل ہے۔ ایک بیعت توبہ، جس میں آدمی سے اس بات کا عہد اور اقرار لیا جاتا ہے کہ وہ معاصیات و محارم اور گناہوں سے کنارہ کشی اختیار کرے گا۔ دوسری بیعت تبرک جس میں کوئی آدمی محض تحصیل تبرک اور سعادت کے خیال سے صلحاء اور اولیاء کے سلسلہ میں داخل ہوجاتا ہے جیسے کسی محدث اور مرد عارف سے سندِ حدیث لیتے ہیں اور تیسری بیعت آدمی سے اس لئے لی جاتی ہے کہ وہ اپنے پر عائد شدہ حقوق ادا کرتا رہے اور ممنوعات سے اجتناب کرتا رہے اور اپنے قلب کو ہمیشہ خدا کی جانب مائل رکھے۔ مذکورہ تیسری بیعت میں مرید کا خدا کی طرف ہر وقت مائل رہنا، یہی صوفیاء کے نزدیک بیعت کے اندر مقصود اصلی ہے۔

جو لوگ بیعت کو صرف خلافت کے ساتھ محصور و مقید کردیتے ہیں اور اس کے علاوہ صوفیاء کرام کے یہاں ہونے والی بیعت کو بے اصل قرار دیتے ہیں یہ بالکل غلط قسم کی بات ہے کیونکہ بیعت کا ثبوت حضور اکرم ﷺ کے اقوال و افعال سے اچھی طرح ثابت ہے۔ آپ ﷺ نے مختلف موقعوں پر لوگوں سے مختلف معاملات میں بیعت لی

ہے، کبھی ارکان اسلام پر قائم رہنے کے لئے ،کبھی سنت کا دامن مضبوطی سے تھامے رہنے کے لئے اور کبھی امت میں وعظ ونصیحت کا سلسلہ قائم رکھنے کے لئے بیعت لی ہے، جیسا کہ حضرت جریرؓ کو خصوصیت کے ساتھ ارشاد فرمایا النصح لکل مسلم (ہر مسلمان کو اچھی بات بتلاتے رہو) اور کہیں آپؐ نے چند لوگوں سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ علمی و دینی خدمات کو محض طعنہ دینے والوں اور بے اصل تنقید کرنے والوں کی باتیں سن کر ترک نہ کریں اور حق بات علی الاعلان صاف صاف کہہ دیں اور ملامت کرنے والوں اور نکتہ چینی کرنے والوں کی طرف مطلق توجہ نہ دیں اور کبھی آپ ﷺ نے انصاری خواتین سے بھی بیعت لی کہ وہ نوحہ کی رسم بد کو ہمیشہ کے لئے ختم کریں۔ اور کبھی آپؐ نے بعض مہاجرین سے بیعت لی کہ وہ کبھی کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہ کریں۔ چنانچہ مؤخر الذکر بیعت کرنے والوں میں سے چند ایسے آدمی بھی ملتے ہیں، جنہوں نے حضور اکرم ﷺ سے کی ہوئی بیعت کا اس قدر پاس ولحاظ رکھا کہ حالتِ سواری میں اگر ان سے کوڑا گر جاتا تو وہ خود نیچے اُتر جاتے تھے تا کہ تازیانہ اپنے ہاتھوں سے اٹھالے۔ اسی بیعت کا لحاظ تھا، وہ کسی سے کوئی سوال نہیں کرتے تھے، مذکورہ ہر بیعت کا تعلق امر معروف، نہی منکر، تزکیۂ نفس اور تطہیر باطن سے ہے اور ان میں سے ہر بیعت کو بیعت تاکید عزیمت کہتے ہیں۔

اور تمہارے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ارباب حل وعقد کے اختیار اور پسند سے کسی شخص کو خلیفہ مقرر کرنا واجب ہے جیسے خلافتِ صدیقؓ یا کسی مخصوص اور صفاتِ خلیفہ سے متصف آدمی کو خلافت کے لئے متعین ومقرر کرنا واجب ہے جس طرح کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کے لئے حضرت عمرؓ کو مقرر کیا۔

حضرت عمرؓ کی خلافت گویا خلافتِ صدیق کی نیابت کے خاطر تھی تا کہ احکاماتِ شرعی کا نفاذ، حدودو کا اِجراء، اسلامی ممالک کے سرحدوں کی حفاظت، فوجی تنظیم، جرائم کا سد باب، زکوٰۃ و صدقات کی تحصیل، ظالموں کے ظلم کی روک تھام اور چوروں ڈکیتوں پر نظر اوران کے لئے سزا، اوران جیسے امورکا انتظام بھی خلیفہ ہی کے ذریعہ ہوسکے، کیونکہ متولی اور نگران امت میں سے کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔

صحابۂ کرام خلیفہ کے انتخاب وتقرر کو ملّتِ اسلامی کے اہم ترین مہمات میں سے سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان نفوسِ قدسیہ نے حضور اکرمؐ کی تدفین کے ساتھ ہی خلیفہ کے انتخاب وتقرر کی جانب توجہ مبذول فرمائی اوراس کے بعد بھی ہر خلیفہ کی وفات کے بعد سب سے پہلا کام یہی کرتے کہ کسی دوسرے آدمی کو جو صفاتِ خلیفہ سے متصف رہتا، منصب خلافت سونپ دیا کرتے تھے، کیونکہ الشــرع تحــت السّیف (احکام شریعت کا نفاذ اقتدار کے زیر اثر ہے) کے تحت بہت سے شرعی امور خلیفہ کی ذات سے وابستہ ہیں۔ علامہ تفتازانی اور دیگر جلیل القدر علماء نے خلیفہ کے تقرر کو اس حدیث سے واجب قرار دیا ہے من لـم یـعـرف امام زمانه فقدمات میتة جاهلیه جو شخص اپنے زمانے کے خلیفہ کو نہ پہچانے تو اس نے جاہلیت کی موت پائی۔ اور ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر کے اندر اس حدیث سے حجت قائم کی ہے من مات بغیر امام مات میتة جاهلية یعنی جو شخص امام (مرشد روحانی وشیخ مربی) کے بغیر مرجائے گا تو اس کا خاتمہ سوٗ پر ہوا۔

بعض علماء نے اس حدیث میں یہ تاویل کی ہے کہ خلیفہ کا تقرر کرنا واجب نہیں ہے بلکہ اس کے معرفت واجب ہے۔ بشرطیکہ خلیفہ موجود ہو، اور بعض علماء نے تو اس حدیث میں لفظ امام سے مراد نبی کی ذات لیا ہے۔ غرض اس حدیث میں توجیہات اور

تاویلات کا سلسلہ بہت طویل ہے۔ مدعی جب تقرر خلیفہ کے واجب ہونے پر دعویٰ کررہا ہے اور وہ بھی علامہ تفتازانی اور دیگر مستند علماء کے اقوال پیش کرنے کے بعد بھی تاویل پر قائم رہنا اور ثقہ و مستند علماء کی سند کو نظر انداز کرنا، یہ تو آداب مناظرہ سے ہٹی ہوئی بات ہے جیسا کہ علم مناظرہ کے علماء نے تصریح فرمائی ہے۔

مذکورہ حدیث کی تشریح سے بادی النظر میں تو علامہ کا مقصود واضح ہوتے دکھائی نہیں دیتا لیکن اشارہ خلیفہ کے تقرر کو واجب ٹھہرا رہا ہے۔ کیونکہ خلیفہ کی عدم معرفت ایک مذموم بات ہے اور جو بات مذموم سمجھی جائے اس کا ازالہ ضروری ہے اور وہ ازالہ ہے خلیفہ کا تقرر، لہٰذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ بنائیں۔

علامہ تفتازانی، ملا علی قاری اور دیگر جلیل القدر علمائے کرام اور فقہائے عظام نے خلیفہ کے تقرر کو واجب قرار دیا ہے اور اس پر اجماع اور اتفاق کیا ہے اور عدم تقرر کو معصیت کہا ہے لیکن آپ یہاں اس بات کو ذہن نشین کرلیں کہ لزومِ معصیت، قدرت اور اختیار کے ساتھ مشروط ہے کیونکہ عجز اور اضطرار کی حالت میں عدم تقرر کو لزومِ معصیت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ چنانچہ صحابۂ کرام، حضرات تابعین اور اہل بیت امام حسینؓ کو خلیفہ مقرر کرنے میں عاجز اور مضطر تھے۔ بہت کچھ انہوں نے ہاتھ پیر مارا تا آنکہ نوبت شہادت تک پہونچ گئی۔ پھر کیسے وہ لوگ عاصی اور گناہ گار ہوسکتے ہیں، جب کہ انہیں قدرت اور طاقت ہی نہیں تھی اور قدرت و طاقت ہونے کے علاوہ بھی کسی زمانہ میں خلیفہ مقرر کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس فرد کو منصبِ خلافت سونپا جارہا ہے اس کے اندر خلافت کی صفات بدرجہ اتم موجود ہوں اور اس جلیل القدر عہدہ کا اہل ہو، اولیائے کرام اور علمائے کرام نے خلفاء عباسیہ کے بعد کسی فرد کو اس منصب کے

قابل نہیں پایا کہ وہ خلیفہ بننے کا اہل ہو۔ اسی فقدان صفات کو دیکھتے ہوئے انہوں نے تقررِ خلیفہ کا التزام اور اہتمام نہیں فرمایا۔ اس صورت حال کے مدنظر کیسے ہم ان لوگوں کو تارکین واجب کا الزام دے سکتے ہیں؟

ترکوں اور دیگر سلاطین کو اگرچہ کہ شان وشوکت اور غلبہ تو حاصل رہا لیکن خلافت کے شرائط ان کے اندر بھی یکسر مفقود تھے، پھر کیسے ہم انہیں ملت اسلامی کے خلفاء ہونے کا اعزاز بخش سکتے ہیں۔ اوران کے ہاتھوں اوران کے پیروکار کے ہاتھوں پراور دیگر نوابوں کے ہاتھوں پر کیونکر بیعت کر سکتے ہیں جبکہ وہ اس عظیم منصب جلیلہ کے قابل ہی نہیں ہیں۔

حاصل تحریر، فقیر اور مسکین کی جانب سے اس موضوع پر یہ مختصر سی تشریح ہے۔ جو سپردِ قلم کی گئی حقیقت حال سے تو بس خدا ہی واقف ہے۔

ربنا لاتواخذنا ان نسینا او اخطأنا ربنا انك رؤف رحیم۔

اے خداوند قدوس! ہمارے نسیان اور خطا پر ہم سے مواخذہ نہ فرما یقیناً تو رؤف اور رحیم ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۳۱)

اولیاء اللہ سے فیض روحانی

درجِ ذیل فتویٰ میں یہ موضوعات زیر بحث ہیں۔

(۱) اولیاء اللہ اپنی زندگی میں اور زندگی کے بعد بھی اپنا روحانی فیض دوسروں کو پہنچاتے رہتے ہیں۔

(۲) اولیائے کرام کی اقسام (۳) نسبت ظاہری و

نسبت باطنی کی صورت و کیفیت (۴) روحانی طور پر اور جسمانی طور پر اور خرق عادت کے طور پر فیض رسانی کی شکل وصورت۔(۵) جسمانی صحبت اور تعلیم و تربیت کی راہ سے فیض رسانی کی نوعیت اور اسکی برتری اور فضیلت۔ (٦) انبیائے کرام سے روحانی فیض کا مسئلہ صوفیہ اور فقہاء دونوں کے نزدیک متفق علیہ ہے۔اولیائے کرام سے روحانی فیض پہنچنے کا مسئلہ صوفیہ کے پاس متفق علیہ ہے اور فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے۔(۷) اصحاب قبور سے توسل واستمداد کے مسئلہ میں صوفیہ اور فقہاء کا مسلک اور موقف۔(۸) حضور اکرم ﷺ سے بیداری اور خواب کی حالت میں استفادہ۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

آپ نے فیض روحانی سے متعلق دریافت کیا تھا۔ یہ مسئلہ تو تحقیق شدہ اور مسلم ہے،صوفیائے کرام اور فقہائے عظام دونوں بھی حضرات انبیاء کرام کے روحانی فیض کے بارے میں اتفاق رکھتے ہیں البتہ فقہاء کا اختلاف، غیر انبیاء سے روحانی فیض پہنچنے کے بارے میں ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''ترجمہ مشکوٰۃ'' میں فرماتے ہیں:

اصحاب قبور سے توسل واستمداد کے مسئلہ میں اکثر فقہا کا مسلک یہ ہے کہ حضور اکرمؐ اور انبیاء کرام کے علاوہ دیگر حضرات کرام سے توسّل جائز نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ زیارت میت کے واسطے دعا اور استغفار کے لئے ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ مردوں کو تلاوت کلام پاک، استغفار اور دعا کے ذریعہ نفع پہونچایا جائے اور اس چیز کو

مشائخ صوفیاء اور بعض فقہا نے ثابت کیا ہے۔ اہل کشف اور اصحاب کمال کے نزدیک یہ امر مسلم اور محقق ہے کہ صلحاء سے بھی بہت سارے فیوض و برکات اور فتوحات، ارواح کو پہونچی ہوئی ہیں۔

شیخ فریدالدین عطار تذکرۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ

ایک جماعت ایسی ہے جس کو اویسی کہا جاتا ہے اور اس کو شیخ کامل کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ بلکہ نبوت اپنی گود سے بغیر کسی واسطہ کے اس کی پرورش فرماتی ہے جیسا کہ حضرت اویس قرنی کو یہ شرف حاصل ہے۔ اگر چہ کہ ظاہر میں انہوں نے حضور اکرم کو نہیں دیکھا لیکن بالراست آپ ہی سے تربیت پائی۔

''ترجمہ مشکوٰۃ دہلوی'' میں ہے کہ امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دعائیں قبول ہونے کے لئے امام موسیٰ کاظم کی قبر تریاق مجرب ہے۔

اور حجۃ الاسلام امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس شخص سے حالت حیات میں استمداد کیا جاتا تھا بعد وفات بھی استمداد درست ہے۔

اور حضرت بایزید کے مرید ہونے کی بات یہ ہے کہ انہوں نے معنوی طور پر روحانی حیثیت سے امام جعفر صادق سے تربیت پائی۔ اور یہ تربیت، ظاہری اور صوری حیثیت سے نہیں ہے جیسا کہ ''رشحات'' میں مرقوم ہے۔

اور بیعت وارادت میں حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی، شیخ بایزید بسطامی کے مرید ہیں اور تصوف وسلوک میں انہوں نے شیخ بایزید بسطامی کی روح پر فتوح سے اکتساب فیض فرمایا۔ اور ان ہی سے تربیت کا شرف حاصل کیا۔ حالانکہ حضرت ابوالحسن کی ولادت اس وقت ہوئی جب کہ بایزید کو انتقال کئے ہوئے ستر سال بیت چکے تھے جیسا

کہ ہمعات میں مذکور ہے۔

مثنوی ہمچناں آمد کہ اوفرمودہ بود بوالحسن از مردماں اوراشنود

حضرت ابوالحسن خرقانی کا ظہور اسی طرح ہوا جس طرح کہ حضرت بایزید بسطامی نے پیشن گوئی فرمائی تھی، حضرت ابوالحسن نے یہ بات لوگوں سے سنی کہ حضرت بایزیدؒ نے ان کے بارے میں یوں فرمایا ہے۔

کہ حسن باشد مریدی زامتم درس گیرد ہرصباح از تربتم

حضرت ابوالحسن میرے مریدوں میں سے ہوں گے جو ہر صبح میری قبر سے اکتساب فیض فرمائیں گے۔

گفت من ہم نیز خوابش دیدہ ام وزررواں شیخ ایں بشنیدہ ام

حضرت ابوالحسن نے کہا کہ میں نے بھی حضرت بایزید کو خواب میں دیکھا اور شیخ محترم کی روح مقدسہ سے یہ باتیں سنیں۔

ہرصباحی رونہادی سوئے گور استادی تاضحی اندر حضور

حضرت ابوالحسن ہر صبح حضرت بایزید بسطامی کی قبر پر تشریف لے جاتے اور اپنے شیخ معنوی وروحانی کی خدمت میں چاشت کے وقت تک کھڑے رہتے۔

تامثال شیخ پیشش آمد تاکہ نے گفتی اشکالش حل شدی

یہاں تک کہ شیخ مثالی صورت میں آپ کے سامنے ظاہر ہوجاتے اور ایسا تصرف فرماتے کہ اشکالات پیش کرنے سے قبل ہی وہ حل ہوجاتے تھے۔

تایکےروز بیامد با سعود گور ہارا برف تو پوشیدہ بود

یہاں تک کہ ایک روز وہ صاحب سعادت، شیخ کے مزار پر تشریف لائے دیکھا

کہ تمام قربیں برف کے تودوں سے ڈھکی ہیں۔

توبے برتو برفہا ہمچوں علم　　　　قبہ قبہ دید جانش شد بغم

حضرت ابوالحسن نے دیکھا کہ ایک ایک قبہ تہہ بتہہ برف کے تودوں سے پہاڑ بنا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نہایت غم زدہ ہوگئے۔

بانگش آمد از حظیرہ شیخ جی　　　　ہا انا اعوک کی تسعٰی الی

حضرت ابوالحسن نے اچانک اپنے شیخ کی یہ آواز سنی، گھبراؤ نہیں، میں تمہیں بلا رہا ہوں، میری طرف چلے آؤ۔

ہمیں بیا ایں سو بر آوازم شتاب　　　　عالم از برف است روازمن متاب

ہاں میری اس آواز کی طرف دوڑے چلے آؤ۔ اگر سارا عالم برف کا تودہ بنا ہوا ہے تو رہنے دو، مجھ سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔

حال اوز آن روز شد خوب و پدید　　　　آں عجائب را کہ اول می شنید

وہ عجیب وغریب سی باتیں جن کو آپ نے اپنے متعلق پہلے سنا تھا اس کے مطابق اس دن سے آپ کی حالت نکھرتی چلی گئی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے شیخ ابوبکر ہراراوی مرید ہیں اور یہ انتساب ظاہری نہیں، معنوی وروحانی ہے۔ حضرت ہراراوی ابتدا میں ایک مشہور چور تھے۔ انہوں نے صدق دل اور اخلاص سے توبہ کی اور مخلوق سے کنارہ کش ہوگئے۔ اور خواب میں حضور اکرم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے خرقہ پہنائیے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ابن ہرارا میں تمہارے لئے نبی ہوں یہ (حضرت ابوبکر صدیقؓ) تمہارے لئے شیخ روحانی ہیں اور اپنے دست مبارک سے حضرت صدیقؓ کی

جانب اشارہ فرمایا تو: حضرت ابوبکرؓ نے انہیں خرقہ اورٹوپی پہنائی اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے اور اپنا دست مبارک ان کی پیشانی اور سر پر پھیرا۔ شیخ ہراراوی جب نیند سے بیدار ہوئے تو خرقہ اور ٹوپی دونوں کو اپنے بدن اور سر پر موجود پایا۔ اس کے بعد یہ جس طرف جاتے مخلوق ان کی طرف متوجہ ہوتی تھی اس کے بعد علامات قرب مسلسل ظاہر ہونے لگے جیسا کہ ترجمہ خلاصۃ المفاخر میں ہے۔

اور اسی طرح حضرت شیخ علی بن وہب بخاری بھی حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے مرید ہیں اور یہ انتساب بھی معنوی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے خواب میں انہیں عمامہ باندھا۔ جب وہ بیدار ہوئے تو ان کے سر پر عمامہ موجود تھا۔ حضرت شیخ علی فرماتے ہیں کہ خواب سے بیدار ہونے کے بعد میں باہر چلا آیا تو مخلوق نے مجھے گھیر لیا۔ جیسا کہ ترجمہ خلاصۃ المفاخر میں ہے۔

اور میرے جد امجد اور شیخ محترم حضرت سید عبدالقادر جیلانی، حضرت ابوسعید مبارک مخزومی سے منسوب ہونے کے باوجود سرورِ عالم ﷺ سے منسوب ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ماربانی الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیس لا حد علیٰ منۃ بعد اللہ ورسولہ ۔ حضور اکرم ﷺ نے میری تربیت فرمائی اور مجھ پر خدا اور رسول کے بعد کسی کا احسان نہیں ہے جیسا کہ بہجۃ الاسرار میں مذکور ہے۔

اور اسی طرح خواجہ بہاؤالدین نقشبندی بھی اویسی ہیں اگر چہ کہ انہوں نے آداب طریقت کی تعلیم حضرت سید امیر کلال سے حاصل کی۔ جیسا کہ نفحات میں ہے۔

اور میرے جد محترم سید شاہ ابوالحسن حسینی قادری بیجاپوری المعروف گورے حسن صاحب قدس سرہٗ مخزن السلاسل میں اپنی خلافتوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان میں

سے پانچ سلسلوں کو میں نے چار اولیاء کرام کے واسطہ سے حاصل کیا۔ اور ان حضرات کو یہ سلاسل بلا واسطہ حضور اکرم ﷺ سے حاصل ہوئے تھے اور وہ حضرات یہ ہیں۔

حضرت شیخ ابولبیان، شیخ شمس الدین محمد بن محمود حنفی خوارزمی، شیخ ابن احمد الرواد، سید جلال الدین ابوعبداللہ حسین حسینی بخاری مخدوم جہانیاں۔

خاتم المجتہدین حافظ شہاب الدین ابن حجر مکی علیہ الرحمہ نے ''منقذ غزالی'' سے شرح ہمزیہ میں یہ قول نقل کیا ہے کہ اولیائے کرام کبھی کبھی بیداری میں ملائکہ اور ارواح انبیاء کا مشاہدہ کر لیتے ہیں اور ان کی گفتگو سنتے ہیں اور فیض حاصل کرتے ہیں۔

اور اس کے علاوہ بعض اکابرین سے یہ کلام منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بزرگ کو حضور اکرم ﷺ کے دیدار سے شرف و بزرگی عطا فرمایا ہے ان کے لئے یہ بات چنداں بعید نہیں کہ ان کے اور حضور اکرمؐ کے درمیان کوئی حجاب نہ رہے۔ حالانکہ حضور اکرم اپنی قبر انور میں تشریف فرما ہیں۔ اور اولیاء کرام اپنی بیداری میں حضور اکرم ﷺ کو اپنی قبر انور میں دیکھتے ہیں اور آپؐ سے شرف تکلم حاصل کرتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں اگر چہ کہ یہ اولیاء کرام مسافت کے اعتبار سے کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں، اور وہ مراتب و درجات کے لحاظ سے کتنے ہی مختلف بھی کیوں نہ ہوں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ نقل اور سند میرے پاس محفوظ ہے کہ حضرت ابوالحسن اور حضرت ابوالعباس نے حالت بیداری میں حضور اکرمؐ کے دیدار کا شرف حاصل کیا اور حضرت ابوالحسن شاذلی نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر ایک لحہ بھی میرے حضور اکرمؐ کے درمیان حجاب واقع ہو جائے تو میں اپنے ایمان میں کمزوری سمجھنے لگتا ہوں۔

علامہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ میرے اور میرے والد محترم کے استاذ و شیخ مربی

حضرت شمس محمد بن ابی الحمائل عموماً حالت بیداری میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھا کرتے تھے۔ اور یہ آپ کی عادت بن چکی تھی کہ جب بھی آپ سے کوئی سوال کرتا تو فرماتے کہ پہلے میں اس مسئلہ کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، اس کے بعد آپ، حضور اکرم ﷺ کی طرف رجوع ہوتے، چنانچہ آپ کا یہ معمول تھا کہ مسائل کے استفسار کے موقعہ پر اپنے سر کو قمیص کے گریبان میں جھکا لیتے اور کچھ دیر کے بعد سر اٹھاتے اور فرماتے کہ اس مسئلہ کی وضاحت سرکار دو عالم ﷺ نے یوں فرمائی ہے اور امر واقعہ بالکل اسی طرح ہوتا تھا، کبھی اس کے خلاف نہیں ہوتا لہٰذا ان چیزوں کے انکار و تکذیب سے احتراز کیا جائے۔

اور میرے جد محترم محی الملۃ والدین حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقیؔ ویلوری سے جب بھی مثنوی مولانا روم کے ابیات سے متعلق پوچھا جاتا تو آپ اپنے سر کو جھکا لیتے پھر فرماتے مولانا جلال الدین رومی اس کے یہ معنی بتلا رہے ہیں۔

اور میرے والد ماجد اور شیخ محترم حضرت سید شاہ ابوالحسن محویؔ قادری بھی اویسی تھے۔ آپ حضر سید عبدالقادر جیلانی سے مرید ہیں، اور شیخ جیلانی کی روح پر فتوح سے آپ نے اکتساب فیض فرمایا۔ چنانچہ آپ نے خواب میں کئے ہوئے غسل کا اثر اور اس کی تری کو اپنے کپڑوں اور جسم پر بیداری کی حالت میں پایا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ترجمہ مشکوٰۃ کے باب رویا میں لکھتے ہیں کہ بعض صالحین سے صحیح اور مستند حکایات ملتی ہیں کہ بعض بزرگان دین کو اس دنیا سے کوچ کرنے کے بعد بیداری کی حالت میں دیکھا گیا ہے اس قسم کی روایات تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔ لہٰذا تم یہ دیکھو کہ اس چیز کا منکر اولیائے کرام کی کرامتوں کو مانتا ہے یا نہیں؟ اگر

منکر ہے تو اسکے ساتھ اس مسئلہ رویت ''یقظت'' (حالت بیداری میں دیدار) پر کوئی بحث ہی نہیں کیونکہ وہ ایسی چیز کا منکر ہے جس کا ثبوت قرآن و حدیث سے ہے۔ اگر اولیائے کرام کی کرامتوں کو مانتا ہے تو یہ چیز بھی رویت در یقظت منجملہ کرامات میں سے ایک ہے لہٰذا اس میں انکار کی کیا بات ہے۔

علامہ قیصری قدس سرہٗ شرح فصوص کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لی جائے کہ عادت تقدیر الٰہی سے تعلق رکھتی ہے جو علم باری تعالیٰ سے مربوط ہے اور عادت، سنت الہیہ پر جاری ہے اور ''خرق عادت'' کا تعلق بھی تقدیر ازلی ہی سے ہے۔ لیکن وہ سنت الہیہ پر جاری نہیں ہے بلکہ خرقہ عادت کا ظہور کبھی کبھی ہوتا ہے۔ اور اس کا منشا و مقصد، اظہار قدرت ہے۔

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ اپنے مکتوبات کے پندرھویں مکتوب میں لکھتے ہیں کہ ایک جماعت ہے جس کو ''اویسیاں'' کہا جاتا ہے ان لوگوں کو شیخ کامل کی ضرورت نہیں ہوتی اور بے واسطہ شیخ، نبی خود ہی اپنی طرف سے تربیت کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ اویس قرنی کی پرورش اسی مزاج اور منہاج پر ہوئی۔ اگر چہ کہ انہوں نے سیدالانبیاء کو نہیں دیکھا لیکن بالراست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم و تربیت پرورش پائی۔

اور یہ بات بہت ہی نادر ہے کیونکہ اویس قرنی جیسے ذی استعداد افراد بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ لہٰذا بہتر طریقہ یہ ہے کہ سالک، شیخ کامل کی صحبت اختیار کرے۔ جو کمال اور مرتبہ چاہے، مل سکتا ہے۔ اور ہمارا منشاء اس میں یہی ہے۔

ہاں تا نہی پائے دریں راہ بیازی　　　زیرا کہ دریں راہ بسے نشیب و فراز است

ہاں! جب تک تم اس راہ میں بہادری کے ساتھ قدم نہ رکھو گے (کمال

حاصل ہونا مشکل ہے) کیونکہ اس راہ میں بہت سے نشیب وفراز ہیں۔

پس آپ سے عرض ہے کہ لفظ ملفوظ سے وہی مراد ہے کہ اے اسحاق، امر عادی اور سنت الٰہی کے طریقہ پر شاہ بران کے پاس چلے جاؤ وہ تمہیں مطلوب و مقصود تک پہونچائیں گے۔

اورآپ یہ بات اچھی طرح جان لیجئے جو فیض کہ خرق عادت کے ذریعہ پہونچتا ہے اس کا انحصار بھی قرب بدنی پر ہے۔ فیض اول (یعنی خرق عادت کے ذریعہ جو فیض پہنچتا ہے) یقیناً ایک نعمت ہے لیکن تمام نعمتیں قرب بدنی سے مربوط اور وابستہ رہتی ہیں۔ حضرت اویس قرنی اگرچہ خیر تابعین قرار دئے گئے ہیں لیکن قرب قلبی کے باوجود جب قرب بدنی سے محروم رہے تو ایک ادنی صحابی، جس کو قرب بدنی کا شرف حاصل ہے، اس کے مرتبہ کو نہیں پا سکے یہی وجہ ہے کہ ان کا کوہ اُحد کی مقدار میں سونا صدقہ کرنا، ایک صحابی کے مٹھی بھر گیہوں صدقہ کرنے کے برابر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ صحبت بہت بڑی چیز ہے جس کی برابری کوئی چیز نہیں کرسکتی۔ مکتوبات مجدد الف ثانی میں مرقوم ہے آپ ضرور مطالعہ کریں۔

فیض روحانی کی اقسام کو اپنی جگہ ذکر کیا گیا ہے اور صالحین حالت حیات و ممات، حالت قرب و بعد اور حالت صحو تمام صورتوں میں اپنا فیض برابر پہنچاتے رہتے ہیں لیکن اس مکتوب میں اس کی تفصیل کے لئے گنجائش نہیں ہے۔

اولیائے کرام کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ نسبت ظاہری سے مشرف ہوتے ہیں جیسے صحابہ کرام اور اکثر مشائخ صوفیہ۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ نسبت باطنی سے بہرہ ور ہوتے ہیں جیسے حضرت بایزید بسطامی۔ حضرت ابوالحسن خرقانی، حضرت

ابوبکر ہراراوی، حضرت علی بن وہب بخاری، اور تیسری قسم یہ ہے کہ نسبت ظاہری اور نسبت باطنی دونوں سے مشرف رہتے ہیں جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی، خواجہ بہاؤالدین نقشبندی، قدس سرہ اللہ ارواحھم وافاض علینا فتوحھم بحرمۃ سیدالانبیاء والمرسلین۔

اس مقام پر یہ حقیقت بھی جان لینا چاہئے کہ شہداء کرام جب نص قرآنی سے زندہ ہیں تو انبیاء کرام اور اولیاء عظام کیسے زندہ نہیں رہ سکتے۔ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون، فرحین بما اتاھم اللہ من فضلہ ہ۔ جولوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں، انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پارہے ہیں۔ جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اس پر وہ خوش وخرم ہیں۔

اورآیت من عمل صالحاً من ذکر او انثی وھو مومن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ. جواچھا کام کرے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہے تو ضرور ہم اسے اچھی زندگی جلائیں گے۔

اورحدیث من قتلتہ فانادیتہ تو جس کو بھی قتل کرے میں اسی کے لئے دیت ہوں، اور یہ قول ان اولیاء اللہ لا یموتون بل ینقلبون من دارالی دار آخر، بیشک اولیاء اللہ نہیں مرتے بلکہ وہ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں انبیاء اور صلحاء کی برزخی زندگی کے لئے شاہد ہیں اور یہ زندگی اس آیت کے مفہوم کے منافی اور خلاف نہیں انک میت وانھم میتون بے شک آپ کو بھی انتقال کرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔

مثنوی: قیمت ہمیاں وکیسہ اززراست بےزرے ہمیاں وکیسہ ابراست

تھیلی کی قیمت اور اس کی وقعت پیسوں سے ہے۔ وہ تھیلی جس میں کچھ

نہیں ہے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

اسی طرح جسم کی قدرومنزلت ، روح سے ہے، روح کا مرتبہ ومقام پروردگار عالم کے پرتو سے ہے۔ چنانچہ دنیا کی محبت والفت آخرت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی حضورعلیہ السلام نے ارشادفرمایاما الدنیا والآخرہ الاضرتان ان رضیت احداھما سخطت الآخرہ۔ دنیااورآخرت کی مثال دوسوکن کی جیسی ہے ایک راضی ہوئی تو دوسری ناراض ہوجاتی ہے۔ اور بالکل اسی طرح، خودی بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔

مثنوی: گر بقائے جاوداں خواہی دلا   ازخودی خود بکلی شو فنا

اے دل اگر تو حیات جاودانی چاہتا ہے تو اپنی خودی اور انا سے پوری طرح فنا ہوجا۔

تا گشتند اختراں از ما نہاں   داں کہ پنہاں است خورشید جہاں

جب تک یہ ستارے ہماری نظروں سے پوشیدہ نہیں ہوتے اس وقت تک یہ بات یقینی طور پر جان لے کہ سورج ہم سے چھپا ہے۔

بے حجابت باید اسرار لباب   مرگ را بگزیں وبردرآن حجاب

اگرتو بے حجابانہ طور پر اسرار کو دیکھنا چاہتا ہے موت کو اختیار کر اور اپنی خودی کے حجاب کو ختم کردے۔

نے چناں مرگے کہ در گور روی   مرگ تبدیلی کہ در نورے روی

موت سے مراد یہ قبر میں جانے والی موت نہیں بلکہ یہ ایک انقلابی موت جس کی بدولت تو نور میں پہنچ جائے۔

مرد بالغ گشت وآں طفلی بمرد   رومئی شد صبغۂ رنگی سترد

خاک زر شد ہیبت خاکی نماند   غم فرح شد حال غمناگی نماند

میرے جد اور شیخ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا: الدنیا لها بدل وهو الآخرة لها بدل وهو الخالق ۔ دنیا جس کے لئے بدل ہے اور وہ آخرت ہے اور مخلوق جس کے لئے بھی بدل ہے اور وہ خالق ہے۔

حاصل تحریر! جسم کی زندگی کا انحصار روح پر ہے۔ اور روح کی قوت وتوانائی، پروردگار عالم سے وابستہ ہے چنانچہ جب روح کی زندگی لافانی اور طیب رہی اور خباثت سے عاری اور منزہ رہی تو اس بنا پر اناجیل اربعہ اور کتب سماوی میں اس کو حیات جاودانی اور حیات دائمی سے تعبیر کیا گیا اور اسی حقیقت کا نام قرآن مجید میں حیات طیبہ ہے۔

مثنوی   گفت پیرے مر طبیبے را کہ من   درز حیرم از دماغ خویشتن

ترجمہ   بولا اک پیر ایک طبیب نیک سے   دردسر سے مجھکو بس تکلیف ہے

گفت از پیری است آں ضعف دماغ
گفت در چشم زظلمت ہست داغ
بولا پیری سے ہے وہ ضعف دماغ
بولا تاریکی سے ہے آنکھ نہیں داغ
گفت از پیریست اے شیخ قدیم
گفت پشتم دردمی آید عظیم
بولا پیری سے ہے اے شیخ قدیم
بولا ہے درد کمر مجھکو عظیم
گفت از پیری است اے شیخ نزار

گفت ہر چہ می خورم نبود گوار
بولا پیری سے ہے اے شیخ نزار
بولا جر کھاتا ہوں ہووے ناگوار
گفت ضعف معدہ ہم از پیری است
گفت وقت دم مرا دم گیر است
بولا ضعف معدہ بھی پیری سے ہے
بولا میری سانس آنے میں رکے
گفت آرے انقطاع دم بود
چوں رسد پیری دو صد علت شود
بولا سچ ہے کیوں نہ دم ترا رکے
جوکہ پیری باعث صد عیب ہے
گفت کم شد شہوتم یک بارگی
گفت از پیری ست این بیچارگی
بولا میری شہوت اب کم ہوگئی ہے
بولا پیری سے ہے یہ بیچارگی
گفت پایم سست للہ ازرہ بماند
گفت از پیری ست در کنجت نشاند
بولا میرے پاؤ چلنے سے تکھے
بولا پیری سے یہ گوشہ گیری ہے

گفت پشتم چوں کمانے شد دوتا!
گفت از پیری ست ایں رنج و عنا
بولا میری پشت ٹیڑھی ہوگئی
بولا پیری سے یہ رنج و عاجزی
گفت تاریکی ست چشم اے حکیم
گفت کز پیر یست اے مرد علیم
بولا دھند ہے آنکھ میں میری حکیم
بولا پیری سے ہے اے مرد علیم
گفت اے احمق بریں بردوختی
از طبیبے تو ہمیں آموختی
بولا اے احمق تو کہتا ہے کیا
اور طبابت سے یہی سیکھا ہے کیا

اے مدمغ غفلت ایں دانش نداد
که خدا ہر در درد درماں نہاد
اے تجھے یہ عقل نے دانش نہ دی
کہ دوا ہر درد کی حق نے رکھی!
تو خراحمق ز اندک مائگی
برزمیں ماندی زکوتہ مائگی
تھوڑی پونجی سے تو اے احمق گدہے
کوتہ قدمی سے زمیں پر تو رہے
پس طبیبش گفت اے عمر تو شصت
ایں غضب دین خشم از پیرست
بے طبیب نیک نے اس سے کہا
یہ بھی پیری سے ہے اب غصہ تیرا سا

چوں ہمہ اجزاء و اعضا شد نحیف ۔۔۔ خویشتن داری و صبرت شد ضعیف
جو تیرے اعضاء ہوئے ہیں سب نحیف ۔۔۔ ہوگیا صبر و تحمل بس ضعیف سبا
برنتابد دو سخن زاں ہے کند ۔۔۔ تاب یک جرعہ ندارد قے کند
نے تحمل دو سخن زاں ہے کند ۔۔۔ گھونٹ پی سکتا نہیں قے ہے کرے
جز مگر پیری از حق است مست ۔۔۔ دردرون اوحیات طیب است
بس سوا اس پیر کے جو بست ہے ۔۔۔ اور حیات پاک وہ دل میں رکھے
از بروں پیر ست و در باطن صبی ۔۔۔ خود چہ چیز است آں ولی آں نبی
پیر ظاہر طفل ہے وہ باطنا ۔۔۔ کیا ہے وہ اولیاء و انبیاء
گر نہ پیدا اند پیش نیک و بد ۔۔۔ چیست بایشاں حسان را ایں حسد
نے ہیں ظاہر نیک و بد کے سامنے ۔۔۔ پھر حسد نہ کس کا ان سے کس لئے
درنمید انند شاں علم الیقین ۔۔۔ چیست ایں بغض وحیل سازی وکیں
گرنہیں وہ جانتے علم الیقیں ۔۔۔ کس لئے کرتے ہیں حیلہ بغض وکیں
در ہمیں دانند بعث در سیتخز ۔۔۔ چوں زنندی خویش بر شمشیر تیز
ایسے ہی گر جاتے ہیں حشر ونشر ۔۔۔ ڈالتے ہیں خود کو کیوں شمشیر پر
پر تو میخند دبمیں اور اچناں ۔۔۔ صد قیامت در درونستش نہاں
ملتے ہیں تجھ پر جان ایسا نہیں ۔۔۔ سو قیامت تھی ان کے دل میں ہیں
دوزخ و جنت ہمہ اجزائے اوست ۔۔۔ ہر چہ اندیشی تو آں بالائے اوست
دوزخ و جنت اجزاء ان کے سب ۔۔۔ جوتو سوچے ہیں وہ بالا اس سے اب
ہرچہ اندیشی پذیرائے فناست ۔۔۔ دانکہ دراندیشہ ناید آں خداست

سوچتا ہے جو کہ تو وہ ہے فنا ۔۔۔ سوچنے میں جو نہ آئے وہ خدا
براور ایں خانہ گستاخی چیست ۔۔۔ گرہمیں دانند کاندرخانہ کیست
در پئے گستاخی ہے گھر کس لئے ۔۔۔ گر یہ جانے ہیں کہ گھر میں کون ہے
ابلہاں تعظیم مسجد می کنند ۔۔۔ در جفائے اہل دل جدمی کنند
کرتے ہیں تعظیم مسجد ابلہاں ۔۔۔ اہل کو دیتے ہیں تکلیف جاں
آں مجاز است ایں حقیقت ای خراں ۔۔۔ نیست مسجد جز درون سروراں
وہ مجاز اور یہ حقیقت ہے خراں ۔۔۔ ہے نہ مسجد جز بطون سروراں
مسجدے کو اندرون اولیاء است ۔۔۔ سجدہ گاہ جملہ است آنجا خداست
وہ جو مسجد ہے درون اولیاء ۔۔۔ سجدہ گہہ سب کی ہے اوداں ہے خدا
تادل مرد خدا نابد بدرو ۔۔۔ ہیچ قومے را خدا رسوانہ کرد
اہل دل کا جب تلک نے دل رکھا ۔۔۔ حق نے نے اس قوم کو رسوا کیا
قصد جنگ انبیاء میداشتند ۔۔۔ جسم دیدند آدمی پند اشتند
قصد جنگ انبیاء وہ رکھتے تھے ۔۔۔ جسم دیکھا اور بشر تھے جانتے
درتو ہست اخلاق آں پیشنیاں ۔۔۔ چوں نمی ترسی کہ باشی تو ہماں
تجھ پہ یہ اخلاق ان اگلوں کی ہے ۔۔۔ کیوں نہیں ڈرتا کہ تو وہ ہی بنے
عادت آں ناسپاسان درتوست ۔۔۔ نایدت ہر بار دلوازچہ درست
عادت ان نالائقوں کی تجھ میں ہے ۔۔۔ نے درست ہر ڈول نکلے چاہ سے
آں نشانیہا ہمہ چوں در تو ہست ۔۔۔ چوں تو زیشانے کجا خواہی برست
وہ نشانی جو کہ بالکل تجھ میں ہے ۔۔۔ جوتو ان میں سے ہے کب تو بچ سکے

شیخ بود پیر یعنے موسفید	معنی ایں موابداں اے نا امید
شیخ کیا ہے پیر یعنی موسفید	معنی اس مو کے تو جان اے نا امید
ہست آں موے سیہ ہستی او	تاز ہستیش نماندتار مو
ہے یہ ہستی اس کی وہ موے سیاہ	تانہ ہو ہستی سے اس کی رہ دلا
چونکہ ہستیش نماند پیراوست	گرسیہ موباشدیاخودو موست
جس کی ہستی نہ رہی وہ پیر ہے	موسیہ ہویا ہو کھچڑی جان لے
ہست آں موئے سیہ وصف بشر	نیست آں مومورے لیش وموئے سر
وہ سیہ موکہ جو ہے وصف بشر	ہے نہ وہ موداڑھی اور نے موئے سر
مہد عیسیٰ اندر بر دارد صد نفیر	کہ جاں ناگشتہ تاگشیتم پیر
بس کیا جھولی میں عیسیٰ نے زبان	کہ میں شیخ و پیر ہوں نے ہوں جواں
گررہیداز بعض اوصاف بشر	شیخ بنود کہل باشد اے پسر
بعض اوصاف بشر سے گر چھٹے	پیر آدھا ہے نہ بالکل شیخ ہے

علمائے ظاہر، حیات انبیاء کے مسئلہ میں کس قسم کے اختلافات نہیں رکھتے ہیں اس کی تفصیل کے لئے رسالہ حیات انبیاء مولف قاضی الملک بدرالدولہ بہادر کا مطالعہ کیجئے۔

اور آپ نے یہ بات پوچھی کہ اللہ تعالیٰ سرور عالم ﷺ قطب مدار اور حضرت خضر ہر جگہ حاضر ہیں جیسا کہ حضرت مخدوم کے ملفوظات میں مذکور ہے۔اس سے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت خضر اور حضرت قطب مدار کی مساوات لازم آئے گی۔اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی مساوات لازم آتی ہے۔لہٰذا یہ اعتقاد کیسا ہے؟

جب سالک فنائے آفاقی و انفسی سے فنافی اللہ ہوجاتا ہے اور اس کی انانیت صغریٰ، انانیت کبریٰ سے بدل جاتی ہے اور وہ تینوں سفروں کو مکمل کر لیتا ہے اور جب نقطۂ نہایت، نقطہ ہدایت کے ساتھ متصل ہوجاتا ہے تو وہ باقی باللہ ہوجاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی انائے آفاق اور انائے انفس حق کے ساتھ برابر ہوجاتی ہے۔

صاحب ''من لگن'' فرماتے ہیں

اپناچ ہے یاد، یاد حق کا ۔۔۔ پرکاں ہے معلم اس سبق کا
اس جھاڑ کو جانیگی جھک جب ۔۔۔ تب بیج کو پاویں گے سو کیا رب
اس جھاڑ کو یک تو ہووینگا بیج ۔۔۔ اس بیج میں بیج ہے سو وہ بیج
وہ جھاڑ یو جگ جو دیکھ میں آیئے ۔۔۔ لکھنے میں آیے لیک میں آیئے
وہ بیج سو نوراحمدی حق ۔۔۔ وہ بیج میں بیج نور مطلق
جس بولتے نور احدیت کا ۔۔۔ جان کام نہ خون نادیت کا
اس جھاڑ کو پھول پات عالم ۔۔۔ اس جھاڑ کو پھل سو کیا ہے کام
پھر پھل میں او آو بیج آیا ۔۔۔ پن پھل گپت آپسے چھپایا
پھول پھوڑ یک آو بیج آبہار ۔۔۔ ہستی تو کرتے اپس کے ظہار
بولیئے کہ یو جھاڑ جسم میرا ۔۔۔ اس سب میں مرا پچھاں پھیرا
یوں پیر یو ڈالی پات اور پھول ۔۔۔ ہے سب بومیری مکان مقبول
یو جھاڑ میں بھی یو بیج بھی میں ۔۔۔ اس بیج میں ہے سو بیج بھی میں
معلوم نہیں کیسے یو مذکور ۔۔۔ جا پوچ کہ جانتا ہے منصور
ہر گل نہ دھریے یو باس ہر گھاس ۔۔۔ عطار کی عطر میں ہے یو باس

غافل ہے ولیک آدمی زاد آپس کردیئے ہیں توچ برباد

گلشن

روا باشد انا الحق از درختے چرا نبود روا از نیک بختے

جب ایک درخت کو انا الحق روا اور درست ہے تو ایک نیک بخت انسان کو انا الحق کہنا کیسے روا نہیں ہے؟ اور اپنے وجود کے اندر تمام موجودات اور کائنات کو موجود پاتا ہے۔ اور ان میں تصرت کرتا ہے۔ مثنوی

نان چوں در سفرہ است باشد آں جماد در تن مردم شود آں روح شاد

خوان میں روٹی تھی اک شئے جماد پیٹ میں جا کر بنی وہ روح شاد

درد دل سفرہ نہ گرد مستحیل مستحلیش جان کنداز سلسبیل

خوان میں بدلے نہیں جب تک رہے جان بدلے اس کو بس اک آب ہے

قوت جان است ایں اے سات حواں تاچہ باشد قوت آں جانِ جاں

جان کی قوت ہے جب اس قدر جان جاں کی پھر ہو قوت کسی قدر

زور جان کوہ کن شق الحجر زور جان جاں دراں شق القمر

زور جان فرہاد کا شق الحجر زور جان جاں کا ہے شق القمر

اور من حیث المرتبت اس کا ظہور ہر جگہ رہتا ہے کیونکہ تمام اسی کی ملکیت ہے۔

علامہ قیصری شرح فصوص الحکم کی نویں فصل میں لکھتے ہیں، ہر صاحب حق کے حق کی ادائیگی کے بغیر اور عالم جن چیزوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس احتیاج کی تکمیل کے بغیر ربوبیت مطلقہ کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ معنی قدرت کاملہ اور جمیع صفات الٰہیہ کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ پس انسان کے لئے جمیع اسماء ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنی

حسب استعداد عالم میں تصرف کرتا ہے۔

جب حقیقت انسانیہ دو جہتوں پر مشتمل ہے (الهیہ وعبودیہ) تو اس ربوبیت مطلقہ کا انتساب انسان کی طرف امالۃً اور حقیقتاً نہیں بلکہ تبعاً اور مجازاً درست ہے اور اسی کا نام خلافت ہے۔ انی جاعل فی الارض خلیفه۔

اور حقیقت انسانیہ کے لئے احیاء، اماتت، لطف، قہر، رضا، سخط اور جمیع صفات ہیں تا کہ وہ عالم میں ان صفات کا تصرف کر سکے۔ اس لئے کہ بشریت بھی عالم میں شامل ہے۔

اور حضور اکرم ﷺ کا رونا، ضجر اور سینہ کی تنگی کا اظہار یہ تمام، اس چیز کی منافی نہیں ہے جو اوپر ہم نے ذکر کیا ہے کیونکہ یہ چیز انسان کی ذات اور صفات کے مقتضیات میں سے ہے اور حضور اکرم ﷺ بھی ایک انسان اور بشر ہیں۔ نبی اکرم ﷺ اپنے مرتبہ اور بلند مرتبہ اور مقام علو کے لحاظ سے آسمان و زمین کی تمام چیزوں کو اچھی طرح جانتے ہیں لیکن ضیق نفسی کا اظہار محض بشریت کی وجہ سے ہے اور اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے یہ جو فرمایا ہے انتم اعلم بامور دیناکم (تم دنیاوی امور اچھی طرح جانتے ہو) یہ بھی محض بشریت کی لحاظ سے ہے۔

اور صاحب انسان کامل فرماتے ہیں جب حیوانات سے کوئی آواز ظاہر ہو جائے تو حضرت داؤد علیہ السلام علم کشفی والٰہی کے ذریعہ جان لیتے تھے کہ اس آواز سے جانور کیا کہنا چاہتے ہیں اور حضرت داؤدؑ جب بھی حیوانات میں سے کسی حیوان کے ساتھ کلام کرنا چاہتے تو سریانی زبان میں کرتے تھے اور اگر چاہتے تو حیوانات کی آوازوں میں گفتگو کرتے تھے اور حیوان ان کی بات کو سمجھ لیتے تھے۔

اور جانوروں سے کلام کرنا یہ صرف حضرت داوٗد اور حضرت سلیمان کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر وہ انسان کامل جو خلافت کبریٰ کا اہل ہے وہ بھی جانوروں سے گفتگو کرسکتا ہے اور حضرت داوٗدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے ساتھ یہ چیز نبی ہونے کے باعث محض ظہور اور تحدی کی بناء پر ہے ورنہ ہر صاحب کمال جو مقام قطبیت پا چکا ہے جانوروں سے کلام کرسکتا ہے اور اس کے لئے بھی جمیع مملکت وجودیہ میں تصرف حاصل ہے۔

اور حضرت شبلی نے فرمایا کہ اگر ایک سیاہ چیونٹی بھی رات کی تاریکی میں ایک سیاہ چٹان پر چلے تو میں اس کی آہٹ کو محسوس کروں گا۔

علامہ قیصری مقدمہ شرح فصوص الحکم، کی آٹھویں فصل میں لکھتے ہیں ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کی تائید حضرت علیؓ کے اس قول سے ہوتی ہے۔ آپ لوگوں کے سامنے خطبہ دے رہے تھے اچانک درمیان میں کہنے لگے میں بسم اللہ کے ''ب'' کا نقطہ ہوں اور میں جنب اللہ ہوں، میں قلم ہوں، میں لوح محفوظ ہوں، میں عرش و کرسی ہوں، میں سات زمین اور آسمان ہوں۔

یہاں پہونچنے کے بعد آپ پر سے محو و جذب کی کیفیت ختم ہوگئی، اور آپ عالم بشریت کی طرف لوٹ آئے اور آپ پر سے تجلی وحدت مرتفع ہوگئی۔ اور اس کے بعد آپ اپنی عبودیت کا اقرار اور اظہار کرنے لگے۔ اور عاجزی اور انکساری کا اظہار فرمایا۔

حاصل تحریر جب سالک دائرہ وجود کی مسافت طئے کرلیتا ہے۔ اور مقام تمکین میں اقامت پذیر ہو جاتا ہے اور وحدت و کثرت اور جمیع مراتب الٰہی و کونی اس کے قبضہ میں ہو جاتے ہیں اور ہر لمحہ ہر آن ہرکارہ کی طرح وجود کے دائرہ پر گھومتا رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ وارث انبیاء مدار کائنات، خلیفۃ اللہ، قطب جہاں اور غوث عالم ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تاج

کرامت وخلافت کوانی جاعل فی الارض خلیفه اس کے سر پر رکھ دیتا ہے۔

بامریداں آں فقیر محتشم | بایزید آمد کہ نک یزداں منم

وہ معزز درویش بایزیدؒ مریدوں کے سامنے آئے اور کہا کہ میں خدا ہوں

گفت مستانہ عیاں آن ذوفنون | لا الـہ الا انـا هـافـاعبدون

اس صاحب کمالات نے مستی کی حالت میں کھلم کھلا کہا، کوئی معبود نہیں پس میری عبادت کرو۔

چوں گذشت آں حال گفتندش صباح | تو چنیں گفتی وایں نبود صلاح

جب وہ حالت گذر گئی تو صبح مریدوں نے ان سے کہا آپ نے ایسا ایسا کہا ہے اور یہ ٹھیک نہیں ہے۔

گفت ایں بار ارکنم ایں مشغلہ | تیغہا بر من زنند آں دم بلہ

فرمایا! اب کی بار اگر میں یہ کام کروں | تو فوراً مجھے قتل کر دینا

حق منزہ ازتن و من باتنم | چوں چنیں گویم بباید کشتم

اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے اور میں مجسم ہوں | جب میں ایسا کہوں مجھے قتل کر دینا چاہئے

چوں وصیت کرد آں آزاد مرد | ہر مریدے کار دے آمادہ کرد

جب اس آزاد مرد نے (یہ) وصیت کی | ہر مرید نے ایک چھری تیار کرلی

مست گشت وباز زاستغراق رفت | آں وصیتہا از خاطر برفت

وہ پھر بھاری استغراق سے مست ہو گئے | وہ وصیتیں دل سے نکل گئیں

عشق آمد عقل او آوارہ شد | صبح آمد شمع اوبیچارہ شد

عشق آیا تو ان کی عقل بھاگ گئی | صبح ہوگئی تو ان کی شمع بیکار ہوگئی

عقل او شحنہ است چوں سلطاں رسید | شحنۂ بے چارہ در کنجے خزند
عقل کوتوال ہے جب شاہ آیا | بے چارہ کوتوال کونے میں گھس آیا
عقل سایہ حق بود حق آفتاب | سایہ را با آفتاب اوچہ تاب
عقل اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے اللہ سورج ہے | سایہ کی اس کے سورج کے سامنے کیا مجال ہے
چوں پری غالب شود بر آدمی | گم شود از مرد، وصف مردی
جب جن کسی آدمی پر چڑھ جاتا ہے | آدمیت سے آدمی کی صفت گم ہوجاتی ہے
ہرچہ گوید آں پری گفتہ بود | زیں سری وزاں سری گفتہ بود
وہ جو کچھ کہتا ہے، جن کی گفتگو ہوتی ہے | اس جانب کی، اگرچہ اس جانب سے کہا گیا ہو
چوں پری راایں دم و قانون بود | کردکار آں پری خود چوں بود
جب پری کو یہ طاقت اور قاعدہ حاصل ہے | وقوم اس جن کا خدا خود کیسا ہوگا
اوی اورفتہ پری خود اوشد | ترک بے الہام تازی گوشدہ
اس کی ماہیت چلی گئی وہ خود جن بن گیا | ترک بغیر الہام کے عربی بولنے والا بن گیا
چوں بخود آید نداند یک لغت | چوں پری راہست ایں ذات وصفت
جب وہ ہوش میں آتا ہے ایک لغت نہیں جانتا | جب کہ یہ ذات اور صفت جن کی تھی
پس خداوندی پری و آدمی | از پری کے باشدش آخر کمی
تو جن و انس کا خدا | آخر وہ جن سے کب کم ہوگا
شیر گیراز شیر کے ترسد بگو | شرح راہ ازکور کے پرسد بگو
بتلا! نیم مست شیر سے کب ڈرتا ہے؟ | بتا! راستہ کی تفصیل اندھے سے کوئی پوچھتا ہے؟
شیر گیر ارخون نرہ شیر خورد | تو بگوئی اونکرد آن بادہ کرد

اگر وہ پرانے راز کی بات کہے
تو کہے گا یہ بات شراب نے کہی ہے

بادہ رامی بود گرایں شروشور
نورحق رانیست آں فرہنگ و زور

اگر شراب میں یہ شورسر ہوتا ہے
تو کیا اللہ تعالیٰ کے نور میں یہ لیاقت و طاقت نہیں ہے؟

کہ ترا از تو بکل خالی کند
تو شوی پست او سخن عالی کند

کہ وہ تجھے تجھ سے بالکل خالی کردے
تو مغلوب ہوجائے (اور) وہ بلند بات کرے

گرچہ قرآن ازلب پیغمبر است
ہر کہ گوید حق نگفت اوکافراست

قرآن اگرچہ پیغمبر کے لبوں سے ہے
لیکن جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا تو وہ کافر ہے

اور وہ صاحب نفحات جو جلال الدین رومی سے نقل کرتے ہیں کہ میں تہتر مذاہب میں سے ایک ہوں جب کسی دانشمند نے اشارہ کیا کہ مولانا سراج الدین قونوی صاحب صدر جو مولانا سے خوش نہ تھے۔ مولانا کے اس کلام پر برا بھلا کہنے لگے تو مولانائے موصوف مسکرائے اور کہا یہ بھی جو تم کہہ رہے ہو ان ہی میں سے ایک ہے۔

اخبار اور آثار میں آیا ہوا ہے ان اللّٰہ خلق آدم علی صورتہ ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور توراۃ کے پہلے باب میں بھی یہی مفہوم ہے۔

اور انبیائے سابقین کے صحائف میں وارد ہے کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ، جس نے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ اور یہ حدیث بھی ہے کہ جب بندہ میرا قرب حاصل کر لیتا ہے تو میں اس کو دوست بنالیتا ہوں، جب میں اس کو اپنا دوست بنالیتا ہوں تو اس کا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اس کی زبان ہوجاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ اے بندے! میں بیمار رہا تو نے میری عیادت نہیں کی؟ بندہ

حیرت سے پوچھتا ہے، اے اللہ تو کیسے بیمار ہوتا ہے؟ اس پر جواب ملتا ہے میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو اس کی عیادت کرتا تو اس کے پاس مجھے پالیتا۔

آپ کے پوچھے ہوئے مسئلہ کا حل مذکورہ مقدمات کی وضاحت پر موقوف ہے۔ بہت سے لوگ اس کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، اور اس سے تشبیہ میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ جز کی صورت، ظاہر کی صورت نہیں ہوگی۔

اور بعض حلول اور اتحاد میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ کلموا الناس علی قدر عقولھم، لوگوں کے ساتھ ان کی فہم و عقل کے مطابق گفتگو کیا کرو!

اس قسم کے مباحث کا سمجھنا سلوک صحیح اور جذبۂ الٰہی پر موقوف ہے اور شریعت ان کے اظہار کی اجازت نہیں دیتی۔ اسی لئے صاحب ''الطاف القدس'' فرماتے ہیں :

بے شک صوفیاء کرام کی کتابیں عجیب تاثیر رکھتی ہیں اور وہ طبقہ خواص کیلئے کیمیا ہے لیکن عوام کے حق میں سمِ قاتل ہے۔

میرے جد محترم سید عبداللطیف ذوقی ''لطائف لطیفی'' میں فرماتے ہیں اس علم کو کتابوں سے حاصل نہیں کیا جاسکتا، صالحین اور کاملین کی صحبت اور ان کے وعظ وارشاد اور تلقین و تعلیم کے ذریعہ حاصل کیا جائے۔

سلطان اولیاء فرماتے ہیں کہ یا غلام یوخذ العلم من افواہ رجال اللّٰہ لا من الصحائف و الدفاتر، اے عزیز! علم کو اہل اللہ کی صحبت اور ان کے وعظ وارشاد سے حاصل کرو۔

لہٰذا ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حقائق و معارف اور اسرار و رموز کا سمجھنا کتابوں پر موقوف نہیں ہے اس کے لئے صالحین و کاملین کی صحبت اختیار کی جائے۔

میرے جد امجد محی الملۃ والدین حضرت ذوقی ؒ "لطائف لطیفی" میں فرماتے ہیں اے عزیز! علم انسان کے اندر مراتب داخلیہ میں سے ایک مرتبہ ہے، اور اس کے مراتب بے انتہاء ہیں۔ جب تمام مراتب حد فعلیت پر پہونچ جائیں تو انسان سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہے گی۔

آپ یہ جان لیجئے کہ طرق وصول الی اللہ، یعنی خدا تک پہونچنے کے لئے تین صورتیں ہیں۔ تصور جس کو شریعت کی زبان میں تفکر کہتے ہیں اور اہل سلوک کی اصطلاح میں مراقبہ کہتے ہیں دوسری صورت ذکر اور تیسری صورت قرآن کریم کی تلاوت ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کی ذات، انسان کامل کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے تو ہر لمحہ یہ استحضار، دوام کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ اور ہم صحبت اور ہم نشین کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے صفات، بندہ کے صفات پر غالب آجاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے افعال، بندے کے افعال پر حاکم ہو جاتے ہیں، چنانچہ حدیث میں اسی حقیقت کو بے نقاب کیا گیا ہے کہ میں بندہ کی آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، اور پیر ہو جاتا ہوں جب اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔

یہ تقرب خاص اللہ تعالیٰ صالحین وکاملین میں سے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

اور صحیحین کی حدیث، میں بندے کے گمان سے قریب ہوں اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوں، اور یہ حدیث، بندہ میری طرف ایک بالشت آگے بڑھتا ہے تو میں ایک گز آگے بڑھتا ہوں، سے معلوم ہوا کہ وہ اپنی یاد کرنے والوں کی طرف نزول فرماتا ہے اور ان سے قریب ہوتا ہے۔

اور احاطۂ علمی، خدائے تعالیٰ کا خاصہ ہے، کلیات اور جزئیات میں سے کوئی چیز اس کے

علم سے باہر نہیں، ارشاد خداوندی ہے ان اللہ قد احاط بکل شئی علمًا ۔اور سرورِ عالم کا علم تمام انبیائے کرام اور اولیائے کرام اور ساری مخلوقات کے علم سے زیادہ ہے۔صاحب تحفۂ مرسلہ حضرت بایزید بسطامی کا قول نقل کرتے ہیں مامثل معرفة الخلق وعلمهم بالنبیؐ الاکمثل نداوة يخرج من راس الرق المربوط ۔حضورِ اکرمؐ کے علم کی وسعت اور عمق کا یہ عالم ہے کہ سارے انبیاء اولیاء اور مخلوق کا علم اس تری کے مانند ہے جو مشکیزہ کا منہ باندھنے پر ظاہر ہوتی ہے۔

اور اسی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قطب مدار کا علم اور جمیع اہل اللہ کا علم، جمیع مخلوقات کے علم سے گہرا ہے۔اس سے سرورِ عالم کے ساتھ دیگر صلحاء کے علم سے گہرا ہے ۔اس سے سرورِ عالم کے ساتھ دیگر صلحاء کے علم سے مساوات لازم نہیں آتی۔

یہ تمام ایسے اسرار ورموز ہیں جن کی گرہ کشائی کے لئے صالحین اور کاملین کی صحبت لازم ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۳۲)

بدعات کا خاتمہ اور سنتوں کا احیاء

سوالات نامہ جو کمال لطف وکرم سے اس فقیر کے نام تحریر کیا گیا تھا، موصول ہوا۔مسائل شرعیہ کے استفسار پر مشتمل رہنے کی وجہ سے دل کو خوشیاں حاصل ہوئیں، الحمد للہ علیٰ ذلک۔

اس دورِ غفلت نشاں میں کون ایسا شخص ہے جو مسائل شرعیہ دریافت کرے اور احکام شریعت کی تنفیذ اور امورِ ملت کی ترویج کرے۔

ہائے افسوس بہت سے مسلمانوں نے کتاب وسنت کو بالکل ہی پس پشت ڈال

دیا ہے۔ اگر کسی کو اس کے بیوی بچوں کو سخت وسست بات کہی جائے تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، لیکن اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کی خاطر جان دینے کی کیا بات ہے، ایک سخت بات سننا بھی گوارہ نہیں ہے۔ وائے نہ بکیار کہ صد بار وائے

افسوس ایک بار نہیں بلکہ سینکڑوں بار افسوس، ایسے ماحول میں مسائل شرعیہ کا جو استفسار کیا گیا ہے اس سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ آپ کے قلب میں بھی جاگزیں ہے۔ ازکوزہ بروں ہموں تراود کہ دروست، پیمانہ سے وہی چیز چھلکتی ہے جو اس میں ہوتی ہے۔

یہ مسکین قلتِ فرصت کی وجہ سے آپ کے دریافت کردہ مسائل کے جواب لکھنے سے اب تک قاصر رہا اور جانے والے لوگوں کی عجلت کے سبب جوابات کا مسودہ بغیر نظر ثانی کے مبیضّہ کروا کر روانہ کیا گیا ہے اور اپنی صوابدید کی بنا پر سوالات میں قدرے کمی بیشی بھی کی گئی۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ خطا ونسیان سے عفو فرمائے گا ربنا لا تحملنا مالا طاقة لنابه۔

آج وہ دور ہے کہ اسلام انتہائی ضعف وغربت اور اجنبیت کی حالت میں ہے اور یہ ایسا زمانہ ہے کہ اس میں تھوڑا عمل بھی اجر جزیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت کے مقام کو پہنچتا ہے۔ مسلمان غربت اور اجنبیت کے مقام میں ہیں۔ جیسا جیسا زمانہ گذرتا رہیگا اور بھی غریب تر ہوتے جائینگے۔ بداء الاسلام غريبا و سيعو دغريباً فطوبیٰ للغرباء۔ اسلام غربت واجنبیت کی حالت میں ظاہر ہوا پھر غربت واجنبیت سے ہم کنار ہو جائیگا، ایسے ماحول میں حاملین کتاب وسنت کے لئے خوش خبری ہے۔

اس دور غربت واجنبیت میں سعادت مند شخص وہی ہے جو مسلمانوں میں پھیلی

ہوئی بدعتوں میں سے کسی ایک بدعت کو بھی مٹائے اور متروکہ سنتوں میں سے کسی ایک سنت کو بھی زندہ کرے اور پنج وقتہ نمایں جو سلام ربانی ہے تعدیل ارکان کے ساتھ سکون قلب اور جماعت سے ادا کرے۔ کیونکہ صف بستہ سلام، کیا حاکم حقیقی اور کیا حاکم مجازی دونوں کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۳۴)

زکوٰۃ اور نفقہ کی فرضیت اور ان کی نوعیت

زیر نظر فتویٰ میں سائل کی اس سوچ کی اصلاح کی گئی ہے کہ زکوٰۃ اور نفقہ دونوں بھی فرض ہیں، زکوٰۃ کو اسلام کی بنیادوں میں داخل کیا گیا ہے لیکن نفقہ کو اس طرح اساسی اور بنیادی حیثیت کیوں نہیں دی گئی؟

چنانچہ اسکی وضاحت یہ کی گئی ہے کہ مختلف چیزیں فرض اور حلال ہیں لیکن ان کے فرض اور حلال ہونے میں حکمت و مصلحت اور اجر وثواب کے پہلو سے فرق ہے۔ بعض اعمال کا ارتکاب گناہ اور حرام ہے مثلاً کفر بھی گناہ ہے اور ترک نماز بھی گناہ ہے لیکن کفر کا ارتکاب کرنے والے اور نماز ترک کرنے والے کے لئے عذاب وعقاب میں فرق ہے لہٰذا اشیاء کی حلت وحرمت میں فرق وتفاوت ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

آپ نے فتویٰ طلب کیا تھا کہ زکوٰۃ اور نفقہ ہر دونوں فرض ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ زکوٰۃ کو اسلام کی بنیاد میں داخل کیا گیا، اور نفقہ کو خارج ؟

محبّ محترم !

توحید ورسالت پر ایمان فرض ہے اور نماز بھی فرض ہے۔ کفر، گناہ ہے اور نماز کا ترک کرنا بھی گناہ ہے۔ اس کے باوجود ان کے درمیان مشرق ومغرب کی طرح دوری ہے کافر ہمیشہ دوزخ میں رہیگا اور تارکِ نماز ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا۔ اسی طرح صحرا کے درختوں کے پتے حلال ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دارالحرب میں سود بھی حلال ہے۔ مردار اور غصب کی ہوی چیز اور خنزیر حرام ہے اور خنزیر مردار کا غصب بھی حرام ہے۔

اور زکوٰۃ کا مال مسکینوں کو پہنچانا اور بیت المال میں داخل کرنا ضروری ہے اور اہل وعیال اور بچوں پر مال کا خرچ کرنا بھی فرض ہے۔ لیکن ان کے درمیان بھی بڑا فرق ہے۔ زکوٰۃ میں مال خرچ ہوتا ہے اور نفقہ میں بھی مال خرچ ہوتا ہے۔ ایک (زکوٰۃ) غیر مرغوب ہے جس میں نفس کا کوئی دخل یا حصہ نہیں ہوتا، دوسرا (عیال پر خرچ) مرغوب اور محبوب ہے، نیز زکوٰۃ کے اندر شہروں اور لوگوں کی مصلحت ہے اور نفقہ میں اہل وعیال اور بچوں کی مصلحت ہے اور دونوں کے درمیان کافی فرق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کی وفات کے بعد عرب کے بعض زمینداروں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم ۔ کی آیت کے حکم کے مطابق زکوٰۃ حاصل کرنے کے لئے جنگ کی، اور اموال زکوٰۃ کو قوت وطاقت کے ذریعہ حاصل کیا، اور زکوٰۃ کو

شریعت کی اساس اور بنیاد خیال کیا، اسی لئے زکوٰۃ کو خانۂ اسلام کا پایہ اور ستون کہا گیا۔

مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، توحید و رسالت کی شہادت، اقامت الصلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ، حج بیت العتیق اور صیام رمضان۔

اسلام کو ایک ایسے گھر سے تشبیہ دی گئی ہے جس کے یہ ستون ہیں اور ان کے اوپر اس گھر کی بنیاد قائم ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۳۴)

اختلافی مسائل میں اہل اباحت کی رعایت

ذیل کا فتویٰ میں حضرت قطب ویلورؒ نے چند ایسے پہلوؤں اور گوشوں کی نشان دہی کی ہے جن پر عمل کیا جائے تو بہت سارے فقہی و عرفانی اور اختلافی وفروعی امور و مسائل میں توسط واعتدال اور امن و سلامتی کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ بعض مسئلوں میں، میں نے اہل اباحت کی رعایت بھی ملحوظ رکھی ہے تاکہ ان پر حقیقت منکشف ہو سکے کہ ان مسائل میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے لہٰذا وہ بھی تعصب سے کام نہ لیں اور علماء کے آراء اور فتاویٰ کا انکار نہ کریں۔

اور یہ حقیقت ہر کسی کے پیش نظر رہنی چاہئے کہ اختلافی امور اور مسائل میں ایک پہلو کو صحیح قرار دینا اور دوسرے پہلو کو غلط قرار دینا یہ

ایک صحیح اور علمی موقف نہیں ہے بلکہ ہر ایک کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔اور ہر ایک کو چاہئے کہ ایک دوسرے پر لعن وطعن نہ کرے اور کسی کی تحقیر و تذلیل نہ کرے اور کسی کے موقف کی فضیلت و فوقیت اور برتری اس طرح بیان نہ کرے جس سے دوسرے کے موقف کی تنقیص ہوتی ہے۔ بزرگان دین پر لعنت و ملامت کرنے سے اجتناب کرے۔ مذاہب اربعہ میں جس طرح حق کو دائر اور شامل سمجھا جاتا ہے اسی طرح مذہب وجودی اور مذہب شہودی میں بھی حق کو دائر اور شامل سمجھا جائے اور ایک عامی شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ صوفیہ کی تعلیمات کو حق سمجھے اور ان کے امور و معاملات اور مسائل میں دخل نہ دے اور یہ خیال کرے کہ ان کے بیان کردہ حقائق و معارف کو سمجھنے سے میری عقل قاصر ہے۔

حضرت قطبؒ ویلور نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ

فقیر کا مسلک مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ ابن حجر مکی، شیخ جلال الدین سیوطی اور امام ربانی مجدد الف ثانی وغیرہ کے مسلک کے مطابق ہے وہ بھی ان حضرات کی طرح افراط پسند افراد کی زیادتی اور غلو پسند اشخاص کے غلو سے اللہ کی پناہ اور امان طلب کرتا ہے۔

جشن مولد رسولؐ کے مسئلہ میں علامہ ابن حجر مکی اور علامہ سیوطی وغیرہ جواز کے قائل ہیں، لہٰذا ہم جیسے مقلدین کے لئے

یہ پہلوایک سنداور حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

اہل اباحت کی رعایت کے باب میں آپ نے جو تحریر فرمایا تھا وہ پسند آیا، اللہ تعالیٰ آپ کو تادیر قائم رکھے اور اس فقیر کا مسلک اور موقف بھی یہی ہے اور آپ کو میری کتاب ""فصل الخطاب"" کے مطالعہ سے واضح ہو جائیگا کہ اہل اباحت کی رعایت کے باوجود، غالی حضرات کی رعایت بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ شیخ الہند شاہ عبدالحق محدث دہلوی ""مدارج"" کے دسویں باب کی چھٹی فصل میں تحریر فرماتے ہیں:

اباحت کے اقوال پیش کرنے سے راقم الحروف کا مقصد اس حقیقت کی گرہ کشائی ہے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اور کسی اختلافی مسئلہ میں ایک ہی جانب حق ہونے کا یقین کر لینا اور اسی کو اہمیت و ترجیح دینا اور اس کے اندر تعصب سے کام لینا، یہ علمی اختلاف کا غیر مناسب طریقہ ہے، اگر ان میں سے کسی ایک کو نیکی سمجھیں اور صلاح وقت خیال کریں، تو توقف و احتیاط سے کام لیں اور اختلاف و نزاع کے بھنور میں نہ پھنس جائیں اور اس روش میں اپنی سلامتی تصور کریں اور بزرگان دین و اہل اللہ کو زشت کرنے سے اور ان کے عیب نکالنے سے اپنی زبانوں کو بند رکھیں۔ دلیلوں کے تعارض اور طریقوں کے تباین و تفاوت اور علماء و فقہا اور صوفیاء کے وجود بابرکت کے باوجود دوسری جانب میں راجح و مرجوح سے قطع نظر کرتے ہوئے بزرگوں کے پیچھے پڑ جانے سے پرہیز کریں اور کبھی بھی راستی و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔

صحبت و عافیت گرچہ خوش افتاد اے دل   جانبِ عشق عزیز است فرومگذارش

اور اباحت کے حضرات کے لئے بھی زیبا نہیں کہ وہ تعصب و عناد سے کام لیتے

ہوئے علمائے کرام کے اقوال کا انکار کریں اور بالخصوص وہ علماء جو دیانت ونصیحت کے راستہ کے سالک ورہبر ہیں۔ولکل وجهة هو موليها فاستبقوا الخيرات۔

اور ہر دونوں فریق کے لئے ضروری ہے کہ وہ تفصیل اور تمیز کے طریقہ کی رعایت وطرفداری کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔توقف واحتیاط سارے کاموں کے اندر محمود پسندیدہ ہے۔وبااللہ التوفيق ومنه العصمة۔

عیب مئے چوں ہمہ گفتی ہنرش نیز بگو نفی حکمت مکن از بہر دل عامی چند

نیز شیخ الہند عبدالحق محدث دہلوی اسی کتاب میں غنا، موسیقی سے متعلق واقع شدہ اختلافات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس چیز کو بیان کرنے سے منشاء اور مدعا یہ ہے کہ یہ امر مختلف فیہ ہے اور اختلافی مسائل کے اندر ایک دوسرے پر نکتہ چینی نہیں کرنی چاہئے اور ہر ایک کو اپنے اپنے حال اور روش پر چھوڑ دینا چاہئے فربكم اعلم بمن هو اهدى سبيلا۔تمہارا رب ہی سب سے زیادہ بہتر جانتا ہے کہ تم میں سے کون سب سے زیادہ ہدایت پر ہے۔

سندالعلماء مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، کا مکتوب جو مولوی نوراللہ صاحب کے نام لکھا گیا ہے میری کتاب ''فصل الخطاب'' کے آخری فائدہ میں آئے گا۔ آپ خصوصیت کے ساتھ ملاحظہ کیجئے۔

ہم لوگ جو اس اختلاف کے بعد پیدا ہوئے ہیں طرفین میں سے کسی ایک کا یقین نہیں کر سکتے۔پس ہم لوگوں کے لئے یہی راہ باقی رہ گئی ہے کہ جس طرح مذاہب اربعہ میں حق کو دائر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مثلاً مذہب حنفیہ درست ہے لیکن خطا کا احتمال ہے اور مذہب شافعیؒ و مالکیؒ اور ان کے علاوہ دوسرے مذاہب خطا ہیں لیکن

درست ہونے کا احتمال رکھتے ہیں بالکل یہی حال مذہب توحید وجودی اور مذہب توحید شہودی کا ہے۔ اگران میں سے ایک، دلیل کی وجہ سے راجح ہو تو دوسرے کو گمراہی و ضلالت نہیں سمجھنا چاہئے۔

نیز اسی مکتوب میں لکھتے ہیں کہ توحید وجودی اور توحید شہودی کے فرق کی وجہ سے امت کے درمیان، جو اختلاف رونما ہوا، وہ سنی و رافضی یا سنی و خارجی کے اختلاف کے مانند نہیں ہے کہ جانبین سے ایک دوسرے کو کافر اور گمراہ کہیں بلکہ یہ اختلاف، مذاہب اربعہ کے اختلاف کے مانند ہے۔

اور سورۃ التساؤل کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس سورۃ میں مقصود بیان یہ ہے کہ حقائق امور اُخرویہ، مباحث ذات وصفات، مسئلہ قضا وقدر، جبر واختیار، توحید وجودی، توحید شہودی، مشاجرات صحابہؓ کرام اور احکام شرعیہ کی حکمتیں جو لوگوں کی عقل وفہم سے بالاتر اور ان کی سمجھ بوجھ سے باہر ہیں، ان مسائل کے بارے میں زیادہ سوالات کرنا نہایت قبیح اور مذموم ہے کیونکہ عوام (ان حقائق کے دقیق معانی نہ سمجھنے کی بناپر) انکار کر بیٹھتے ہیں۔ ورنہ کم از کم (یہ مسائل و مباحث) اکثر ذہن میں تشکیک کا باعث ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایمان ان چیزوں سے متعلق زیادہ تحقیق وتفتیش کرنے اور ان امور ومسائل کی کمیات و کیفیات جاننے پر موقوف نہیں ہے، اور یہی وہ خطرناک مرض ہے، جو اس امت میں گمراہ فرقہ بندی اور عقائد میں گمراہی کا باعث بنا اور ایک عالم کے ایمان کو ہوا میں اڑا لے گیا۔

غرض اللہ نے اس صورت حال (مذکورۃ الصدر مسائل وامور میں تحقیق وتفتیش اور کثرت سوال اور بحث ومباحثہ) کی قباحت بیان کی ہے تاکہ لوگ اس قسم کے مسائل

میں الجھنے سے احتراز کریں اور گمراہی وضلالت کے بھنور میں نہ پھنس جائیں۔

نیز اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں: ایک شخص جو ابھی صوفیائے کرام کے مقام کو نہیں پہنچا ہے اور نہ عالم متکلم ہے، وہ مکلّف ہے کہ صوفیاء نے جو فرمایا ہے اس کو اجمالاً جان کر رکھے اور یہ اعتقاد رکھے، کہ صوفیہ نے جو فرمایا وہ حق ہے، البتہ میری سمجھ اور فہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتی، متشابہات قرآن پر ایمان کی طرح۔

اور ملا علی قاریؒ ''سم القوارض'' میں فرماتے ہیں کہ ائمہ اجتہاد پر طعن کرنے والا شخص تعزیر و تنبیہ کے قابل ہے۔

اور شیخ جلال الدین سیوطی ''جزیل المواہب فی اختلاف المذاہب'' میں فرماتے ہیں: یہ بڑی تعجب خیز بات ہے کہ کچھ لوگ بعض فقہی مذاہب و مسالک کی فضیلت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس سے دوسرے مذاہب کی تنقیص لازم آتی ہے اور اس کی وجہ سے بسا اوقات بے علم نادانوں کے درمیان خصومت و دشمنی اور جنگ و جدال کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ البتہ اہل علم کا دامن اس قسم کی آلودگیوں سے پاک وصاف ہے، اور بے شک فروعات اور جزئیات میں صحابۂ کرام کے درمیان میں بھی اختلافات رونما ہوئے، حالانکہ یہ حضرات خیر امت ہیں۔ لیکن انہوں نے کبھی آپس میں ایک دوسرے سے عداوت اور دشمنی نہیں کی اور نہ ہی ایک دوسرے کو خطا و غلطی اور گمراہی سے منسوب کیا۔

یہ فقیر بھی افراط پسند اشخاص کی زیادتی اور غلو پسند افراد کے غلو سے اللہ کی پناہ اور امان کا طالب ہے۔ آپ نے جشن مولد شریف کے رسائل طلب کیا تھا۔ محبّ محترم! کتاب سیرت شامی میں جشن مولد شریف میں ایک فصل ہے جو حاجی ابراہیم صاحب

مکۃ المکرّمہ میں مولانا شاہ اسحٰق صاحب کے پاس سے اپنے خط سے نقل کئے ہیں اور مذکورہ فصل کو مجموعہ میں مجلد کئے ہیں، اور فقیر نے اس کو عاریۃً مولوی حنیف صاحب کی خدمت میں روانہ کیا ہے۔

نیز رسالہ جلال الدین سیوطی آپ تک عبدالحی صاحب قادری کی معرفت پہنچے گا جس کے مطالعہ سے آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوجائے گی کہ ابن حجر مکی اور جلال الدین سیوطی جیسے مجتہدین کرام اس مسئلے (جشن مولد شریف) میں جواز کے قائل ہیں لہٰذا ہم جیسے مقلدین کو ان مجتہدین کی تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں، کذا فی کتب الاصول۔

امام ربانی مکتوبات کی جلد اول کے ۲۸۶ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں: کہ مقلد کو یہ حق نہیں کہ وہ مجتہد کی رائے کے خلاف قرآن وحدیث سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل پیرا ہو جائے۔

مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی "مقدمہ ایضاح الحق" میں مسئلہ استنباط احکام کی بحث میں فرماتے ہیں: دوسری شرط یہ ہے کہ قیاس کرنے والا مجتہدین سے رہے نہ کہ مقلدین میں۔

حاصل کلام ! فقیر افراط اور غلو کی روش سے پناہ طلب کرتا ہے اور اولیائے کرام کا انکار کرنے والوں سے اور ان کو کافر کہنے والوں سے اور مقلدین کے اجتہاد و استنباط سے اور مبتدع اشخاص کی بدعات سے، اور بزرگان دین پر طعن و تشنیع کرنے والوں سے برأت اور بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہے کہ وہ اس فقیر کو اور تمام مسلمانوں کو شریعت مطہرہ اور اہل سنت وجماعت کے مسلک پر استقامت عطا فرمائے گا۔ بقیہ احوال وکوائف کی اطلاع آپ کو مولوی حنیف صاحب کی زبانی مل جائے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۳۵)

بنگلور کے علماء کی خدمت میں ایک فتویٰ

حضرت قطبؒ ویلور نے ذیل کا فتویٰ بنگلور کے علماء اور مشائخ کے نام روانہ کیا ہے اور اپنے خلفاء میں سے مولانا شاہ عبدالوہاب قادری، بانئ مدرسہ باقیات صالحات ویلور، مولانا شاہ عبدالحیٔ واعظ بنگلوری، مصنف جنان السیر ، مولانا مولوی شاہ محمد حنیف قادری کو نمائندہ بنا کر بنگلور بھیجا ہے، آپ کے اس اقدام سے ایک تعمیری پہلو یہ سامنے آرہا ہے کہ تشدد آمیز حالت اور اختلافی صورت میں فتویٰ کے ساتھ نیک طینت اور صالح علمائے کرام کو بھی روانہ کرنا چاہیے تا کہ وہ فتویٰ کو بہتر اور مفید انداز میں لوگوں کو سمجھا سکیں اور دعوت واصلاح کا کام انجام دے سکیں۔

اس فتویٰ میں بنگلور کے علماء اور مشائخ کی دینی اور اصلاحی ذمہ داریوں سے غفلت وسستی اور چشم پوشی وبے توجہی پر رنج اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے انہیں مسلمانوں میں ابھرتے نت نئے فتنوں کے انسداد کی طرف توجہ مبذول کی گئی ہے اور اس بات سے آگاہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ اسی طرح تغافل اور تساہل سے کام لیتے رہیں گے تو وہ بہت جلد یہ منظر بھی دیکھ لیں گے کہ اہل سنت و جماعت سے منحرف بدعقیدہ اشخاص سنت و جماعت کے لوگوں کو اپنے گمراہ کن عقائد کی علانیہ دعوت دیں گے۔

حضرت قطبؒ ویلور نے خصوصیت کے ساتھ اہل علم سے کہا ہے کہ اگر وہ صحابہ وتابعین، ائمہ اربعہ واکابرین پرلعن طعن اور تہمت کی وبا کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کریں گے تو یہ وبا ایک ایسے بھیانک فتنہ کی شکل میں پھیل جائے گی کہ اس کے بعد شریعت کے اوپر سے اعتماد ہی اٹھ جائے گا، کیونکہ ہمیں ان حضرات کرام اور بزرگان کرام کے ذریعہ قرآن وحدیث اور فقہ کا سرمایہ ملا ہے لہٰذا ان بزرگوں پر حسن اعتقاد اور حسن اعتماد برقرار رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اور تمام مسلمانوں کو ائمہ اربعہ کی تقلید اور پیروی کی تلقین کرتے رہنا چاہئے اور یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہئے کہ مسلمانوں میں بہتر فرقے پیدا ہونے اور ان کے گمراہ اور گمراہ کن ہونے کا واحد سبب، ائمہ اربعہ کی تقلید نہ کرنا ہے۔

ڈاکٹر بشیرالحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

بنگلور کے بعض مقلدین دعویٰ تقلید کے باوجود اجتہادات کررہے ہیں حالانکہ مقلد کو کسی طرح بھی اجتہاد اور استنباط کا حق نہیں پہنچتا۔ کذافی کتب الاصول۔ اور شیخ مجدد مکتوبات کی جلد اول کے ۲۸۶ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں۔ مقلد کو یہ حق نہیں کہ اپنے امام کے مسلک کے خلاف قرآن اور حدیث سے احکام اخذ کرے اور ان پر عامل ہو جائے۔

ان جیسے مقلدین کے اجتہادات واستنباطات اور ائمہ اربعہ کی عدم تقلید نے بہتر فرقوں کو گمراہی وضلالت کے بھنور میں جھونک دیا۔ ضلوا فاضلوا۔ خود بھی گمراہ ہوئے

اوروں کو بھی گمراہ کیا۔

مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود اولیاء اللہ اور علمائے کرام کا انکار کررہے ہیں اور انہیں کافر کہہ رہے ہیں حالانکہ یہ مسلّم حقیقت ہے کہ کسی ادنیٰ مومن کو بھی کافر کہنے سے، کہنے والا خود ہی کافر ہوجاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اور عقائد کی تمام کتابوں اور ''تکمیل الایمان'' میں اس مسئلہ کی وضاحت موجود ہے۔

جب کسی ادنیٰ مومن کی تکفیر سے آدمی خود ہی کافر ہوجائے تو ہزاروں علماء، صلحاء، سادات اور اولیاء اللہ کو کافر کہنے کی قوت بھلا کس شخص میں ہوگی۔ کسی مسلمان کو کافر کہنا ایک بدترین غلطی ہے اور اس شنیع اور رذیل کام کو وہی شخص کرسکتا ہے جس کا دل مریض اور جس کا باطن خبیث وگندہ ہو۔

ترا تیشہ دادم کہ ہیزم شکن　　　نگفتم کہ دیوار مسجد بکن

میں نے تجھ کو اوزار اس لئے دئے کہ لکڑیاں توڑے، دیوار مسجد منہدم کرنے کے لئے نہیں، یعنی یہ چیز تعمیری کاموں میں استعمال کرنے کے لئے تھی نہ کہ تخریبی کاموں کے لئے۔

اور سنیت کے دعویٰ کے باوجود شیعوں، اور خارجیوں کی طرح بزرگان دین پر طعن وتشنیع کرنے کو دینداری کا کمال اور بزرگی خیال کررہے ہیں۔

بزرگش نخوانند اہلِ خرد　　　کہ نامِ بزرگاں بزشتی برَد

اہل خرد اس آدمی کو نیک اور شریف خیال نہیں کرتے جو بزرگوں کا نام برائی اور سوء ادب کے ساتھ لیتا ہے۔

صحابۂ کرام اور اہل بیت نبویؐ کی تکفیر اور ان پر لعن وطعن ہی نے شیعوں اور خارجیوں کو صراط مستقیم سے مشرق ومغرب کی طرح دور کردیا ھلکو افاھلکوا۔ خود بھی

ہلاک ہوئے اوروں کو بھی ہلاک کیا۔ حدیث شریف میں ہے اذکروا محاسن موتاکم وکفوا عن مساویھم ۔ رحلت شدہ لوگوں کی خوبیاں اور اس کے محاسن کا اظہار کرو اور ان کی لغزشوں اور خامیوں کے اظہار و بیان سے اپنی زبانیں بند رکھو۔ لیکن لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ مرے ہوئے لوگوں کے عیبوں کو ظاہر کرو اور ان کی خوبیوں کو پوشیدہ رکھو بلکہ بزرگان دین کی نیکیوں کو بھی گناہوں کی صورت میں دیکھو۔

چشم بداندیش کہ برکندہ باد　　　　عیب نماید ہنرش درنظر

بداندیش آدمی کی نظر سے بچو کیونکہ ہنر بھی اس کی نظروں میں عیب دکھائی دیتا ہے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ ہم لوگوں نے ان بزرگانِ دین سے دین اور شریعت کو پایا ہے۔ اگر ان کے بارے میں لعن وطعن کی گنجائش نکل آئے تو پھر شریعت کے اوپر ہی سے اعتماد اٹھ جائے گا اور ان بزرگوں کے متہم ہونے کے بعد ہماری شریعت کا اثاثہ اور ذخیرہ سب کچھ ناقابل اعتبار بن جائے گا۔ العیاذ باللہ۔

لہٰذا بزرگوں پر طعن ولعن کرنے والا ھم ذیاب علیھم الثیاب۔ (درندے بصورت انسان) کے حکم کے موافق، سنّیت اور دینداری کے لبادہ میں دین کا دشمن ہے اور دین کی بنیاد ڈھا دینے والا ہے۔

شب گربہ سموری نماید　　　　زنگی بچہ حوری نماید

بلی رات کے وقت سمور (جانور) دکھائی دیتی ہے اور زنگی بچہ بھی خوبصورت لگتا ہے۔

بنگلور کے علماء اور اکابرین اس باب میں تغافل اور تساہل سے کام لے رہے ہیں افسوس صد افسوس، ان بے انصاف افراط پسند لوگوں کی سختی اور تشدد کا کوئی انسداد بھی نہیں کر رہے ہیں۔

اور تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ وہاں کے علماء اور اکابرین اس واقعہ میں خود کو معاف تصور کرر ہے ہیں، اور تساہل سے کام لے رہے ہیں۔ اللہ نے اہل کتاب کی مذمت میں فرمایا: لولا ینھھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت لبئس ما کانوا یفعلون۔ کیوں ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے، کیسی بری ان کی کارستانیاں ہیں۔

نیز ارشاد خداوندی ہے: کانوا لایتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون۔ جو برائی انہوں نے اختیار کرر کھی تھی اس سے باز نہ آتے تھے کیسا بے جا تھا جو کچھ وہ کرر ہے ہیں۔

اس قسم کے واقعات میں تغافل اور تساہل برتنا دراصل اہل بدعت کو دلیر بنانا ہے وہاں کے علماء اور اکابرین کا غفلت و سستی برتنا گویا دین کے اندر رخنہ پیدا کرنا ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو وہ لوگ اہل حق ہی کو برملا اپنے باطل معتقدات کی دعوت پیش کریں گے اور لوگ قلیل مدت میں اس گروہ کو بھیڑیوں کی شکل میں بکریوں کے ریوڑ سے نکلتا ہوا دیکھ لیں گے۔

اس تحریر کو مولوی عبدالحئی صاحب قادری، مولوی محمد حنیف صاحب، مولوی شاہ عبدالوہاب قادری (بانیٔ مدرسہ باقیات صالحات ویلور) کے ذریعہ ارسال خدمت کرر ہا ہوں، ان کی زبانی سنیں جو صاحب علم ہیں اور جناب کوٹے حیدر صاحب اور وہاں کے دیگر اکابرین کو بھی سنائیں۔

☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر(۳۶)

اہل علم کی خدمت میں ایک اہم فتویٰ

آپ اہل علم حضرات واقف ہیں کہ بعض بندگان نفوس دینی مسائل سے لاعلمی و بے خبری کے باوجود پورے افراط اور تفریط کے ساتھ بزرگان دین پر لعن طعن کی جسارت کرر ہے ہیں۔اوران نفوس قدسیہ کو شہر شہر کافر اور ملحد کہتے پھر رہے ہیں اور دین متین کو برباد کرر ہے ہیں اور آگاہ کرنے پر بھی متنبہ اور خبر دار نہیں ہور ہے ہیں، قرآن کریم کے اس ارشاد ویل لکل ھمزہ۔اور رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان مبارک اذکروا محاسن موتاکم و کفواعن مساویھم۔(گذرے ہوے لوگوں کے محاسن اور نیکیاں بیان کرو اوران کے معائب اور گناہوں کے اظہار سے زبان بند رکھو۔) کو پس پشت ڈال رہے ہیں۔اور شیعیوں اور خارجیوں کی طرح ہر گروہ دوسرے گروہ کے بزرگوں کی عیب چینی وطعنہ زنی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہا ہے۔اور نفرت و عداوت کا اظہار کئے بغیر سکوت کو پسند نہیں کر رہا ہے۔

مولانا باقر آگاہ مدراسیؒ ''ایقاظ الغافلین'' میں لکھتے ہیں کہ امام یافعیؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ صوفیائے کرام سے جو کچھ منقول ہے اور ان کی جانب جو کچھ منسوب ہے اگر وہ بادی النظر میں ظاہری شریعت کے خلاف معلوم ہو رہا ہے تو اس کے لئے تاویلات اور احتمالات کی گنجائش ہے۔

دوم یہ کہ ثبوت نہ ملنے کے بعد صوفیاء کی جانب سے ان اقوال کے لئے مناسب اور موافق تاویل تلاش کی جائے گی۔آخرش کوئی بھی احتمال اور تاویل نہ پائی گئی تو یہ کہا جائے کہ شاید اہل باطن کے نزدیک ان اقوال کی تاویل ہو۔

سوم یہ کہ ان کا صدور صوفیاء سے جذب وسکر اور محو کی حالت میں ہوا ہوگا اور جذب وسکر کی بے خبری، مباح غیر ماخوذ ہے کیونکہ اس حالت میں آدمی غیر مکلّف ہے۔

لہٰذا ان مخارج ومحامل اور احتمالات کے بعد بھی صوفیاء کے ساتھ بدگمانی اور سوء ظنی رکھنا عدم توفیق کا نتیجہ ہے۔ ہم اللہ سے بے نصیبی، سوٗ قضا اور ہر طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں سے پناہ چاہتے ہیں۔

اور امام ربانی شیخ سرہندی مکتوبات کی جلد سوم کے ایک سو سترویں مکتوب میں فرماتے ہیں: اگر کسی سے کوئی ایسا لفظ صادر ہوا ہے جس کا ظاہری معنی علوم شرعیہ سے مطابقت نہیں رکھتا ہے تو قدرے غور وفکر کے ذریعہ اس کے ظاہری معنی کو دوسرے معنی کی طرف پھیر دینا چاہئے اور کسی مسلمان کو متہم نہیں کرنا چاہئے۔ جب شریعت میں فحش اور بے حیائی پھیلانا اور کسی فاسق اور فاجر شخص کو رسوا اور ذلیل کرنا حرام ہے تو محض اشتباہ کی وجہ سے کسی دیندار مسلمان کو رسوا اور ذلیل کرنا کیونکر جائز ہوگا۔ اور یہ کونسی دینداری ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر اس کی منادی کرتے پھریں۔ خیر خواہی اور دینداری کا تقاضہ تو یہ ہے کہ کسی شخص سے ایسا کوئی جملہ یا کلمہ صادر ہوا ہے جس کا ظاہری معنی علوم شرعیہ کے خلاف نظر آئے تو دیکھنا چاہئے کہ اس کا قائل کون ہے۔ اگر کوئی ملحد اور زندیق ہے تو اس کا رد نہیں کرنا چاہئے اور اس کی بات کی اصلاح میں کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ اور اگر قائل اللہ و رسولؐ پر ایمان رکھتا ہے، تو اس کی بات کی اصلاح میں کوشش کرنی چاہئے اور اس کے لئے ایک صحیح احتمال اور مناسب وموزوں تاویل تلاش کرنی چاہئے۔ امید ہے کہ آپ حضرات اس صورت حال کے بدلنے میں خود کو معذور تصور نہیں کریں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۴۷)

میلاد النبی ﷺ پر اظہار و سرور کا مسئلہ

مسئلہ میلاد سرور عالم ﷺ سے متعلق استفسار دیکھ کر دل کو خوشی و مسرت حاصل ہوئی۔ الحمدللہ علیٰ ذلک۔

رسول کریم ﷺ کی ولادتِ باسعادت پر شریعت کے دائرہ میں سرور و مسرت کا اظہار کرنا تو آپ کے ساتھ محبتِ ایمانی میں اضافہ کا ذریعہ ہے۔ حیرت ہے ایسے مستحسن فعل اور امر ایمانی میں لوگ بحث و مباحثہ کرنے لگے ہیں۔

شیخ الہند شاہ عبدالحق محدث دہلوی ''مدراج النبوہ'' جلد اول میں تحریر فرماتے ہیں، ثوبیہ یہ وہ باندی ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی خبر سن کر ابولہب کو یہ خوشخبری سنائی کہ تمہارے بھائی عبداللہ کے گھر لڑکا تولد ہوا ہے تو ابولہب نے یہ خوشخبری سنانے پر ثوبیہ کو آزاد کر دیا۔ اور اسے رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلانے کا حکم دیا۔ ولادتِ نبوی پر ابولہب کو اس اظہارِ مسرت کا صلہ، اللہ نے یہ دیا کہ دوشنبہ کے روز اس کے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔

اس واقعہ کے اندر قائلین میلاد کے لئے سند ہے کہ میلاد النبیؐ کی شب میں اظہار مسرت کر سکتے ہیں اور مستحسن امور (اسلام اور سیرت محمدیؐ کا پیغام عام کرنے کے لئے ضیافت طعام وغیرہ) میں اپنا مال خرچ کر سکتے ہیں۔ ابولہب ایک کافر شخص جس کی مذمت میں قرآنی آیات نازل ہوئیں۔ جب اس نے رسول کریم ﷺ کی ولادت باسعادت پر خوشی کا اظہار کیا اور اپنی باندی کو رسول اللہ ﷺ کے دودھ پلانے اور اس کی

آزادی کا حکم دیا تو اللہ نے اس کو یہ بدلہ (دوشنبہ کے روز عذاب میں تخفیف اور انگلیوں سے پانی رسنا) عطا کیا تو مسلمان جن کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی محبت والفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اگر میلا دالنبیؐ پر شرعی دائرہ میں خوشی ومسرت کا اظہار کریں اور اس کام میں اپنے اموال کو خرچ کریں تو ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات واکرامات کا عالم کیا ہوگا؟

لیکن مسلمانوں کو چاہئے کہ میلا دالنبیؐ کے انعقاد میں بدعات مثلاً گانا بجانا، آلات محرمہ اور منکرات شرعیہ وغیرہ سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں تا کہ یہ غیر شرعی امور انہیں اللہ کے فضل وکرم اور اتباع سنت کے برکات سے محروم نہ کردیں۔

اس موضوع کی وضاحت حضرت قطب ویلور نے ایک دوسری جگہ بھی کی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی میلا دمبارک پر خوشی ومسرت کا اظہار کرنا بدعت حسنہ ہے اور میلاد کا عمل دنیا بھر کے علماء اور صوفیاء کا معمول رہا ہے۔ علامہ شیخ ابن حجر مکی ہیتمی اپنی کتاب ''نعمة الکبریٰ علی العالم بمولد سید ولد اٰدم'' میں لکھتے ہیں۔

میلا دالنبی ﷺ کا عمل بدعت ہے کیونکہ اسلام کی ابتداء تین صدیوں جن کے مبارک ہونے کی شہادت زبان نبوت ﷺ نے دی ہے، میں سلف صالحین میں سے کسی سے منقول اور ثابت نہیں ہے۔ لیکن یہ بدعت حسنہ اس قبیل سے تعلق رکھتی ہے کہ اس کے اختیار کرنے میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی کیونکہ یہ چند مستحسن امور پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اس میں فقراء ومساکین کے ساتھ احسان عظیم ہے (مثلاً کھانا تقسیم کرنا اور روپیہ بانٹنا) اور قرآن کریم کی تلاوت ہے اور ذکر کی کثرت ہے۔ نبی کریم ﷺ پر درود شریف کا پڑھنا ہے اور آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ والہانہ محبت والفت اور بے

پایاں خوشی و مسرت کا اظہار ہے اور اس عمل میں غیر مسلم طبقہ کو اسلام کی جانب دعوت دینے کا موقع بھی ہے۔

ان ہی گوناگوں فوائد و برکات کی وجہ سے زمانہ خیر القرون کے بعد جب سے میلاد النبیؐ کے عمل کا ظہور ہوا ہے اس وقت سے ساری دنیا کے مسلمان ماہ ربیع الاول میں میلاد شریف کے موقعہ پر مجلسیں آراستہ کرتے آرہے ہیں۔ جن میں وسیع پیمانہ پر ضیافت طعام کا اہتمام ہوتا ہے اور صدقات و خیرات اور نیکی و حسن اعانت کا معاملہ رہتا ہے اور قرآن کی تلاوت، ذکر اور سیرت طیبہ کا بیان ہوتا ہے اور اس طرح آپ کی ذات اقدس کے ساتھ خوشی و مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔

علامہ جزری فرماتے ہیں

میلاد النبی ﷺ کے عمل میں کوئی فوائد رہیں یا نہ رہیں یہی ایک فائدہ کیا کم ہے کہ اس میں مسلمانوں کے لئے سرور اور انبساط ہے اور شیطان لعین کے لئے ذلت و رسوائی ہے۔ جب اہل صلیب اپنے نبی کی شب ولادت کو عید اکبر قرار دے سکتے ہیں تو اہلِ اسلام بھی اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ وہ بھی اپنے نبی کریم ﷺ کی ولادت پر (شرعی حدود میں) خوشی و مسرت کا اظہار کریں۔

امام محقق، ولی کامل ابوزرعہ بن عراقی سے دریافت کیا گیا کہ میلاد النبی ﷺ کا عمل مستحب ہے یا کراہت اور اس کے متعلق کوئی دلیل موجود ہے؟ یا کسی ایسی شخصیت سے اس فعل کا صدور ثابت ہے جس کی اتباع کی جاسکے؟ تو انہوں نے فرمایا، دعوت تو ہر وقت مستحب ہے پھر بھلا ماہ ربیع الاول کی وہ دعوت کیوں مستحب نہ ہوگی جس میں نور نبوت کے ظہور پر اظہار مسرت کا عنصر شامل ہو۔ سلف صالحین میں سے کسی سے میلاد

کا عمل ثابت نہ ہوتو اس سے میلاد کا بدعت یا مکروہ ہونا کوئی ضروری نہیں۔ کتنی بدعات حسنہ ایسی ہیں جن کے اندر کوئی برائی اور خرابی نہ ہوتو ان کا اختیار کرنا نہ صرف مستحسن بلکہ ضروری سمجھا گیا ہے۔

نیز اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

نبی کریم ﷺ کا چچا ابولہب کو خواب میں دیکھا گیا اور اس سے اس کا حال پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ آگ کے شعلوں میں گھرا ہوں مگر جب دوشنبہ کی رات آتی ہے تو عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے اور میں اپنی ان دو انگلیوں سے پانی چوستا ہوں جن سے میں نے محمد ﷺ کی ولادت کی خوشخبری سن کر ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا۔

علامہ ابن جزری فرماتے ہیں

ابولہب جیسا کافر شخص جس کی مذمت میں قرآنی آیات نازل ہوئیں اور یہ وہ مذمت ہے جس سے بڑھ کر کسی مذمت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جب اُس نے نبی کریم ﷺ کی ولادت کی خوشخبری سنی تو خوشی و مسرت کا اظہار کیا اور اس اظہارِ خوشی پر اللہ نے اس کو یہ (عذاب میں تخفیف اور انگلیوں سے پانی جاری ہونا) صلہ عطا فرمایا تو ان مسلمانوں پر عنایات ربانی کا کیا عالم ہوگا جو نبی کریم ﷺ کی ولادت کے دن خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور آپ کی محبت و الفت میں حسب استطاعت خرچ کرتے ہیں۔ میری عمر کی قسم! اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے مسلمانوں کی جزا یہی ہوگی کہ وہ اس کے فضل و کرم سے جنات نعیم میں داخل کئے جائیں گے۔

نویں صدی ہجری کے مجدد اور احادیث نبوی کے حافظ علامہ شیخ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب ''حسن المقصد فی عمل المولد'' میں لکھتے ہیں:

میلاد النبی ﷺ کی حقیقت بس یہی ہے کہ مسلمانوں کا ایک اجتماع ہوتا ہے جس میں قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے اور نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور لوگوں کی ضیافت کی جاتی ہے اور یہ وہ امور حسنہ ہیں جن کے انجام دینے والے کو اجر و ثواب دیا جائے گا کیونکہ ان میں سے کوئی کام بھی خلاف شرع نہیں ہے اور ان کے اندر نبی کریم ﷺ کی تعظیم و تکریم ہے اور آپ ؐ کی ولادت باسعادت پر خوشی کا اظہار ہے، سب سے پہلے جس شخص نے میلاد النبی ﷺ کی ابتداء کی وہ ابن الملک المظفر ابوسعید کوکری بن زین الدین علی بن بکتین ہے، جس کا شمار دنیا کے عظیم بزرگ اور سخی بادشاہوں میں ہوتا ہے اور اس کے متعدد آثار حسنہ موجود ہیں۔ ساقون میں واقع جامع المظفر بھی اسی بادشاہ کی تعمیر کردہ ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اس کی سیرت و سوانح سے متعلق تحریر کیا ہے کہ یہ بڑا ذہین، شجاع، عاقل اور صاحب علم بادشاہ تھا۔ ماہ ربیع الاول میں بڑے احتشام کے ساتھ میلاد کی مجلس آراستہ کیا کرتا تھا۔

علامہ سیوطی مذکورہ کتاب میں بیان فرماتے ہیں کہ علامہ ابن جوزی نے ''مرأۃ الزماں'' میں لکھا ہے کہ یہ تفصیل ان حضرات کی بیان کردہ ہے جو بذات خود میلاد شریف کی بعض مجالس میں ملک مظفری کے دستر خوان پر موجود رہے۔ اس دستر خوان پر پانچ ہزار بکریوں، دس ہزار مرغ اور ایک سو اونٹ کا گوشت رکھا گیا تھا۔ اور ایک ہزار دودھ کی ملائی کے کٹورے اور تیس ہزار حلوے کے کٹورے رکھے ہوئے تھے۔ اور بڑے بڑے علماء اور صوفیاء میلاد شریف کی ان مجلسوں میں شرکت کے لئے بادشاہ کے پاس تشریف لاتے تھے اور بادشاہ انہیں ان مجلسوں میں شرکت کی دعوت دیتا اور خلعتوں سے نوازتا تھا۔

شیخ الہند شاہ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ کی پہلی جلد میں فرماتے ہیں کہ ثوبیہ ابولہب کی یہ وہ باندی ہے جس نے نبی کریم ﷺ کی ولادت کی خبر سن کر اپنے آقا ابولہب کو یہ خوشخبری سنائی کہ تمہارے بھائی عبداللہ کے گھر لڑکا تولد ہوا ہے تو یہ خوشخبری سنانے پر ابولہب نے ثوبیہ کو آزاد کر دیا اور اسے حکم دیا نبی کریم ﷺ کے دودھ کا انتظام کرے۔ ولادت نبوی ﷺ پر ابولہب کے اس اظہار خوشی کا صلہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ عطا فرمایا کہ دوشنبہ کے روز اس کے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ اس واقعہ کے اندر اہلِ میلاد کے لئے سند ہے کہ وہ ولادت نبوی ﷺ کی شب میں خوشی کا اظہار کر سکتے ہیں اور مستحسن امور، (اسلام اور سیرت نبوی ﷺ کا پیغام عام کرنے کے لئے مجالسِ ختم قرآن، ذکر اور درود شریف کی مجالس اور ضیافت طعام وغیرہ) میں اپنا مال خرچ کر سکتے ہیں۔ ابولہب ایک کافر شخص جس کی مذمت میں قرآنی آیات نازل ہوئیں۔ جب اس نے نبی کریم ﷺ کے دودھ کے انتظام کرنے کا حکم دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ صلہ (دوشنبہ کے روز عذاب میں تخفیف اور انگلیوں سے پانی جاری ہونا) عطا کیا تو مسلمان جن کے دل نبی کریم ﷺ کی محبت والفت سے بھرپور ہیں اگر یہ میلاد النبی ﷺ پر خوشی ومسرت کا اظہار کریں اور اس کارِ خیر میں اپنا مال خرچ کریں تو ان پر اللہ کے انعامات واکرامات کا کیا عالم ہوگا؟

لیکن مسلمانوں کو چاہئے کہ میلاد النبی ﷺ کے انعقاد میں ناجائز امور مثلاً گانا، بجانا، آلاتِ محرمہ اور منکرات شرعیہ سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں تاکہ یہ چیزیں انہیں اللہ کے فضل وکرم اور اتباع سنت کے فیوض وبرکات سے محروم نہ کر دیں۔

مذکورہ دلائل اور براہین سے یہ حقیقت بخوبی عیاں ہو چکی کہ سرورِ کائنات ﷺ

فخر موجودات سیدنا محمد ﷺ کی ولادت باسعادت پر خوشی و مسرت کا اظہار کرنا بدعت حسنہ ہے۔ صرف شیخ تاج الدین فاکہانی مالکی جن کا شمار علمائے متاخرین مالکیہ میں ہوتا ہے نے اپنی کتاب ''المورد فی عمل المولد'' میں میلاد شریف کو مذموم بدعت لکھا ہے۔ ان کے اس موقف کی تردید بطریق احسن علامہ سیوطی نے اپنی کتاب ''حسن المقصد فی عمل المولد'' میں کردی ہے۔ اس مسئلہ میں پیدا شدہ شکوک وشبہات کا حل مذکورہ کتاب میں دیکھ لیا جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۳۸)

جاہل عوام کا عقیدہ اور عمل دلیل و حجت نہیں

آپ کی تحریر مورخہ ۱۲ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ ۲۲ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ کو پہنچی۔ آپ کے علم اور مطالعہ سے یہ چیز خارج نہیں ہے کہ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معتقد ہیں۔ اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام معتقد ہیں اور بہتر گروہ سرور انبیاء سیدنا محمد ﷺ کے معتقد ہیں اور بہت سے نام نہاد درویش ابوالاولیاء حضرت علی مرتضیٰ، حضرت اویس قرنیؓ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت سید عبدالقادرؒ جیلانی، حضرت بہاؤالدین نقشبندی، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت شاہ محمد غوث گوالیری اور بدیع الدین مدار کے معتقد ہیں اور ان معتقدیان ہدایت وہادیانِ حق اور بزرگان دین کے عقیدہ اور عمل سے مشرق و مغرب کی طرح دور ہیں اور جو شخص معتقدین کے غلط عقائد اور برے اعمال کو دیکھتے ہوئے ان نفوس قدسیہ کے ساتھ غلط خیال اور سوئے ظن قائم کرلے تو وہ ان آیات کی زد میں رہیگا۔ ان بعض الظن اثم۔ بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔

خسر الدنیا و الاخرہ ذالك هو الخسران المبین۔ دنیا اورآخرت میں نقصان و خسران سے دوچار ہوا اور یہی نمایاں اور عظیم ترین خسارہ ہے۔

آپ سے یہ حقیقت بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ اہل سنت و جماعت کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ وہ مسلمان جن سے کبیرہ گناہ صادر ہوئے ہیں وہ دوزخ سے نجات پائیں گے۔

اور کسی مسلمان کو قتل کرنے والا گناہ کبیر کا مرتکب ہے اور سود خور بھی گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے اور مرتد کی توبہ مقبول ہے صرف اس بات میں اختلاف ہے کہ مرتد کو توبہ کرنے کی مہلت دی جائے یا نہیں۔ اس مہلت کے مستحب ہونے اور مستحب نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور اس کے لئے دوزخ میں عذاب دائمی ہے۔ یہ خارجیوں کا مذہب ہے۔ اہل سنت و جماعت کا مذہب نہیں۔

ساداتِ کرام کی عظمت و بزرگی باتفاق علمائے کرام ثابت ہے۔ مولف مسیح الازہر فرماتے ہیں جو شخص سید کو حقارت و تذلیل سے چھوٹا سید کہے تو وہ کافر ہے، صواعق محرقہ کے مصنف نے یہ حدیث نقل کی ہے، من لم یعرف حق عترتی فلاحدیٰ ثلث امامنا فق اوولد زان او حملته امه بغیر طهر۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری آل کا حق نہیں پہنچانا وہ منافق ہوگا یا ولد الزنا ہوگا یا حالت حیض میں اس کا حمل استقرار پایا ہوگا۔

حضرت امام شافعیؒ سے منقول ہے سادات کرام کا ایک چھوٹا لڑکا اپنے کھیل کے لئے بار بار آتا اور جاتا رہا اور جب بھی وہ آتا تو اس کی تعظیم کے لئے امام صاحب کھڑے ہو جاتے اور جب وہ چلا جاتا تو بیٹھ جاتے حاضرین مجلس نے اس نشست و

برخاست کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جُز ہے۔

آپ کو ان ارشادات کے ہوتے ہوئے بھی کیوں تردّد ہے؟ اور آپ کی نظر جاہل عوام کے عمل اور عقیدہ کی جانب کیوں ہے؟

میرے والد اور مرشد حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری محوی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت بشر حافی غیبت کے اندیشہ سے یوں نہیں کہا کرتے تھے کہ یہ پتھر فلاں پتھر سے بہتر ہے اور یہ درخت فلاں درخت سے بہتر ہے۔

دل میں بہت سی باتیں ہیں لیکن غیبت کا خیال انکی وضاحت کے لئے مانع ہے باقی سوالات کے جواب اور دیگر مضمرات کی وضاحت ملاقات پر موقوف ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۳۹)

کیا تقلید موافق شرع شریف ہے؟

درج ذیل فتویٰ میں عقیدہ کی تصحیح اور عمل کی تصحیح کی تشریح کی گئی ہے اور صحابہؓ وائمہ مجتہدین کی پیروی کو موافق شرع شریف ہونے پر استدلال قائم کیا گیا ہے۔

فتویٰ طلب کرنے والے صاحب موصوف نے حضرت قطب ویلور سے بعض سوالات کے جوابات اور اشکالات کا حل چاہا تو کہا گیا ہے کہ کتاب احیاء السنہ (مصنف حضرت قطب ویلور) کا مطالعہ کریں۔ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

آپ نے سوال کیا تھا کہ حضرات صحابہ و مجتہدین کی تقلید واتباع، لازم وواجب

ہے یامشروع (شرع شریف کے موافق) اسکے لئے سند کیا ہے؟

اہل سنت وجماعت کی کتب کلامیۂ کے موافق عقیدہ کی تصحیح کو علم عقائد کہتے ہیں۔

اوران کی فقہی کتابوں کے مطابق عمل، فرض، واجب، سنت، مندوب، حلال، حرام، مکروہ اور مشتبہ سے عمل کی تصحیح کو علم فقہ کہتے ہیں کیونکہ یہ دونوں (علم عقائد اور علم فقہ) عالم قدس کی جانب پرواز کرنے میں جناح اور بازو کی طرح ہیں۔

مذکورۃ الصدر آٹھ اقسام میں سے پہلی پانچ قسموں کو مشروع کہتے ہیں۔اور بقیہ تین قسموں کو غیر مشروع کہتے ہیں۔لازم اور واجب مشروع کے اندر داخل ہوتے ہیں اور پھر سوال میں تردد کی کیا بات ہے؟ حضرات صحابہ جنکا تعلق قرن اول سے ہے ان کی اتباع لازم اور واجب ہونے میں اور ان کی تقلید و پیروی شریعت مطہرہ کے موافق ہونے میں کسی شک وشبہ اور سوال کی گنجائش ہی نہیں ہے۔علمائے سلف نے اس حدیث خیر القرون ، قرنی ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلو نھم۔(بہترین عہد میرا عہد ہے پھر اس کے بعد کی صدی، پھر اس کے بعد کی صدی خیر اور بھلائی سے ہمکنار رہے گی) کہ وجہ سے تابعین (جو صحابہ کرام کے دیدار اور مشاہدہ سے مشرف ہیں) کے اقوال کو بھی سند اور حجت تسلیم کیا ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ النعمان کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اقدس تو حضرات تابعین سے سند پانے والوں میں سے ہے۔

اور فاسئلوا اھل الذکران کنتم لاتعلمون۔ تمہیں کوئی شرعی حکم معلوم نہ ہوتو اہل علم سے پوچھ لو۔اور فاعتبروا یااولی الابصار۔(اے آنکھ والو! عبرت پکڑو) کی آیات کریمہ اجتہاد اور استنباط کے لئے سند اور حجت ہیں۔ان امور کی تفصیل اصول کی کتابوں میں تلاش کریں۔ان کی تفصیل وتشریح کے لئے وقت ساتھ نہیں دے

رہا ہے۔ اگر آپ کے نزدیک فقیر کی کتاب احیاء السنۃ موجود ہو تو اسکا مطالعہ کریں۔ جس میں آپ کے سوالات کے جوابات سے متعلق کسی قدر وضاحت موجود ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۴۰)

قاضی کے لئے ہدایات

ذیل میں حضرت قطب ویلور نے قاضی محی الدین خان مہکری میسوری کو جن تاکیدات اور ہدایات اور تنبیہات سے نوازا ہے وہ سب ہر اس شخص کے پیش نظر رہنا ضروری ہے جو منصب قضاۃ پر فائز ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

اطلاع ملی کہ میسور کی قضاۃ کا عہدہ آپ کو تفویض کیا گیا ہے۔ مقدمات شرعیہ کی تنفیذ کی خبریں ماتم زدہ مسلمانوں کے گوش گذار ہوکر فرحت بخش اور جانفزا ثابت ہوئیں۔

گواہوں کی صفائی اور تزکیہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ اور تزکیہ و صفائی کے باب میں جو صورت بھی ممکن نظر آئے اس کو اختیار کریں، اور بیانات گواہوں اور قرائن کی روشنی میں پیش آنے والے واقعے کی اچھی طرح کھوج کریں اور اسکے بعد اپنا فیصلہ صادر فرمائیں اور جب فریقین کے بیانات سے بھی فیصلہ کی کوئی صورت پیدا نہ ہو اور گواہوں کی صفائی اور تزکیہ اور تنقیہ نہ ہو تو فیصلہ موقوف رکھیں اور حدیث ابولیلی کے

حکم کے مطابق گواہوں سے حلف لیں کیونکہ زمانے کا یہی اقتضاء ہے۔ اور جن جھگڑوں میں حق و باطل کی تمیز مشکل ہو تو جہاں تک ہو سکے فریقین کی رضا مندی سے یا پنچایت کے ذریعہ فیصلہ صادر کریں اور جیسے ہی حق اور ثبوت کی تحقیق ہو جائے۔ فیصلہ سنانے میں ایک لمحہ کی تاخیر نہ کریں۔ فیصلہ سنانے میں تاخیر کرنے پر جو شدید وعید آئی ہوئی ہے اس کو سننے ہی سے مومن کا دل پانی پانی ہو جاتا ہے۔

اس فتویٰ کا جواب بالمشافہ درست رہیگا اور آپ کی تشریف آوری کا وعدہ بھی لسانِ قلم سے ظاہر ہو چکا ہے لہٰذا اس کا جواب ملاقات ہی پر موقوف رکھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو بے سود دنیا کی گرفتاریوں میں الجھنے سے بچائے رکھے۔ جسکو بادِ فنا اڑا لے جائیگی اور آخرت میں کار آمد نہ ہوگی۔ اور ہمیشہ رہنے والی آخرت کی محبت کی بوباس ہمارے دل و دماغ میں پہنچائے۔ اس مسکین کو اپنوں سے علیحدہ نہ تصور کریں المرأمع من احبه۔ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جسکے ساتھ اسے محبت ہوگی۔ ایام عدالت دراز باد۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۴۱)

مزارات کے پاس چراغ افروزی کا مسئلہ

ذیل کے فتویٰ میں مزارات اولیاء کے پاس چراغ روشن کئے جانے کے عمل سے متعلق وضاحت ملتی ہے، یہ وہی بدعت ہے جس کا نظارہ آج بھی عام ہے۔ یہ دراصل نذر و نیاز کی تکمیل کی علامت ہے۔ بعض سادہ لوح افراد اپنی نذر اور منت

پوری ہونے پر اولیائے کرام کی مزارات کے قریب مٹی کے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے برتنوں میں تیل یا گھی ڈال کر جلاتے ہیں۔ اس عمل کو حضرت قطب ویلور نے یہود و نصاریٰ کا عمل کہا ہے، قدیم متحدہ ہندوستان کے اسلامی ادوار میں مطلق اور بلا کسی نیت کے چراغ روشن کرنے کا یہ عمل ایک ضرورت کے تحت وجود میں آیا۔ وہ ضرورت تھی بزرگوں کے مزارات پر لوگوں کی آمد و رفت اور اقامت وسکونت، نماز و تلاوت اور ذکر و تسبیح وغیرہ، لیکن موجودہ زمانے میں بجلی کی فراہم کے باعث یہ ضرورت، ضرورت نہ رہی، جسکی وجہ سے ان چراغوں کی روشنی بے فائدہ اور عبث کے درجہ میں آگئی۔ بعض عوام نذر و نیاز اور منت کے پورے ہونے پر اولیاء اللہ کے مزارات کے پاس مٹی کے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے برتنوں میں تیل یا گھی ڈال کر جلاتے ہیں۔ غالباً اس فتویٰ میں چراغ افروزی سے یہی عمل مراد ہے۔ ورنہ لوگوں کی سہولت مثلاً آمد و رفت، ذکر و تلاوت، زیارت اور اقامت وسکونت وغیرہ کے خیال سے مزارات کے آس پاس روشنی کے خیال سے چراغ روشن کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن یہ صورت بھی قدیم زمانے میں ضرورت سے جڑی ہوی تھی جب کہ بجلی نہیں تھی، جب ضرورت، ضرورت نہ رہی تو محذورات کی اباحت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

مزارات کے پاس چراغ افروزی کا مسئلہ

مزارات کے پاس چراغ روشن کرنے کا عمل شریعت مطہرہ کے موافق نہیں ہے۔ بلکہ آخرت میں نقصان وخسران کا باعث ہے۔ زردیں اور دردسر خریدیں، یہ کام تو آخرت اندیش عقل سے دور ہے۔ اصحاب قبور چراغ کے محتاج نہیں ہیں اور یہ چراغ، افروزی نصاریٰ کا عمل ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۴۲)

احکام خداوندی کی پیروی میں سُستی وغفلت

اس تحریر میں حضرت قطب ویلور نے اپنے زمانے کے بعض مسلمانوں کے اس کردار وعمل پر رنج وغم اور افسوس کا اظہار کیا کہ آج لوگ انگریز حکام کی فرماں برداری وطاعت میں پیش پیش نظر آتے ہیں لیکن حاکم حقیقی کے احکام کی پابندی وپیروی میں پیچھے اور سست نظر آتے ہیں۔ اس میں یہ بھی صراحت اور وضاحت ہے کہ سوال کا جواب اردو زبان میں تحریر کرکے روانہ کررہا ہوں تاکہ حاکم حقیقی کے احکام وقوانین کے متلاشی لوگوں کو زحمت نہ ہو، افسوس ہے کہ حضرت قطب ویلور کے اس فتویٰ کی نقل دستیاب نہ ہوسکی۔ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

آپ کی تحریر دینی احکام ومسائل کے استفسار پر مشتمل رہنے کی وجہ سے ذہن و

قلب کے لئے خوشیوں اور مسرتوں کا باعث بنا الحمدللّٰہ علی ذلك۔

آج جس شخص کو بھی دیکھئے کہ وہ انگریز حکام کے قوانین وضوابط کو پیش نظر رکھا ہے اور حاکم حقیقی کے احکام کو پس پشت ڈالا ہوا ہے بلکہ ان کی جانب التفات بھی نہیں کر رہا ہے۔ اہل زمانہ کی یہ غفلت، غور اور تامّل کے قابل ہے۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ میرے گلستان ہی سے میری بہار کا اندازہ کرلو۔ آپ کا ایسے غفلت نشان زمانے میں حاکم حقیقی کا حکم دریافت کرنا بہت پسند آنا۔ بارك اللّٰہ فیکم وفی کل شانکم۔ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے امور ومقاصد اور احوال میں خیر وبرکت عطا فرمائے۔

یہ مسکین کثرت اشغال اور یوم جمعہ کی آمد اور ایک روز بخار وکھانسی کے سبب تادم تحریر جواب دینے سے قاصر رہا۔ پرسوں کے دن سے فرصت میسر ہوئی تو آپ کے سوال کا جواب اردو زبان میں صاف صاف تحریر کر کے روانہ کر رہا ہوں تاکہ حاکم حقیقی کے احکام وقوانین کے متلاشی لوگوں کو کسی قسم کی زحمت نہ ہوسکے۔

مومن کے لئے لازم ہے کہ حق کے اثبات اور باطل کے ابطال میں پوری پوری احتیاط کرے تاکہ فریقین کی حقیقت اور واقعہ کی تحقیق میں کسی قسم کی سستی وکاہلی نہ ہو اور باطل کے اثبات اور حق کے ابطال میں کسی قسم کا عمل نہ ہو کیونکہ قبر وآخرت اور جنت و دوزخ سامنے ہی ہے اور حساب وکتاب اور سزا وجزا قاضی حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے روبرو ہے۔ اور جیسا عمل کیا جائے ویسا ہی نتیجہ اور بدلہ ملے گا۔ فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره۔ جس نے بھی ذرہ بھر بھلائی کی، اسے وہ دیکھ لے گا اور جس نے بھی ذرہ بھر برائی کی اسے وہ دیکھ لے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۴۳)

مسلم معاشرہ میں بدعات

درجِ ذیل تحریر میں عہد قطب ویلورؒ کے
مسلمانوں کی دینی وملی زندگی کی ایک واضح تصویر ملتی ہے کہ کس طرح
مسلم معاشرہ میں بدعات وخرافات پھیل چکے ہیں اور لوگ دین کی
فکر سے بے نیاز ہیں ان پر کسی فکر کا غلبہ اور تسلط ہے تو وہ صرف
بیوی، بچے، زرزیور، رسومات وعادات ہیں۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

کتابوں کی طلب اور مسائل کی وضاحت سے متعلق آپ کی تحریر نظر نواز ہوئی، جس سے دین کی حرارت کی بوباس آرہی ہے۔ ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ اسلام کا محافظ اور دین کا مبلغ رہے۔ افسوس صد افسوس تو یہ ہے کہ آج اکثر مسلمان اسلام اور اسلام کی بنیادی تعلیمات واحکامات ہی سے بے خبر اور ناآشنا ہیں پھر بھلا وہ اسلام کے محافظ اور دین پرور کیا ہوسکتے ہیں۔ بلکہ یہ تو دین واسلام کے لئے نقصان کا باعث ہیں اور بدعات ومحرمات کی اشاعت کا موجب بن رہے ہیں، اوران کے دلوں میں دین کی فکر اورغم ہی نہیں اگر کسی چیز کی فکر اور غم ہے تو وہ صرف چکنی چپٹی اور شیریں غذائیں، رنگین ومنقش ملبوسات، بیوی، بچے، زر، زیور، عزت، حرمت اور عادات ورسوم ہیں، ان ہی اعمال وافعال کی وجہ سے اللہ نے دست اعانت کو کھینچ لیا ہے اوران پر ظالم قوتوں کو مسلط کردیا ہے۔ عمالکم، اعمالکم، عنقریب ایک ایسا دور بھی آجائیگا کہ لوگ مساجد میں نماز ادا کرتے نظر آئیں گے لیکن ان کے دلوں میں حقیقی اور کامل ایمان کی شمع فروزاں نہ

رہیگی۔ یصلون فی المساجد لیس فیهم مسلم۔

ضعفِ اسلام وانحطاط دین کی ایسی فضا میں آپ کا دینی کتابوں کو طلب کرنا اور مسائل پوچھنا بڑا پسندیدہ معلوم ہوا۔ الحمدللّٰہ علی ذلك۔ آپ کی استفسار کردہ تفصیل سر دست موجود نہیں ہے۔ انشاء اللہ اس موضوع پر کوئی مختصر کتاب ہی ارسال کرونگا آپ خود ہی مطالعہ کر لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۴۴)

اہل سنت و جماعت کی پیروی کی ہدایت وتاکید

حضرت مولانا شاہ عبدالحیؒ قادری واعظ بنگلوری کی شخصیت جنوبی ہند میں غیر معمولی شہرت کی حامل ہے۔ آپ کو زبان اور قلم دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ آپ کی نوک قلم سے مختلف موضوعات پر پچاس سے زائد مبسوط ضخیم کتابیں وجود پذیر ہوئیں۔ جنوب کے اندر اردو زبان میں سیرت طیبہ کو منظوم شکل دینے میں اور جمعہ کے خطبات کا مجموعہ مرتب اور مدوں کرنے میں آپ کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ آپ کی منظوم سیرت ''جنان السیر فی احوال سید البشرؐ '' جنوب کے گھر گھر پہنچی، اس کی شہرت اور مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جنوب میں دلہن کی رخصتی کے موقعہ پر قرآن کریم کے ساتھ جنان السیر بھی تبرکاً بطور تحفہ دلہن کو دی جاتی تھی۔ اور ماہ ربیع الاول میں تقریباً وعموماً ہر گھر میں خواتین کی مجلسیں

منعقد ہوا کرتی تھیں جن میں اس کتاب کے پڑھنے اور سننے کا خاص اہتمام اور التزام کیا جاتا تھا۔ یہ روایت ماضی قریب تک چلی آتی رہی، حال حال میں بدعت ضلالت کی نذر ہوگئی۔ جسکی وجہ سے ایک بابرکت دینی واصلاحی قدیم روایت وحکایت ختم ہوگئی۔

مولانا عبدالحئ احقر بنگلوری، حضرت قطب ویلور کے شاگرد رشید اور خلیفہ سعید تھے، ان کے نام حضرت قطب ویلور کے متعدد خطوط اور فتاویٰ ملتے ہیں جن میں مولانا عبدالحئ کے مختلف اشکالات، شبہات اور سوالات کے جوابات ہیں۔

ذیل کے فتویٰ میں عوام اور علماء کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس وقت پھیلے ہوئے فتنہ کو ختم کرنے کے خیال سے جواب دینے سے اعراض کیا گیا ہے۔ حضرت قطب ویلور کے ایک مکتوب میں کہا گیا ہے، مولانا عبدالحئ کا استفتاء اور حضرت قطب ویلور کا تحریر کردہ فتویٰ بذریعہ ڈاک روانہ کیا گیا ہے، افسوس ہے کہ استاد اور شاگرد کی یہ گراں قدر تحریر دستیاب نہ ہوسکی۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

قرطاس استفسارات ۲۵ شعبان المعظم ۱۲۵۹ھ کو دستیاب ہوا۔ دینی وشرعی مسائل کے استفسار پر خوشی ہوئی۔ الحمد للہ علیٰ ذلك۔

العلماء ورثة الانبیاء۔ (علمائے ربانی انبیائے کرام کے نائب اور وارث

ہیں)والی حدیث اور معتمد علیه قول، اختلاف العلماء رحمة ۔(علمائے حقانی کا اختلاف رحمت اور خیر ہے) سن چکے ہونگے یہی علمائے کرام اسلام کی عزت وناموس کا ذریعہ ہیں ایسے مسائل جوصدیوں سے پوشیدہ تھے ان کے واضح اور روشن ہونے کا سبب علمائے کرام کا یہی اختلاف ہے۔رحمة الله علیهم اجمعین۔

ہاں !حق ،اختلاف میں ایک ہی جانب رہیگا،حق کی تشریح وتوضیح میں حَکَم اور ثالث ایسا عالم ہونا چاہئے جو کتاب وسنت پر گہری نظر رکھتا ہو اور مذاہب اربعہ کے اصول اور فروع کا ماہر ہو۔اور اسکے اندر خودغرضی وہٹ دھرمی اور تعصب ونفسانیت کا شائبہ تک نہ ہو۔

افسوس اور صد افسوس تو یہ ہے کہ اس زمانے کے مختلف عوام اور مختلف گروہ حکم اور ثالث بن رہے ہیں، مسلمانوں کا ایک جم غفیر خود کو علمائے کرناٹک کا تابع قرار دے رہا ہے تو دوسرا انبوہ کثیر خود کو علمائے بنگال کا تابع قرار دے رہا ہے اور ہر گروہ دوسرے گروہ کے افراد پر لعن وطعن، گالی گلوج اور تکفیر وتفسیق کر رہا ہے اور ہر دونوں اپنی اپنی دائمی آخرت کو تباہ وبرباد کر رہے ہیں۔ نعوذ بالله من الغباوة والغواية ونسال من جنابه العفو والهداية۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ کتاب وسنت کی پیروی کریں اور اہل سنت وجماعت کے مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کی مستند ومعتبر کتابوں کو اپنا پیشوا بنائیں۔ انہیں زید وعمر سے کیا سروکار اور دین کے معاملہ میں قوم وملک اور باپ واستاد کا کیا اختیار واعتبار۔کسی عالم کا قول کیوں نہ ہو اگر وہ کتاب وسنت کے مطابق ہے تو اس کو قبول کر لینا چاہئے اور اگر مخالف قرآن وحدیث ہے تو اس کو قبول کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

مجتہد کو اجتہادات واستنباطات میں ائمہ اربعہ کے متفق مسائل سے اختلاف

کرنے کا حق ہے اور اسے شاگرد ہونے کے باوجود اپنے استاذ کے قول پر عمل سے اختلاف کرنا جائز ہے۔ اسی لئے مجتہدین نے ائمہ اربعہ کے متفق مسائل کے خلاف اجتہاد کیا۔ چنانچہ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ اور دیگر شاگردوں نے اپنے استاذ امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان سے بعض مسائل میں اختلاف کیا۔ لہٰذا دین داری میں کتاب وسنت کے برخلاف، زید اور عمر کی اتباع کرنا دیانت سے بعید ہے اور یہ طرز عمل ایک مسلمان کے لئے زیبا نہیں۔ نفس امارہ کا مبتلا ایک شخص میرے دادا محترم محی الملۃ والدین سید شاہ عبداللطیف ذوقی ویلوری قدس سرہٗ سے فتویٰ طلب کیا تو آپ نے استفتاء کو چراغ کی نذر کردیا اور اسی جلائے جانے کو استفتاء کا جواب قرار دیا۔

اہل زمانہ اور زمان فساد نشان کو دیکھتے ہوئے اس فقیر نے بھی چاہا کہ استفتاء کا جواب تحریر کرنے سے باز رہوں لیکن آں سعادت کے الحاح والتماس اور دیگر طالبان فتویٰ کی نیک طینت و نیک نہادی کا خیال کرتے ہوئے چارو ناچار مساعدت وقت کے مطابق سوالات میں تھوڑی سی اصلاح کرتے ہوئے جوابات ارسال کررہا ہوں۔ فرصت کی قلت اور رمضان کے ایام (جو آخرت سنوارنے کے لمحات ہیں) جوابات کی تفصیل وتوضیح اور دستاویزات کی زیادتی اور عبارات کے ترجمہ کے لئے مانع ہیں بعض امور ومسائل کی تشریح ملاقات پر موقوف رکھی گئی ہے۔

(بعض قلمی بیاضوں میں مرقوم ہے کہ حضرت ذوقیؒ نے اپنی فراست اور بصیرت سے یہ جان لیا کہ سائل اس فتویٰ کی مدد سے مسلمانوں کے درمیان ایک فتنہ کھڑا کرنا چاہتا تھا، آپ نے استفتاء کو نذر آتش کرکے یہ تعلیم دی کہ فتنہ کو ختم کردینا چاہئے نہ کہ اسے ابھارنا اور ہوا دینا۔ مترجم۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۴۵)

یہ وہ مسائل ہیں جن کا تعلق علم کشف و اسرار اور علم طبیعی و خواب سے ہے

اس فتویٰ میں جن امور اور مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے اسکے مطالعہ سے بخوبی واضح ہو جائیگا کہ ان کا تعلق علم کشف، علم اسرار، علم طبیعی اور علم خواب سے ہے یہ تحریر خواص کے لئے ہے۔ سادہ لوح عوام کے لئے نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت قطب ویلور نے جن مقامات واحوال اور عالم مثال سے متعلق جن حقائق اور واقعات کی نشاندہی کی ہے ان سے کیا عوام، اہل علم ہی آج غیر مانوس ہیں قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

۲ محرم الحرام ۱۲۷۰ھ کا تحریر کردہ التفات نامہ استفسار کردہ مسائل کے ساتھ موصول ہوا۔ آپ کے استفسار کردہ دو مسئلوں کے جواب کا کاغذ اس فتویٰ کے ساتھ منسلک ہے۔ (افسوس ہے کہ ان دو مسئلوں سے متعلق جو فتویٰ صادر کیا گیا ہے، دستیاب نہ ہوسکا، مترجم،)

قرآن کریم کے معانی سے فال نکالنا امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اس لئے ۵ شوال ۱۲۶۰ھ کہ جس میں نور چشم سید محمد حالتِ حمل میں تھے۔ لڑکا ہے لڑکی؟ اور اس کی صلاحیت اور عدم صلاحیت سے متعلق فقیر نے قرآن مجید میں دیکھا تو یہ آیت کریمہ برآمد ہوئی عليك رطبا جنياً فكلي واشربي وقري عينا الیٰ آخر الایته۔

جب کسی چیز پر حاملہ عورت کی کامل توجہ مرکوز رہتی ہے تو متوجہ الیہ (جس کی جانب خیال وتوجہ ہو) کی شبیہہ اور مشابہت بچہ میں واقع ہوتی ہے، چنانچہ اس حقیقت کی تائید اور سند ''فتوحات مکیہ'' سے بھی ملتی ہے۔اس لئے گھر والے حالت حمل کے آٹھویں مہینہ میں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی شکل وصورت کے تصور میں غرق تھے۔اس کے ماسوا بھی دیگر علامات اور بشارتیں ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات کے ۱۸۸ویں باب میں لکھتے ہیں:

جب خواب کسی بچہ کے وجود پر دلالت کرے تو وہ بچہ عین خواب کا مظہر اور مخلوق ہے جو خواب سے اس کے باپ کے صلب میں نطفہ پیدا کیا گیا اور اگر وہ نطفہ رحم میں نازل ہوا تو وہی خواب، نطفہ میں بچہ کی صورت اختیار کر گیا، اور وہ خواب کا بچہ ہے۔

اور اگر اس کے لئے خواب متقدم نہیں ہوا تو پس وہ اپنی اصل پیدائش اور خلقت پر ہے جیسا کہ ساری اولاد ہے۔جان لیجئے یہ ایک عجیب راز اور صحیح کشف ہے۔

اور ہر وہ بچہ جو خواب کے مطابق ہے تم اس کو دوسرے بچوں سے ممتاز پاؤ گے اور وہ دوسرے بچوں کے مقابلہ میں ارواح سے زیادہ قریب ہوگا۔اگر تمہارا دل اس بات کی طرف توجہ نہ کرے تو اس طرح دیکھو گے ہر مخلوق، حالت یا عرض یا ولایت کی نسبت وغیرہ جو خواب سے ہوگی اس کے لئے ایک خصوصیت ہوگی جو خواب سے نہیں ہے۔

اس حقیقت کو اُمِ رسولؐ حضرت آمنہ کے خواب میں تلاش کیجئے تو آپ پر ہمارے اس بیان کی صحت وصداقت واضح اور نمایاں ہو جائے گی۔

پس نبی کریم ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے خواب سے اپنے والدِ ماجد کے نطفۂ مبارکہ میں اسی شکل وصورت میں جلوہ گر ہوئے، جس کو آپ ﷺ کی والدہ نے اپنے

خواب میں دیکھا تھا۔

اسی لئے آپ ﷺ کے بارے میں کثرتِ رویا کا ظہور ہوا۔ لہٰذا آپؐ دوسروں سے ممتاز ہو گئے۔ یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کو اہلِ کشف ہی سمجھ سکتے ہیں اور یہ آپ ﷺ کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں۔

اگر تم ہمارے اس بیان کردہ مسئلہ کو دوسرے پہلو سے جاننا چاہتے ہو تو علم طبعیات میں غور و فکر کرو۔ چنانچہ جب کوئی حاملہ عورت کسی چیز پر اپنی کامل توجہ مبذول کر دیتی ہے تو بچہ بھی اس چیز کی مشابہت اختیار کر لیتا ہے اور عورت جماع کے وقت کسی تصویر کو دیکھے یا مرد جماع اور انزال کے وقت کسی صورت کو اپنے ذہن میں قائم کر لے تو بچہ اسی صورت متخیلہ کی مشابہت لئے ہوئے پیدا ہوتا ہے۔

اسی لئے حکماء گھروں میں اکابر فضلاء و علماء کی تصویر آویزاں کرنے کا حکم دیتے ہیں تا کہ اس پر نظر پڑتی رہے اور جماع کے وقت میاں بیوی کے ذہن میں وہ تصویر قائم ہو سکے تو یہ تصویر، طبیعت میں اثر انداز ہوتی ہے۔ اور جو بچہ نطفہ میں ہوتا ہے اس کے اندر تصویر کا عکس قائم ہو جاتا ہے۔ یہ علم طبیعت میں عجیب پوشیدہ راز ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش پر غور کرو۔ حضرت مریم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ایک انسان کی صورت میں مشاہدہ کیا۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے اندر مردہ کو زندہ کرنے والی روح اور بشریت جسم کے درمیان کس طرح جمع کیا ہے۔ جب کہ روح سے طبعی اجسام زندگی پاتے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ قوی ترین مثال وہ ہے جو سامری کے فعل سے ثابت ہے کہ اس نے حضرت جبرئیل کے قدم کی مٹی سے کیا تھا۔ جب کہ اس کو یہ علم ہوا کہ جہاں وہ

مٹی رہتی ہے وہاں زندگی رہے گی تو اس نے بچھڑے کے اندر وہ مٹی (قبضۃ) کو شامل اور داخل کر دیا جس کی وجہ سے بچھڑا آواز کرنے لگا۔

اگر وہ مٹی قبضہ کو گھوڑے کی شکل میں ڈال دیتا تو وہ ہنہناتا اور اگر وہ انسان کی شکل میں ڈال دیتا تو وہ بات چیت کرنے لگ جاتا۔ بے شک استعداد جب زندگی میں ظاہر ہو جائے تو وہ قابلیت کے لئے ہو جاتی ہے۔ اسی جگہ سے مظاہر کے اندر مظہر اور ظاہر کی صورت پہچانی جاتی ہے۔

بے شک مظاہر اپنی استعداد کے مطابق ظاہر کے اندر اپنا اثر دکھاتا ہے اور حاملہ اور محمولہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس حکمت کو ماھو الامر پر موقوف رکھا ہے۔

نیز شیخ ابن عربی ''فتوحات'' کے ۱۸۸ویں باب میں فرماتے ہیں:

جب آن حضرت ﷺ اپنے اصحاب میں صبح کے وقت سوال فرماتے کہ تم میں کسی شخص نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اس لئے کہ خواب نبوت کا حصہ ہے اور آپ ﷺ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ اپنی امت میں اس خواب کا مشاہدہ کرائیں۔

آج لوگ نبی کریم ﷺ کے اس مرتبہ (یعنی ہر روز خواب کے بارے میں سوال کرنا) سے متعلق انتہائی جہالت میں گرفتار ہیں۔

اس زمانے کے جہلا جب کوئی ایسی بات سنتے ہیں جو خواب میں وقوع پذیر ہوی تو اس کی جانب توجہ ہی نہیں کرتے اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو خواب کی بات ہے گویا یہ بے کار اور لایعنی چیز ہے اور خواب کا استہزاء و تمسخر اور مذاق کرتے ہیں جب کہ اس پر اعتماد کرنا چاہئے۔ یہ ساری باتیں ان مقامات اور احوال سے لاعلمی اور جہل کا نتیجہ ہے۔

فقیران ہی امور پر نظر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے امید رکھا ہے کہ مبشر اور موعود یہی مولود نور چشم سید محمد مد عمرہ ہوگا۔ اللہ ہر شئی پر قادر ہے۔ عالم مثال سے متعلق دل میں بہت سی باتیں ہیں جن کے اظہار سے وقت مانع ہے۔ اگر آپ مذکورہ تحریر میں غور کریں تو اس کے اندر ہی عجائب وغرائب کی ملی جلی اور بھی مثالیں واضح ہوجائیں گی۔

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۴۶)

کتاب تحفۃ الموحدین

درج ذیل تحریر مختلف موضوعات اور مباحث کو گھیرے ہوئے ہے۔ کتاب ''تحفۃ الموحدین'' میں بیان کردہ خیالات کی صحت اور عدم صحت سے متعلق تشریح اور توضیح کی خواہش ظاہر کی گئی ہے، حضرت قطبؒ ویلور نے اپنا یہ موقف پیش کیا ہے کہ مذکورہ کتاب کے مواد کو شریعت مطہرہ کی کسوٹی پر جانچیے، اگر وہ موافق شرع شریف ہے تو قبول کرلیجئے ورنہ رد کردیجئے۔

حضرت قطبؒ ویلور کی تحریروں کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے اندر صحابہ کرام، ائمہ مجتہدین، صوفیائے کرام اور بزرگان عظام کے مقالات اور بیانات کے ساتھ حسن اعتماد کا پہلو ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ ان بزرگوں کی تحریروں میں خلاف شرع کوئی بات نظر آجائے تو شرعی قاعدے اور ادب کے ضابطے میں رہتے ہوئے تاویل اور تردید کا

مزاج بھی ہے۔اسکی ایک مختصر سی جھلک ذیل کے فتویٰ میں نظر آتی ہے

بزرگوں کے کلام میں اگر کوئی بات خلاف شریعت نظر آئے تو جہاں تک ہوسکے قواعد وضوابط کے دائرے میں رہتے ہوئے اسکی تاویل کیجئے۔اگر کوئی تاویل نظر نہ آئے تو قبول نہ کیجئے۔اور نہ ہی ان بزرگوں پر اعتراض کیجئے بلکہ ان حضرات کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔سکوت اختیار کیجئے اور اس کلام میں ان کی پیروی نہ کیجئے۔

بزرگوں کے ساتھ حسن ادب اور احتیاط کی ایسی نظیریں اور مثالیں موجودہ زمانے میں دور دور تک نظر نہیں آرہی ہیں۔از خدا خواہیم توفیق ادب = بے ادب محروم گشت از فضل رب

سائل نے وراثت، علوی اور صفوی سے متعلق بھی سوال کیا ہے اس کا جواب بھی اسی تحریر میں شامل ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

آپ نے مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب ''تحفۃ الموحدین'' کے بارے میں استفسار کیا تھا۔

مکرم من! شبہ کے مقام سے متعلق کسی طرح کی کوئی صراحت ووضاحت نہ مل سکی۔اس لئے ناچار جواب تحریر کرنے سے قاصر رہا۔نیز فقیر قلیل الفرصت ہے اور ایک انار سو بیمار اور ایک سر ہزار سودا کا حکم رکھتا ہے۔اس وقت ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ چکا ہے

اورلبِ گور بیٹھا ہے اور ملّا جامؔی کے یہ ابیات اس کے پیش نظر ہیں:

موت کے آخری لمحوں میں دنیاوالوں میں سے کوئی بھی شخص اپنی جان جانِ آفریں کے مشاہدہ کی حالت میں دے دے تو جب وہ قیامت کے روز اپنی قبر سے اٹھے گا تو بارگاہِ خداوندی میں جسم اور جان کے ساتھ اس کو حضوری حاصل ہوگی۔

ایک عرصہ سے کتابوں کے مطالعہ سے بھی محروم ہوں اور اس جانب دل رجوع نہیں کر رہا ہے کیا کہا جائے کہ زندگی اسی روش پر چل رہی ہے۔

امام شافعی مطلبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ولو كان من عند غير الله لو جدوا فيه اختلافاً كثيراً ۔اگر قرآن مجید غیر اللہ کے پاس سے ہوتا تو لوگ اس کے اندر کثیر اختلاف پاتے اور کہا گیا ہے کہ لوگوں میں سب سے بہتر وہی ہیں جن کو سابقیت اور اولیت کا شرف حاصل ہے۔لہٰذا میرے کلام میں خطا ولغزش ضروری ہے۔

امام عالی مقام حضرت شافعی علیہ الرحمہ کا جب یہ حال ہے تو مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا حال کیا ہوگا۔مطلب یہ ہے کہ جب امام مجتہد خطا سے محفوظ نہیں تو عالم مقلد خطا سے کیسے بچ سکتا ہے۔ان دونوں کے درمیان موازنہ نہیں کرنا چاہئے۔ایسی صورت میں ''تحفۃ الموحدین'' میں جو خیالات بیان کئے گئے ہیں ان کو شریعت کی کسوٹی پر جانچنا چاہئے اگر وہ پوری طرح معیار پر اُتر آئیں تو قبول کریں ورنہ رد کر دیں۔

نیز بزرگوں کے کلام میں اگر کوئی بات خلاف شریعت نظر آئے تو جہاں تک ہوسکے قواعد وضوابط کے دائرے میں رہتے ہوئے تاویل کریں۔اگر کوئی تاویل نظر نہ آئے تو قبول نہ کریں اور نہ ہی ان پر اعتراض کریں بلکہ قائل کے حال پر چھوڑ دیں۔

جیسا کہ مفسر قرآن علامہ جلال الدین سیوطی اور خود مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی نے تصریح کی ہے۔

نیز آپ نے علوی اور صفوی کے بارے میں دریافت کیا تھا!

سعادت آثار! ابوالاولیاء حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی اولاد کو علوی کہتے ہیں خواہ وہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوں یا غیر فاطمہ کے بطن سے ہوں اور اگر کوئی شخص علی سے موسوم ہے اور آپ کے ساتھ نسبت رکھنے والا خود کو علوی کہے تو گنجائش موجود ہے۔

نیز شاہ صفی قادری چشتی بڑے بزرگ ہیں۔ ان کے سلسلہ سے تعلق رکھنے والے خود کو صفوی کہتے ہیں۔ چنانچہ مولوی ارتضاء علی خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بھی اسی معنی میں خود کو صفوی کہتے ہیں۔

نیز شاہ صفی ایران کا ایک بادشاہ تھا جس کی اولاد کو سلاطین صفویہ کہتے ہیں۔ یہ سب شیعہ ہیں اور ان کی سلطنت، تیمور کے زمانہ سے لے کر نادر کے زمانہ تک پھیلی ہوی ہے۔

نیز آپ نے ورثاء کو میراث نہ دینے کے بارے میں دریافت کیا تھا۔

کرم اطوار! میراث کا حکم قرآن مجید سے ثابت ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی تاویل کے بغیر اس کا انکار کردے تو کافر ہے اور ترکِ عمل سے گنہ گار ہے۔ عقیدہ ایک چیز ہے اور عمل دوسری چیز ہے، ترکِ عمل سے کوئی مسلمان، کافر نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر(۴۷)

کتاب اربعین کی اشاعت

مولانا عبدالحئ ویلور میں مدت مدید تک

حضرت قطبؒ ویلور کی صحبت اور تربیت میں رہے بنگلور چلے جانے کے بعد بھی خطوط کے ذریعہ یہ سلسلہ تعلیم واستفادہ جاری وساری رہا۔بعض مسائل کے افہام وتفہیم کی دقت وباریکی کے باعث حسب ارشاد شیخ وقتاً فوقتاً ویلور حاضر ہوتے رہے۔ جیسا کہ یہ سارے حالات خطوط کے مطالعہ سے سامنے آرہے ہیں جو مولانا عبدالحئ کے نام حضرت قطبؒ ویلور نے بھیجا ہے۔ ذیل کی تحریر بھی مختلف سوالات اور استفسارات پر محیط ہے ان میں سے بعض مسائل وامور خواص سے تعلق رکھتے ہیں تو بعض عوام سے، بعض کا تعلق فقہ سے ہے تو بعض کا تصوف سے۔

میراث سے متعلق حضرت قطبؒ ویلور نے

اپنی کوئی تحریر مولانا عبدالحئ کے حوالہ کی ہے اور اسے اربعین کے نام سے شائع کرنے کی ہدایت دی ہے۔ افسوس ہے کہ اربعین نامی رسالہ کا سراغ مل نہ سکا۔ اس فتویٰ کے موضوعات یہ ہیں۔(۱) روح انسانی فانی ہے یا ابدی۔ (۲) سات بقول بعض آٹھ چیزیں فانی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے اس آیت اور آٹھ غیر فانی چیزوں کے درمیان تطبیق۔ (۳) دو ذات اور ایک وجود

(۴) ذات وہی ہے اور وجود بھی وہی ہے۔(۵) صور علمیہ اور
موجودات خارجیہ کا وجود مستقل اور ذاتی نہیں۔(۶) موجودات
خارجیہ، صور علمیہ کے ظلال اور عکوس ہیں۔(۷) کفن پر الم نشرح
لکھنا، قرآنی آیات اور عہد نامہ کو میت کی پیشانی پر لکھنا، اندرون قبر
پیران طریقت کا شجرہ رکھنا۔(۸) نور ابلیسی کی علامت۔(۹) راہ
سلوک طے کرنے میں خلاف شرع ایک قدم بھی اٹھنے نہ پائے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

واضح ہو کہ مورخہ ۱۹ ربیع الثانی کا تحریر کردہ آپ کا استفتاء باصرہ نواز ہوا اور
خیریت و کیفیت اور درج کردہ مضامین اور پوچھے گئے سوالات سے مطلع کیا۔
الحمدللہ علیٰ ذلك۔

اس فقیر کے جوابات کے انتخاب اور اخذ سے متعلق آپ نے جو لکھا تھا وہ معلوم
ہوا۔ چوں کہ یہ عمل خیر ہے جس کی وجہ سے بہت اچھا معلوم ہوا۔

حسبِ ہدایت آپ میراث مابقی کے جوابات ترک کر کے اربعین کے نام سے یہ فتویٰ
شائع کرادیں لیکن اشاعت سے پہلے اس فقیر کی نظر سے ایک مرتبہ ضرور گزار لیں۔

آپ نے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا کہ عقائد کی کتابوں میں روحِ انسانی کو فانی
کہا گیا ہے اور کیمیائے سعادت میں امام غزالیؒ نے روح کو دائمی اور ابدی کہا ہے۔ اس
اختلاف اور تضاد کی حیثیت کیا ہے؟

محبّ من! ایک حدیث میں ہے سات چیزوں کو فنا نہیں ہے۔ عرش،

کرسی، لوح، قلم، جنت، دوزخ اور ارواح۔ بعض حضرات نے صور کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔ اور آٹھ چیزوں کو غیر فانی کہا ہے۔ بعض علماء مذکورہ حدیث کی تاویل کرتے ہیں۔ اور ان آٹھ چیزوں کو تھوڑی دیر کے لئے سہی فانی قرار دیتے ہیں تا کہ اس حدیث اور کل شئی هالك الا وجهه۔ (اللہ کی ذات کے سوا ہر شئی فانی ہے) کی آیت کے درمیان ٹکراؤ پیدا نہ ہو۔

اور بعض علماء مثلاً امام غزالی، شیخ ابن عربی، صدرالدین قونوی وغیرہ کوئی تاویل نہیں کرتے اور مذکورہ آٹھ چیزوں کو ابدی قرار دیتے ہیں۔ اور ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ونفخ فی الصور فصعق من فی السمٰوٰت والارض الا ماشاء اللّٰه ۔ (جب صور پھونکا جائے گا تو آسمان وزمین کی ساری چیزیں فنا ہو جائیں گی، مگر اللہ جس کو چاہئے وہ فنا نہیں ہوں گی) لہٰذا حدیث میں جن چیزوں کے غیر فانی اور ابدی ہونے کی بات آئی ہوئی ہے وہ الا ماشاء اللّٰه کے استثنا میں داخل ہے۔

اور پہلی آیت دوسری آیت کی وجہ سے عام مخصوص منہ البعض ہوگی تو نہ آیت، آیت میں تعارض پیش آسکتا ہے اور نہ ہی آیت وحدیث میں تعارض پیش آسکتا ہے اور صعق ہوش اور فنا دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔ سید محمد لاہجی نے شرح گلشن راز میں یہ اختلافی بحث تفصیل سے پیش کی ہے۔

نیز آپ نے بعض علمائے متاخرین کے اس قول کی وضاحت بھی طلب کی تھی جو، دو ذات اور ایک وجود کے قائل ہیں۔

سعادت آثار! یہاں دو چیزیں ہیں ایک چیز صور علمیہ اور دوسری چیز موجوداتِ خارجیہ، موجودات کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ کو تمام اشیاء کا جو علم تھا اور تمام اشیاء جو اس

کے دائرہ علم میں تھیں تو اس اعتبار سے ان کا نام صور علمیہ ہے۔

اسی صور علمیہ کو ذواتِ ممکنہ، حقائق کونیہ، اشیائے ثبوتیہ، اعیانِ علمیہ، معدومات خارجیہ اور حروف کہتے ہیں۔

اور وہی اشیاء، اللہ تعالیٰ کے صور علمیہ کے مطابق جب خارج میں ظہور پذیر ہو گئیں تو اس وجود خارجی کے اعتبار سے ان کا نام موجودات خارجیہ ہے۔ اور اسی دائرۂ وجود خارجی میں ان کو ظاہر وجود، ظاہر ممکنات، وجود اضافی، اشیاء موجودیہ، اعیان خارجیہ، کلمات وجود اور کلمات اللہ کہتے ہیں۔

اور یہ حقیقت بھی تمہارے ذہن نشین رہے کہ جس طرح اللہ کی ذات قدیم ہے اسی طرح اس کا علم بھی قدیم ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے علم میں اس صور علمیہ میں تمام اشیاء کی جو ذوات ہیں، وہ سب قدیم ہوئیں۔ صور علمیہ کو قدیم نہ ماننے کی صورت میں یہ بات لازم آئے گی کہ اللہ تعالیٰ کو اشیاء کا علم ازل سے نہیں تھا بلکہ بعد میں ہوا تو اللہ تعالیٰ کے لئے جہل لازم آئے گا (معاذ اللہ) اعیانِ صوریہ، اسمائے الٰہی کے مظاہر اور ارواح، اعیان کے مظاہر ہیں اور اجسام اور ابدان، ارواح کے مظاہر ہیں اور یہ تمام کے تمام ظلال اور عکوس ہیں۔

اسی حقیقت اور اسی مفہوم کو ان اشعار میں بیان کیا گیا ہے۔

ظل ارواح اند اشباح ہمہ　　　ظلِ اعیان اند ارواحِ ہمہ

باز اعیان ظل اسمائے الٰہی اند　　　گرچہ اسماء ظل ذات مطلق اند

ظل، ظل کے اعتبار اور حقیقت سے ظل ہی ہے اور عالمِ خیال سے ہے اور حق تعالیٰ انہیں خیالات اور ظلالات کی صورتوں میں ظاہر ہے اسی مفہوم کو ان اشعار میں

بیان کیا گیا ہے:

انما الکون خیال وھو حق فی الحقیقۃ
والذی فیھم ھذا جازا اسماء الطریقہ

نقش عالم خیال می بینم درخیال آں جمال می بینم
ہمہ عالم چو مظہر اوشد ہمہ را برکمال می بینم

اس مقام پر یہ بحث رہ گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات اور حق تعالیٰ کا وجود ایک دوسرے کا عین ہیں یا غیر ہیں؟ متکلمین کے نزدیک ذات واجب، اس کے وجود کے مغائر ہے لیکن اس کے باوجود ذات اپنے وجود کو اس طرح مقتضی اور لازم ہے کہ وجود کا ذات سے انفکاک محال ہے اگرچہ کہ تغائر کی بنا پر ذات اور وجود کے درمیان انفکاک کا تصور ممکن ہے۔ اس مثال کو یوں سمجھئے کہ آفتاب کی روشنی بعینہ آفتاب نہیں ہے بلکہ آفتاب کا غیر ہے۔ لیکن اس مغائرت اور غیریت کے باوجود روشنی کا آفتاب سے جدا ہونا محال ہے۔

اگرچہ کہ نفس مغائرت کی وجہ سے انفکاک کا تصور ممکن ہے اور اس کے برعکس محقق صوفیہ کے نزدیک حق تعالیٰ کا وجود اس کی ذات کا عین ہے۔ یعنی بذاتِ خود موجود ہے۔ وجود، ذات سے مغائر نہیں ہے۔ اس کی مثال یوں پیش کرتے ہیں کہ آفتاب اور اس کی روشنی دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی روشن ہے جو خود روشن ہے اور اس پر روشن اور روشنی دونوں کا مصداق ہوتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اور اسکا وجود الگ الگ دو چیزیں نہیں ہیں بلکہ ذات وہی ہے اور وجود وہی ہے اور یہی قول صحیح ہے۔

اس لئے کہ حق تعالیٰ موجود بالذات ہے۔ یعنی اپنی ذات سے موجود ہے، جس کا مطلب اور مفہوم ہی یہ ہے کہ اس کا وجود اس کی ذات سے مغائر یا ذات پر زائد نہیں ہے۔ ورنہ موجود بالذات کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ جب یہ بات روشن ہے کہ وجود اور ذات میں عینیت ہے تو جس طرح وجود کا ذات سے انفکاک محال ہے اسی طرح ذات کا وجود سے انفکاک محال ہے) اللہ تعالیٰ کی معلومات اور ذوات قدیم ہیں اس لئے بعض متاخرین دو ذات کے قائل ہیں۔

ان میں سے ایک ذات، ذاتِ حق، دوسری ذات، ذواتِ ممکنہ جو کہ حق تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ اب رہ گئی بات وجود کی۔ کسی کا وجود ذاتی اور مستقل نہیں ہے، خواہ صور علمیہ ہوں یا موجودات خارجیہ اور مستقل وجود صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے حق تعالیٰ کا وجود اور اسی وجود کے نور سے تمام صور علمیہ ہیں۔ صور علمیہ کے لئے کوئی علاحدہ اور الگ وجود نہیں ہے بلکہ صور علمیہ میں بھی اسی نور کی تجلی اور ظہور ہے۔ موجوداتِ خارجیہ کو بھی جو کہ ارواح، امثال، اجسام، انسان ہوتے ہیں، مستقل وجود نہیں ہے۔ اس لئے کہ موجوداتِ خارجیہ کا وجود، صور علمیہ کی وجہ سے ہے۔

اور موجوداتِ خارجیہ اسی صور علمیہ کے ظلال وعکوس اور آثار واحکام ہیں۔ اس کو سمجھنے کے لئے قریب الفہم مثال یہ دی جاسکتی ہے۔ ہمارے زبان سے نکلنے والے حروف اور کلمات اور ہماری حرکات ومکتوبات اور مصنوعات وغیرہ یہ تمام چیزیں ہمارے ذہن میں موجود معلومات کے ظلال وعکوس اور آثار ہیں اور جس طرح ہمارے مکتوبات اور مصنوعات کے ظاہر ہونے کے وقت ہمارے ذہن میں موجود معلومات کا زوال نہیں ہوتا۔ اسی طرح اعیانِ خارج کے ظاہر ہونے کے وقت حق تعالیٰ کے اعیان علمیہ کا

زوال نہیں ہوتا ہے ورنہ اعیان علمیہ کے زوال سے حق تعالیٰ کا موجودات خارجیہ سے جہل اور لاعلمی لازم آجائے گی۔ (العیاذ باللہ منہا)

جب یہ حقیقت واضح ہوچکی کہ موجودات خارجیہ، صور علمیہ کے ظلال اور عکوس ہیں تو اس سے یہ عقدہ بھی کھل جاتا ہے کہ ظلال وعکوس کا وجود اصلی اور ذاتی نہیں ہوتا۔ (جیسے آدمی کا سایہ) اور اس وجہ سے صوفیہ متقدمین اور متاخرین صرف ایک وجود کے قائل ہیں۔ موجوداتِ خارجیہ اور اعیانِ علمیہ سے کسی کا وجود ذاتی اور مستقل اور اصلی نہیں ہے۔

کشف والہام کی راہ سے دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ جس طرح موجودات خارجیہ، اعیان علمیہ کے ظلال اور عکوس ہیں اسی طرح اعیان علمیہ بھی اسمائے الٰہی کے ظلال اور عکوس ہیں اور اسمائے الٰہیہ ذاتِ مطلق کے ظلال اور عکوس ہیں۔ اس لئے تمام اکابر صوفیہ جس طرح ایک وجود کے قائل ہیں اسی طرح ایک ذات کے بھی قائل ہیں اور ایک ہی ذات اور ایک ہی وجود کہتے ہیں۔ اس لئے کہ باقی تمام ذوات، ذات واحد کے آثار اور ظلال ہیں۔

حضرت شاہ نعمت اللہ قدس سرہٗ رسالۂ مکاشفات کے بائیسویں مکاشفہ میں رقم طراز ہیں۔

اگر چہ کہ نفس مغائرت کی وجہ سے انعکاس کا تصور ممکن ہے اور اس کے برعکس محقق صوفیہ کے نزدیک حق تعالیٰ کا وجود اس کی ذات کا عین ہے یعنی بذات خود موجود ہے۔ وجود ذات سے مغائر نہیں ہے۔ اس طرح انفکاک کا تصور بھی محال ہے۔

اس مسئلہ کی مزید تشریح، تفصیل اور دلائل کے لئے وقت اور کاغذ ناکافی ہیں۔

****

نیز آپ نے عورتوں کے دامنِ کفن پر سورۂ الم نشرح لکھنے کے بارے میں دریافت کیا تھا اور سانپ بچھو کے زہر زائل کرنے کی دعائیں پوچھی تھیں اور نورابلیسی کی علامات دریافت کی تھیں اور یہ بھی پوچھا تھا کہ ربانی، ملکی، شیطانی اور نفسانی خطرہ میں کیا فرق امتیاز ہے؟ اور قلب میں پیدا ہونے والے وساوس اور خطرات کے دفع کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

کرم فرما!

حدیث اور فقہ کی کتابوں میں کفن پر سورۂ الم نشرح تحریر کرنے کا ثبوت نہیں ہے بلکہ نصاب الاحتساب کے مصنف فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ یا قرآن کریم کی آیات میں سے کسی آیت کو میت کے کفن پر لکھنا خلاف شرع اور ممنوع ہے۔

البتہ مولانا مولابخش صدیقی بہاری نے زادالآخرت میں درالمختار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اسمائے الٰہی اور آیاتِ قرآنی کے علاوہ عہد نامہ کو میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر لکھا جائے تو اس عمل سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کی مغفرت فرمائے گا۔ اسی کتاب میں یہ قول درج ہے۔ کہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے کفن پر یہ شعر لکھا تھا:

وفـددت علیٰ الکریم بغیر زاد   من الحسنات والقلب السلیم

فـان الـزاداقبح کل شئی   اذاکـان الوفودعلیٰ الکریم

نیز مروی ہے کہ امیر المومنین عمر بن الخطابؓ نے امیر المومنین علی ابن ابی طالبؓ

سے یہ حدیث العمر سراج الجنّۃ (عمر جنت کا چراغ ہیں) سُنی تو حضرت علی سے یہ حدیث لکھوا کر اپنے پاس رکھ لیا اور اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ میرے انتقال کے بعد یہ تحریر میرے کفن میں رکھ دی جائے تا کہ قیامت کے روز میرے پاس ایک دستاویز رہے۔

تفسیر عزیزی میں مرقوم ہے کہ ایک عارف نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھوا کر اپنے اہل خانہ کو وصیت کی کہ میرے انتقال کے بعد یہ تحریر میرے کفن میں رکھ دی جائے۔ یہ سن کر گھر والوں نے عارف موصی سے پوچھا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ایک فقیر عالی شان گھر کے عالی شان دروازہ پر پہنچا اور اہل خانہ سے خیرات طلب کیا تو اسے اس عالی شان خوب صورت گھر سے معمولی اور حقیر چیز دی گئی۔ فقیر وہاں سے واپس آیا اور ایک کدال لے کر اس عالی شان اور خوب صورت گھر کے عالی شان دروازہ کو گرانا شروع کر دیا۔ مالکِ مکان دوڑتے ہوئے آیا اور اس حرکت کی وجہ پوچھی تو فقیر نے جواب دیا آپ اپنی بخشش وعطا کو اس عالی شان دروازے کے قابل بنا دیجئے یا پھر اپنے گھر کے اس عالی شان دروازہ کو اپنی عطا و بخشش کے موافق بنا دیجئے تا کہ کوئی بھی فقیر یہ عالی شان دروازہ دیکھ کر اونچی بخشش اور بڑی عطا کا امیدوار نہ رہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کتاب اللہ کا دروازہ ہے اور قیامت کے روز میرے لئے یہ دستاویز ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے اسی دروازہ سے اس کے رحم وکرم کی بھیک طلب کروں گا۔

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے ایک رسالہ میں لکھتے ہیں: اندرون قبر محراب بنا کر اس میں پیران طریقت کا شجرہ اس طرح رکھیں کہ میّت کے بدن کی آلائش سے آلودہ نہ ہو سکے۔

مذکورہ اسناد اور روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سورہ الم نشرح کو کفن پر لکھ سکتے ہیں

اور اگر قبر کی تنگی اور عذاب سے رہائی کا خیال کرتے ہوے سورۂ الم نشرح وغیرہ کی تحریر اس طرح رکھیں کہ میت کی آلائش ونجاست سے آلودہ نہ ہوتو یہ عمل جائز ہے۔

نور ابلیسی کی علامت یہی ہے اس سے کوئی بھی حکم، حکم الٰہی کے خلاف صدور پذیر نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جدی وشیخی شیخ عبدالقادر نے جب نور ابلیس کو حکم ربانی کے خلاف حکم پایا جو حرام کو حلال قرار دیا تھا تو آپ نے فوراً قرآن کی آیت ان اللّٰــــہ لا یــامـر بـالـفـحشـاء۔ (اللہ تعالیٰ فحش اور منکر کا حکم نہیں دیتا) سے روشنی حاصل کی اور نور ابلیسی کو ٹھوکر ماردی اور لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ پڑھا۔

حضرت غوث پاکؓ ذکر الٰہی میں مشغول تھے کہ آواز آئی: اے عبدالقادر! ہم نے تمہارے لئے حرام اور حلال کی قید اٹھادی ہے تو آپ نے دل میں سوچا حرام میرے لئے حلال کیسے ہوسکتا ہے۔ کہیں یہ ابلیس کا دھوکہ تو نہیں ہے، قرآن سے ہدایت حاصل کی اور فوراً لاحول پڑھ دیا تو فوراً ابلیس فرار ہوگیا۔ پھر آواز آئی اے عبدالقادر! آج تمہیں تمہارے زہد وتقویٰ نے میرے حملہ سے بچالیا۔ پھر آپ چوکنا ہوگئے اور زبانِ مبارک سے فرمایا: اے ابلیس میرے علم وفضل نے مجھے تیرے شر سے نہیں بچایا بلکہ اللہ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے بچالیا۔ اسی وقت روشنی غائب ہوگئی جو نورِ ابلیس تھا۔

اور یہ حقیقت ہمیشہ آپ کے ذہن میں موجود رہنا چاہئے کہ سلوک کا راستہ طے کرتے وقت شریعت مطہرہ کے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھے۔ اور شریعت کے ظاہر اور باطن کا پورا پورا اہتمام کریں اور تمہارا سلوک موافقِ شریعت رہنا چاہئے اور راہ سلوک کے عوارض اور موانع سے پوری طرح اجتناب کریں اور یہی وقت بیداری اور سلوک اور عمل کا وقت ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۴۸)
ذکر کے وقت میں سالک کے لئے خطرات

مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے رسالہ ''لمعات'' میں لکھا ہے کہ سالک کو ذکر کے وقت بے شمار وساوس اور خطرات آتے ہیں اور انوارِ الٰہی اور تجلیات ربانی ظاہر ہوا کرتے ہیں اور سالک ان چیزوں کو عظیم انوار تصور کر لیتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اسکو کوئی عجیب وغریب چیز ہاتھ لگ گئی ہے۔ پھر وہاں سے وہ اپنے مقصود کو پانے کی سعی و کوشش ترک کر دیتا ہے۔

اس باب میں ایک ضابطہ ذہن نشین رکھنا چاہئے جس پر اس فقیر کو منجانب اللہ اطلاع اور آگہی حاصل ہوگئی ہے، وہ یہ ہے کہ سالک پر جو بھی صورت ظاہر ہوگئی، وہ چند احوال وکوائف میں سے کسی ایک حالت سے خالی نہ ہوگی اور اگر اس حالت میں سالک کو یقین حاصل ہو چکا ہے کہ یہ صورت، تجلی حق کی صورت ہے یا اس کی طرف منسوب ہے تو وہ یقیناً تجلی حق ہے، اور اگر اس کے متعلق وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ فرشتوں کی صورتیں ہیں، یا مشائخ کرام کی ارواح طیبہ ہیں تو یقیناً وہی ہے۔ اور اس حالت میں سالک کو انشراح وانبساط وانس وکیفیت اور سرور حاصل ہو تو وہ واقع ملکی ہے۔ اور اگر اس حالت میں سالک کو کوئی وحشت و دہشت اور انقباض حاصل ہو تو وہ شیطانی اثر ہے۔ اور اس حالت میں سالک کو انشراح اور انقباض دونوں کیفیات حاصل نہ ہوں تو وہ خیالاتِ طبعیہ میں سے کوئی خیال ہے۔

اور جہات ذکر کے درمیان فرق سے متعلق مشائخ کرامؒ نے جو تفصیلات بیان

کی ہے، وہ فقیر کے نزدیک ہر حال میں درست قرار دینے کے لائق نہیں ہیں۔

حاصلِ تحریر! راہ حق کے سلوک کے عوارض اور اسکے علاجات و معالجات بہت ہیں۔ ان میں سے ایک عارضہ اور مانع بھی ہے اور وہ یہ کہ سالک فقہائے کرام کے اختلاف کی طرف توجہ نہ کرے۔ جیسا کہ یہ بات امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ''کیمیائے سعادت'' میں کہی ہے:

راہ حق یا طریق سلوک کے عوارض و موانع اور اس کے علاجات و معالجات کو فقیر نے اپنے رسالہ ''اسفار'' میں مستند معتبر اسناد و شواہد کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ آپ اس کی جانب رجوع کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۴۹)

اللہ کی نظر کا مقام انسان کا دل ہے

بعد الحمد و الصلوٰۃ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ نے من عرف نفسہ کی وضاحت اور لطائف اور وظائف کی وضاحت اور بزرگوں کے سلسلہ کی طلب پر مشتمل جو تحریر ارسال کی تھی، وہ دستیاب ہوئی۔

اس دور غفلت نشان میں آپ کا یہ استفسار دیکھ کر دل کو خوشیاں اور مسرتیں حاصل ہوئیں۔ الحمدللہ علیٰ ذلك۔

اسرار و معارف حاصل کرنے میں شیخ مربی کی صحبت اور تربیت کو بڑا دخل ہے یہی وجہ ہے کہ ایک غیر صحابی کا کوہِ اُحد کی مقدار میں دیا گیا ہوا سونے کے صدقہ کا ثواب ایک صحابیٔ رسول کے مٹھی بھر گیہوں کے صدقہ کی ہمسری و برابری نہیں کرسکتا۔ اگر اللہ تمہیں کسی مرشد کامل کی صحبت نصیب کرے تو یہ تمہارے لئے ایک ایسی نعمت ہوگی جس

سے بڑھ کر کوئی سعادت و بھلائی نہیں۔

سعادت آثار! اللہ تعالیٰ کی نظر کا مقام انسان کا قلب ہے نہ کہ اس کا جسم، لہٰذا آیات قرآنیہ کی تلاوت اور وظائف و اوراد کے پڑھنے میں دل کی توجہ اللہ کی طرف ہونی چاہیئے، اور جو کچھ پڑھا جا رہا ہے اس کا معنی و مفہوم سمجھے بغیر دل کی توجہ اللہ، کی جانب نہیں ہوسکتی، اس لئے مرید کو چاہیئے کہ پہلے دلائل الخیرات، قصیدۂ بردہ اور قرآن کریم کے معانی و مطالب سمجھے اور اس کے بعد تلاوتِ قرآن اور وظائف کی جانب متوجہ ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ذکر، مراقبہ اور تلاوتِ قرآن ہی ہے۔ اور ان سب راستوں میں بہتر راستہ قرآن کریم کی تلاوت ہے۔ کیونکہ صحابۂ کرام نے زیادہ تر اسی راستہ سے سلوک طے کیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا! انی ترکت فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی میں تمہارے درمیان دو چیز چھوڑ چلا ہوں، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میرے اہل بیت۔ لیکن قرآن کی تلاوت میں ضروری ہے کہ کلام، اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ سنے، یہ ادنیٰ مرتبہ ہے۔ اور تلاوت قرآن کے دوران ہر قصہ اور خطاب کا مخاطب خود کو جانے، یہ درمیانی مرتبہ ہے۔ اور تلاوتِ قرآن کریم میں اپنے افعال اور صفات کا مشاہدہ کرنا، یہ اعلیٰ مرتبہ ہے۔

صوفیہ کی اجازت کے اندر بڑی تاثیر ہے۔ اس لئے حسب التماس قرآن کریم، دلائل الخیرات اور قصیدہ کے پڑھنے کی اجازت دے رہا ہوں، جس قدر ہو سکے قرآن کریم کا معنی و مطلب سمجھتے ہوئے تلاوت کرنے کو غنیمت جانئے اور جب تلاوت سے دل اکتا جائے تو پڑھنا موقوف کردیں، کیونکہ قرآن کی تلاوت کے لئے حضورِ قلب کی حیثیت ویسی ہے ہے جیسی جسم کے لئے روح اور تھیلی کے لئے زر و روپیہ کی۔

صحبت کے مواقع میسر آنے تک امام غزالی کی کتاب کیمیائے سعادت کا مطالعہ کرتے رہیں۔ آپ کے حسبِ خواہش اپنے بزرگان طریقت کا شجرہ ارسال کررہاہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۵۰)

مریدین کے لئے ہدایات اور طریقہ ذکر

آپ نے توبہ وانابت اور دعا کے بارے میں دریافت کیا تھا، جس سے قلب کو خوشی و مسرت حاصل ہوئی۔ الحمدللّٰہ علیٰ ذلك ۔ اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام سے فرماتا ہے: یاداؤدؑ ! کن خادما لطالبی : اے داؤدؑ! کسی صالح شخص کے خدمت گزار بن جاؤ۔ اس سے بڑی دولت کیا ہوسکتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے پیغمبر کسی مردمنیب کے خدمت گذار تھے۔

آپ کو چاہئے کہ جب مریدانِ صادق، عزم اور حوصلہ کے ساتھ آپ کے سامنے آئیں اور خالص اور سچی توبہ کریں اور عہد کریں کہ معصیت کا خیال سر سے نکال رہاہوں اور اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع ہوں اور دنیا کو پس پشت ڈال دیا ہوں اور آخرت کی جانب مائل ہوں تو اس کے بعد دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کرائیں۔

ذکر نفی و اثبات جہر

یہ کلمہ لا الہ الا اللہ ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کے طریقہ پر قبلہ رخ ہوکر بیٹھیں اور آنکھیں بند کر کے لاکہیں۔ گویا آواز ناف سے نکال رہے ہیں۔ یہاں

تک کہ سیدھے بازو تک پہنچادیں۔ پھر الہ کہیں گویا سر سے آواز نکال رہے ہیں پھر الا اللہ کو دل پر شدت اور قوت کے ساتھ ضرب کریں اور دل میں اللہ کے سوا ہر شئے کو اپنا مقصود اور محبوب ہونے کی نفی کریں جیسا کہ سابق میں شرعاً معبودیت کی نفی کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس کو اپنا محبوب اور مقصود خیال کریں۔ اور اسی کا اثبات کریں اس ذکر کو ہر روز وقت مقررہ پر حضور قلب کے ساتھ جگہ، جسم اور لباس کی پاکیزگی و طہارت کے ساتھ ایک سو ایک مرتبہ کرتے رہیں۔ اور اس تعداد میں جس قدر چاہیں اضافہ کریں خواہ یہ گنتی ہزار تک بھی پہنچ جائے۔

آپ کی تصنیف ''مقامات دستگیری'' کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی سعادت مندانہ شخصیت دعوت وطریقت کی اجازت کی استعداد و قابلیت رکھتی ہے اور آپ کی صلاحیت و استعداد بہت سے مستفیض حضرات کے لئے قابل رشک ہے اور آپ کے جوہر شریف کی نفاست وخوبی بہت سے جوہردان افراد کے لئے غبطہ ہے۔

دعوت وتبلیغ کی اجازت ، وصول الی اللہ اور مقام فنا وبقا کے فائز ہونے پر موقوف ہے۔ وصول الی اللہ کے راستے چار ہیں۔ ذکر، فکر یعنی مراقبہ، تلاوتِ قرآن کریم اور کامل ومکمل مرشد کی صحبت، ان چار طریقوں میں سب سے افضل طریقہ مرشد کی صحبت ہے اور یہ اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ صحبت اور ہم نشینی کی یہی وہ اثر آفرینی تھی کہ خیر التابعین حضرت اویس قرنیؓ کا کوہِ احد کی مقدار میں سونے کا صدقہ ایک ادنیٰ صحابیؓ رسولؐ کے مٹھی بھر گیہوں کے صدقہ کے اجر وثواب سے برابری اور ہمسری نہ کرسکا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قلب کبھی حس کے تابع ہوتا ہے۔ لامحالہ جو حس سے دور ہے قلب سے بھی دور ہے۔ من لم یملك عینه فلیس القلب عنده۔ (جو شخص اپنی آنکھ کا

مالک نہیں اس کے نزدیک قلب بھی نہیں ہے۔) کی حدیث اسی مقام ومرتبہ کی جانب اشارہ کررہی ہے اور کام کی انتہا میں جب قلب کو حس کی طبیعت نہیں ہوتی ہے تو حس سے دوری قربِ قلبی میں تاثیر نہیں کرتی اسی لئے مشائخ کرام نے مبتدی اور متوسط حضرات کو شیخ کامل کی صحبت سے دوری اور علاحدگی کو پسند نہیں فرمایا۔ جب تک ایسے شیخ کی صحبت میسر نہ آئے تو تلاوتِ قرآن معانی ومطالب کی فہم اور غور وفکر کے ساتھ بہترین عبادت ہے۔رزقنا اللّٰہ وایاکم بحرمة سیدالمرسلین صلی اللہ علیه وعلیهم وعلیٰ الہٖ واصحابه اجمعین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۵۱)

مولوی خرم علی مصنف نصیحۃ المسلمین ایک صحیح العقیدہ عالم ہیں

کتاب ''نصیحة المسلمین'' کے مضامین کی صحت اور عدم صحت سے متعلق آپ کے استفسار کا علم ہوا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہاں کے لوگ مذکورہ کتاب کے مصنف مولوی خورم علی کو رافضی اور مشرک کہہ رہے ہیں اور حامل تحریر کی زبانی بھی وہاں کے حالات اور کوائف سننے کا موقع ملا۔

میں نے کتاب مذکورہ آخر تک مطالعہ کرلیا اور مطالعہ کے ابتداہی میں پتہ چل گیا کہ اس کا مصنف بزرگ سلیم اور اعتقاد درست کا مالک ہے۔ اور اہل سنت وجماعت کے خطِ مستقیم پر گامزن ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ مذکورہ کتاب شرک وبدعت کا قلع قمع کرنے میں بہت ہی خوب اور متین ہے اور اپنے نام کی طرح مسلمانوں اور مؤمنوں کے لئے سراپا نصیحت ہے۔ لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ دوراز خیال قیل وقال اور بحث

ومباحثہ سے الگ رہیں۔اور اپنے معاش وروزگار کے حصول اور اپنی اصلاح وپاکیزگی اور نماز وروزہ کی ادائیگی اور اپنی آخرت کے سنوارنے میں مصروف اور منہمک رہیں اور شرک وبدعات سے کنارہ کش اور مجتنب رہیں۔فقیر شرک اور بدعت میں ظلمت وتاریکی کے سوا کوئی چیز نہیں دیکھ رہا ہے۔

اگر بھلے سے دنیا میں مشرک اور بدعتی کے عمل کو لوگ اپنی ضعف بصارت کی وجہ سے عمدہ وخوب اور بہتر دیکھیں اور سمجھیں لیکن آخرت میں جب کہ انہیں قوت بصیرت ہوگی ،دیکھ لیں گے کہ بدعتی کا عمل خسران ونقصان اور ندامت کے سوا کوئی نتیجہ نہ دے گا۔

بوقت صبح شود روز معلومت — کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور

مدراس میں دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگوں کے نام خورم علی، نثار علی اور قدرت علی ہے اور یہ اہل سنت وجماعت کے مذہب پر قائم ہیں اور مشہور ومعروف ہیں۔لہٰذا مومن کے لئے زیبا نہیں اور لائق نہیں کہ وہ کسی شخص کا نام خورم علی سن کر اس کے بارے میں سوئے ظن سے کام لیں۔اور اسے رافضی قرار دے دیں۔ان بعض الظن ثم: بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔

خواجہ باشاہ صاحب، صاحب عقل وفہم اور عالی خاندان کے فرد ہیں اور ان کا شمار یہاں کے مشاہیر کرام میں ہوتا ہے۔میرا خیال ہے کہ کہیں اس قسم کے بے مزہ ناخوش گوار اور شک وشبہ پر مبنی دستاویزات کے ذریعہ فتنہ وفساد کی آگ نہ بھڑک اٹھے۔ شاید یہ ساری باتیں طرفین کے خدمت گاروں کی وجہ سے پیدا ہوی ہیں۔لہٰذا آپ ایسے بزرگوں اور ان کے تابعداروں کی اذیت کے درپے نہ رہیں۔اور یہ تحریر ملفوف ان کی خدمت میں بھیج دیں۔امید قوی رکھا ہوں کہ اس بزرگ کے ذریعہ فتنہ دب جائے گا اور

فساد، صلاح کی صورت میں بدل جائے گا۔ انه علی کل شئی قدیر، اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۵۲)

کیا عیسیٰ ؑ حضرت محمد ﷺ سے افضل ہیں؟

الحمدللّٰہ الذی ھدانا الی الاسلام وجعلنا من امة نبینا محمد علیه الصلوة والسلام۔

ایک انگریز کا کہنا ہے عیسیٰ، روح اللہ ہیں اور محمدؐ، رسول اللہ ہیں، رسول پر روح کی برتری واضح ہے، لہٰذا عیسیٰ محمد سے برتر ہیں، اس قول کی وضاحت مطلوب ہے۔ قلمی استفسار میں سائل کا نام نہیں ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

آپ نے استفسار کیا تھا کہ ایک انگریز شخص سرور عالم ﷺ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فضیلت وفوقیت دے رہا ہے اور یہ دلیل پیش کر رہا ہے کہ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ ؑ کو روح اللہ کہا گیا ہے۔ اور حضرت محمد کو رسول اللہ کہا گیا ہے، اور رسول پر روح برتری اظہر من الشمس ہے لہٰذا محمدؐ رسول اللہ پر عیسیٰ روح اللہ کی عظمت وفضیلت خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔

پہلے آپ یہ حقیقت جان لیجئے کہ انگریزوں نے دین وآخرت کو یکسر فراموش کر دیا ہے اور ان کے فقدان دین وآخرت فراموشی کے لئے یہی ایک بات کافی ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کی نافرمانی کرنے والے کو سزا دینے میں تو بڑے پر جوش ہیں۔ یہاں تک کہ چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو بھی معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور بادشاہوں کے

بادشاہ اوران کو پیدا کرنے والے کی نافرمانی میں پیش پیش رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ شرک اور گناہِ کبیرہ کے ارتکاب پر بھی کسی قسم کے مواخذہ اوراحتساب کا تصورنہیں رکھتے ہیں ایسی صورت میں گناہِ صغیرہ کا ذکر ہی کیا ہے حالاں کہ عہد عتیق اور عہد جدید کی کتابوں میں جا بجا گناہوں کے ارتکاب پر سخت سرزنش اور سخت ملامت آئی ہوی ہے اور بالخصوص زنا کاری اور ریا کاری سے متعلق تو شدید اور سخت تا کید ہے۔

توراۃ میں زنا کاری کی سزا سنگ ساری ہے اور انجیل متی میں ہے کہ آدمی کو جب آنکھوں کی وجہ سے زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی آنکھوں ہی کو ضائع کردے۔ کیوں کہ دوزخ میں سارے بدن کو داخل کرنے سے تو بہتر ہے کہ وہ اپنی دو آنکھوں کو ضائع کردے۔

نیز توراۃ میں خنزیر (سوّر) کھانے سے اور داڑھی منڈانے اور ریش تراشنے سے منع کیا گیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کے حواری ریش دار تھے۔

اور عیسائی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے شکمِ مادر میں خونِ حیض سے پرورش پائی۔اور آپ پیشاب و پاخانہ کرتے تھے،اور آپ کو بھوک پیاس لگتی تھی اور آپ کھانے پینے کے محتاج تھے۔اور آپ کھاتے، پیتے،سوتے،اور جاگتے تھے اور یہودیوں کے زودوکوب،قید و بند اور قتل وصلیب کی بلا و مصیبت میں گرفتار ہوئے۔

اس برعکس عیسائی یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ عیسیٰ خدا ہیں اور حیاتِ خدا یعنی اللہ کی روح کی روح ہیں اور یہی روح حضرت عیسیٰ کے ناسوت میں نازل ہوی اور یہی تمام موجودات کی خالق اور مدبر ہے اور یہی روح کل مخلوقات کی مرادیں برلانے والی ہے۔اور یہی روح سب کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرنے والی ہے۔اسی نے اپنی

ماں کو پیدا کیا اوران کی ماں نے اپنے خدا (مسیح) کو جنم دیا۔

اس اعتقاد کے برخلاف اناجیل حضرت عیسیٰ کے بندے اور رسول ہونے کی گواہی دے رہی ہیں۔جیسا کہ انجیل متی کی ساتویں فصل میں ہے:

جس نے مجھے قبول کیا بے شک اس نے اس ذات (اللہ تعالیٰ) کو قبول کیا جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اور انجیل یوحنا کی پانچویں فصل میں ہے کہ مسیح نے فرمایا:

میں دنیا میں اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق عمل کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ میں اس لئے آیا ہوں، کہ اس ذات (اللہ تعالیٰ) کی خواہش کے مطابق عمل کروں، جس نے مجھے مبعوث کیا ہے۔

انجیل کی اس فصل سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو رہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں۔ پھر بھلا وہ خدا کا جز اور خدا کا حصہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ سبحان اللہ تعالیٰ عمایشرکون۔جو باتیں مشرکین کہہ رہے ہیں ان سے اللہ کی ذات پاک وصاف ہے۔

ولو بالفرض عیسائیوں کی یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ مسیح خدا ہیں تو پھر آسمانی کتابوں کے اندر مسیح کی الوھیت اور ربوبیت اور خدائیت کے بارے میں کسی قسم کی صراحت کیوں نہیں کی گئی۔حالاں کہ انبیاء اور مرسلین کی بعثت کا اصل مقصد اور کتابوں کے نازل کرنے کی اصل غرض انسانوں کو خدا سے آگاہ کرنا اور خبر دینا ہے۔اور حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت ارمیاء، حضرت اشعیاء اور دیگر انبیائے کرام اپنے خدا (مسیح) کی الوھیت سے کیوں کر لاعلم اور بے خبر رہ گئے۔جب کہ اپنے خدا سے لاعلمی کفر

ہے۔معاذاللہ من ذلک۔

عیسائیوں کے غیر معقول عقائداور متضادنظریات سے ان کی گم راہی پوری طرح آشکار ہے اوراس گمراہی وضلالت کا واحد سبب محمد عربی ﷺ کی شریعت مطہرہ سے روگردانی ہے۔

محال است سعدی کہ راہ صفا   تو ان رفت جز درپے مصطفیٰ

اے سعدی! شریعت محمدیؐ کے بغیر صراط مستقیم پر گامزن رہنا محال ہے۔

آمدم برسر مطلب۔

سائل کی نظر صرف روح اللہ پر ہے۔موسیٰ علیہ السلام بھی ہمارے پیغمبر ہیں۔ محمد ﷺ کے ساتھ فضیلت میں شامل ہیں۔جواب کا حوالہ یہودیوں پرڈال دیناچاہئے۔ جو مسیح کے منکر ہیں اورعیسائیوں کے مخالف ہیں۔لہٰذاان کا جو جواب ہے ہمارا بھی وہی جواب ہے۔علامہ شیخ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس مالکی نے اس سوال کا جواب دیا ہے۔وہی یہاں نقل کیا جارہا ہے۔

اجوبة الفاخرة عن الأسئلة القاصره۔میں علامہ موصوف لکھتے ہیں:

روح اورکلمہ سے وہ معنی لینا محال ہے جو عیسائی دعویٰ کرتے ہیں۔عیسیٰ روح اللہ اورکلمۃ اللہ کی مراد وہ نہیں ہے جو قائل سمجھتا ہے۔

پہلی بات یہ کہ روح کے متعدد معانی ہیں۔روح کا معنی مشرق اورمغرب کے درمیان چلنے والی ہوا ہے۔اس کے لئے ریح اورروح دولغت ہیں۔اسکی جمع ریاح اور ارواح آتی ہے۔روح حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نام بھی ہے۔اورانہیں روح القدس

کہا جاتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جسمِ حیوانی کا قیام جس پر ہے اس کو بھی روح کہتے ہیں۔

کلمہ اس لفظ کا نام ہے جو مقید آوازوں سے مرکب ہو۔ اور لسانی کلام کا جز ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے: ان الکلام فی الفواد وانما جعل اللسان علی الفواد دلیلاً : بے شک کلام دل ہی میں ہے اور زبان اس کی ترجمان ہے۔

اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ نفس انسانی، خیر اور شر سے بات کرتا ہے اور کلمہ، حروف کو کہا جاتا ہے جو لفظ پر دلالت کرتا ہے اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کلمہ کی تحریر اچھی ہے اور یہ کلمہ حروف سے لکھا ہوا ہے۔ جب روح اور کلمہ کے معانی متعدد ہیں تو پھر کسی ایک معنی پر محمول کرنا انصاف سے بعید اور باطل ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ یہ جواب نہ ہی اعتقاد کے موافق ہے، نہ ہی الزامی جواب ہے، قرآن کریم میں عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں روح اللہ کا جو لفظ آیا ہوا ہے اس کے معنی ہیں، بدن حیوانی کو قوام دینے والا نفس۔

اور مسیح کے اندر روح پھونکنے کے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک روح پیدا کی اور ان کے اندر پھونک دی اور یہی بات تمام انسانوں کی روحوں پر بھی صادق آتی ہے۔ کہ وہ بھی اللہ کی ارواح ہیں اور ہر حیوان کی روح بھی اللہ تعالیٰ کی روح ہے، کیوں کہ عربی زبان میں اضافت صادق ہونے کے لئے ادنیٰ مناسبت کافی ہے۔ مثلاً ایک لکڑی اٹھانے والے سے یہ کہا جاتا ہے کہ تیری طرف اٹھاؤ۔ اس کی مراد اس لکڑی کی طرف ہے۔ پھر اٹھانے والے کی طرف نسبت کی گئی ہے۔

اس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ زید کا ستارہ طلوع ہوا۔ حالاں کہ زید اور اس کے

درمیان صرف نسبت مفارقت ہے۔ پھر تمام ارواح کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کیوں نہیں کر سکتے۔ حالاں کہ ان تمام ارواح کا خالق اور مدبر بھی اللہ کی ذات ہی ہے۔

مذکورہ آیت سے متعلق بعض علماء سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی ارواح میں سے ایک روح عیسیٰ علیہ السلام کے اندر بھی پھونک دی۔ یعنی تمام حیوانات کی ارواح اللہ تعالیٰ ہی کی ارواح ہیں اور حضرت عیسیٰ کو خاص طور پر ذکر کی وجہ یہ ہے کہ اضافت الی اللہ کے ذریعہ عیسیٰ کی عظمت کو نمایاں کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

کما انزلنا علی عبادناہ ان عبادی لیس لك علیهم سلطان ۔ حالاں کہ تمام بندے اللہ ہی کے بندے ہیں تخصیص، مخصص کا مقام اور مرتبہ ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

کلمہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شئی کے وجود کا ارادہ کرتا ہے تو لفظ کُن سے وجود بخشتا ہے۔ اور وہ شئے وجود میں آجاتی ہے۔ جتنی بھی موجودات اور مخلوقات ہیں وہ سب کلمہ ''کُن'' کی جانب منسوب ہیں، جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو وجود میں لانا چاہا تو ان کی ماں کے بطن سے لفظ کُن کہا تو مسیح، وجود کا لبادہ اوڑھے ہوئے جلوہ گر ہو گئے۔ لہٰذا یہ تخصیص عیسیٰؑ کے مقام رفعت وعظمت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

یہ تو ایک معقول معنی ہے اور اس کے اندر یہ خرابی نہیں ہے، جیسا کہ نصاریٰ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت عیسیٰ علیہ السلام کے ناسوت میں حلول ہوگئی۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کیوں کہ صفت موصوف سے جدا ہونا عقلاً بھی کیوں کر ممکن ہے۔

اور اگر ہم میں سے کسی سے یہ بات کہی جائے کہ تیرا عمل اور تیری زندگی زید کی طرف منتقل ہوگئی تو ہر صاحب عقل وفہم ایسی بات سے انکار کردے گا۔ بلکہ دوسرے کے اندر وہی صفت موجود ہونا ممکن ہے جو اس صفت کے مثل ہے۔ اور بذاتِ خود ایک صفت ، ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہونا محال ہے۔ کیوں کہ حرکات جسم کی صفات ہیں اور صفت جسم نہیں ہے۔

اور اگر نصاریٰ یہ کہیں کہ اجسام، صفات ہیں اور صفات، اجسام ہیں اور مختلف ومتبائن احکام ایک ہی شئے ہے، تو ان سے کوئی بحث ہی نہیں اور ظن غالب یہی ہے کہ وہ اسی بات کے قائل ہیں اور یہ ایسی بات ہے جو عقلی اور نظری اعتبار سے بہت دور ہے۔

حاصل کلام! یہ تمام عربی زبان کے فقرات اور کلمات ہیں۔ لہٰذا جو شخص عربی زبان کی اضافات، تعریفات، تخصیصات، تعمیمات، اطلاقات، تقیدات اور باقی استعمالات کو بخوبی جانتا اور سمجھتا ہو تو اسی کو بحث کرنے اور استدلال قائم کرنے کا حق ہے اور جس شخص کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے اس کو چاہئے کہ علماء کی تقلید کرے، اور جس چیز کا علم نہ ہو اس کے متعلق بات نہ کرے۔

علامۂ موصوف کی مذکورہ وضاحت ہی میں سائل کا جواب پوشیدہ ہے۔ اگر مخالف، روح کے لفظ سے حقیقی معنی مراد لے تو مکابرہ لے پیش آئے۔

اس کے لئے جواب وہی ہے جو میرے جد امجد حضرت سید شاہ عبد اللطیف ذوقی ویلوری نے اپنی منظوم فارسی تصنیف ''معجزۂ مصطفیٰ'' میں سرور انبیاء علیہ السلام کی مدح وتوصیف میں اسی قسم کے سوال کے جواب میں لکھا ہے:

کریمیکہ بخشید مارانعیم یتیمے کہ افشاند دریتیم

سراجِ ہدایت دل روشنش | فداگشتہ روح الامین برتن اش
بعیسیٰ کہ بجان اہل کمال | لقب داد روح ایزد ذوالجلال
چو از حب خود دار اور انصیب | زحب خواند محبوب خویش و حبیب
ہمہ جائے محبوب درجان کنند | برو روح رانیز قربان کنند

وہ کریم جس نے نعمتوں سے نوازا، وہ یتیم جس نے ہمیں علم وادب کی موتیوں سے نوازا جس کا روشن دل چراغ ہدایت ہے۔ جس کے جسم پر روح الامین (جبرئیل) فدا ہو گئے عیسیٰ اہل علم کی جان تھے کیوں کہ ربّ ذوالجلال نے ان کو روح اللہ کا لقب دیا، اللہ نے محمد کو اپنی محبت کا حصہ عطا کیا اور انہیں پیار سے اپنا محبوب کہا اور ہر جگہ روح پر محبوب کو عزیز رکھا، اسی لئے روح کو محبوب پر قربان کر دیا۔

یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ عیسیٰؑ کو اللہ نے روح کہا اور محمد کو اپنا محبوب کہا اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ روح کو اپنے محبوب پر فدا کیا۔ لہٰذا محمد کی افضلیت عیسیٰ پر اظہر من الشمس ہو گئی۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۵۳)

مذاہب اربعہ کے اختلافات کی نوعیت

پس از سلام مسنون اعزی خدا بخش صاحب سوداگر کو ظاہر ہووے تمہارا مکتوب مرقوم بیستم ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ کو پہنچا اور دینی مسائل کا استفسار رہنے سے دل بہت مسرور ہوا۔ ایں کار دولت است کنوں تا کرا رسد۔

معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ تمہارے دل میں قرار پکڑی ہے، ازکوزہ بروں ہموں تراود کہ درواست، کل اناء یترشح بمافیہ ۔ظرف سے وہی چیز باہر آتی ہے جو اس کے اندر ہوتی ہے۔

فتویٰ ملفوفہ مرقوم بھی فقیر کا ہے جو ۱۲۶۸ھ میں لکھا تھا لیکن وہ فتویٰ ناقص رہنے سے ایک دوسرا فتویٰ پورا ملفوف کیا ہوں۔اس مفصل احوال مع الاسناد معلوم ہوگا۔

اول یہ بات جاننا ضروری ہے کہ ہمارا دین، محمدیؐ ہے موسوی اور عیسوی وغیرہ نہیں۔پھر یہ دین محمدیؐ میں تر ہتر فرقے ہیں۔ ہمارا فرقہ سنت و جماعت کا ہے۔ خارجیہ، رافضیہ، قدریہ، جبریہ، معتزلہ، مرجیہ، ظاہریہ اور باطیبیہ وغیرہ نہیں۔

پھر یہ سنت و جماعت کے فرقے ہیں۔ چار مجتہد مستقل سے چار مذہب رائج اور مشہور ہیں۔حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلیؒ۔ یہ چاروں مذہب میں حق دائر ہے۔اور بے شک ان کے اختلاف میں رحمت ہے لقولہ علیہ السلام،

شیخ جلال الدین سیوطی جزیل المواہب میں فرماتے ہیں۔(یہ جاننا چاہئے کہ اس ملت میں مذاہب کا اختلاف بڑی نعمت اور عظیم فضیلت ہے اور اس کا ایک لطیف راز ہے جس کا علماء نے ادراک کیا، اور اس سے جاہل ناواقف ہے، حتی کہ بعض جاہلوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ تو ایک ہی شریعت لائے پھر یہ مذاہب اربعہ کہاں سے نکل آئے)

پھر یہ چار مذہب میں مجتہد فی المذاہب ہیں یا مقلد۔

اور مذہب حنفیہ میں بھی مجتہد فی المذاہب جیسے ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، طحاویؒ، کرخی، سرخسی، بزدوی، قاضی خان، رازی، ابوالحسن، قدوری اور صاحب ہدایہ برہان

الدین مرغینانی وغیرہم۔ یا مقلد ہیں یعنی پیروان مجتہدوں کے جیسے، ہم حنفیہ۔

پھر یہ چاروں مذہب مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، عرب عجم، شام، مصر، مغرب ایران، توران، ہند سندھ، سواداعظم میں جہاں کے مشہور ہیں۔

اور مقلد یعنی پیرو چار مذہبوں (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کے سیدھے راہ پر ہیں لقولہ علیہ السلام علیکم بالسواد الاعظم۔ تم پر سواداعظم کی اتباع و پیروی کرنا لازم ہے۔

پھر جو احکام، اجتہاد سے مجتہدوں کے نکلے ہیں۔ بحکم المجتہد یخطی ویصیب، صواب و خطا کے درمیان متردد ہے۔ لیکن مجتہد مصیب، (جس کا اجتہاد صحیح ہوجائے) کو دو اجر ہیں، اور مجتہد مخطی (جس کا اجتہاد غلط ہوجائے) کو ایک اجر ہے۔ لقولہ علیہ السلام جعل للمصیب اجرین وللمخطی واحداً، کذافی التوضیح وغیرہ من کتب الاصول۔

اور امام ربانی شیخ احمد سرہندی مکتوبات جلد ثالث کے ۲۲ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں:

بر مجتہد چہ جائے اعتراض است کہ خطاء او نیز یک درجہ ثواب است و تقلید او اگرچہ خطا کند موجب نجات است، انتہٰی۔ (مجتہد پر اعتراض کی کیا بات اس کی خطاء بھی ایک درجہ ثواب کی حامل ہے اور اس کی تقلید اگرچہ کہ خطا میں ہو، نجات کا باعث ہے۔)

اعتراض اگر ہے تو مقلد پر ہے۔ اس لئے قرآن وحدیث سے مسائل نکالنا اور اجتہاد کرنا یہ مجتہدوں کا کام ہے۔ نہ کہ مقلدوں کا۔ مقلد اپنے مجتہدوں کے برخلاف قرآن وحدیث سے مسائل نکالے اور اجتہاد کرے تو قطع نظر خطا کے، صواب میں بھی

اس کو اجر وثواب نہیں، اور اس مقلد کے پیرو کو، نجات بھی نہیں، مقلد اور اس مقلد کا پیرو، ہر دو عاصی ہیں۔

جیسے حکم کرنا عہدے داروں کا کام ہے، نہ کہ سپاہیوں کا، سپاہی اپنے عہدہ داروں کے برخلاف کچھ حکم کرے، یا دوسرا سپاہی اس پر عمل کرے، ہر دونوں تقصیر مند ہیں، اس تفصیل کے بعد اب تمہارے جواب لکھتا ہوں۔

تم پوچھے تھے کہ نذر مخلوق کی چاروں اماموں کے پاس جائز ہے یا نہیں؟

جواب اس کا یہ ہے کہ نذر کے دو معنی ہیں۔ ایک ایجاب العبادۃ، دوسرا ہدیہ۔ غیاث اللغات میں ہے نذر بفتح نون وسکون ذال معجمہ پیمان وآنچہ برخود واجب گردانند مثل روزہ وصدقہ برائے خدائے تعالیٰ وطعام فاتحۂ بزرگاں وآنچہ از نقد وجنس پیش اُمراء وسلاطین گذرانیدہ ملاقات کنند۔ (نذر یہ ہے کہ آدمی خود اپنے اوپر کسی چیز کو واجب کرلے جیسے روزہ۔ اللہ کی راہ میں صدقہ، اور بزرگان دین کے فاتحہ کا کھانا اور امراء وسلاطین کی خدمت میں ملاقات کے وقت جو نقد وجنس پیش کرتے ہیں اس کو بھی نذر کہتے ہیں۔

اگر نذر بمعنی ایجاب العبادت ہے تو بالاجماع یہ نذر مخلوق کو حرام ہے۔ مخلوق زندہ، ہو یا مردہ، اور نذر نقد ہو یا جنس طعام ہو یا شراب۔ لان النذر عبادۃ والعبادۃ لایکون للمخلوق۔ (بے شک نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لئے نہیں ہوگی۔)

قال صاحب فتاویٰ الخیریّۃ اجمعوا علی حرمۃ نذر المخلوق۔ (صاحب فتاویٰ الخیریہ فرماتے ہیں کہ مخلوق کی نذر حرام ہونے پر علماء کا

اجماع ہے۔)

اگر مراد نذر سے ہدیہ ہو تو مخلوق کو دنیا جائز ہے چنانچہ امام ربانی شیخ سرہندی اپنے بعض مکتوب میں لکھے ہیں: نذر شار سید

اور مولوی شاہ اسماعیل دہلوی صراط مستقیم کے باب العلم میں لکھے ہیں۔

درخوبی نذر و نیاز اموات شکے وشبہے نیست (بزرگوں کی نیاز کے جائز ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں) اور مریدین، پیروں کو اور نوکر امیروں کو جو نذر دیتے ہیں اس سے مراد ہدیہ ہے، عبادت نہیں۔

پوچھے تھے کہ حنفی بموجب حدیث ابو حمید ساعدی ہاتھ کندھوں تک اٹھاتا ہے تو اس کا حکم کیا ہے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ حنفی مجتہد ہے تو حدیث پر عمل کر سکتا ہے۔ مقلد ہے تو اس پر اپنے امام کی تقلید واجب ہے، کذا فی کتب الاصول۔

امام ربانی شیخ احمد سرہندی جلد اول کے ۲۸۶ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں۔

مقلد رانمی رسد کہ خلاف رائے مجتہد از کتاب وسنت اخذِ احکام کند و برآں عامل باشد۔ (مقلد کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ مجتہد کی رائے کے خلاف قرآن وحدیث سے احکام اخذ کرے اور اس پر عمل پیرا ہو جائے۔)

اور مولوی شاہ اسمٰعیل دہلوی، مقدمہ ایضاالحق کی پہلی فصل میں مسئلہ استنباط احکام میں لکھتے ہیں کہ: شرط ثانی آنکہ قایس از مجتہدین باشد نہ از مقلدین۔ انتہیٰ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ قیاس کرنے والا مجتہدوں میں سے ہوگا، مقلدین میں سے نہیں۔

اس صورت میں حنفی مقلد کو مجتہدان حنفیہ کی تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

شیخ الہند عبدالحق محدث دہلوی حدیث ابوحمید ساعدی رایتہ اذا کبر جعل یدیہ حذاء منکبیہ۔ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

(ابوحمید ساعدی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کندھوں کے مقابل اٹھاتے اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور ہمارے مذہبِ حنفی میں دونوں کان کی لو تک ہاتھ اٹھانا ہے اور یہ طریقہ بھی احادیث سے ثابت ہے اور بعض روایات سے بالائے گوش تک ہاتھ اٹھانے کا ثبوت بھی ملتا ہے اور امام اعظم ابوحنیفہؒ نے متوسط مقابل دوش اور بالائے گوش کے درمیان کان کی لو اختیار کیا ہے اور امام شافعیؒ نے ان مختلف روایات میں یہ تطبیق دی ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں کندھے کے مقابل رہیں اور انگوٹھا کان کے برابر رہے اور دیگر انگلیوں کا بالائی حصہ کان کے بالائی حصہ تک پہنچے۔

اور ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مختلف اوقات میں مذکورہ ہر ایک طریقہ وقوع میں آیا ہو۔ واللہ اعلم۔

پوچھے تھے کہ تشہد میں انگشت اٹھانے کا کیا حکم ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ انگشت اٹھانے کے مقدمے میں اٹھائیس حدیث صحیح آئے ہیں۔ مگر صحیح بخاری میں اس کا کچھ ذکر نہیں۔

امام الائمہ امام اعظم اور صاحبین (امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ) اور مالکیہ اور شافعیہ اور حنبلیہ سب کے سب اٹھانے پر گئے ہیں اور علماء ماوراء النہر نہیں اٹھانے پر گئے۔

غرض اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور فتویٰ بھی مختلف ہے، میں اس مسئلہ کی تفصیل، فصل الخطاب میں بڑی تفصیل سے لکھا ہوں، یہ عنقریب چھپنے والی ہے، پس آدمی انگلی اٹھاے اور نہیں اٹھانے میں مختار ہے۔ جھگڑا کس لئے۔

حق جل مجدہ سب مسلمانوں کو توفیق دے تا کہ وہ سنت و جماعت کے مذہب حق پر قائم رہیں، اور افراط وتفریط سے اور دنیائے دنیہ فانیہ کے فریب سے بچیں اور کچھ بو اپنی محبت و جمعیت باقیہ کی اپنے مشام میں لاویں اور تذکر موت واحوال آخرت پیش نظر رکھیں۔

کار این است غیر ایں ہمہ ہیچ　　　　زیادہ حق باشما باد

مرقوم دوازدہم محرم روز یکشنبہ ۱۲۸۶ھ

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۵۴)

زیارتِ آثار شریف

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس باب میں کہ آں حضرت ﷺ اپنے موئے شریف صحابہ رضی اللہ عنہم تقسیم فرمائے ہیں یا نہیں؟

۲　اور زیارت آثار یعنی موئے شریف کی آنحضرت ﷺ کا حکم کیا ہے؟

۳　اور اس کی تعظیم وتکریم گویا تعظیم وتکریم آنحضرت ﷺ کی ہے یا نہیں؟

۴　اور صحت پر اس کے حکم کرنے، ابر اس پر سایہ کرنا اور چھاؤں اس کی دھوپ میں نہ پڑنا اور باوجود گوڑ لگانے کے اس پر مکھی نہ بیٹھنا کیسا ہے؟ بیّنو او توجروا۔

الجواب

۱۔ آنحضرت ﷺ حجۃ الوداع میں موئے مبارک تقسیم فرمائے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی عادت تھی کہ موئے مبارک جب سراور داڑھی شریف سے آنحضرت ﷺ کے نکلتا تو اس کو تبرکاً اٹھا کر رکھ لیتے تھے۔

۲۔ اور مشاہد و آثار کی زیارت جو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہیں مستحب ہے۔

۳۔ اور ان تبرکات کی تعظیم و تکریم سرورِ ہر دوسرا کی تعظیم و تکریم ہے۔علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۴۔ اور صحت پر اس کے حکم کرنے، ابر سایہ ڈالنا اور چھاؤں اس کی نہ پڑنا اور مکھی اس پر نہ بیٹھنا ضروری نہیں۔ بلکہ نقل کا صحیح ہونا اس کے ثبوت میں بطریق اخبار و آثار، یا بغیر ثابت ہونے اس کے اخبار و آثار میں فقط اس کا، لوگوں میں معروف رہنا اشتہار کے طور پر یہی بس کافی ہے۔

اشعۃ اللعمات میں شیخ الدہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہے: وناول الحالق شقه الایمن۔ اور دئے آنحضرت ﷺ سر تراش کو سیدھا جانب اپنے سر کا۔ اس حدیث سے یہ بات ظاہر ہے کہ معتبر ابتدا کرنے میں سیدھے جانب سر منڈھوا لینے والے کا ہے۔ اور بعضے سیدھے جانب کو منڈھنے بارے کے اعتبار کرتے ہیں۔ فحلقه پھر منڈھا سیدھے جانب کو آنحضرت ﷺ کے ثم دعا اباطلحة الانصاری فاعطاه ایاه۔ ابوطلحہؓ انصاری کو جو مشہور صحابہؓ سے ہیں حضورؐ نے اپنے موئے مبارک ابی طلحہؓ کو دیا، فقال اقسمه بین الناس: پھر فرمایا بانٹ دے ان کو لوگوں میں، تو ہر یک کو

یک یک دو دو عدد موئے شریف حصہ میں ملے، شاعر نے اسی قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بیت   مراازِ زلفِ تو موے بسند است   فضولی می کنم بوے پسند است

اسی طرح آپؐ ناخناں تراشے اور حاضرین میں بانٹ دیے۔ اور یہ برکات امت میں آج تک باقی ہیں۔ جو یاد دلانے اور یاد رکھنے کا ہو، اجزائے وجود شریف کو آنحضرت ﷺ کو گویا مقولہ سے شاعر کے جو یک بُوبس ہے کہا، یہی موئے مبارک کا صحابہؓ میں اس لئے تھا کہ یہ برکت انہوں میں باقی رہے اور انہوں کو وجود شریف سے آنحضرت ﷺ کی یاد دلانے اور یاد رکھنے کا سبب ہووے۔ اور گویا اشارہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے اپنے اجل کی نزدیکی اور زمانۂ صحبت ختم ہو جانے کی طرف۔ انتہیٰ اور مدارج النبوۃ جلد اول کے نویں باب میں لکھتے ہیں۔ عروہ بن مسعودؓ نے دیکھا کہ جب آنحضرت ﷺ وضو کرتے تو آپؐ کے وضو کے پانی پر صحابۂ کرام پیش دستی کرتے اور گرتے، قریب تھا کہ اس پر مارا ماری کرلیں۔ اور جب آنحضرت ﷺ کے منہ اور ناک اور حلق سے پانی گرتا تو اس کو نیچے گرنے نہیں دیتے اور اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے منہ اور بدن پر ملتے اور جب موئے شریف گرتا تو لینے میں سبقت کرتے، اور اس کو اٹھا کے تبرک کے طور پر حفاظت کر رکھتے۔

اور اسی میں ہے اور مروی ہے انس بن مالکؓ سے کہ انہوں نے کہا بیشک دیکھا میں رسول اللہ ﷺ کو، سر تراش آپ کا سر مبارک مونڈھا تھا تو صحابہ ان بالوں کو جمع کرتے تھے پس یہی چاہتے تھے کہ جو موئے شریف کے گرتا ہو سو کسی کے ہاتھ ہی میں گرے اور آنحضرت ﷺ حج میں اپنے مبارک سر کے بالوں کو صحابہؓ میں تقسیم کئے سوا اس

کا بیان خدا چاہا تو اس کے محل میں آوے گا۔ انتہیٰ۔ اور ''حیات القلوب فی زیارت المحبوب'' کے چودھویں باب کی تیرھویں فصل میں ہے: جانئے کہ مولانا رحمۃ اللہ سندی منسک متوسط میں اور ملا علی قاری مکی کی شرح میں عبارت مفیدہ اس کا حاصل یہ ہے کہ جاننا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہیں سو مساجد اور باؤڑیاں اور آثار کی زیارت کرنا مستحب ہے۔ برابری کہ وے جانا جاویں یا جہت ان کا۔ اور تصریح کئے ہے علی الاطلاق اس کے استحباب پر یک جماعت علمائے حنفیہ کی اور یک ٹکری شافعیہ اور مالکیہ اور حنابلہ کی، اور تحقیق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز پڑھتے، اترنے اور گذرنے کی کوشش کرتے تھے۔ جن جگہوں میں آنحضرت ﷺ نماز پڑھے، اترے، گذرے۔ اور قاضی عیاضؒ نے شفا میں کہا ہے کہ تعظیم واکرام سے آنحضرت ﷺ کے ہے تعظیم کرنا سب اشیاء اور اجزاء کا آنحضرت ﷺ کے اور اکرام کرنا سب مکانوں کا آپ کے کہ جن میں رہے یا اترے ہوں اور تعظیم کرنا ہر چیز کی، جو لگی ہو ہاتھ یا پہلو یا قدم یا کوئی عضو کو آنحضرت ﷺ کے، برابر ہے کہ اس کے ثبوت میں نقل صحیح آوے یا اخبار وآثار سے ثابت نہ ہو، لیکن لوگوں میں اشتہار کے طور پر معروف رہے۔ تمام ہوا خلاصہ سندی اور مکی رحمہما اللہ کے کلام کا انتہیٰ۔

مولانا سراج العلماء مولوی محمد سعید صاحب اسلمی مغفور، سفینۃ الجنات کے بیالیسویں صفحے میں لکھتے ہیں، موی شریف کے بارے میں بالیقین معلوم نہ ہو تب بھی وہ واجب التعظیم ہے اس لئے کہ جب کُل کی تعظیم واجب ہوی تو جز کی تکریم اور احترام میں اس کے سریکا ہے اور قیاس چیز ہائے مذکورہ [1] کا اس پر قیاس مع الفارق ہے اور نقص [2] لانا موئے شریف کے تعظیم میں نظر کرتے حرمت پر تعظیم اشیاء مذکورہ کے

نقص بغیر مثل ہے۔ پس یہ باطل ہے۔ انتہیٰ۔

اس مقام میں ایک ملفوظ ملفوظات سے قدوۃ المحققین، زبدۃ العارفین، قدوۃ الواصلین، واقفِ اسرار ربانی مجدد الف ثانی، جامع الشریعت والطریقۃ، کاشفِ رموزِ المعرفۃ والحقیقۃ حضرت شاہ عبدالحق محمد مخدوم الحقانی القادری الساوی رحمۃ اللہ علیہ کے جو جمع کرنے والے ان ملفوظات کے، قطب الزماں ترجمان لسان العرفان، قدوۃ الواصلین، زبدۃ العارفین شیخی وجدی رکن الملت والدین حضرت سید شاہ ابوالحسن القادری القربیؔ قدس اللہ سرہٗ العزیز ہیں۔ سے بطریق فائدہ لایا جاتا ہے۔ فرماتے تھے کہ لوگاں جب آثار شریف لاتے ہیں وہاں طالب حق باادب رہے۔ کیوں کہ آں حضور ﷺ حجۃ الوداع میں سرِ مبارک منڈھواتے وقت موئے شریف لوگوں کو عنایت فرمائے ہیں۔

جس روز کہ یہ فقیر (حضرت قطب ویلور) سفرِ زیرباد کا قصد کیا محمود بندر میں پہنچا۔ وہاں آثار شریف تھا۔ فقیر اس کی زیارت کا قصد کیا۔ دو طالب العلم ہمراہ تھے وہ زیارت کے منع میں تقریریاں کرنے لگے، کہ لوگاں جھوٹ آثار شریف کا نام لیتے اور لوگوں میں شہرت دیتے ہیں تا کچھ نفع حاصل ہوجاوے۔ حضرت اتنی مسافت طے کرکے وہاں جانا کیا مناسب ہے؟ فقیر نے جواب میں کہا مجھ کو حضرتؐ کے نام کی تعظیم بس ہے۔ اوران کی بات چیت کی طرف التفات نا کرکے آثار شریف کی زیارت کیا۔ خادم میرا جو ایک احمق تھا، وہ بھی ان طالب العلموں کے موافق تقریریاں کیا۔ فقیر اس پر بھی ناالتفات کرکے زیارت بجالایا، جب کے رات ہوی تو وہ دونوں طالب العلم روتے دھوتے اور واویلا اور افسوس کرتے فقیر کے پاس آئے، کہے کہ ہم خواب میں

آنحضرت ﷺ کو دیکھے۔ فرمائے کہ ایسا انکار اچھا نہیں۔ اس لئے کہ ایسے ہی انکار سے ابوجہل اور ابولہب خراب ہو گئے۔ انتہیٰ۔

نبی کریم ﷺ کے موئے مبارک اور آپ کے آثار و متروکات اور آپ کی مساجد اور آپ کی جانب منسوب کنوؤں کی زیارت کرنا مستحب ہے۔

مولانا مخدوم ہاشم سندھی ''حیات القلوب فی زیارۃ المحبوب'' کے چودھویں باب میں تیرھویں فصل میں مولانا رحمت اللہ سندھی اور ملا علی قاری کی عبارت کا ماحصل یہ تحریر کیا ہے کہ۔

نبی کریم ﷺ کی جانب منسوب آثار، کنویں اور مساجد کی زیارت کرنا مستحب ہے اور ان اشیاء کا عین ہو یا جہت، کسی ایک کو جان لینا دونوں برابر ہیں۔ حنفیوں، شافعیوں، مالکیوں اور حنبلیوں کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ مطلقاً بغیر کسی قید کے ان اشیاء کی زیارت کرنا مستحب ہے۔ تحصیلِ سعادت و برکت کے خیال سے حضرت ابن عمرؓ اس بات میں کوشاں رہا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے جن جگہوں میں نماز پڑھی، اور جن جگہوں سے سفر شروع کیا اور جن جگہوں میں نزول اور سکونت فرمائی، ان جگہوں میں نماز پڑھے اور سفر شروع کرے اور نزول و سکونت کرے۔

شفاء میں قاضی عیاض تحریر فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ کی ساری اشیاء کو مقدس و برگزیدہ جاننا اور آپ کے اجزاء کی تعظیم کرنا، اور آپ کے جمیع اماکن و مقامات کی تعظیم کرنا، جن میں آپ نے سکونت فرمائی یا نزول فرمایا اور ہر وہ چیز جس کو آپ کے دستِ مبارک یا پہلو، یا قدم، یا اعضاء میں سے کسی عضو نے مس کیا ہو تو اس کی تعظیم کرنا، گویا نبی کریم ﷺ کی تعظیم کرنا ہے اور ان

چیزوں کے ثبوت کے لئے نقل صحیح ہو یا یہ چیزیں اخبار و آثار کے بغیر لوگوں میں مشہور ہوں تو یہ دونوں برابر ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''شرح سفر السعادۃ'' میں فقیہ تو رپشتی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا صحابہ کرام کے درمیان اپنے موئے مبارک تقسیم کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس چیز کے ذریعہ لوگوں میں برکت باقی رہے۔ اور آپ کی یاد تازہ رہ سکے، نیز اس میں یہ اشارہ بھی پوشیدہ تھا کہ اب زمانۂ صحبت ختم ہونے والا ہے اور سفر آخر قریب ہے۔

اس مسئلہ میں بعض افراد کی افراط و تفریط دیکھنے کے لائق ہے کہ کبھی موئے مبارک کی تعظیم کو عبادت اور مو پرستی کہہ دیتے ہیں حالانکہ تعظیم الگ چیز ہے اور عبادت الگ چیز ہے جیسا کہ تفسیر کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اگر تعظیم اور عبادت دونوں ایک ہوتے تو اللہ تعالیٰ شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم نہیں دیتا۔ (شعائر اللہ سے مراد قرآن کریم، پیغمبر، کعبہ اور اولیاء اللہ ہے۔ اور ہر وہ چیز بھی شعائر اللہ میں داخل ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ہو۔ چنانچہ یہی مفہوم مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے الطاف قدسی میں بیان کیا ہے۔

بعض اہلِ علم کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے کبھی غیر یقینی موئے مبارک کی زیارت کرنے کو ناجائز خیال کرتے ہیں حالاں کہ موئے مبارک کی زیارت کے لئے یقین کی ضرورت نہیں چنانچہ اس کی تفصیل ابھی گذر چکی ہے۔ لیکن اس کے باوجود شریعت مطہرہ میں ان احکام پر عمل کا حکم دیا گیا ہے اور میراث حاصل کی جارہی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ باطلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ وَصَلِّ

وَسَلِّمْ عَلیٰ خَیرِ خَلْقِكَ مُحَمَّدٍ سَیِّدِالْمُرسَلِینَ شَفِیعِ الْمُذْنِبِینَ وَالِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاتْبَاعِهٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّینِ بِرَحْمَتِكَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِینَ۔ اے خدا دکھا تو ہمارے تیئں حق کو حق اور روزی کر ہم کو تابعداری اس کی، اور دکھا ہم کو باطل کے تیئں باطل اور روزی کر ہم کو پرہیز اس سے، اور درود وسلام بھیج اور بہترین مخلوق تیرے محمدؐ سردار پیغمبراں کے شفاعت کرنے والے گنہگاراں کے، اور آل پرانؐ کے، اور یاراں پرانؐ کے، اور تابعاں پرانؐ کے، قیامت تک رحمت سے تیرے، اے زیادہ رحم کرنے والا رحم کرنے والوں سے۔......

ا۔ اور نیچے، شدے، گھوڑے اور خچروں کے نعلاں اور جھنڈے اور ان سری کے چیزاں کہ تعظیم ان تمام کی کفر ہے۔ ۲۔ یعنے توٹ لانا۔ ۳۔ اور دستِ مبارک سے لکھے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۵۵)

ملحد اور غیر ملحد کے درمیان فرق

میں اپنی اس تحریر سے واضح کر رہا ہوں کہ مولانا عبدالقادر میرے مکان میں سالہا سال رہے۔ انہوں نے میرے روبرو کہا تھا کہ میں ملاحدہ کو گمراہ اور کافر بولتا ہوں۔ اولیائے وجودیہ کو نہیں۔ اگر اسی طرح وہ ملاحدہ کو کافر کہہ رہے ہیں تو بے شک ہدایت پر ہیں۔ اور اگر اولیائے وجودیہ کو کافر کہہ رہے ہیں تو وہ بے شک گمراہ ہیں۔

امام حجۃ الاسلام محمد غزالی، شیخ الاسلام عبداللہ انصاری، شیخ فریدالدین عطار مولانا جلال الدین رومی، شیخ شمس الدین تبریزی، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، شیخ کبیر صدرالدین قونوی، خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسودراز، سید جعفر مکی، شیخ عبدالکریم جیلی، شیخ شرف الدین داؤد قیصری، خواجہ عبیداللہ احرار، مولانا نورالدین جامی، مولانا عبدالغفور

لاری، خواجہ عبدالباقی، مولانا شاہ ولی اللہ، بحرالعلوم ملک العلماء مولانا عبدالعلی لکھنوی، سند العلماء مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شیخ سید جعفری ملیباری، سید علوی ملیباری، سید شاہ کمال الدین گلوری، امام فخرالدین رازی، قاضی ناصرالدین بیضاوی، علامہ میر شریف جرجانی، مولانا شمس الدین طیبی، ملا جلال الدین دوانی، شیخ الہند عبدالحق محدث دہلوی، مولانا باقر آگاہ مدراسی۔

یہ سب علماء اور اولیاء وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ وجودیہ میں ملحد اور غیر ملحد کا فرق یہ ہے، ملحد و زندیق وہ ہے جو خدا اور عالم میں فرق نہ کرتا ہو۔ بندے کو خدا، حادث کو قدیم، ملوث کو منزّہ، حرام کو حلال اور نجس کو پاک سمجھے۔

اور جو خدا اور عالم میں فرق کرے اور شریعتِ مطہرہ کی قید میں رہے اور لوگوں کو نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن، ذکرالٰہی، خوفِ خدا، رجا، تقویٰ اور صلاح کی جانب بلائے تو وہ صحیح العقیدہ مومن ہے اور الحادزندیقہ سے پاک اور بری ہے، جیسا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنے مکتوب میں تحریر کیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ مومن کو کافر بولنے والا بالفعل کافر ہوجاتا ہے تو پھر یہ مومنوں کے پیشوا اور دین کے اکابرین کو کافر کہنے والا کیسے کافر نہیں ہوگا؟ اور وہ محبت اور اقتداء کے لائق کیونکر ہوسکتا ہے۔ گالی دینا بہت برا کام ہے اور سب گالیوں میں بڑی اور بری گالی کسی مسلمان کو کافر کہنا ہے اور اہل سنت و جماعت کے اکابرین کو ایسی بڑی گالی دینا سنیوں کا کام نہیں۔ پھر سنّی علماء کی تحقیر کرنا اور مومنوں کو کافر قرار دینا گویا اہل سنت و جماعت کے مذہب کو بگاڑنا اور سنیوں میں اختلاف اور پھوٹ ڈالنا ہے۔

اتفاق بہت بڑی دولت ہے۔ حیوانوں میں ہاتھی، اونٹ، بیل اور بکریاں، انبوہ اور گروہ

میں مل جل کر چلتے ہیں۔ اور چیونٹیاں قطار در قطار چلتی ہیں، اور مطلب و مقصود حاصل کرتی ہیں۔

دولت ہمہ از اتفاق خیزد　　بے دولتے از نفاق خیزد

رب العالمین مومنوں کی ایمان کی حفاظت فرمائے اور اہل سنت و جماعت کے طریقہ پر چلائے۔ آمین۔

وا خر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۵٦)

اجتہاد صرف فقہاء کے ساتھ مخصوص نہیں ہے صوفیاء بھی مجتہد ہیں

آپ کا ٦ ربیع الاول ۱۲۷۹ھ کا تحریر کردہ مکتوب نظر نواز ہوا۔ دینی مسائل اور احکام کے استفسار پر مشتمل رہنے کی وجہ سے قلب کے لئے خوشیوں اور مسرتوں کا باعث بنا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

فقیر بہتر سال کی عمر کو پہنچ چکا ہے اور لبِ گور بیٹھا ہوا ہے۔ اور یہ ایسا وقت ہے کہ فقہ کی کتابوں کی جانب رجوع کرنے سے قاصر ہوں اور قلب کا رجحان اور میلان مطالعہ اور تحقیق کی طرف نہیں ہے۔ کیا کیا جائے اسی روش سے پرورش کر رہے ہیں، جیسے ہماری پرورش ہو رہی ہے اسی نہج پر رواں دواں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قلیل الفرصت ہوں ایک انار سو بیمار، ایک سر ہزار سودا والا معاملہ ہے۔ مسائل کی تفتیش و تحقیق

اور انتخاب کی مہلت نہیں پا رہا ہوں لیکن آپ کے سوال کرنے کے بعد جواب دیئے بغیر کوئی چارہ تھا۔ اسی وجہ سے چند امور پر روشنی ڈال رہا ہوں۔ جن کی روشنی میں آپ کو اپنے پوچھے ہوئے سوال کے جواب مل جائیں گے۔

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے۔ دلائل شرعیہ چار ہیں۔ قرآن، حدیث، اجماع اور مجتہد کا قیاس، اور مذکورہ چار دلائل کے سوا کوئی دلیل بھی احکام شرعیہ کو ثابت کرنے والی نہیں ہے۔ مولانا شاہ اسحاق دہلوی مائۃ المسائل کے چوتھے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''اصول فقہ کے اندر جو شرعی دلائل بیان کئے جاتے ہیں وہ صرف چار ہیں، کتاب، سنت، اجماع اور قیاس، جیسا کہ توضیح، منار، حسامی، اصول الشاشی، سلم، بزدوی اور اصول کی دوسری کتابوں میں مرقوم ہے۔ لیکن قیاس کے تعلق سے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ وہی قیاس حجت اور دلیل ہے جو اصول فقہ کے اندر بیان کئے گئے شرائط کے موافق و مطابق ہو اور استحسان اور استصحاب وغیرہ قیاس میں داخل اور شامل ہیں۔

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مکتوبات کی جلد دوم کے ۵۵ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں:

احکام شرعیہ کے اثبات میں معتبر کتاب، سنت اور مجتہدین کا قیاس ہے اور امت کا اجماع بھی احکام کو ثابت کرنے والا ہے ان چاروں دلائل شرعیہ کے بعد کسی دلیل سے بھی احکام شرعیہ کا اثبات نہیں ہو سکتا۔''

اب یہ حقیقت بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اجتہاد صرف فقہائے کرام ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ صوفیائے صافیہ بھی مجتہد ہیں۔ شیخ الہند عبدالحق محدث دہلوی ''مرج البحرین'' میں فرماتے ہیں:

حضرات صوفیائے کرام کے بھی خاص طریقے، آداب، اصطلاحات اور مستحسنات ہیں، جیسے خانقاہوں کی تعمیر، الباس خرقہ، اجرائے مقراض، کیفیات ذکر، خلوت گرینی اور اجتماع سماع وغیرہ۔ علماء فقہ کی طرح ان امور کے اندر صوفیاء کے اجتہادات اور استنباطات ہیں۔ اور یہ بھی ابواب علم کی ایک قسم ہے۔ جس میں اجتہاد کی صحت اور اس کے شرائط اور سنت و بدعت کی تحقیق سے بحث ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مقام پر صوفی اور فقیہ دونوں برابر ہیں اور دونوں سے اپنے اصل کے وجود اور دلیل کی صحت کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی نے ''صراط مستقیم'' کے پہلے باب میں جو تحریر فرمایا، ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے:

''شریعت کا ایک باطن ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے قلب کا ربط و تعلق ہے اور شریعت کا ایک ظاہر ہے اور وہ اوامر کی اتباع و پیروی اور نواہی سے اجتناب و پرہیز ہے۔''

نیز مذکورہ باب کے اواخر میں جو تحریر فرمایا ہے اس کا ماحصل یہ ہے۔

چوں کہ اصحاب طریقت (مختلف سلاسل) کے اولیائے کبار نے فن باطن شریعت میں امامت حاصل کی اور اصلاح قلب کے قواعد میں جو دین متین کا خلاصہ ہیں اجتہاد کی قوت حاصل کی تھی۔

جب حب ایمانی (یعنی طریق نبوت) کو متواترات اور یقینیات دینیہ سمجھا اور اس کے حاصل کرنے کے طریقوں کو جمہور اہل ملت نے محفوظ پایا۔ یہاں تک کہ عوام اہل ملت میں سے ہر عامی (جو ان کے بابرکت زمانے میں موجود تھا) اللہ تعالیٰ کی اطاعت جواز مطلق کے احکام کی پیروی، شرعِ نبوی ﷺ کی پابندی اور دین مصطفیٰ ﷺ کو اپنا

دین ومذہب بنالینے کا یقینی طوراپنے ذمہ فرض جانتا تھااورشکرمنعم اوراس کی محبت کی اچھائی اورکفرانِ منعم اوراس کی مخالفت کو برائی کی تمام بدیہات میں سے سب سے زیادہ بدیہی، شمار کرتا تھا۔

اس بناء پران اولیائے کرام نے اپنے پیروؤں کے اذھان وقلوب میں ان حقائق کومسلم الثبوت پایاتو حب ایمانی (یعنی طورنبوت) اوراسکے لوازم کی بحث تحصیل حاصل سمجھ کراحکام حبِ عشقی (یعنی طریق ولایت) کی تفصیل اوراس کے ثمرات کی وضاحت اوران کی تحصیل کی راہوں کے احاطہ کا قصد کیا اوراس امر میں بڑی کوشش کی اوراہل اسلام کے جم غفیرکونفع عظیم پہنچایا۔ اوراس سبب سے بارگاہ رب العالمین میں عظیم وجاہت اور بڑی عزت پائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کوقبول فرمائے اوراعلیٰ علیین میں ان کے درجات ومراتب کو بلند فرمائے۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ اجتہاد (خواہ ظاہرشرع میں ہو یاباطن شرع میں) دلائل شرعیہ میں سے ہےاورایک مقلد کا قیاس دلائل شرعیہ میں کوئی دخل نہیں رکھتااوراس سے احکام شرعیہ کا اثبات نہیں ہوسکتا۔

محبت اطورا، عزیزمن!

دوسری بات یہ ہے کہ ایک مقلدکوقرآن وحدیث سے احکام ومسائل استنباط کرنے اوراجتہادکرنے کا حق نہیں پہنچتا جیسا کہ اصول کی کتابوں میں مرقوم ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات کی جلد اول کے ۲۸۶ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں کہ:

''ایک مقلد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے امام کے مسلک و مذہب کے

خلاف قرآن وحدیث سے احکام اخذ کرے اوران پر عمل پیراء ہو جائے۔''

مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی ''مقدمۂ ایضاح الحق'' کی پہلی فصل میں استنباط احکام کے مسئلہ میں فرماتے ہیں: ''دوسری شرط یہ ہے کہ قیاس، مجتہدین کی جانب سے ہوگا۔ مقلدین کی جانب سے نہیں۔ اسی سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ کتاب وسنت سے احکام اخذ کرنے کا مسئلہ، مرتبۂ اجتہاد کا متقاضی اور طالب ہے۔ اور ایک مقلد امام مجتہد کی پیروی کے بغیر کوئی چارہ نہیں رکھتا۔''

کرم اطوار!

تیسری بات یہ ہے کہ مقلد کو بعض فقہا کے مذہب پر ترجیح وفوقیت دینے کا حق نہیں پہنچتا۔ اس کے کام کی انتہاء فقہائے کرام میں سے کسی ایک فقیہ کا انتخاب کرنا اور ان کے اختلاف کی وضاحت کرنا ہے۔ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ''قول الجمیل'' میں فرماتے ہیں۔

''مقلد فقہاء کے مذہب کو بعض فقہاء کے مذہب کو ترجیح میں کلام نہ کرے بلکہ چاروں فقہی (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) مذاہب کو قبولیت کی منزل میں رکھے۔''

مولوی خرم علی بلہوری ''شفاء العلیل'' ترجمہ قول الجمیل میں فرماتے ہیں:

''چوں کہ جمہور اہل سنت کے نزدیک مذاہب اربعہ میں حق دائر ہے لہٰذا سب کو مجملاً حق جاننے کو فرمایا اور ترجیح مذہب کی گفتگو سے اس واسطے منع کیا کہ ایک مذہب کو ترجیح دینا اکثر اذہان میں مذاہب باقیہ کی تنقیض وتذلیل کا باعث ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی سبب سے بعض حنفی، شافعی مذہب کو برا کہنے لگتے ہیں اور بعض شافعی، مذہب حنفی پر طعن کرتے ہیں۔ اسی بھید سے افضل الخلق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یونس علیہ

السلام سے مجھ کو افضل نہ کہو۔ واللہ علم۔

محبت آثار!

یہاں یہ بات بھی جان لیجئے کہ جس طرح ایک مقلد کو فقہی مذاہب میں ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح اور فوقیت دینے کا حق نہیں پہنچتا اسی طرح حضرات صوفیاء کے طریقوں اور سلسلوں میں سے ایک سلسلہ کو دوسرے سلسلہ پر ترجیح اور فوقیت دینے کا حق بھی نہیں پہنچتا۔ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ''قول الجمیل'' میں فرماتے ہیں:

''حضرات صوفیاء کے سلاسل اور طریقوں میں سے بعض کو بعض پر ترجیح اور فوقیت کی بات نہ کی جائے اور ان بزرگوں میں جو مغلوب الحال ہیں ان کے اقوال و افعال کے ردو انکار کے درپے نہ ہوں۔''

مولوی خرم علی ''شفاء العلیل'' میں لکھتے ہیں:

''از آن جملہ یہ ہے کہ گفتگو نہ کرے صوفیوں کے طریقے میں بعض کو بعض پر ترجیح دے کر اور جو ان میں مغلوب الحال ہیں، ان پر انکار نہ کرے۔''

اس سے واضح ہو چکا کہ ایک مقلد کو فقہائے کرام کے مذاہب اور صوفیائے کرام کے سلاسل میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی بات نہیں کہنی چاہیئے اور مغلوب الحال صوفیاء کا انکار نہیں کرنا چاہیئے۔

محبت اطوار!

آپ چوتھی بات یہ بھی جان لیجئے کہ عہد نبوت کے بعد جو احکام و مسائل ائمہ مجتہدین کے اجتہاد اور استنباط سے حاصل ہوئے ہیں المجتهد یخطی و یصیب (مجتہد سے خطا اور صواب دونوں ممکن ہے) کے حکم کے مطابق یہ احکام، خطا اور

صواب کے درمیان متردد ہیں۔ مجتہد خواہ مستقل ہو یا غیر مستقل۔ اور مجتہد اپنے اجتہاد میں خطا بھی کر جائے تو وہ ایک گونہ اجر وثواب کا مستحق ہے اور اسی طرح مقلد بھی مجتہد کی خطا کی تقلید میں نجات کا مستحق ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات کی جلد سوم کے ۲۲ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں:

''مجتہد پر اعتراض کی کیا بات ہے اس کی خطا بھی ایک درجہ اجر وثواب کی حقدار ہے اور اس کی تقلید اگر چہ کہ خطا ہی میں کیوں نہ ہو، وہ بھی نجات کا باعث ہے۔''

اس سے ظاہر ہے کہ اجتہادی خطا میں مجتہد اور مقلد دونوں پر اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔

کرم اطوار!

پانچویں بات یہ ہے کہ ایک مقلد کو بغیر ضرورت اور احتیاط کے اپنے امام کے مسلک کے خلاف عمل کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ امام حجۃ الاسلام غزالیؒ ''کیمیائے سعادت'' کے رکن دوم کی نویں اصل میں فرماتے ہیں۔

''کسی شافعی شخص کو لائق نہیں ہے کہ نکاح بے ولی اور حق شفعۂ جوار (ہمسائیگی خانہ وزمین) اور اسی قسم کے مسائل کو موضوع بحث بنا کر کسی حنفی شخص پر اعتراض کرے۔ (یعنی مقلد کے لئے روا نہیں ہے کہ دوسرے امام کے مذہب پر حرف گیری اور نکتہ چینی کرے اور اس کی پیروی کرنے والوں پر اعتراض کرے) اور اگر کوئی شافعی شخص ولی کے بغیر نکاح کرے اور نبیذِ خرما کا استعمال کرے تو اس کو ان چیزوں سے روکنا اور منع کرنا ہر شافعی اور حنفی دونوں پر ضروری ہے کیونکہ اپنے منتخب کردہ امام کی مخالفت کرنا کسی مذہب میں جائز نہیں،''

لہٰذا ہر ایک مذہب کے مقلد پر یہ بات واجب ہے کہ وہ صرف اپنے امام کے مذہب کی اتباع کرے، علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی شخص اپنے اجتہاد کے خلاف عمل کرے تو گنہ گار ہوگا۔ مثلاً کسی شخص نے قبلہ کا رُخ جاننے کے لئے اجتہاد کیا اور اپنے اجتہاد کردہ رُخ کے خلاف نماز ادا کیا تو وہ گنہ گار ہو جائے گا اگر چہ کہ دوسرا اس کو صحیح گمان کر رہا ہے۔

آپ کے قلب سعید پر یہ حقیقت بھی روشن رہنی چاہئے کہ یہ بھی بہت ہی نا قابلِ اعتبار اور بے ہودہ بات ہے کہ آدمی اپنا مذہب و مسلک جب چاہے تبدیل کرسکتا ہے۔ کیونکہ جب ایک شخص اپنے خیال کے مطابق کسی امام کو فاضل تر قرار دے اور خود کو اس امام کا مقلد سمجھنے کے بعد ضروری ہے کہ وہ اپنے ہی متعین اور مقرر کردہ امام کے مذہب پر عمل کرے۔ اس لئے کہ ایک شخص امام شافعی کو فاضل سمجھنے کے بعد ان کے مذہب کے خلاف کرنا، خواہشاتِ نفسانی کے علاوہ اور کیا سبب ہوسکتا ہے۔

صاحب ''شرح منہاج الاصول الی علم الوصول'' فرماتے ہیں کہ:

''امام شافعی اور دوسرے مجتہدین کا اتفاق ہے کہ مقلد جمیع مسائل میں اپنے ہی امام کی تقلید کرے۔''

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی باشاہ بخارا کے چھٹے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

کسی حنفی کو بعض احکام میں مذہب شافعی پر عمل کرنے کی اجازت صرف تین صورتوں میں ہے۔ ایک صورت یہ کہ حنفی شخص جن مسائل کے اندر امام شافعی کی تقلید کرنا چاہتا ہے ان مسائل کو کتاب وسنت کی روشنی میں حنفی مذہب پر ترجیح دے اور ظاہر

ہے کہ یہ کام ایک مجتہد ہی کرسکتا ہے۔

دوسری صورت یہ کہ کسی حنفی مسئلہ پر عمل کرنا دشوار ہو اور اس مسئلہ میں شافعی مذہب پر عمل کیئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو مثلاً احکام مفقود اوران شہروں میں پانی کے مسائل۔

تیسری صورت یہ کہ وہ شخص صاحب تقویٰ وطہارت ہو اور صرف احتیاط کی خاطر شافعی مذہب اختیار کرے مثلاً امام شافعی کے نزدیک مقدار سے کچھ زیادہ صدقہ دینا ضروری ہے۔ اس مسئلہ کے احتیاطی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے حنفی اس مسئلہ پر عمل کرے۔ تو جائز ہے۔ اوراسی طرح احتیاط کے خیال سے مور کا گوشت کھانا چھوڑ دے تو جائز ہے۔

لیکن ان تینوں صورتوں میں ایک قید یہ بھی رہے گی کہ تلفیق بین المذاہب کی صورت پیدا نہ ہو۔ اور دونوں مذاہب کی پیروی میں ایسی صورت اور شکل نہ نکلے جو دونوں مذہب کے لحاظ سے صحیح نہ ہو۔ مثلاً امام شافعی کے نزدیک فصد کھولنا (خون کا نکالنا) ناقص وضو نہیں ہے۔ لیکن امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان کے نزدیک ناقضِ وضو ہے۔ اگر کوئی صاحب وضو، فصد کے بعد بلحاظ شافعی مذہب اسی وضو سے ایسے امام کے پیچھے نماز ادا کرے جو فاتحہ کی قرأت نہ کرنے والا ہو۔

ایسی صورت میں تلفیق واقع ہو جائے گی۔ کیوں کہ شافعی مذہب کے لحاظ سے وضو ٹھیک ہے لیکن سورۂ فاتحہ قرأت نہ ہونے کی وجہ سے نماز صحیح نہیں۔ اور حنفی مذہب کے لحاظ سے نماز ٹھیک ہے لیکن فصد کی وجہ سے وضو نہیں ہے۔

حاصل کلام! اگر کوئی شخص مذکورہ تین صورتوں سے ہٹ کر مذہب شافعی پر عمل کرے یا کوئی شافعی شخص حنفی مذہب پر عمل کرے تو یہ مکروہ اور حرام کے قریب ہے۔ کیوں کہ اس طرح اپنی سہولت اور نفس کی خاطر اپنے امام کی تقلید، ترک کر دینا گویا دین

کے ساتھ لہو ولعب اور استہزاء ہے۔

چھٹی بات یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کا اختلاف چاہے وہ ظاہر شریعت کے مسائل میں ہوں یا باطن شریعت کے مسائل میں ہوں، وہ اختلاف سنی و رافضی یا سنی و خارجی کے اختلاف کی طرح نہیں ہے کہ ایک جانب سے دوسرے جانب کی تکفیر و تضلیل کی جائے بلکہ حق ان مختلف اقوال میں دائر اور منحصر ہے۔ مجتہد اور مقلد ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک بات کا یقین نہیں کر سکتے۔ اگر ایک قول کی دلیل زیادہ راجح ہو تو دوسرے قول کو گمراہی اور ضلالت نہیں سمجھنا چاہئے۔

شیخ الہند شاہ عبدالحق محدث دہلوی ''مدارج النبوۃ'' کے دسویں باب کی چھٹی نوع میں فرماتے ہیں:

''اختلافی مسائل اور امور کے اندر ایک ہی جانب کی صحت و درستگی کا یقین کر لینا اور اس میں تعصب (صحیح قول ہونے کے باوجود قبول نہ کرنا) دکھلانا۔ علمی اختلاف کا مناسب طریقہ نہیں ہے۔ نیز اسی چھٹی نوع میں فرماتے ہیں اختلافی امور و مسائل کے اندر ایک دوسرے پر عیب جوئی ونکتہ چینی نہیں کرنی چاہئے اور ہر ایک کو اس کے موقف پر اور مسلک پر چھوڑ دینا چاہئے۔ تمہارا رب ہی صحیح اور بہتر طور پر جانتا ہے کہ تم میں سے کون زیادہ ہدایت کی راہ پر ہے۔''

اس مقام پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ایک مجتہد کا قیاس دوسرے مجتہد کے قیاس کو باطل کرنے والا نہیں ہے اور مقلد کو ابتداء میں اس بات کا اختیار ہے کہ وہ مذاہب اربعہ میں سے جس مذہب کو چاہے اختیار کرے اور وجود کی اثنیت کی تقلید میں متکلمین کے مذہب کے موافق اور وحدت وجود، وحدت شہود کی تقلید میں وجود یہ اور

شہودیہ کے موافق اختیار کرے اس لئے کہ علمائے فقہ حنفی وشافعی وغیرہ اور صوفیاء صافیا شہودیہ وجودیہ یہ تمام بزرگان دین اہل سنت وجماعت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

''ہم لوگ جو اس اختلاف کے بعد پیدا ہوئے ہیں طرفین میں سے کسی ایک طرف کی صحت کا یقین نہیں کر سکتے۔ ہم لوگوں کے لئے بس یہی ایک راہ باقی رہ گئی ہے کہ جس طرح مذاہب اربعہ میں حق کو دائر سمجھتے اور کہتے ہیں۔ مثلاً مذہب حنفیہ درست اور صواب ہے لیکن خطا کا احتمال ہے اور مذہب شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ خطا ہے لیکن درست ہونے کا احتمال ہے، بالکل اسی طرح مذہب توحید وجودی اور مذہب توحید شہودی کا حال ہے۔ اگر ان میں سے ایک دلیل کی وجہ سے راجح ہو تو دوسرے کو گم راہی و ضلالت نہیں سمجھنا چاہئے۔''

نیز اسی مکتوب میں رقم طراز ہیں:

''توحید وجودی اور توحید شہودی کے فرق کی وجہ سے امت کے درمیان جو اختلاف رونما ہوا، وہ سنی وخارجی یا سنی ورافضی کے اختلاف کی طرح نہیں ہے کہ جانبین سے ایک دوسرے کو کافر اور گم راہ کہنے لگیں۔ بلکہ یہ اختلاف مذاہب اربعہ کے اختلاف کے مانند ہے۔'' واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتوی نمبر (۵۷)

اہل وانم باڑی کے نام

کتاب ''نصیحة المسلمين'' اور اس کتاب کے حامیوں سے متعلق وانمباڑی کے لوگوں کے درمیان اختلاف وفساد اور نا اتفاقی و ناچاقی کی خبریں مسلسل اور متواتر مل

رہی ہیں۔آپ کے استفسار سے متعلق عرض یہ ہے کہ آں جناب سے تو یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ ہر وہ چیز جو شریعت میں ممنوع ہے اس کی اشاعت کرنا اور کسی مسلمان کو رسوا اور بدنام کرنا جائز نہیں ہے تو پھر ایسی صورت میں محض کسی شخص کا نام خورم علی سن کر اس کے بارے میں شیعہ ہونے کا گمان کرنا اور اسے بدنام اور مہتم کرنا وانمباڑی کے لوگوں کے لئے کیوں کر درست ہوگا۔یاایھاالذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرامن الظن ان بعض الظن اثم، اہل ایمان کو ظن وگمان سے بچنا چاہئے۔بعض گمان تو گناہ ہیں ''نصیحة المسلمین'' کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی شخص کو کارخانۂ خداوندی میں شرکت نہیں ہے۔اس بات سے ولایت کا انکار لازم نہیں آتا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولیاءاللہ کا عدم تقریب ثابت نہیں ہوتا، شیخ جامیؔ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

فی المثل گر جہانیان خواہند — کہ سر موئے از جہاں کاہند
درہمہ درمقام آں آیند — کہ بران ذرہ بیفزایند
ندہدے ارادتے اوسود — نتوانند ذرۂ افروز

ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ علیکم بظن الخیر (تم پر فرض ہے کہ ہر ایک مسلمان کے ساتھ نیک گمان رکھیں) کی حدیث سے ہر کسی کے ساتھ جہاں تک ہوسکے نیک گمان اور حسنِ ظن سے کام لیں، قائل کے قول کو شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں دیکھیں اور شرع سے مطابقت اور موافقت کی کوشش کریں۔اگر شرع شریف کے موافق نہ ہو تو قائل سے قول کی وضاحت طلب کریں۔اور اگر وضاحت کے بعد بھی تطبیق کی صورت نظر نہ آئے اور قائل کا قول مخالفِ شرع، ٹھہر جائے تو اپنائیت، ملائمت، خوش اسلوبی وخیر خواہی اور نیک نیتی کے ساتھ قائل کو راہ حق پر لانے کی کوشش کریں۔اس

کے برعکس صرف احتمال و امکان اور عدم یقین کی بنیاد پر بحث و مباحثہ ، لڑائی وجھگڑااورفتنہ وفساد کا ماحول پیدا کرنااور کسی مسلمان پرتہمت باندھنااوراسے بدنام کرنا یہ اسلامی شعارنہیں ہے وانمباڑی کےلوگوں کوایسے افعال کا مرتکب نہیں ہونا چاہئے۔

محمد ابراہیم صاحب نیک نہاداور مردِداناہیں ان کے ذریعہ یہ تحریرآپ کی خدمت میں ارسال کررہاہوں اور پرامید ہوں کہ آں جناب ان کواپنے ہمراہ لےکراس فساد کی بیخ کنی کریں گےاوراس فتنہ کی آگ کو بجھادیں گےو اللہ یقول الحق ویھدی السبیل اللہ تعالیٰ حق کہتا ہے اورحق کی ہدایت دیتاہے۔اصل کام تو یہی ہے۔باقی سب ہیچ اورفضول ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر(۵۸)

صحابی اورغیرصحابی کےعمل میں تفاوت وفرق

آپ نے کتاب تذکرۃ الاولیاء اور ترجمہ قرآن ، موضح القرآن سے متعلق دریافت کیا تھا اس سے یہ حقیقت نمایاں ہوی کہ اس دورِغفلت نشان میں سعادتمند اشخاص دنیوی امورواشغال کی کثرت کے باوجود،حق تعالیٰ کی جانب خواہش اورمیلان رکھتے ہیں۔ اور گوناگوں ومتفرق تعلقات کا اقتضاء انہیں توجہ الی الحق کی دولت کے حصول میں حائل اور مانع نہیں ہے۔ کل اناء یترشح بمافیه۔ پیمانہ سے وہی چیز چھلکتی ہے جواس میں موجود ہے۔

سعادت آثار گڈیاتم کے شیرخان نامی صاحب ایک ماہ قبل کتاب، ’’تذکرۃ الاولیاءٗ‘‘ لئے آئے تھے،اگرواپس آئیں تو حاصل کرکے آپ کوروانہ کرونگا۔

ایسی کتابوں کے مطالعہ کو غنیمت جانیں جو دل کے زنگ کو زائل کرنے میں صیقل اور اکسیر کا درجہ رکھتی ہیں اوران سے دل روشن ومنور ہو جاتے ہیں۔

مولوی شاہ عبدالقادر صاحب جومولانا شاہ عبدالعزیز کے برادر محترم ہیں، انہوں نے ''موضح القرآن'' کے نام سے قرآن حکیم کا اردو ترجمہ تحت اللفظ کیا ہے، اور اسکے مطالب ومعانی جابجا حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے۔اور یہ ترجمہ اپنی نظیر آپ ہے مدراس خط بھیجا ہوں اگر مل جائے تو آپ کو روانہ کروں گا۔

کرم اطوار! اللہ تعالیٰ کی نظر انسان کے دل پر ہوتی ہے نہ کہ اس کے جسم پر، لہٰذا قرآن کریم کی تلاوت کے وقت دل کی توجہ اللہ تعالیٰ کی جانب رہنا ضروری اور لازمی ہے۔اور یہ کیفیت کلام اللہ کے مطالب اور معانی کی فہم وادراک کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی اور بالخصوص تلاوت کے دوران معانی ومطالب کا ذہن میں مستحضر رہنا ایسا ہی سمجھو جیسا کہ بدن کے لئے روح اور تھیلی میں زر۔

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ذکر، مراقبہ اور تلاوت قرآن ہے۔ اور اس میں بہترین راستہ تلاوت ہے۔ اور حضرات صحابہؓ کرام کا سلوک زیادہ تر اسی راستہ سے ہوا۔ زبان نبوت نے ارشاد فرمایا: انی ترکت فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ وعترتی ۔ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ جارہا ہوں۔ قرآن کریم اور اہل بیت۔

تلاوت میں اللہ تعالیٰ کے کلام کو بغیر واسطہ سنئے، یہ ادنیٰ مقام ہے اور ہر قصہ اور ہر خطاب کا مخاطب اپنی ذات کو خیال کریں۔ یہ درمیانی مقام ہے اور اس میں اپنے افعال وصفات کا مشاہدہ کریں۔ یہ اعلیٰ مقام ہے اور جب اس نہج اور کیفیت کے ساتھ قرآن کرم کی تلاوت کی جائے تو اس کے فوائد ونتائج اور ثمرات کی امید رکھئے اور فیوض

وبرکات کی فراوانی اور کثرت کا مشاہدہ کیجئے۔

ہاں یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ قلوب کی اصلاح و تربیت میں شیخ کامل و مرشد اکمل کی صحبت کو بڑا دخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ولی، صحابیٔ رسول کے مقام اور مرتبہ کو نہیں پہنچ سکا اور ایک غیر صحابی کا کوہِ اُحد کی مقدار میں دیا ہوا سونے کا صدقہ ایک صحابی کے مٹھی بھر گیہوں کے صدقہ کے اجر وثواب میں ہمسری اور برابری نہیں کر سکا۔ ایک شخص نے عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہٗ سے دریافت کیا ایھما افضل معاویة ام عمر بن عبدالعزیز؟ ۔معاویہ رضی اللہ عنہٗ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز؟ جواب میں ارشاد فرمایا: الغبار الذي دخل انف فرس معاوية مع رسول الله عليه وسلم خير من عمر بن عبدالعزيز ! رسول کریم ﷺ کی ہمراہی وصحبت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہٗ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار پہنچا وہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے یعنی غیر صحابی علم وفضل، تقویٰ وطہارت اور ولایت میں کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو، وہ ایک صحابیٔ رسولؐ سے افضل نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ کسی صاحب دل کی مصاحبت وہم نشینی عطا فرمائے تو اس سے بڑی نعمت اور کوئی نہیں۔ لہٰذا آپ کسی مرشدِ کامل کی صحبت نصیب ہونے تک کیمیائے سعادت بالخصوص خود شناسی، خدا شناسی، حقیقت دنیا اور کیفیت آخرت کے موضوعات و مباحث کا مطالعہ جاری رکھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر(۵۹)

مسئلہ وصیت

وصیت کے متعلق آپ نے دریافت فرمایا تھا۔سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ حق جل مجدہٗ نے وصیت کو بندوں پر فرض قرار دیا ہے۔اور بلا کم وکاست وصیت کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اور آیت کریمہ میں لفظ غیر مضار وصی یعنی مینجر کے حق میں تاکید ہے کہ تا کہ مینجر وصیت اور قرض کے معاملہ میں کسی کو نقصان نہ پہنچائے۔اگر غیر مضار کی نسبت موصی کی طرف یعنی اصلی ولی اور مالک کی طرف کی جائے گی تو حکم قرآنی کے خلاف ہوگا۔نیز دوسری وجہ یہ ہے کہ موصی یعنی مالک اپنے مال میں تصرف کرتا ہو اور جو شخص اپنے مال میں تصرف کرتا ہے وہ دوسرے کے لئے ضرر رساں کیسے ہوسکتا ہے۔کیونکہ اُسے حق ہے۔وہ اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔اس سے معلوم ہوا کہ غیر مضار کا تعلق وصی سے ہے نہ کہ موصی سے۔لہٰذا وصیت کو ثلث مال سے نافذ کرنا حکم قرآنی اور عقل انسانی دونوں کے خلاف ہے۔قرآن سے تو اس کا ثبوت کہیں نہیں ہے اور اگر مجتہدین کے اجتہاد، مفسرین کی تفسیر اور جمہور کی رائے سے ہو تو قرآن کے خلاف اجتہادِ مجتہدین و تفسیر مفسرین کا کیا اعتبار۔

پہلے آپ کو چند باتیں بطور مبادیات جان لینا ضروری ہیں۔

اَدِلّہ شرعیہ چار ہیں۔ ۱۔کتاب۔۲ سنت۔۳۔اجماع۔۴۔قیاس مجتہدین۔ اگرچہ قرآن کریم تمام احکام شرعیہ کو جامع ہے۔لیکن بعض احکام ایسے ہیں کہ طاقتِ بشری ان کے فہم سے عاجز ہے۔اور اس کا ادراک پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ایسے احکام کو مخصوص کہتے ہیں۔آیت قرآنی: اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول

میں سنت کی اتباع کا حکم ہے اور بعض وہ احکام ہیں کہ غیر مجتہدین کی فہم وادراک سے قاصر ہے وہ صرف مجتہدین کی کوشش واجتہاد سے ظاہر ہوتے ہیں۔ان کو مجتہدات کہتے ہیں۔آیت کریمہ فاعتبروا یااولی الابصار۔مجتہدین کے اجتہاد کے بارے میں نازل ہوی ہے۔احکام کی اس قسم میں صحت اور خطا دونوں کا احتمال ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ بھی یہی ہے کہ یہ احکام مبہم اور غیر واضح رہیں تا کہ ائمہ مجتہدین اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق تشدید وتخفیف پر عمل کریں اور بموجب اختلاف العلماء رحمۃ (علماء کا اختلاف رحمت ہے) عوام وخواص سب، اللہ کی رحمت کے سزاوار ہوں۔

حدیث شریف الشیطن ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ االشاۃ القاصیۃ والناحیۃ ایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعۃ والعامّۃ یعنی جماعت کے ساتھ رہو، جماعت کی دوری سے بچو تا کہ شیطان کے قبضہ میں گرفتار نہ ہو۔کیوں کہ شیطان انسان کے لئے بھیڑیا کی طرح ہے۔دوسری حدیث ہے علیکم بالسواد الاعظم یعنی جمہور کی معیت کو اختیار کرو۔

مندرجہ بالا دونوں حدیثیں اجماع اور جمہور کے اجماع پر دلالت کرتی ہیں۔ ایسی صورت میں مذکورہ تصریحات کی روشنی میں صرف کلام باری تعالیٰ پر اکتفاء واقتصار اور جمہور واجتہاد مجتہدین اور تفسیر ومفسرین سے استغناء کیسے ہوسکتا ہے۔فقیر کو آپ کی اس تحریر سے سخت حیرت ہے۔دل سے سکون وقرار رخصت ہوگیا اور رگِ حیدری پھڑک اٹھی جس سے ناچار مجھے بھی سخت وسست کلمات لکھنے پڑے۔

حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات جلد دوم ۵۵ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں: قرآن مجید احکام شرعیہ کو بلکہ تمام شرائع سابقہ کو بھی جامع ہے۔البتہ یہ ضرور ہے کہ

بعض احکام شریعت ایسے ہیں، جو عبارت النص، دلالت النص، اور اقتضاء النص سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ اس کے فہم وادراک میں تمام اہل زبان ولغت برابر ہیں۔ احکام شرعیہ کی دوسری قسم وہ ہے جو اجتہاد واستنباط کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے۔ اس قسم کا ادراک وفہم ائمہ مجتہدین کے ساتھ مخصوص ہے۔ پھر ان احکام اجتہادیہ کی دو قسمیں ہیں۔ حضور ﷺ کا زمانہ چوں کہ نزولِ وحی کا زمانہ تھا۔ لہٰذا اس زمانہ کے احکام اجتہادیہ خطا اور صواب کے درمیان دائر نہیں تھے۔ لیکن جو احکام، مجتہدین کے اجتہاد سے حاصل ہوئے ہیں، وہ صواب وخطا کے درمیان متردد ہیں۔ لہٰذا زمانۂ رسالت کے احکام اجتہادیہ، قطعی ویقینی ہیں۔ جو عمل اور اعتقاد دونوں پہلو سے مفید ہیں۔ اور زمانۂ وحی کے بعد کے احکام اجتہادیہ ظنی ہیں جو مفید عمل ہیں موجب اعتقاد نہیں۔

احکام شرعیہ کی تیسری قسم وہ ہے کہ طاقتِ بشری جس کی فہم سے عاجز ہے۔ جب تک اللہ رب العزۃ کی طرف سے ان احکام پر اطلاع نہ ہو جائے اس کا فہم ممکن نہیں۔ اس قسم پر اطلاع واعلام، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے۔ پیغمبر کے علاوہ اور کسی کو ان احکام پر مطلع نہیں کیا جاتا۔ اگر چہ یہ احکام بھی کتاب اللہ سے ماخوذ ہیں۔ لیکن احکام کے مُظہر، پیغمبر علیہ السلام ہیں۔ لہٰذا ان کو سنت کی طرف منسوب کیا گیا۔ کیونکہ قیاس ہی ان احکام کا مُظہر ہے۔ پس سنت اور قیاس دونوں مظہر احکام ہیں اگر چہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک رائے کی طرف منسوب ہے جس میں خطا کا احتمال ہے۔ دوسرا اعلام اور اطلاع حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہے، جس میں خطا کی گنجائش نہیں۔

جو لوگ احکامِ اجتہادیہ کے فہم سے عاجز ہیں، کلام کی دقت، پیچیدگی اور خفاء

کی وجہ سے مجتہدین کے اجتہاد کو کتاب وسنت کے خلاف سمجھتے ہیں اور ائمہ مجتہدین کو اصحاب رائے گمان کرتے ہیں تو یہ سب اس وجہ سے ہے کہ ان حضرات کے علم و روایت، فہم وفراست اور درایت سے یہ لوگ بے خبر ہیں۔ان کوتاہ نظروں کی جرأت پر افسوس ہے کہ اپنے قصور کو دوسرے کی طرف منسوب کرتے ہیں۔قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور۔حاش للہ بر آرم بزباں ایں گلہ را

ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند۔ روبہ از حیلہ چساں بکسلد ایں سلسلہ را

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ان کو توفیق دے کہ جو دین کے ستون اور اسلام کے سردار ہیں ان کے خلافِ شان، زبان پر کوئی حرف نہ لائیں اور اسلام کے سواد اعظم کو ایذا اور آزار نہ پہنچائیں۔یریدون لیطفؤ انور اللہ بافواھھم : جو لوگ ائمہ اربعہ کو اصحاب رائے سمجھتے ہیں اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ حضرات مجتہدین کتاب وسنت کی پیروی کے بغیر فقط اپنی رائے سے حکم لگاتے ہیں تو اس بناء پر اہل اسلام کا سواد اعظم ان کے زعم فاسد میں ضال ومبتدع ہوگا۔ بلکہ زمرۂ اہل اسلام سے خارج ہوگا۔ایسا عقیدہ وہی شخص اختیار کریگا۔جو جاہل ہو اور اپنے جہل سے بھی بے خبر ہو۔یا یہ خیال زندیق شخص ہی کریگا کہ جس کا مقصد احکام دینیہ کا ابطال ہے۔ان ناقص اور کم مایہ لوگوں نے چند حدیثیں یاد کرلی ہیں اور احکام شرعیہ کو اسی میں منحصر سمجھ کر اپنی معلومات کے علاوہ کی نفی کررہے ہیں۔

چوں آں کرمے در سنگی نہان است زمین وآسمان او ہمان است

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسی سنت نبوی ﷺ سے قرآن کے مجمل ومتشابہ احکام کی عقدہ کشائی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مراد واضح ہوتی

ہے۔یہی وجہ ہے کہ لوگ جب قرآن مجید کے معانی میں نزاع، تاویل اور بحث وتمحیص کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ان کی معانی ومفاہیم کو سنن نبوی ﷺ کی روشنی میں اخذ کرو۔ اس لئے حضور ﷺ کا قول اور فعل، معانی قرآن کے فہم اور تعین میں سند اور دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

علمائے مجتہدین نے فرمایا ہے کہ احکام میں تین ہزار حدیثیں وارد ہوی ہیں۔اور وہ، سنت سے ثابت ہیں۔ روافض وخوارج اور دوسرے فرقے سنت نبویؐ کو پس پشت ڈالتے ہیں اور صحابہؓ کرام جو راوی سنت ہیں ان سے بدظن ہیں۔ وہ ان احکام سے محروم ہیں: مثنوی ؎

ہست سنت رہ جماعت چوں رفیق بے رہ بے یار افتی در مضیق

سنت ایک راستہ ہے اور اس راستہ کے ساتھی صحابہ کرام ہیں، جو شخص راہ چھوڑ کر راہنما کے بغیر چل پڑے گا، وہ منزل مقصود کو نہیں پہنچے گا۔

جو بھی شخص کتاب میزان شعرانی، کتب اصول، تفاسیر، شروح احادیث اور دیگر اہل سنت والجماعت کی کتب حقہ کا مطالعہ کرے گا اسے معلوم ہوگا کہ اجتہاد کے شرائط کیا ہیں؟ مجتہد کون لوگ ہیں؟ اور انہوں نے احکامِ ربّانی اور احادیث نبویؐ کی مراد دریافت کرنے کے لئے کس قدر محنت ومشقت برداشت کی ہے جزاھم اللہ عنا خیر الجزآء۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص پیغمبر علیہ السلام کی سنت سے اور اجماع واجتہاد سے جو کتاب وسنت کے لئے مبین ومظہر ہیں، اعراض کرتا ہے اور ہر ہر حکم جزئ کا ثبوت قرآن سے چاہتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ کے مخصوص ایلچی یا

قاصد کے حکم کو ٹھکرا کر بادشاہ کے فرمان کی سند طلب کریں۔ مذکورہ تفصیلات سے یہ واضح ہو گیا کہ جب کوئی حکم قرآن مجید سے معلوم نہ ہو تو سنتِ خیر البشر ﷺ سے معلوم کریں گے اور جب وہ سنت سے بھی معلوم نہ ہو تو اجماع صحابہ، جمہور اور اجتہاد مجتہدین سے دریافت کریں گے اور ان احکام کی تلاش کے لئے کتب تفاسیر، شروحِ احادیث، کتب اصول اور دیگر کتب اہل سنت والجماعت کا مطالعہ کریں اور اس فرقۂ ناجیہ کو جو سنت نبوی اور جماعت صحابہ کا پیرو ہے۔ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں۔ اور فرقۂ ضالہ کو جو سنت سنیہ، روایات صحابہ کو پس پشت ڈالتے ہیں اور اجماع و مجتہدین کے خلاف قرآن مجید میں اپنی ہوا و ہوس اور خود رائی سے تاویلات کرتے ہیں۔ ۷۲ بہتر فرقے میں متفرق ہو کر راہِ ضلالت کے راہرو ہو گئے ہیں۔ ان کو بدعتی اور اہل ہوا کہتے ہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ نصاریٰ باوجود اپنی گمراہی کے جمہور یعنی مجارٹی کی متفقہ رائے اور فیصلہ پر عمل کرتے ہیں۔ اپنے علماء مفسرین کے اقوال کو جو زمانۂ قدیم و جدید میں مرتب کئے گئے ہیں اپنے لئے دوستاویز اور سند سمجھتے ہیں اور یہ بے بصر باوجود دعویٰ دینداری کے اجماع، جمہور اور اقوال مجتہدین و علمائے راسخین کو ترک کر رہے ہیں، اور جو احکام کتاب و سنت سے مستنبط اور مستند ہیں انکار کر رہے ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

اس تمام طعن و طنز اور رد و قدح کے بعد ہم اصل مسئلہ وصیت کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ وصیت تہائی مال سے جائز ہے۔ ورثہ خواہ راضی ہوں یا راضی نہ ہوں۔ تفسیر معالم التنزیل میں آیت وصیت، من بعد وصیة یوصی بہا او دین۔ میں یوصی کے متعلق کہا ہے کہ اس میں قراء سبعہ کی قرأت مختلف ہے۔ ابن کثیر، ابن عامر اور ابو بکر نے اس کو صیغہ مجہول کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح

آیت میں یوصٰی ثانیہ کو مجہول پڑھا ہے۔ حفص نے صرف دوسرے کو مجہول پڑھا ہے۔ باقی دوسرے قراء نے دونوں جگہ ص کو کسرہ کے ساتھ یعنی صیغۂ معروف پڑھا ہے۔ کیونکہ سابقہ آیات میں میت کا ذکر ہو چکا ہے۔ بعد وصية يوصون ۔ اور من بعد وصية توصون ۔ یہ سب صیغے معروف کے ساتھ ہیں۔ یہ قرینہ ہے کہ یوصی کا لفظ بھی معروف کے ساتھ ہو، نیز معالم التنزیل میں غیر مضار کی تفسیر میں ہے کہ صاحب مال کو تہائی مال کے وصیت کرنے کی اجازت ہے۔ امام حسن نے غیر مضار کی تفسیر میں کہا کہ ضرر کی صورت یہ ہے کہ کسی کو قرض ادا کرنے کی وصیت کرے۔ حالاں کہ وہ قرض اس کے ذمہ نہ ہو۔ اس طرح وہ دوسرے ورثہ کی حق تلفی نہیں کرسکتا۔ قتادہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ضرر کو حیات اور نزاع دونوں حالتوں میں ناپسند کرتا ہے اور اس سے ممانعت کی ہے۔

تفسیر مدارک میں یوصیٰ بها اولیٰ اور ثانیہ دونوں صادیں کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ مکّی، شامی، حماد اور یحییٰ سب کی قرأت اسی طرح ہے، حفص نے یوصٰی ثانیہ کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یورث جو مجہول کا صیغہ ہے اس مجاورت کی وجہ سے اور پہلے یوصٰی کو مکسور پڑھا۔ یوصیکم اللّٰہ کی مجاورت کی وجہ سے باقی دوسرے قراء نے دونوں جگہ کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے مدارک میں یہ بھی ہے کہ غیر مضار ترکیب میں حال ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ یوصی بها وهو غير مضارّ لورثته وذلك ان يوصىَ زيادةً على الثلث لوارث۔

مدارک میں ہے کہ اگر یہ اشکال وارد کیا جائے کہ مجہول پڑھنے کی صورت میں اگر غیر مضار حال مانا جائے تو ذوالحال کہاں ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ ایک اور یوصی معروف کے ساتھ مقدر ہوگا اور اس کی ضمیر سے غیر مضار کا حال ہوگا: لانـه لـمّا قيل يسبّح لـه،

عِلم اَن ثَم مسبحاًنا ضمر یسبّح۔اسی طرح تفسیر جواہراور تفسیر حسینی میں غیر مضار کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ درآں حالیکہ میت، ورثہ کو وصیت اور دین میں نقصان نہ پہنچائے۔ وصیت کے اندر ضرر کی صورت یہ ہے کہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرے اور دین کے اندر ضرر کی صورت یہ ہے کہ کسی کا قرض اپنے ذمہ قرار کرے جو درحقیقت اس کے ذمہ نہیں تھا۔ الغرض لفظ یوصی میں قراء کا اختلاف ہے۔، اکثر معروف پڑھتے ہیں اور بعض مجہول۔ لیکن اس اختلاف کے باوجود سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ غیر مضار یوصی سے حال ہے نہ کہ وصی سے۔ چنانچہ آیاتِ سابقہ یوصیکم اللّٰہ الخ ولکم نصف ماترك ازواجکم الخ ولھن الربع الخ لفظ یوصیکم اللّٰہ یوصوین۔ توصون اور یوصی اکثر قراء کے نزدیک صیغہائے معروف کے ساتھ ہے۔ ان تمام جگہوں میں موصی اور میت کے سوا اور کوئی دوسرا فاعل نہیں ہے۔ لہٰذا سیاق وسباق دلالت کرتا ہے۔ کہ آیتِ زیر بحث میں بھی یوصی کا فاعل میت ہے۔ لفظ غیر مضار کو وصی سے حال بنانا جیسا کہ آں عزیز نے اپنے استفتاء میں تحریر کیا، اس کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ سیاق وسباق آیات کے بھی خلاف ہے۔

نیز حدیث شریف میں ہے جو حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سعدؓ کو حضورﷺ نے تہائی مال سے زائد کی وصیت کرنے سے منع فرمایا۔ پس یہ حدیث لفظ غیر مضار کے لئے مفسر ومبین ہے۔

نیز ہبہ اور وصیت میں فرق ہے۔ اس لئے کہ ہبہ کے اندر تملیک، حالتِ حیات ہوتی ہے اور وصیت میں تملیک، موت کے بعد ہوتی ہے اور ائمہ کرام اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ ہبہ، وقف اور مرض موت کے وقت کے تمام عطیات ایک تہائی کے ساتھ معتبر

ہیں ایسی صورت میں آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ جب موت کے وقت کا ہبہ ایک تہائی کے ساتھ معتبر ہے تو وصیت کیوں کر ایک تہائی سے معتبر نہ ہوگی۔

اگر چہ آپ کا یہ کہنا درست ہے کہ موصی اپنے مملوک میں وصیت کرتا ہے۔ لیکن یہ واضح ہونا چاہئے کہ محض مملوکیت، نفاذ حکم کا موجب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نابالغ بچے کا اور مجنون کا حکم اپنے مملوک میں نافذ نہیں ہوتا۔ دانشمند حکام بے وقوفوں اور فاتر العقل ضعیفوں کے احکام کو ان کے مال میں نافذ ہونے نہیں دیتے۔ مالک کو تصرف کرنے سے باز رکھتے ہیں اور مال کو مالک کی حیات کے باوجود، اولیاء اور ورثہ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر مالکِ حقیقی، موصی کے حکم کو تہائی سے زائد میں نافذ ہونے سے روک دے اور بمقتضائے رحمت، ورثہ کو اس کے ضرر سے باز رکھے تو اس میں آپ کو کیا تعجب ہے۔ انه هو الحاكم العليم و المالك الحكيم۔

یہ بھی واضح ہو کہ وصیت مستحب ہے، واجب نہیں، آیت میراث کے نزول سے پہلے وصیت واجب تھی، جب آیت میراث نازل ہوی تو وجوب وصیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اسی وجہ سے اب ورثاء کے لئے وصیت صحیح نہیں ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے جو حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان اللّٰه قد اعطى كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث:۔ یعنی حق تعالیٰ نے ہر صاحب حق کا حق، میراث میں متعین کر دیا۔ لہٰذا اب وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: لا وصية لوارث الا ان يشاء الورثه ۔ یعنی وصیت وارث کے لئے صحیح نہیں ہے البتہ اگر باقی دوسرے ورثاء بھی اس پر راضی ہو جائے تو جائز ہے۔

اس صورت میں وصیت کی فرضیت کا حکم جس کی طرف آپ نے سوال میں اشارہ کیا ہے، کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ اگر کسی پر دین ہو یا کسی کی امانت ہو تو اس وقت وصیت کرنا واجب ہے۔ اوقات کی قلت اور اشغال کی کثرت جواب کی تطویل و تفصیل سے مانع ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (٦٠)

دیدارِ الٰہی کا مسئلہ

قدوۃ السالکین حضرت علامہ سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ قطب ویلور قدس سرہ نے مولوی محمد علی صاحب صدر امین راج بندری کے نام فارسی زبان میں درجِ ذیل فتویٰ ارسال فرمایا تھا۔ جس میں مفتی موصوف نے رویت باری تعالیٰ کے بارے میں اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور اپنی مصروفیات و مشغولیات کے پیش نظر امام ربانی کی تحریر نقل کرنے پر اکتفا فرمایا ہے۔

اہل سنت و جماعت کے عقائد مین سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ مومنین آخرت میں اپنے خالق و معبود کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: وجوہ یؤمئذ ناضرۃ الی ربها ناظرہ۔ اس دن کچھ تر و تازہ چہرے اپنے رب کی جانب دیکھ رہے ہوں گے۔ حدیث نبویؐ میں ہے: انکم سترون ربکم یوم القیٰمة کما ترون القمر لیلة البدر۔ قیامت کے روز ضرور تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے جیسا کہ چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو۔

رویتِ الٰہی کے مسئلہ میں اہل سنت و جماعت کے سوا اکثر و بیشتر اسلامی فرقوں

نے لغزش کھائی اور وہ رویت الٰہی کا انکار بیٹھے اور جن لوگوں نے رویت کا انکار اس بنیاد پر کیا کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھیں نہیں دیکھ پاسکتیں: لاتدرکہ الابصار۔ اگر وہ آخرت کی زندگی (جو خوارق عادات سے تعلق رکھتی ہے) کی حقیقت اور رویت و ادراک کے معنی و مفہوم اور فرق کو ذہن میں ملحوظ رکھ لیتے تو کوئی اشکال اور دشواری نہیں پیش آتی تھی۔ یہ مسئلہ امورِ آخرت سے تعلق رکھتا ہے اور آخرت کی زندگی کے اصول وضوابط کو موجودہ زندگی کے اصول وضوابط اور علل واسباب پر قیاس نہیں کرسکتے، بلکہ ممکن ہے کہ اس آنے والی دنیا میں نئے قوانین وضوابط اور نئے علل واسباب ہوں اور وہاں رویت کے لئے بھی وہ شرائط نہ ہوں جو یہاں ضروری ہیں۔ قرآنِ کریم نے آخرت کی دنیا سے متعلق یہ صراحت کی ہے۔

یوم تبدل الارض غیر الارض والسّمٰوٰت: جس دن یہ زمین، نئی زمین سے بدل جائے گی اور آسمان نئے آسمان سے بدل جائے گا۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے تو شاید غلط نہ ہو کہ جب زمین نئی، آسمان نیا تو اس کے قوانین بھی نئے اور مخلوق کے لئے بھی قوانین وضابطے نئے ہوسکتے ہیں۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔

ادراک اور رویت سے متعلق حضرت قربؔی علیہ الرحمہ کی یہ تحریر ملاحظہ کیجئے:

''ادراک دیگر است و روایت دیگر و عدم ادراک شئی موجب عدمِ رویت آن نیست زیرا کہ معنی ادراک بحقیقتِ شئی رسیدن و برآں احاطہ کردن است و معنی رویت دیدن است، و دیدن بے احاطہ کردن واقع است مثلاً دریا رایا آسمان رامی بینیم بے احاطہ کردن آن۔ (میزان العقائد)

ادراک ایک چیز ہے اور رویت دوسری چیز ہے اور کسی شئے کا ادراک نہ ہونا اُس شئے کے نہ دیکھنے کا سبب نہیں ہے۔ اس لئے کہ ادراک کے معنے شئے کی حقیقت تک پہنچنا ہے اور اس کا احاطہ کرنا ہے۔ اور رویت کے معنے ہیں صرف دیکھنا ہے اور دیکھنا بغیر احاطے کے واقع ہے مثلاً دریا یا آسمان کو بغیر احاطہ کے دیکھتے ہیں۔

حاصل کلام!

اس تفصیل سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کی حقیقت کا ادارک نہیں ہوسکتا لیکن اس کا دیدار ہوسکتا ہے۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد فتویٰ کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

مترجم ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفر اللہ ولوالدیہ

خاطر شریف پر واضح ہو کہ کتاب ''مرقات الجنات'' اور ''رسالہ ملاّ شیعی'' دستیاب ہوے ''مرقات الجنات کا مطالعہ کیا۔ بلاشبہ وہ اسم با مسمّٰی ہے۔ ملاّ شیعی کا رسالہ بھی نظر سے گزرا معلوم ہوا، صاحبِ رسالہ بھی اپنے اسلاف کی طرح منقول کو معقول سے تطبیق دیتے ہیں اور رویتِ الٰہی کو نادان حکماء کے ضوابط وقواعد کے دائرے میں محدود اور محصور خیال کرتے ہیں۔ اور مشروط شرائط کے بغیر رویت ناممکن قرار دیتے ہیں۔

انگریز فوج عقل وجنسیت کے باوجود انگریزوں کے احکام پر عمل کرتی ہے اور طاعت وفرماں برداری کرتی ہے اور عقل کو کیا مجال ہے کہ وہ اپنے خالق کے احکام کو قبول کرنے سے انکار کردے اور جو بھی احکام اس کے دائرہ سے خارج نظر آئے ان کو رد کردے۔

زہے نادان کہ اوخورشید تابان　　　بنور شمع جوید در بیابان

کیا ہی نادان ہے وہ شخص جو آفتابِ عالم تاب کے ہوتے ہوئے شمع کی روشنی سے استفادہ کرنا چاہتا ہے۔

عقل کے سامنے سر جھکانا اور عقل کے خالق کے سامنے سر نہ جھکانا یہ کس قدر نادانی کی بات ہے دونوں فریق اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہے اور وہ سماعت و بصارت کی مشروط شرائط سے بے نیاز ہے۔ یہ حقیقت جان لینی چاہئے کہ آخرت کے امور خوارقِ عادات سے ہیں۔ ایک جنّتی شخص مساوات کی دوری کے باوجود اور شرائط کے فقدان کے باوجود اپنے ملک و حشم کے آخر کو ایسا ہی دیکھتا ہے جیسا کہ اس کے اوّل کو دیکھتا ہے۔

نیز اہل ایمان اور اہل کفر غلمان وولدان اور حور و ملائکہ کو دیکھیں گے۔ یہاں رویت سے متعلق نادان حکماء کی مشروط شرائط کہاں پائی جاتی ہیں

طرفہ طرازی تو یہ ہے کہ فلاسفہ بھی امور مشروطہ کو رویت کے لئے شرط قرار نہیں دیتے ہیں لیکن روحانیات اور ان کے مشاہدے اور ان کے ساتھ مخاطبت کو تسلیم کئے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا قول: لن ابرح الارض حتی یاذن لی الی اور فلن اکلم الیوم انسیا اور ان دو آیتوں کے علاوہ دیگر آیات میں حرف لَن نفی تاکید کے لئے ہے۔ لیکن یہ صاحبان ایسے ہیں، اپنے ہوس سے بھر پور مدعا کو ثابت کرنے کے لئے حرف لن کو نفی تاکید (ہمیشہ کرنا کسی کام کو ابد تک) قرار دے رہے ہیں۔ اور یہ پہلا موقعہ نہیں ہے جو مسلمہ اصول کو پامال کیا گیا ہو۔ بلکہ اپنی نفسانیت کے تحت اکثر مرادات الٰہی سے متعلق

اسی قسم کا صاف جواب دیا گیا ہے۔

حق و باطل کے فیصلہ کا دن قیامت ہے۔ اس روز ظالم و مظلوم دونوں اپنے اپنے اعمال کی سزا اور جزاء دیکھ لیں گے۔ لیکن یہ لوگ مدعی اور مدعی علیہ اور سرگرم گواہوں کے بغیر ہی اگلے زمانے اور گزشتہ زمانہ کے لوگوں کا فیصلہ کرنے لگے ہیں۔ اور قضاء علی الغائب کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور مدعی اور مدعی علیہ کے فائدہ و نقصان کے بغیر اپنے عزیز اوقات ضائع کر رہے ہیں۔ قرآنِ پاک کی یہ آیت طیبہ ان کے حال کی صحیح ترجمان ہے۔

قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالا الذين ضل سعيهم فى الحيوٰة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا۔

اے نبیٔ محترم ﷺ! آپ منکرین حق سے یہ کہہ دیجئے کیا ہم تم کو بتائیں کہ کون لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے نقصان و خسران میں رہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوششیں دنیا کی زندگی میں اکارت ہوئیں اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ بڑے اچھے اور نیک کام کر رہے ہیں۔

اسلام کے باوجود اس بے فائدہ کام میں انگریزوں اور دیگر کافروں کی عدالت و کچہری سے بھی کوئی عبرت حاصل نہیں کر رہے ہیں۔ اسی سے قیاس کر لینا چاہئے کہ ان صاحبوں کے امور و معاملات کسی قدر نا قابلِ اعتبار ہیں۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا

مقدمۂ رویت میں تنازع اور جھگڑا اسلافی ہے۔ اس مسئلہ میں بحث و مباحثہ کرنا اور جواب دینا تضیع اوقات کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔ جامع علومِ ظاہری و باطنی امامِ ربانی شیخ احمد سرہندی نے رسالۂ ''مبدا و معاد'' میں مقدمۂ رویت سے متعلق روشنی ڈالی

ہے۔ وقت کی قلّت اس مسئلہ کی مزید تشریح و توضیح کے لئے مانع ہے۔ لہٰذا فقیر شیخ سرہندی کی تحریر یہاں نقل کرنے پر اکتفا کر رہا ہے۔

''یہ بات حق ہے کہ مؤمنین کو آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ یہ وہ مسئلہ ہے جس کے قائل صرف اہل سنت و جماعت ہیں۔ ان کے علاوہ اسلامی فرقوں میں سے کوئی فرقہ اس کا قائل نہیں ہے اور حکمائے فلاسفہ بھی رویت کے منکر ہیں۔ منکرین کے انکار کی وجہ شاہد پر غائب کا قیاس اور یہ غلط ہے۔ مرئی (وہ چیز جو دکھائی دے) جب بے چون و بے چگونہ اور بے مثل و بے مانند (یعنی اللہ تعالیٰ) ہے، رویت بھی جو اس کے ساتھ متعلق ہوگی وہ بھی بے مثل ہوگی۔

اور یہ وہ حقیقت ہے جس پر ایمان لانا ہی چاہیئے اور اس رویت کی کیفیت کو جاننے اور سمجھنے کے درپے نہیں ہونا چاہیئے۔ اور یہ راز خواص اولیاء اللہ پر ظاہر ہوا ہے۔ ہر چند کہ رویت نہیں لیکن بے رویت بھی نہیں ہے۔:ان تعبداللّٰہ کانك تراہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔

کل قیامت کے دن مومنین حق سبحانہ وتعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ لیکن ادراک نہیں کر سکیں گے۔:لاتدرکہ الابصار آنکھیں اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ دو چیزوں کا علم حاصل ہوا۔ ایک علم یقینی: ضرور رویت ہوگی۔ دوسری لطف و لذت جو رویت سے حاصل ہوگی۔ ان دو چیزوں کے علاوہ رویت کے لوازم سے ساری چیزیں اور شرطیں مفقود رہیں گی۔

رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ مسائل کلامیہ کے دقیق و عمیق اور غامض مسائل سے تعلق رکھتا ہے اور آدمی کی عقل اس کے تصور اور اثبات سے عاجز اور درماندہ ہے۔ اس

مسئلہ کو علمائے صوفیاء میں سے متبعین انبیاء نے نورفراست سے دریافت کرلیا ہے۔اور یہ فراست انوارِ نبوت سے فیض شدہ اور مقتبس ہے۔اس کے علاوہ دیگر مسائل جو علم کلام سے تعلق رکھتے ہیں ان کے اثبات سے عقل عاجز ہے۔

علمائے اہل سنت و جماعت کو صرف نورِ فراست سے حاصل ہے اور صوفیاء کو نورِ فراست کے علاوہ کشف و شہود کی نعمت بھی حاصل ہے۔کشف اور فراست کے درمیان اسی طرح کا فرق ہے جس طرح کا فرق حدسیات (حدس: فراست) اور حسیات (حس: انداز سے معلوم کرنا) کے درمیان ہے۔فراست نظریات کو حدسیات بنادیتی ہے اور کشف، حدسیات کو حسیات بنادیتی ہے۔ایسے مسائل جن کے قائل صرف اہل سنت ہیں۔وہ تمام اس قبیل سے تعلق رکھتے ہیں جن کو نورفراست کے ذریعہ معلوم کیا گیا ہے۔ اور جن کا مشاہدہ کشف صحیح کے ذریعہ کیا گیا ہے۔لیکن مخالفین نے ان مسائل کو عقل کے ذریعہ حل کرنے کو لازم سمجھا اور جو بھی بات عقل کے دائرہ میں نہ آسکی، اس کے انکار کے درپے ہوگئے۔

اہل سنت و جماعت کے علماء نے بھی ان مسائل کی عقلی حیثیت سے تھوڑی بہت تشریح کی ہے۔لیکن اس سے ان کا مشاہدہ ومنشاء تصویرِ ذہنیہ ہے۔نظر و دلیل اور عقل وفکر کی بنیاد پر ان مسائل کا اثبات نہیں ہے۔اس لئے کہ عقل کی آنکھیں ان مسائل کی تصویر و اثبات سے اندھی ہے۔

اہل سنت کے بعض علماء کا یہ طرز عمل بھی عجیب ہے کہ اپنے ان مسائل کو استدلال کے مقام میں لانے کی کوشش کررہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان مسائل کو دلائل و براہین کے ذریعہ ثابت کریں اور مخالفین پر حجت پوری کردیں۔لیکن یہ میسر نہ ہوگا اور

اتمام وانجام کونہیں پہنچیں گے۔ نیز اس طریقہ وعمل کی وجہ سے مخالفین خیال کریں گے کہ ان کے مسائل ان کے استدلالات کے رنگ میں ادھورے کھوٹے اور ناتمام ہیں۔ مثلاً اس مسئلہ کو لیجئے،

اہل سنت کے علماء نے استطاعت مع العقل ثابت کیا ہے اور یہ مسئلہ مسائل حقہ میں سے ایک ہے جونورِ فراست اور کشفِ صحیح سے دریافت کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے ثبوت میں جو دلائل پیش کیئے گئے ہیں وہ نامکمل اور ناتمام ہیں۔

اس مسئلہ کے اثبات پر ان کے دلائل کی قوت دوزمانوں میں عدم بقائے اعراض ہے۔ اس لئے کہ اگر عرض باقی ہوگا تو قیامِ عرض بعرض لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

جب مخالفین نے اس دلیل کو ادھوری اور ناتمام دیکھا تو یقین کر بیٹھے کہ یہ مسئلہ بھی ناتمام اور مزیف وکھوٹا ہے۔ لیکن یہ نہیں جان سکے کہ اس مسئلہ کے اثبات پر رہنمائی کرنے والی چیز نور فراست ہے جو انوارِ نبوت سے متقبس اور فیض شدہ ہے۔

یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم حدسی اور بدیہی کو مخالفین کی نگاہ میں نظری بنار ہے ہیں اور تکلّفات کے ذریعہ اس کو ثابت کرنے کی کوشش کرر ہے ہیں اس باب میں انتہا یہ ہے کہ مخالفین کے مقابلہ میں حدسی اور بدیہی خوب و درست نہیں ہے۔ جس شخص کے دل میں ایمان کی روشنی ہوگی وہ بے اختیار قبول کرے گا اور جو بدنصیب ہوگا وہ انکار کے درپے ہی رہے گا۔

شیخ ابوالمنصور ماتریدی کے اصحاب کا عمدہ طریقہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو مقاصد پر ٹھہرایا اور فلسفہ کی تدقیقات اور غوامض سے اعراض کیا۔ شیخ ابوالحسن اشعری کی جماعت کے علماء میں فلسفیانہ انداز سے استدلال کی راہ ہموار ہوی اور انہوں نے چاہا

کہ اہل سنت و جماعت کے معتقدات کو فلسفیانہ استدلال سے بھی مکمل بنائیں لیکن یہ دشوار ہے۔ اور مخالفین کو اکابردین پر لعن وطعن کرنے کے لئے دلیر بنادینا ہے اور سلف کے طریقہ سے ہٹ جانا ہے۔ :ثبتنا اللہ علی متابعة اھل الحق المقتبسة من انوار النبوت علی صاحبها الصلوٰة والتسلیمات اتمها و اکملها۔

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۶۱)

اختلافی مستحبات اور مکروہات میں سختی اور شدت صحیح طریقہ نہیں ہے

ذیل کا فتویٰ نایاب ہے اس کا ایک نسخہ خستہ حالت میں رفیق محترم ڈاکٹر راہی فدائی بنگلور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس فتویٰ کا موضوع ہے، نماز میں رفع یدین کریں یا نہ کریں۔ یہ کوئی فرض یا واجب یا سنت موکدہ نہیں ہے کہ اس مسئلہ میں شدت اور سختی برتی جائے، ہر مسلک کے پیرو اپنے اپنے امام کے مذہب پر عمل کریں۔ جزوی اور فروعی مسائل کو لے کر ایک دوسرے سے اختلاف اور نزاع پیدا کرنا یہ کوئی دین داری نہیں ہے، اختلاف سے بچے رہنا افضل اور بہتر ہے۔ تیرہویں صدی ہجری کے ربع آخر میں بنگلور کے اندر یہ مسئلہ بڑی شدت کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا تو حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ نے درج ذیل فتویٰ صادر فرمایا۔ ۲۹ جمادی الآخر ۱۲۶۸ھ بنگلور روانہ کیا، جسکے باعث اختلاف و انتشار ختم ہوا۔ یہ فتویٰ پہلی مرتبہ ۱۲۶۸ھ میں مطبع حیدری ویلور سے شائع ہوا۔ پھر دوسری مرتبہ مطبع نامی، احمد قلندر بنگلور سے ۱۳۱۵ھ میں شائع ہوا۔

ذیل میں فتویٰ کی عبارت من وعن درج ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق غفرلہ والدایہ

بعد سلام سنت اور دعائے خوبی و آخرت ، بنگلور کے دوستان ، اور جماعت مسلمانان پر ظاہر ہوے کہ تمہارا خط مرقوم ٦ ربیع الثانی ۱۲٦٨ھ کا پہنچا، اوراس میں دینی مسائل کا استفسار رہنے سے دل کو سرور پہنچا الحمد للہ علی ذلک۔

اس زمانے میں ہر کوئی کھانے پینے، اور زراعت وتجارت اور دیگر مشغولوں تن پروری کے، غرق ہیں۔ دین بچانے اور آخرت کمانے اور جان (روح) پروری کے کام پر کوئی توجہ نہیں۔ ایسے زمانے میں تمہارے سوالات مجھے بہت خوش آئے، ایں کاردولت است اکنوں تا کرارسد، اللہ تعالیٰ تم سب کو خوش رکھے۔

سوال

پرانے لوگ قومہ کے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے اور آمین بالجہر نہیں کہتے، آمین آہستہ بولتے تھے اور زیرناف ہاتھ باندھتے تھے۔ اوراذان میں ناخنوں کو دونوں آنکھوں پر رکھتے تھے، اب چند حنفیہ رفع یدین کرتے ہیں اور آمین پکار کر بولتے ہیں، اور ناخن آنکھوں پر رکھنے والوں کو، تم انگلیاں ناحق آنکھوں میں کیوں چُبا لیتے ہو کر کے کہتے ہیں۔ کیا ہم ان کے موافق کرنا، یا آگے جیسا کرتے تھے، ویسا ہی کرنا۔

جواب

جواب اس کا یہ ہے کہ تم جیسا پہلے رفع یدین نہیں کرتے تھے، ویسا ہی اب بھی نہ کرو، اس لئے کہ حنفیہ اس کے نہیں کرنے پر گئے ہیں، مگر بعض حنفیہ چنانچہ ملک العلماء مولانا عبدالعلی لکھنوی مدراسی رحمۃ اللہ علیہ ''رسائل ارکان اربعہ'' میں نہیں کرنے کو اچھا، اور کرنے کو لاباس (کوئی حرج نہیں) بولے ہیں، اور مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ''حجۃ البالغہ'' میں رفع کرنے والا اور رفع نہیں کرنے والے سے میرے پاس درست تر

ہے، کہے ہیں۔

اور جیسا آگے تم آمین آہستہ بولتے تھے اور زیر ناف ہاتھ باندھتے تھے، اب بھی ویسا ہی کرتے رہو، اس لئے کہ حنفیہ کے پاس آمین آہستہ بولنا، اور زیر ناف ہاتھ باندھنا مستحب ہے۔

حنفیہ میں مولانا عبدالعلی لکھنوی مدراسی رحمۃ اللہ علیہ مطلق آمین بولنا سنت، اور آمین کو پکار کر کہنا اور آہستہ بولنا دونوں مستحب کہے ہیں۔ بعض علماء کے پاس واجب ہے اور بعض علماء کے پاس واجب نہیں ہے۔ بلکہ اہل سنت و جماعت کے دوسرے مذہب پر چلا بھی تو جائز ہے۔ کذا فی کتب الاصول۔

اور دوسرے مذہب پر چلنا، طائفہ اولیٰ کے پاس جائز نہیں اور اپنے مذہب پر چلنا دونوں طائفہ کے پاس جائز ہے۔ پس ہر مذہب والا اپنے اپنے مذہب پر چلنا، باتفاق علماء جائز ہونے اور اختلاف سونچنے سے بہتر اور افضل ہوا۔

اور یہ بھی معلوم ہوے کہ تمہیں پوچھے سو مقدمے (سوالات) کچھ فرض، واجب اور سنت مؤکدہ نہیں بلکہ اہل سنت و جماعت کے اختلافی مستحبات اور مکروہات ہیں۔

عقائد ملا جلال میں ہے کہ فتنہ نہ اٹھے، اور امید قبولیت کی ہوے تو امر واجب کا واجب، اور مستحب کا مستحب ہے (الامر للوجوب و الامر للمستحب) اور نہی، حرام کی واجب اور مکروہ کی مستحب ہے۔

اور قول الجمیل میں ہے کہ آداب سے امر معروف اور نہی منکر کے رفق و نرمی ہے، شدت و سختی کا کام امیراں اور بادشاہاں کا۔

سنا جاتا ہے کہ وہاں کے بعض مردم امر و نہی میں اس اختلافی مستحبات و

مکروہات کے، سختی وشدت اور طعن وملامت کرنے اور غیبت وچغلی، نفاق ودشمنی اور دیگر محرمات میں گرفتار ہورہے ہیں۔ اور اتفاق کو، مسلمانوں کے جومقصود شارع علیہ السلام ہے، کھورہے ہیں، معاذ اللہ من ذلک۔

(حضرت مولانا) محی الدین (سید شاہ عبداللطیف قطب ویلور)

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۶۲)

خطبہ میں خلفائے راشدین کا ذکر کرنا اہل سنت وجماعت کا شعار ہے

واضح رہے کہ خطبہ میں حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنھم کا ذکر اہل سنت وجماعت کا دستور، اور شعار ہے کیونکہ خارجی لوگ حضرات ختنین (یعنی حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما) سے محبت والفت اور ان کے ساتھ حسنِ عقیدت نہیں رکھتے ہیں۔ اور شیعی لوگ حضرات شیخین (یعنی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کی فضیلت وبرتری کے قائل نہیں ہیں۔ اموی دورِ حکومت میں چاہے وہ مروانی ہو یا غیر مروانی، ستر سال سے زائد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت تک جمعہ کے خطبہ میں ائمہ وخطباء حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اہل بیت پر لعن طعن اور سب وشتم کیا کرتے تھے جیسا کہ ''تاریخ الخلفاء'' اور جامع التاریخ'' میں مرقوم ہے۔

اسی وجہ سے اہل سنت وجماعت نے خطبہ میں خلفائے راشدین کے ذکر کو اپنا دستور اور شعار قرار دیا تا کہ ان گمراہ فرقوں خوارج اور شیعیوں سے امتیاز حاصل ہو سکے اور رحمتِ الٰہی کے نزول کا سبب بن سکے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ۔ اللہ والوں کو یاد کرنے سے اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں تعجب ہے کہ

بعض اہل علم نے خطبہ میں خلفائے راشدین کے ذکر کو بدعتِ ضلالت کہا ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ہر امر مستحدث (نئے کام کی ایجاد) بدعتِ ضلالت نہیں ہے، بلکہ بدعت حسنہ ہے جو سنت سے پیوستہ اور ملحق ہے، اور یہ سنت حکمیہ بھی شرعی امور محدثات میں سے ہونے کی وجہ سے بدعت ضلالت میں شمار نہیں ہوئی۔ اور حضرات صوفیہ کے ذکر و مشاغل، مقامات و حالات اور قلبی واردات یہ سبھی امور دینیہ کے اندر نئی ایجادات و تخلیقات میں سے ہیں، اور سب کی سب بدعتِ ضلالت میں سے نہیں بلکہ بدعت حسنہ کی قبیل سے ہیں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی اپنے کمال اتباع سنت اور بدعت سے بے انتہا، دور و نفوذ ہونے کے باوجود مکتوبات کی جلد دوم ۱۵ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں:

''سنا گیا ہے کہ مقام سامانہ (جنوبی سرہند) کے ایک خطیب نے عید الاضحیٰ کے خطبہ میں حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنھم کے ناموں کو چھوڑ دیا اور ان کے اسمائے مبارکہ کو نہیں پڑھا۔ نیز یہ بھی سنا گیا ہے کہ وہاں کے علماء و فضلاء اور عوام نے اس مسئلہ میں غفلت اور سستی سے کام لیا۔ اور اس بے انصاف خطیب کی نہ تو مخالفت کی اور نہ اس کے ساتھ سختی و شدت سے پیش آئے۔ اس پر ایک بار نہیں بلکہ سو بار افسوس کرنا چاہئے۔

خلفائے راشدینؓ کا ذکر اگرچہ کہ خطبہ کے شرائط میں سے نہیں ہے لیکن اہل سنت و جماعت کا یہ دستور اور شعار ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ اور یہ چیز تو عمداً وہی ترک کر سکتا ہے جس کے دل میں کدورت و نفاق ہو اور جس کا باطن گندہ اور تاریک ہو، ولو بالفرض یہ بات مان لی جائے کہ اس خطیب نے خلفائے راشدین کا ذکر تعصب اور عناد کی وجہ سے نہیں کیا تو وہ پھر اس حدیث کا کیا جواب دے گا؟ جس میں یہ وعید آئی ہے کہ جو شخص کسی قوم (روافض اور خوارج) سے مشابہت اختیار کرے گا وہ ان ہی میں سے ہوگا من تشبہ بقوم

فھو منھم ۔اوراس کے علاوہ تہمت والزام سے بھی یہ کیونکر خلاصی ورہائی پاسکتا ہے؟ کیونکہ حدیث میں وارد ہے اتقوا من مواضع التھم ،تہمت کی جگہوں سے خودکو بچائے رکھو۔اگراسکو حضرت ابوبکرؓاور حضرت عمرؓ کی فضیلت و برتری اور تقدم میں توقف وانکار ہے تو یہ اہل سنت کے دستور کے خلاف اوراس سے انحراف ہے،اور شیعیت سے قربت واتصال کا ہم معنی ہے اوراگر اس کو حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ کے ساتھ محبت والفت رکھنے میں شک وتردد ہے،تو یہ خارجیوں سے قربت ونزدیکی کے مترادف ہے۔یہ حقیقت سے بے خبر خطیب کشمیر کا باشندہ ہے اس نے اس خباثت وگندگی کوکشمیر کے بدعتیوں سے حاصل کیا ہے۔

نیز اس میں رقمطراز ہیں: یہ بات بڑی تعجب خیز ہے کہ وہاں کے بڑے بڑے مخدوم ومطاع اور علماء اس معاملہ میں خودکو مجبور ومعاف تصور کررہے ہیں اوراس سلسلے میں تغافل و تساہل سے کام لے رہے ہیں حالانکہ اہل کتاب کی مذمت میں ارشادِ خداوندی ہے۔

لولا ینھھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم و اکلھم السحت لبئس ما کانو یصنعون ۔کیوں ان کے مشائخ اور علماء،انہیں گناہ کی بات کہنےاور حرام کھانے سے نہیں روکتے ہیں،کیسی بری ان کی کارستانیاں ہیں۔

اس قسم کے واقعات میں سستی اور غفلت سے کام لینا گویا بدعتیوں کو دلیر بنانا ہے اور دین کے اندر رخنہ ڈالنا ہےاور یہ وہاں کے اہل علم اور خواص کے تساہل اور غفلت کا نتیجہ ہے۔گویا بدعتی وگمراہ لوگوں نے کھلے طور پر اہل حق کو گمراہی کی طرف بلایا۔معاملہ ایسا ہی رہا اور مزید تساہل و تغافل سے کام لیا گیا کہ تو کیا بعید ہے کہ یہ گمراہ لوگ بھیڑیوں کی شکل میں بکریوں کے ریوڑ سے بھاگنے لگیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۶۳)

خطبہ میں عصا کا سہارا لینا

نیز جاننا چاہئے کہ خطبہ میں عصا یا اس کے سوا کسی لکڑی سے سہارا لینا مسنون ہے، اور یہی صحیح ہے، جیسا کہ کتاب بحر الرائق میں مذکور ہے۔ اور بعض اہل علم نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے جیسا کہ کتاب ''خلاصہ'' میں مرقوم ہے۔ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''شرح سفر السعادۃ'' میں فرماتے ہیں کہ:

''تلوار (برہنہ) اور نیزہ کو ہاتھ میں نہ رکھے بلکہ کسی کمان یا عصا پر ٹیک لگائے اور سہارا لے، اور فقہاء کی بعض روایات میں ہے کہ کمان یا عصا پر ٹیک لگانا مکروہ ہے۔ لیکن قول صحیح یہ ہے کہ سنت سے ثابت ہونے کی وجہ سے عصا کا ہاتھ میں لینا مکروہ نہیں ہے۔''

اور حضرت شیخ فتح محمد محدث ''صاحب مفتاح الصلوٰۃ'' نے بھی اختلافات نقل کرنے کے بعد یہ تحریر فرمایا ہے کہ صحیح احادیث کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عصا کا استعمال نہ صرف جائز بلکہ مسنون ہے۔ اس مسئلہ میں بعض عوام کے غلو کی بھی حد ہوگئی کہ انہوں نے عصا کے استعمال کو ناجائز کہہ دیا اور عصا لینے والے کو گمراہ قرار دے دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۶۴)

دراجازت فاتحہ خوانی بعد نماز ہائے پنجگانہ وغیرہ

ذیل کا فتویٰ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کے ہمشیر زادے اور دامادِ حضرت مولانا مولوی الحاج سید شاہ محمد قادری ویلوری علیہ الرحمہ کے قلم سے ہے، جس میں مفتی موصوف نے نماز پنجگانہ اور کار خیر و مباح کے مواقع میں فاتحہ خوانی اور نکاح و

دیگر خوشی کی مجلسوں میں پھولوں کا ہار پہننے سے متعلق علمی و تحقیقی انداز میں بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے۔

یہ فتویٰ ۱۳۱۳ہجری میں مطبع محمدی مدراس سے شائع ہو چکا ہے جس میں وقت کے جلیل القدر علماء اور حضرت قطب ویلور کے خلفاء کی دستخطیں اوران کے تصدیقی بیانات شامل ہیں۔اس فتویٰ کا زیادہ تر حصہ فارسی اور عربی پر مشتمل ہے، اردودان حضرات کے لئے اصل فتویٰ کے بعد فارسی اور عربی اقتباسات کا ترجمہ اور خلاصہ درج کیا گیا ہے،اوراردو کے قدیم حصے کواردوئے جدید کے قالب میں پیش کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

سوال: فاتحہ بعد نماز فجر وتراویح و جمعہ وغیرہ بنام سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجمیع مومنین ومومنات پڑھنا اور نکاح میں بعد ایجاب وقبول کے اوراسی طرح کوئی کارخیر ومباح کے شروع یا آخر میں سورۃ فاتحہ فقط یا مع سورۃ الاخلاص یا مع سورۃ النصر پڑھ کر دعا کرنا اور مجمع سے ایک شخص کا بآواز بلند الفاتحہ کہنا دوسرے بھی اس عمل میں شریک ہوں جائز ہے یا نہیں۔ درصورت جواز وانکار اس کا کیا ہے؟ .... بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومُصلیًا ومسلماً علیٰ رسولہ واٰلہ وصحبہ۔ایصال ثواب بنام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وجمیع مومنین ومومنات جائز اور مشروع ہے اوردعا حاجتوں میں ماموراور ماذون اورقرأت قرآن، موجب نزول رحمت وبرکت وموّرث ثواب جزیل وسعادت، خصوص ام القرآن یعنی سورۂ فاتحہ باعث قبول دعا وفوائد بسیار ہے۔اورسورۃ الاخلاص وسورۃ النصر ودیگر سورۃ وآیات، خواص بے شمار رکھتے ہیں۔اور

تعین اوقات اگر بہ نیت خیر ہے اور التزامِ ناجائز سے خالی تو ممنوع نہیں۔

اور التزام ناجائز وہ ہے کہ اسکو لازم جانے اور کبھی ترک نہ کرے۔ یا اس تعین میں ہی حصول ثواب یا زیادتی ثواب سمجھے اور ترک میں اس کے عدم ثواب یا کمی سمجھے اور مجمع سے ایک شخص الفاتحہ بول کر دوسروں کو اپنے ساتھ شریک کرنے میں دلالت ہے طرف کارِ خیر کے اور رجاء قبول دعا ہے، بسبب اجتماع مسلمین۔

درالمختار میں ہے، قلت و قول علماء له ان يجعل ثواب عمله لغيره ويدخل فيه النبی صلی الله عليه وسلم فانه' احق بذالك حيث انفذنامن الضلاله خفی ذلك نوع شكر و اسداء جميل له والكامل قابل الزيادة الكمال، انتهی اور زاد الآخرت میں مرقوم ہے، ایصال ثواب وابلاغ ثواب اور اعمال خیر از عبادات بدینہ چوں نماز و روزہ و حج و ختم قرآن و درود و تسبیح و تہلیل و استغفار دعا وغیرہ عبادات مالیہ چوں اعتاق۔

وصدقۂ زروانقره وپارچه و غله وطعام وجزآن برای موتی واحياء نزداهل سنت و جماعت ورواست وثواب هريك ازانهادرهرحال بايشان می رسد بالاتفاق كذافی البحرالرائق و كنوالعباد ومختار الفتاویٰ انتهیٰ۔

اور مشکوٰۃ شریف میں ہے۔قال رسول الله صلی الله عليه وسلم الدعاء هو العبادة ثم قراء وقال ربكم ادعونی استجب لكم۔ وقال صلی الله عليه وسلم الدعاء مخ العبادة وقال عليه السلام ان الدعاء ينفع ممانزل ومما لم ينزل فعليكم عباد الله بالدعاء۔

اور مدارج النبوۃ میں ہے گفتہ اند کہ موضع قرآن موضع برکت ونزول رحمت است''

اور مشکوٰۃ شریف میں ہے۔قال رسول اللہ علیہ وسلم من قرأ حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشرامثالھا لااقول الٓمٓ، حرف الف حرف لام حرف میم حرف انتھیٰ۔

اور مناوی مفتاح الکنوز میں لائے ہیں الفاتحہ لماقو أۃ لہ بیہقی انتہیٰ ۔

اور تفسیر عزیزیہ میں فضائل سورۂ فاتحہ میں لکھے ہیں کہ

ابوالشیخ درکتاب الثواب آوردہ است کہ ہر کراحاجتی باشدمی باید کہ فاتحہ الکتاب بخواند و بعداز ختم حاجت بجز اہدتااللہ تعالیٰ آں حاجت براید، وابونعیم ودیلمی از ابوالدرداروایت کردہ اند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ فاتحۃ الکتاب کفایت می کندازانچہ ہیچ چیزازقرآن کفایت نمی کند

ونیز ازتفسیر وکیع وکتاب المصاحف ابن انباری وکتاب العظمۃ ابوالشیخ حلیۃ الاولیاء ابوالنعیم وارداست کہ ابلیس علیہ اللعنۃ، چہار باردرعمرخودنوحہ وزاری و خاک برسر انداختن اتفاق افتاد، اول وقتیکہ اورالعنت شد۔وقتیکہ اوراازآسماں برآوردہ برزمیں انداختند ووقتیکہ بعثت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام واقع شدہ، و وقتیکہ فاتحۃ الکتاب نازل شد۔

وعبدابن حمید درمسند خودازابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعاروایت می کند۔ کہ فاتحۃ الکتاب برابردوثلث قرآن است درثواب انتہیٰ ۔

پھر تفسیر عزیزیہ میں سورۃ الاخلاص کے بیان میں لکھتے ہیں: بایددانست کہ ایں سورہ رادرحدیث شریف ثلث قرآن فرمودہ اندوچنیں قراردادہ اندکہ خواندن ایں سورہ برابرخواندن سیوم حصۂ قرآن است۔

اور بیضاوی میں ہے:وعنه صلی الله علیه وسلم من قرأ سورة اذاجاء اعطی من الاجر کمن شهد مع محمد یوم فتح مکه۔

اور ہدایۃ النجدین الی مسائل العیدین میں مولانا ابوالبرکات رکن الدین محمد تراب علی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ جو ہندوستان کے مشاہیر علماء سے تھے لکھتے ہیں:

تنبیہ ہر گاہ سنت مصافحہ و معانقہ درحال قدوم از سفر و بدون آں ثابت شدہ۔ پس تعین آں بروز عیدین چناں کہ در بلاد ہند رواج وارد نیز روا باشد بجہت آں حکمے کہ اصل آں در شرع شریف ثابت است۔ پس تعین در وقتی خاص بسبب اندراج ایں وقت در اوقات ثبوت آں اصلی رو گردد۔ زیرا کہ چوں اصل شئی در ہر اوقات مشروع شد۔ پس وقت معین ہم یکی از افراد اوقات مشروع شد۔ پس وقت معین ہم یکی از افراد اوقات آں مطلق باشد بجہت تحقق مطلق در افراد ظاہر است کہ ہر فردی از مطلق کہ متحقق باشد باعتبار تعین و تشخص خارجی انع تحقق آں مطلق نخواہد بود، الاتحقق درفرد متمنع باشدو ہوکماتری وآنچہ از تعین وقت شرعاً ممنوع است یعنی است کہ مانع تحقق مطلق غیر آں معین باشد کہ از شارع تعینش ثابت شدہ تلخیص مرام آنکہ حکم مشروع بر دو قسم است مقید و مطلق و در مقید رعایت قید کہ اند شارع ثابت شدہ ضرور است ہر گز تبدیل آں جائز نیست بخلاف المطلق کہ رعایت قید و خصوصیت دران از جانب شارع مرعی نشدہ بلکہ ہر فرد آں صلاحیت تحقق مطلق میدرد و توضیحش آنکہ مثلاً حکمی احکام شرع در مطلق اوقات مشروع باشد مانند ایصال ثواب عبادات مالی و بدنی برای نفع امور پس تعین آں بروز سوم اگر بلحاظ آں باشد کہ معین در قرب اوقات موت بجہت ظلمت قبر و ضغطہ آں توحش و سوال ملائکہ زیادہ تر محتاج بوصول مثوبات می باشد پس شرط در مشروعیت اعمال خیر مانند تلاوت قرآن

مجید وابلاغ صدقات باتعبیر آں دریں وقت مضائقہ نہ دارد واگر بلحاظ آں باشد کہ دریں روز معین اعمال خیر بجا آوردن رواست، درغیر آں روانیست۔ پس ظاہر است کہ این نیت باطل است، چہ دریں صورت تشریع جدید وتغیر حدود الٰہیہ لازم می آید وہم ومنع وقطعاً پس باعتبار اصل مقرر مذکور ظاہر ش کہ مصافحہ ومعانقہ بروز عیدین رواست ومفہوم بدعت سیئہ مندرج نیست وشاہ دعا بریں مطلب آنکہ تذکر وموعظت برای نفع مردماں در جمیع اوقات موکد ومستحب است۔ تعین روزی از روزہای ہفتہ و یا تاریخی از تاریخہای ماہ وسال جائز است۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، روز پنجشنبہ رابرای موعظت مقرر فرمود وامام بخاری دریں مسئلہ بابی علیحدہ منعقد کردہ وعن ابی وایل قال کان عبداللہ یذکر الناس فی کل خمیس انتہی۔

اور حضرت مولانا شیخ فتح محمد محدث رحمۃ اللہ علیہ مفتاح الصلوٰۃ میں لکھتے ہیں:
اگر بعد سنت فاتحہ آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم بخواند بدعت حسنہ باشد، انتہی۔

اور عالمگیری میں ہے الافضل فی قرأۃ القراٰن خارج الصلوٰۃ جھر و قرأۃ الفاتحۃ بعد المکتوبۃ لاجل المھمات مکافتۃ او جھرامع الجمع مکروھۃ واختار قاضی بدیع الدین انہ لایکرہ واختار القاضی الامام جلال الدین انکانت الصلوٰۃ بعدھا سنۃ یکرہ والافلا کذافی التاتارخانیۃ انتہیٰ۔

پھر اس میں مرقوم ہے یجتمعون و یقرؤن الفاتحۃ جھرادعاء لایمنعون عادۃ والا ولی المخافتۃ۔ انتھیٰ وفیہ ایضاً ولاباس باجتماعھم علی قرأۃ الاخلاص جھراعند ختم القراٰن ولرقرأ۔ واحد واستمع الباقون فھو اولی قینۃ ۔اور حدیث شریف میں ہے الدال علی الخیر کفاملہ۔

اور صاحب حصن حصین احوال اجابت دعا میں لکھتے ہیں: دبر الصلوٰۃ المکتوبات و عقیب تلاوۃ القرآن و اجتماع المسلمین انتہیٰ۔

اور نظر کرنے او پر فوائد مذکور سورۂ فاتحہ وغیرہ اہل صلاح و بزرگان دین جو تابع سنت و قامع بدعت و جامع شریعت و طریقت و مقتدای وقت تھے، اوقات مخصوصہ میں قرأت فاتحہ کرتے تھے۔ چنانچہ تذکرۃ الاولیاء میں ذکر میں احمد بن خضرویہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے جو طبقے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے تھے، نقل کئے ہیں۔

نقل است کہ یکبار در خانقاہی آمد با جامہ خلق واز رسم صوفیاں فارغ و بوظائف حقیقت مشغول، اصحاب خانقاہ بباطن با او نکار کردندہ با شیخ گفتند کہ او از اہل خانقاہ نیست تا روزی احمد بسر چاہ رفت و دلوش در چاہ افتاد، خادم او را برنجانید احمد پیش شیخ آمد و گفت فاتحہ بخوان تا دلو از چاہ برآید۔ شیخ متوقف شد کہ ایں چہ التماس است احمد گفت اگر تو نمی خوانی اجازت دہ تا من بخوانم۔ شیخ اجازت داد احمد فاتحہ برخواند دلو بر چاہ آمد، شیخ چوں آں بدید، کلاہ از سر نہیا دو گفت ای جوان تو کیشی کہ خرمن جاہ ما در برابر ب دانہ تو کاہ شد۔ احمد گفت یاراں را بگوی تا بچشم حقارت در مسافراں نہ نگرند من خود رفتم انتہیٰ۔

اور حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ بوستان میں فرماتے ہیں۔

دگر رفت و ایثار خیرش نماند　　　　نشاید پس مرکش الحمد خواند

اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ چالیس پر سات ویں مکتوب میں جلد ثالث میں لکھتے ہیں:

ہر چند ایں کمترین شایان آں نیست کہ خود را در حداد لشکر دعا داخل سازو۔ لیکن بمجر داسم فقراء احتمال اجابت دعا خود را از دعای دولت قاہرہ فارغ نمی دارد، وبلسانِ حال وقال

بدعاو فاتحہ سلامت رطب اللسان می باشد۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم، انتہیٰ۔

اوراسی جلد کے مکتوب نو دونہم میں تحریر کرتے ہیں، ازعنایات واشفاق حضرات امید آں دارد کہ دراوقات مرجوہ از دعای خیر و فاتحہ سلامت خاتمہ منعی نخواند فرمود۔ انتہیٰ۔

پھراس مکتوب میں لکھتے ہیں: بخدوم زادحصای گرامی نیز فقیر زادہا عرض دعا فرمودہ التماس فاتحہ می نمانید۔

اورحضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' میں لکھتے ہیں: فاتحہ خواند و دست اور دست خود گرفتہ بیعت نماید۔

پھراسی کتاب میں ختم خواجگان چشت قدس اللہ اسرارہم میں لکھتے ہیں:

ختم تمام کنندہ برقدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند و حاجت از خدائے تعالیٰ سوال نمانید وہمیں طور ہر روز می خواندہ باشند۔ انتہیٰ۔

اورحضرت مولانا میرزا مظہر جانجاناں شہید قدس سرہ کے معمولات میں ہے، فاتحہ بارواطیبات حضرات آں طریقہ میخواند، بعدازاں دست گرفتہ توبہ میدادند۔

اوراسی میں ہے باز فاتحہ برای خیر و برکت میخواندند، پھراسی میں ہے، ہرنیتی ومقصدی کہ خوانند باید کہ اول دست برداشتہ سورۂ فاتحہ یکبار بخواند پھراسی میں ہے بعد ازاں فاتحہ خواندہ ثواب ایں ختم بارو اح طیبات حضرات بزرگوران کہ ایں ختم بایشاں منسوب است باید گزرانید۔

پھراسی میں ہے دور ختم حضرت مجدد رضی اللہ عنہ نیز ہمچنیں معمول بود۔

پھراسی میں ہے بعد از نماز جمعہ ہر دو دست را برداشتہ بآواز بلند می فرمودند کہ فاتحہ علیٰ حضرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ ابی بکرنا وعمرنا وعثماننا وعلینا رضی اللہ تعالیٰ علیہم

اجمعین۔ بعدازاں سورۂ فاتحہ می خواندند، ویاراں نیز درقرأت ایں سوری متابعت می نمودند۔

اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوے میں لکھے ہیں کہ درتمام سال دو مجلس درخانہ فقیر منعقد می مجلس ذکر وفات شریف و مجلس شہادت حسنین رضی اللہ عنہما۔

پھر اسی میں لکھتے ہیں، بعدازاں ختم قرآن شریف ''پنج'' آیت خواندہ برما حضر فاتحہ نمودہ می آید۔ پھر اس کے اخیر میں فرماتے ہیں: پس اگر ایں چیز ہا نزد فقیر بہمیں وضع کہ مذکور است جائز نمی بود اقدام براں اصلا نمیکرد۔ انتہی۔

پس فواتح مذکورہ بطریق مذکورہ ،منافی قواعد شرعیہ نہیں اور جائز بلا کراہت ہے۔ اور مشتمل برفوائد کثیرہ۔ مع ھذا حرمین شریفین و دیگر بلاد کے اہل صلاح کا تعارف بھی ہے، جس کو فقہ میں اعتبار ہے جیسا کہ البصائر حاشیہ اشباہ والنظائر میں ہے۔ اعتبار العرف ترجع الیہ فی الفقہ حتی جعلوہ اصلاً خامسًا والمراد بالعرف عرف المؤمنین مالم یخالف قواعد الشرّع۔ فان خالف فلا اعتبار بہ اصلا۔

اور عرف مومنین سے مراد عرف صلحای مومنین ہے جیسا کہ خزانۃ الروایات میں ہے المراد من التعارف تعارف الصلحاء من المومنین لا تعارف العامۃ الذین لا یفرقون بین الفث والثمین ولا یعرفون الشمال عین الیمین۔ انتہی۔

پس فواتح مذکورہ کا انکار خطا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ سید محمد عفا اللہ عنہ

من حررہ ھذا الجواب فقد سلک سبیل الرشاد والصواب

سید شاہ میر قادری کان اللہ لہٗ

هذا الجواب صحیح

سید محمد قادری رکن الدین ۱۲۹۴ھ عبدالہادی صاحب پیراں عفی عنہٗ

فضل اللہ سید قادری ۱۲۸۴ھ حنیف عفی عنہ

سید حسین قادری عبدالقادر علی

عبدالوھاب کان اللہ لہٗ

اصاب من اجاب فقیر سید محمد کمال الدین حسینی عفا اللہ عنہ وعن اسلامہ

عبدالحی عفا اللہ عنہٗ

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتوی نمبر (۶۵)

گل پوشی

سوال : نوشاہ کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنا، اور پھولوں کا ہار پہننے سے کفار کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے یہ خیال کرتے ہوے دعوت قبول نہ کرنا، اور مجلس عقد میں نوشاہ کو ہار پہنے ہوے دیکھ کر ہار نکلوانا اور اگر نہ نکالے تو مجلس سے ہی چلا جانا، یہ ساری باتیں ازروئے شرع کیسی ہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب :حامداً اللہ ومصلیاً ومسلماً علی رسولہ والہ وصحبہ۔

پھول کا ہار گلے میں ڈالنا جائز ہے، کیونکہ پھول کے ہار میں دو چیز ہیں ایک پھول، وہ تو انواع زینت ومنافع اور اقسام طیب سے ہے اور زینت ومنافع مباح اور طیب، پسندیدہ رب العالمین وسید المرسلین ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

قال اللہ تعالیٰ قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق ۔

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله يحب كل طيب الرائح وجيد الشياب وقال صلى الله عليه وسلم حبب الى من دينا كم ثلث النساء والطيب وقرة عينى فى الصلوٰة ۔اوردوسری ہیئت ہار کہ اس میں تشبہ بدوہی ہے جو مذموم چیز میں اور قصد تشبہ سے ہواور مذموم چیز شعار کفار ہے اور شعار علامت خاص کو قوم کے کہتے ہیں جو لباس وغیرہ میں ہوتی ہے، نہ عادات مشترکہ اقوام کو، مثل عادات باشندگاں ایک ملک یا یک بلد بعد اکثر باہم مشترک ہوتے ہیں خواہ جنس اکل وشرب میں خواہ لباس ومکانات میں اور پھول کا ہار شعار کفار سے نہیں ہے۔ بلکہ عادات مشترکہٗ اہل ہند سے ہے، کہ اہل اسلام وکفار یہاں کے اس کو اپنی شادیوں اور ضیافتوں وغیرہ محفل سرور میں استعمال کرتے ہیں۔اور بالفرض ہار اصل میں کفار سے ماخذ ہوتو بھی کچھ ضرر نہیں کیونکہ مسلمانان ہند بھی جب اس کو باعتبار اباحت اصلی استعمال کئے اور یہ استعمال ان میں شایع ہوگیا تو اب شعار کفار باقی نہ رہا، اور قصد تشبہ کا یہاں ممکن نہیں ہے کیونکہ کوئی مومن باوجود ہونے ہار گل عادات قوم اپنے سے حالت نکاح شرعی میں کفار سے کیونکر قصد تشبہ کا کریگا۔ پس پھول کا ہار منکر نہ ٹھہرا اور موانع اجابت دعوت سے نہ رہا۔ تو اس کے سبب سے اجابت دعوت جو سنت ہے یا مستحب ہے ترک کرنا اور بعد حاضر ہونے کے اس کو نوشہ کے گلے میں دیکھے تو نکلوانا، والا باوجود لزوم دعوت کے مجلس سے نکل جانا، بے جا ہے جیسا کہ اسناد اس کے یہ ہیں۔

مولانا حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہٗ اپنے فتاوے میں لکھتے ہیں:

موافق قواعد شرع شریف، چیزے کے مخصوص بہ کفار باشد مسلمانان آں را استعمال کند خواہ در لباس خواہ در چیزی دگر بطریق اکل وشرب داخل تشبہ است وممنوع وآنچہ مخصوص

بکفار نیست، گو کہ کفار آں را پیشتر استعمال می کنند و مسلمانان کمتر، پس مضائقہ ندارد و ہمچنیں اگر بعضی از امور مخصوصہ کفار بنابر آرام و بنابر فائدہ و خط استعمال کند بی آنکہ خود را متشبہ با انہا۔

سازند مضائقہ ندارد آری تشبیہے کہ ممنوع است مطلقاً آن است کہ خود را در حدو آنہا داخل کنند و استمالت قلوب بآنہا داشتہ باند و ہمچنیں تعلم لغت و خط ایشاں نبابر تشبہ البتہ ممنوع اما بنابر اطلاع بر مضامین ایشاں اگر تعلیم لغت کنند مضائقہ ندارد۔ وتشبہ در عبادات و داعیاد مطلقاً ممنوع است و احادیث واللہ برآں بسیار اند۔ غرض کہ تشبہ بآنہا ہر چونکہ باشد داخل منع است و ہمچنیں پوشیدن پوشاک ایشاں بنابر فائدہ بدنی مضائقہ ندارد۔ انتہیٰ۔

وافی الدرالمختار فان التشبیہ بھم لایکرہ فی کل شئی بل فے المذموم وفیما یقصد بہ التشبہ کمافی البحر۔

وفی الشامی قولہ لان التشبہ بھم لایکرہ فی کل شئی لانانا کل ونشرب کما یفعلون بحرعن شرح جامع الصغیر لقاضی خان یویدہ مافی الذخیرہ قبیل کتاب التحری قال ھشام رایت علی ابی یوسف نعلین مخسوفین ھمسا میر فقلت اتری بھذاالحدید بائسا قال لا قلت سفیان وثوربن مزید کرھا ذلك لان فیہ تشبھا بالرھبان فقال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ملبس النعال التی لھا شعروانھا من لباس الرھبان فقد اشارالیٰ ان صورۃ المشابھۃ فیما تعلق بد صلاح العباد لا یضرو فی المرقات تحت حدیث "من تشبہ نفسہ بالکفار مثلاً فے اللباس وغیرہ اور بالفساق

والفجار اوباهل التصوف والصلحاء الا برار فهو منهم، ای فی الاثم والخیر، قال لطیبی هذا عام فی الخلق والخلق والشعار۔ واذاكان الشعار اظهر فی التشبه ذكر فی هذاالباب قلت بل اشعار هوالمراد بالتشبه والخلد المعنوی لا یقال فیه التشبیه بل هو التقلید كذافی هوا شدمشكوٰۃ المطبوع وفی القاموس القوم نادوبشعارهم وجعلوا لا نفسهم شعارا وفی المرقات واللمعات تحت حدیث یتبع الدجال من یهود اصفهان سبعون الفاً علیهم الطیالسة قوله علیهم الطیابسة جمع فیلسان هو معرب تالسان هو ثوب معروف۔ فقد احتجابن القیم، علی ذم الطیلسان بهذا الحدیث وبما دوی عن انس رضی اللّٰه تعالیٰ عنه' انه رای جاعة علیه الطیلسان فقال ماشبه هؤ لاء یهود خیبرو اجاب عنه'۔ فی فتح الباری ان الطیلسان فی ذلك الوقت كان من شعار الیهم دفانكر ذلك انس ثم ارتفع فی هذه الا زمنة فتد خل فی عموم المباحات كذافی هوا مشوالمشكوٰۃ المطبوع وفی الهدایة وهذا كله بعد الحضور ولو علم قبل الحضور لا یحضر لا نه لم یلز مه حق الدعوۃ بخلاف ما اذاهم علیه لانه قدلزمه انتهی۔ واللّٰه اعلم بالصواب ٥ سید محمد عفا اللّٰه عنه۔

من حرر هذاالجواب فقد سلك سبیل الرشاد والصواب والمنازعة فیه مكابره۔ سیدشاہ میرقادری وکان اللہ ولوالدہ

ھذاالجواب صحیح سیدمحمدقادری رکن الدین ۱۲۹۴ھ، عبدالہادی صاحب پیراں عفی عنہٗ
فضل اللہ سیدقادری ۱۲۸۴ھ حنیف عفی عنہ، سیدحسین قادری، عبدالقادرعلی

اصاب من اجاب فقیر سید محمد کمال الدین حسینی عفا اللہ عنہ وعن اسلامہ

نوٹ: پھول کا ہار گلے میں خوشبو کی نیت سے ڈالا تو جائز ہے ہاں اگر اسکو لازم جانے تو یہ دوسری بات ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (٦٦)

نماز فجر، جمعہ اور عیدین کے بعد فاتحہ پڑھنا:

سوال: نماز فجر اور جمعہ اور تراویح وغیرہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ ولیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت اطہار اور حضرات صحابۂ کرام اور تمام مومنین اور مؤمنات کے نام پر فاتحہ پڑھنا۔

اور محفل نکاح میں ایجاب وقبول کے بعد اور کسی کارِ خیر ومباح کے شروع یا آخر میں فاتحہ سورۃ الاخلاص کے ساتھ یا سورۃ النصر کے ساتھ پڑھنا اور دعا کرنا اور ان فواتح کے وقت مجمع سے ایک شخص کا بآواز بلند الفاتحہ کہنا تا کہ حاضرین بھی اس عمل میں شریک ہوں، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :حامدًا ومُصلیًا ومسلمًا علیٰ رسوله واله وصحبه اجمعين۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اصحاب اور تمام مومنین ومومنات کے نام ایصال ثواب جائز اور مشروع ہے اور شریعتِ مطہرہ میں ضروریات وحاجات کے موقعہ پر دعا کرنے کی اجازت اور اس کا حکم ہے اور قرآن کریم کی تلاوت کرنا رحمتِ الٰہی کے نزول کا سبب اور خیر وبرکت اور ثواب جزیل کا باعث ہے، اور ام القرآن یعنی فاتحہ کی تلاوت کے بے شمار فوائد و برکات ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سورۃ الفاتحہ

پڑھنے کے بعد جو دعا کی جائیگی وہ مقبولِ بارگاہ ہوگی اور سورہ الاخلاص، سورۃ النصر اور دیگر سورتیں اور آیتیں اپنے اندر بے شمار خصوصیات رکھتی ہیں۔

فاتحہ کے اندر تعین اوقات بہ نیت خیر ہے اور وہ التزام ناجائز سے خالی ہے تو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں۔ اور التزام ناجائز کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو لازم اور ضروری خیال کریں اور کبھی اس کو ترک نہ کریں یا اس تعین میں ہی حصول ثواب یا زیادتی ثواب سمجھیں اور ترک کرنے میں عدم ثواب یا ثواب میں نقصان و کمی سمجھیں مثلاً کسی شخص کے انتقال کے تیسرے دن دعائے مغفرت اور صدقات و خیرات کے لئے مجلس فاتحہ منعقد کرنا صدقہ و خیرات اور دعائے مغفرت اور صدقات و خیرات اور دعائے مغفرت دوسرے دن ہو یا چوتھے دن یا کسی بھی دن ہو اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن یہ لازم کر لینا اور ضروری سمجھ بیٹھنا کہ انتقال کے تیسرے دن ہی زیارت کرنا چاہئے اس سے قبل یا بعد نہیں کر سکتے یا ثواب نہیں ہوگا یہ چیز ناجائز ہے۔

اور مجلس میں ایک شخص بآواز بلند الفاتحہ کہہ کر حاضرین کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لینے میں کارِ خیر کی طرف رہنمائی ہے اور مسلمانوں کے اجتماع کی برکت سے اجتماعی دعا مقبول ہونے کی امید ہے۔

''ردالمختار'' میں ہے کہ ہمارے فقہاء کا موقف یہ ہے کہ ایک شخص اپنے عمل کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچا سکتا ہے اور اس ثواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل کر سکتا ہے اور بلاشبہ آپ ﷺ اس بات کے زیادہ حق دار اور مستحق بھی ہیں کیونکہ آپ ہی کی ذات اقدس نے ہمیں گمراہی و ضلالت سے محفوظ رکھا۔ اور یہ ایصالِ ثواب آپ کی خدمت میں ایک طرح سے ھدیۂ تشکر اور تحفہ جمیل ہے اور آپ ﷺ کی ذات مقدسہ چونکہ

کامل ترین اور اشرف ترین ہے لہٰذا وہ زیادتی اور کمال کے قابل ہے۔

اور رزاروالاخرت: میں مرقوم ہے۔

ایصال ثواب اور عبادات بدنیہ سے تعلق رکھنے والے اعمال خیر (مثلاً نماز، روزہ، حج، ختم قرآن، درود، تسبیح، استغفار اور دعا وغیرہ) کا ثواب اور عبادات مالیہ سے تعلق رکھنے والے اعمالِ خیر (مثلاً غلام آزاد کرنا، زر، چاندی، پارچہ، غلہ، کھانا اور اس کے علاوہ دیگر چیزوں کے صدقہ) کا ثواب زندوں اور مردوں کو پہنچایا سکتا ہے۔ اور یہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک جائز ہے اور ان میں ہر ایک چیز کا ثواب ہر حال میں ان کو پہنچتا ہے اور اس مسئلہ میں تمام فقہا کا اتفاق ہے، چنانچہ اس کی تفصیل بحرالرائق، کنزالعباد، مختارالفتاوی، میں موجود ہے۔

مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم الدعاء ھو العبادۃ ثم قراء وقال ربکم ادعونی استجب لکم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دعا عبادت ہے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔ وقال ربکم ادعونی استجب لکم۔ تمہارے رب نے فرمادیا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کرونگا۔

نیز زبان نبوت نے فرمایا الدعا مخ العبادہ ، ۔ دعا عبادت کا خلاصہ اور مغز ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا ان الدعا ینفع مما نزل و ممالم ینزل فعلیکم عباد اللّٰہ بالدعا۔ دعا ہر اس چیز میں نفع بخش اور سودمند ہے جو پیش آ چکی ہے اور جو پیش نہیں آئی۔ لہٰذا اے بندگانِ خدا! تمہیں چاہئے کہ ہر حالت میں دعا کرتے رہیں۔

اور مدراج النبوۃ میں تحریر ہے۔

جس جگہ میں قرآن کریم ہے وہ نزول رحمت و برکت کی جگہ ہے۔

اور مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے قال رسول اللہ ﷺ من قرأ حرفامن کتاب اللہ فله به حسنة والحسنة بعشرامثالها، اقول الم حرف الف حرف ولام حرف و میم حرف ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا تو اس کے لئے ایک نیکی دس گونہ اجر و ثواب کی حامل ہے۔لہٰذا الم ایک ہی حرف نہیں ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

اور منادی نے مفتاح الکنوز: میں لکھا ہے کہ فاتحہ جس غرض اور مقصد کے لئے پڑھی جائیگی وہ اسی کے لئے ہے۔حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب ''تفسیر عزیزیہ'' میں ابوشیخ کی کتاب ''الثواب'' سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جس شخص کو بھی کوئی ضرورت اور حاجت پیش آئے تو اس کو چاہئے کہ سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کرے اور اس کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اس کی ضرورت پوری ہوگی۔ انشاءاللہ۔

اور ابونعیم اور دیلمی نے حضرت ابوالدرداء سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس قدر سورہ فاتحہ نفع پہنچانے والی ہے اس قدر قرآن کی کوئی دوسری سورت نہیں۔

اور امام وکیعؒ کی تفسیر اور ابن انباری کی کتاب ''المصاحف'' اور ابوشیخ کی کتاب ''کتاب العظمۃ'' اور ابونعیم کی حلیۃ الاولیاء میں مرقوم ہے کہ ابلیس کو اس کی زندگی میں چار مرتبہ نوحہ وزاری اور سر پر خاک ڈالنے کا اتفاق پیش آیا، پہلی مرتبہ جب اس پر لعنت ہوئی۔ دوسری مرتبہ جب اسکو آسمان سے زمین پر پھینک دیا گیا۔ تیسری مرتبہ جب

رسول کریم ﷺ کی بعثت ہوئی۔اور چوتھی مرتبہ جب ''سورۃ الفاتحہ'' نازل ہوی۔

عبد بن حمید نے اپنی ''مسند'' میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے۔''سورۃ الفاتحۃ ثواب میں قرآن کریم کے دوثلث (تین حصوں میں سے دو حصے) کے برابر ہے۔ نیز مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیزیہ میں سورۃ الاخلاص کے فضائل میں تحریر کیا ہے کہ حدیث شریف میں اس سورۃ کو ثلث قرآن (قرآن کا تیسرا حصہ) قرار دیا گیا ہے۔اور اس کے پڑھنے کو قرآن کریم کے ثلث حصہ کی تلاوت کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔

اور تفسیر بیضاوی: میں ہے عنہ ﷺ من قرأ سورۃ اذاجاء اعطی من الاجر کمن شهد مع محمدؐ یوم فتح مکۃ ۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص سورۃ اذاجاء کو پڑھے تو اس کو ثواب اس شخص کی طرح دیا جائیگا جو فتح مکہ کے دن رسول کریم ﷺ کے ساتھ رہا۔

اور مولانا ابوالبرکات رکن الدین محمد تراب علی لکھنوی جنکا شمار ہندوستان کے مشاہیر علمائے کرام میں ہوتا ہے۔انہوں نے اپنی کتاب ھدایۃ النجدین الی مسائل العیدین میں تحریر کیا ہے کہ سفر سے آنے کے بعد یا اس کے بغیر بھی جب مصافحہ اور معانقہ مسنون ہے تو عید کے دن میں بھی مصافحہ اور معانقہ جائز ہے جیسا کہ ہندوستان کے شہروں میں اس کا رواج ہے۔

اس کے لئے وہ حکم (مطلق مصافحہ) جسکی اصل شریعت میں ثابت ہو اس کا وقت خاص میں تعین کرنا اس لئے جائز ہے کہ یہ وقت خاص (بعد عید) اس اصل کے ثبوت کے اوقات میں داخل ہے۔وجہ یہ کہ جب کسی شئی کی اصل ہر وقت میں مشروع

(وہ کام جو شریعت کے موافق ہو) ہو تو پس وہ وقت معین بھی ان مطلق (وقت) کا داخل ہونے کی وجہ سے اور ظاہر ہے کہ مطلق (مصافحہ) کا ہر وہ فرد جو خارجی تشخص اور تعین کے اعتبار سے متحقق وثابت ہو (مثلاً مصافحہ عیدین کی نماز کے بعد) تو اس مطلق کے تحقق کا مانع نہ ہوگا ورنہ فرد میں مطلق کا تحقق متمنع ہو جائیگا جیسا کہ یہ آپ پر واضح ہے۔

اور شرعاً وقت کا جو تعین ممنوع ہے وہ، وہ تعین ہے جو مطلق (مثلاً مصافحہ) کے تحقق کا اس معین (عیدین کے بعد مصافحہ) کے غیر میں مانع ہو جس کا تعین رسول کریم ﷺ سے ثابت ہوا ہو۔

مقصد کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم شرعی دو قسم پر ہے مقید اور مطلق اور مفید میں اس قید کی رعایت ضروری ہے جو شارع علیہ السلام سے ثابت شدہ ہو اور اس قید کا تبدیل کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ مطلق کے برخلاف کہ اس میں قید کی رعایت وخصوصیت شارعؑ کی طرف سے ثابت نہیں ہے بلکہ اس کا ہر ایک فرد (مطلق ہو یا مقید) مطلق کے تحقق کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر اس کی وضاحت یہ ہے کہ احکام شریعت میں سے کوئی حکم اوقات مطلق میں شروع ہوگا جیسے اموات کے نفع کے لئے عبادات مالیہ ااور عبادات بدنیہ کا ثواب پہنچانا لہٰذا روز سوم کا تعین اگر اس لحاظ سے ہے کہ میت موت کے اوقات کے قریب میں، اور قبر کی ظلمت کی وجہ سے اور اس کی تنگی و وحشت کی وجہ سے اور ملائکہ سوال وجواب کی وجہ سے ایصال ثواب کے زیادہ محتاج ہوتی ہے تو ایسی صورت میں اعمال خیر مثلاً تلاوت قرآن کا ثواب اور ان اوقات میں صدقات معینہ کے پہنچانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اگر یوم کا تعین اس لحاظ سے ہے کہ اس معین دن میں ہمیں ان اعمال کو بجالانا

چاہئے اس کے علاوہ دوسرے دنوں میں جائز نہیں تو ظاہر ہے کہ یہ نیت باطل ہے کیونکہ اس صورت میں نئی شریعت کی تشکیل کرنا اور حدود الٰہیہ کا تغیر کرنا لازم آئے گا جو کہ قطعاً ممنوع ہے۔

عرض مذکورۃ الصدر مقررہ قاعدہ کے اعتبار سے مصافحہ اور معانقہ عیدین کے روز جائز ہے اس کو بدعت سیئہ میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔

اس مطلب کی وضاحت کے لئے یہ مثال کافی ہوگی کہ وعظ ونصیحت سارے اوقات میں مستحب اور موکد ہے۔اس کام کے لئے ہفتہ کے دنوں میں سے کسی ایک دن کو خاص کرنا اور ماہ وسال کی تاریخوں میں سے کسی ایک تاریخ کو خاص کرنا جائز ہے جیسا کہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود وعظ کے لئے جمعرات کا دن مخصوص کرر کھے تھے چنانچہ امام بخاری نے اس مسئلہ میں ایک علیحدہ باب باندھا ہے عن ابی وائل قال کان عبداللہ یزکرالناس فی کل خمیس ۔حضرت ابی وائل سے مروی ہے کہ عبداللہ بن مسعود ہر جمعرات لوگوں کو وعظ ونصیحت کیا کرتے تھے۔

اور حضرت مولانا شیخ محمد محدثؒ نے مفتاح الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ اگر سنت نماز کے بعد سرور کائنات ﷺ پر فاتحہ پڑھیں تو یہ بدعت حسنہ ہے۔اور فتاوی عالمگیریؒ میں مرقوم ہے نماز کے علاوہ اوقات میں بلند آواز کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت افضل ہے اور فرض نماز کے بعد عظیم مہمات کے لئے اجتماعی حیثیت سے فاتحہ آہستہ پڑھنا یا بلند آواز کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے اور حضرت مولانا قاضی بدیع الزماں کا موقف یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔اور حضرت مولانا قاضی امام جلال الدین کا موقف یہ ہے کہ جس فرض نماز کے بعد سنت ہے تو اس میں فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے (ظہر، مغرب اور عشاء) اور جس

نماز کے بعد سنت نہیں ہے اس میں فاتحہ پڑھنا مکروہ نہیں ہے (فجر اور عصر) جیسا کہ تاتارخانیہ میں مذکور ہے۔

اسی کتاب میں ہے کہ لوگ جمع ہوتے ہیں اور دعا کے لئے فاتحہ بلند آواز کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ ایسا فعل ہے کہ عادۃً انہیں منع نہیں کیا جاسکتا ہے لیکن بہتر اچھا یہ ہے کہ آہستہ پڑھیں۔

نیز اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ مجلس میں ختم قرآن کے وقت حاضرین کا بلند آواز کے ساتھ سورۃ الاخلاص پڑھنا کوئی قبیح فعل نہیں ہے لیکن بہتر اور اولیٰ یہ ہے کہ ایک شخص پڑھے اور سارے لوگ سنیں جیسا کہ فقہ کی کتاب ''قنیہ'' میں تحریر ہے۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے الدال علی الخیر کفاعله ۔خیر و بھلائی کی جانب رہنمائی کرنے والا بھی اس خیر کو انجام دینے والے شخص کے مانند ہے۔

صاحب حصن حصین قبولیت دعا کے احوال میں رقمطراز ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد اور تلاوت قرآن کے بعد اور مسلمانوں کے اجتماع میں دعا کرنے سے اس کی مقبولیت کی امید ہے۔

سورۃ الفاتحہ اور دیگر سورتوں کے یہی وہ فوائد و برکات تھے جن کی وجہ سے بزرگانِ کرام اور اہل صلاح حضرات اوقات مخصوصہ میں فاتحہ پڑھا کرتے تھے اور یہ حضرات اپنے اپنے وقت کے امام، قامعِ بدعت، متبع سنت اور جامع شریعت و طریقت تھے۔ چنانچہ تذکرۃ الاولیاء میں حضرت احمد بن خضرویہ بلخی کے تذکرہ میں ہے جو امام احمد بن حنبل کے طبقے میں تھے ایک مرتبہ آپ ایک خانقا میں بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس اور صوفیوں کی رسم سے فارغ وظائف حقیقت میں مشغول ہوکر تشریف لے گئے۔ خانقاہ

کے اصحاب نے ان پر نگاہ ڈالی اور اپنے شیخ سے کہا۔ یہ اہل خانقاہ میں سے نہیں ہے۔ ایک روز حضرت احمد بلخی کنویں پر گئے اور اس کا ڈول کنویں میں گرادیا اس پر خادم نے آپ کو سخت جھڑکی دی آپ شیخ خانقاہ کے پاس آئے اور کہا فاتحہ پڑھئے تا کہ ڈول کنویں سے نکل آئے شیخ سوچ میں پڑ گئے کہ یہ تو عجیب التماس ہے۔ اس توقف کو دیکھکر احمد بلخی نے کہا اگر آپ فاتحہ نہیں پڑھتے ہیں تو مجھے اجازت دیجئے کہ میں خود ہی پڑھوں شیخ نے اجازت دے دی۔ احمد بلخی نے فاتحہ پڑھی اور ڈول کنویں کے اوپر آ پہنچا شیخ نے جب یہ منظر دیکھا تو احمد بلخی کے سر پر ٹوپی پہنادی اور فرمایا۔ اے نوجوان تو کون ہے؟ ہمارے جاہ وجلال کا خرمن تیرے دانہ کی برابری میں سوکھی گھاس بن چکا ہے۔ احمد بلخی نے کہا شیخ آپ اپنے دوستوں سے کہئے کہ مسافروں کو چشمِ حقارت سے نہ دیکھیں بس میں اپنی راہ لے رہا ہوں۔

اور حضرت شیخ سعدیؒ اپنی کتاب بوستان میں لکھتے ہیں۔

دگر رفت وایثار خیرش نماند نشاید پس مرگش الحمد خوان

دوسرا شخص مرگیا اور اس کی بزرگی اور فیاضی باقی نہ رہی لہٰذا ایسے بخیل کی موت پر فاتحہ نہیں پڑھنا چاہئے۔

حضرت شیخ احمد سرھندی مجدد الف ثانیؒ مکتوبات کی جلد سوم کے ۴۷ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں ہر چند کہ یہ حقیر وکم ترین اس قابل نہیں کہ وہ اپنے آپ کو کسی کے حق میں دعا کرنے کا اھل خیال کروں لیکن محض بزرگوں کے نام کی برکت وتاثیر سے اور دعا قبول ہونے کی امید پر اپنے آپ کو دعا سے علیحدہ نہیں رکھتا ہوں اور زبانِ حال اور قال سے دعا اور فاتحہ کے ذریعے رطب اللسان رہتا ہوں ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اسی مکتوب میں رقمطراز ہیں۔

آپ حضرات کرام کے الطاف وعنایات سے امیدوار ہوں کہ اوقاتِ مستجاب میں خیر وسلامتی فاتحہ اور حسن خاتمہ کی دعا سے یاد فرمائیں گے۔گرامی قدر مخدوم زادوں سے بھی فقیر زادے دعا کی گذارش کرتے ہوئے فاتحہ کی درخواست پیش کرتے ہیں۔

مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب الانتباہ فی سلاسل الاولیاء میں تحریر کرتے ہین فاتحہ پڑھا اوراسکے ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے پکڑتے ہوے بیعت لی،۔

اسی کتاب میں ختم خواجگان چشت میں لکھتے ہیں۔

ختم خواجگان پورا کرنے کے بعد تھوڑی بہت شیرینی پر تمام بزرگوں کی ارواحِ طیبات پر فاتحہ پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت وضرورت کی تکمیل کے لئے دعا کریں۔اوراس طرح ہرروز فاتحہ اور دعا کا اہتمام کریں۔

حضرت مولانا مرزا مظہر جانجان شہیدؒ کے مکتوبات میں ہے کہ اس سلسلہ کے مشائخ کرام کی ارواحِ طیبات پر فاتحہ پڑھتے اوراس کے بعد ہاتھ پکڑ کر توبہ کراتے۔ پھر خیر و برکت کے واسطے فاتحہ پڑھتے۔ بہرکیف جس نیت اور مقصد کے تحت پڑھیں پہلے ایک بار ہاتھ اٹھا کر سورہ فاتحہ پڑھنا چاہئے اور فاتحہ پڑھنے کے بعد اس ختم کا ثواب بزرگوں کی ارواح پر پہنچانا چاہئے جن کی جانب یہ ختم منسوب ہے۔

اور حضرت مجدد الف ثانی کے ختم میں بھی یہی معمول ہے۔نماز جمعہ کے بعد دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوے بلند آواز کے ساتھ فرمایا کرتے تھے فاتحہ علی حضرت النبی ﷺ وعلی ابی بکرنا وعمرنا وعثماننا وعلینا رضی اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین ۔اس کے بعد فاتحہ پڑھتے اور حاضرین بھی اس سورۃ کے پڑھنے میں آپ کی

متابعت کرتے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں فقیر کے گھر تمام سال میں دو مجلسیں (مجلس ذکر وفات شریف ﷺ و مجلس شہادت حسنین علیہما السلام) منعقد ہوتی ہیں اس کے بعد ختمِ قرآن اور پنج آیات پڑھتے ہوئے ماحضر (شیرینی وغیرہ) پر فاتحہ پڑھی جاتی یہ تمام چیزیں جس طرح کہ ذکر کی گئی ہیں اگر جائز نہ ہوتیں تو یہ فقیر ہرگز ان کو انجام نہیں دیتا۔

حاصل کلام! فواتح مذکورہ مندرجہ بالا طریقہ کی روشنی میں قواعد شرعیہ کے خلاف اور منافی نہیں ہیں اور بلا کراہت جائز ہے، اور کثیر فوائد و برکات پر مشتمل ہیں۔ اس کے ساتھ حرمین شریفین اور دیگر شہروں کے صلحاء اور اتقیاء کا عرف بھی ہے جس کا فقہ میں اعتبار ہے جیسا کہ البصائر حاشیہ اشباہ والنظائر میں ہے اعتبار العرف ترجع الیه فی الفقه حتی جعلوه اصلاً خامساً والمراد بالعرف عرف المومنین مالم یخالف قواعد الشرع فان خالف فلا اعتبار به اصلا ۔ فقہ میں عرف کا اعتبار ہے حتی کہ وہ ادلہ شرعیہ میں سے پانچویں اصل ہے اور عرف سے مراد مومنین کا عرف ہے جو قواعد شریعت کے خلاف نہ ہو اگر وہ خلاف شرع ہے تو ہرگز اس کا اعتبار نہیں۔

اور خزانۃ الروایات میں ہے کہ عرف مومنین سے امت کے صلحا اور اتقیاء کا عرف مراد ہے۔ عام لوگوں کا عرف نہیں جو کھرے کھوٹے اور صالح اور فاسد کے درمیان امتیاز نہیں کر پاتے اور نہ سیدھا اور بایاں پہچان سکتے ہیں، لہٰذا فواتح مذکورہ کا ردو انکار غلطی اور خطا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

کتبۂ حضرت مولانا سید شاہ محمد قادری ویلوری۔

۱) جواب ھذا صحیح ہے۔ حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری ویلوری رحمۃ اللہ علیہ صاحبزادۂ حضرت قطب ویلورؒ۔

۲) اس جواب کے صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ حضرت مولانا الحاج عبدالحیٔ قادری واعظ بنگلوری خلیفۂ حضرت قطب ویلورؒ۔

۳) یہ جواب صحیح اور درست اور بے شک اس مسئلہ میں جھگڑا کرنے والا غلطی پر ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالوھاب قادری خلیفۂ حضرت قطب ویلور، بانی مدرسہ باقیات صالحات، ویلور۔

۴) یہ جواب صحیح ہے۔ حضرت مولانا حنیف صاحب قادری خلیفہ حضرت قطب ویلورؒ

۵) مجیب صواب سے ہم کنار ہے۔ حضرت مولانا سید شاہ فضل اللہ قادری خلیفہ حضرت قطب ویلور، سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ

۶) ھذا الجواب صحیح مولانا سید حسین قادری

۷) یہ جواب درست ہے۔ مولانا عبدالقادر علی۔

۸) جس نے یہ جواب دیا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ عبدالھادی صاحب پیراں

۹) یہ جواب صحیح ہے۔ حضرت مولانا سید محمد کمال الدین حسینی۔

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر(٦٧)

گل پوشی نوشاہ در مجلس نکاح

سوال

نوشاہ کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنا، اور پھولوں کا ہار پہننے سے کفار کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے یہ خیال کرتے ہوئے دعوت قبول نہ کرنا، اور مجلس عقد میں نوشاہ کو ہار پہنے ہوئے دیکھ کر ہار نکلوانا اور اگر نہ نکال سکے تو مجلس سے ہی چلا جانا، یہ ساری باتیں ازروئے شرع کیسی ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامداً اللّٰہ مصلیا ومسلماً علی رسولہ والہ وصحبہ اجمعین۔

پھولوں کا ہار گلے میں ڈالنا جائز ہے۔ کیونکہ پھول کے ہار میں دو چیزیں ہیں ایک تو پھول ہے، جو زینت ومنافع کی اقسام اور خوشبو وطیب ومحبوب و پسندیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

قل من حرم زینة اللّٰہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق (الانعام)۔

آپ کہئے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہے۔ کس نے حرام کر دیا۔ اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو یعنی اللہ کی جائز کی ہوی نعمتوں کو حرام کر دینے کا حق کس مخلوق کو حاصل ہے؟ ظاہر ہے کہ کسی کو نہیں اور جو لوگ اس میں مبتلا ہیں۔ وہ گناہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ تفسیر ماجدی)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم حبب الی النساء والطیب وقرة عینی فی الصلوٰة ۔ازواج مطہرات، خوشبو اور

نماز میرے لئے یہ چیزیں مرغوب اور محبوب بنادی گئی ہیں۔

اور دوسری چیز ہار کی ہیئت ہے اور اس سے کفار کے ساتھ مشابہت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ مشابہت بدوہی ہے جو مذموم چیز میں ہو اور تشبہ کا قصد ہوا، اور مذموم چیز میں شعار کفار ہے اور شعار قوم کی علامت خاص کو کہتے ہیں جو لباس وغیرہ میں ہوتی ہے، اور قوموں کی عادات مشترکہ کو شعار نہیں کہا جائے گا۔ جیسے ایک ملک یا ایک شہر کے باشندوں میں بہت سی عادتیں باہم مشترک ہوتی ہیں۔خواہ ان عادات کا تعلق کھانے پینے سے ہو یا مکانات اور لباس سے ہو۔اور پھولوں کا ہار پہننا یہ کفار کا شعار نہیں ہے بلکہ عام ہندوستانیوں کے عادات مشترکہ سے ہے، چنانچہ یہاں کہ مسلمان اور ہنود و دیگر قومیں اس کو اپنی شادی اور دیگر خوشی ومسرت کی مجلسوں میں استعمال کرتے ہیں۔اور بالفرض اصلاً ہار پہننے کی رسم مسلمانوں نے کفار سے اخذ بھی کی تو ایسی صورت میں بھی کچھ ضرر نہیں کیونکہ مسلمانان ہند نے اس کو اباحت اصلی کے اعتبار سے استعمال کیا ہے (اور یہ فقہی اصول اور ضابطہ ہے کہ ہر چیز اپنے اصل کے لحاظ سے اباحت کا درجہ رکھتی ہیں۔ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ) اور جب اس کا ااستعمال مسلمانوں میں شائع اور ذائع ہو گیا تو اب کفار کا شعار باقی نہیں رہا اور اس میں تشبہ کا قصد بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ ہار ہندوستانیوں کی عادت سے تعلق رکھنے کے باوجود کوئی بھی مسلمان اس سے حالت نکاح شرعی میں کفار سے تشبہ اور مشابہت کا قصد نہیں کرسکتا ہے۔

لہٰذا پھولوں کا ہار پہننا منکرات اور غیر شرعی کاموں سے نہیں ہے۔اور دعوت قبول کرنے کے لئے مانع نہیں ہے، دعوت قبول کرنا سنت یا مستحب ہے محض ہار کی وجہ سے دعوت قبول نہ کرنا اور مجلس نکاح میں حاضر ہونے کے بعد نوشاہ کے گلے سے ہار

نکلوانے کی کوشش کرنا اور ہار نہیں نکالا گیا تو مجلس سے چلا جانا، یہ تمام بے جا تشدد اور انتہا پسندی ہے۔ درمختار میں ہے۔

دوسری قوموں کے ساتھ ہر چیز میں تشبہ مکروہ نہیں ہے بلکہ شئی مذموم میں تشبیہ اور مشابہت مکروہ ہے اور اس چیز میں مکروہ ہے جس میں دوسری قوموں کے ساتھ مشابہت کا قصد کیا جائے۔ جیسا کہ بحر میں ہے۔

اور شامی: میں بحر کا یہ قول کہ ہر چیز میں مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ ہم بھی کھاتے پیتے اور وہ بھی کھاتے پیتے ہیں (شرح جامع الصغیر لقاضی خان)

اور ذخیرہ کی عبارت جو کتاب التحری سے ذرا آگے ہے وہ بھی اس کی تائید کر رہی ہے۔

ہشام کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف کو دیکھا جو میخوں سے ٹھونکے ہوئے نعلین پہن رکھے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کیا آپ اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں سمجھتے؟ فرمایا، نہیں! اس پر میں نے عرض کیا کہ سفیان اور ثور بن یزید تو اس کے استعمال کو مکروہ قرار دیتے ہیں کیونکہ اس میں نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہے۔ اس پر ابو یوسف نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعال پہنتے تھے جس میں بال رہتے اور بلاشبہ یہ نصاریٰ کا لباس ہے۔

غرض ابو یوسف نے اس بیان کے ذریعہ یہ حقیقت واضح کردی کہ جن چیزوں کے اندر لوگوں کی صلاح و بہبودی اور فائدہ ہے ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

مرقات میں حدیث من تشبّہ بقوم فھو منھم (جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کرلی وہ ان ہی میں سے ہے) کے تحت یہ وضاحت ہے جو اپنے کو کفار

کے ہم شکل اور مشابہہ بنالے (مثلاً لباس وغیرہ میں، یا فساق وفجار یا صلحاء واتقیاء کے ہم شکل) تو اس کا شمار ان ہی میں ہوگا گناہ اور خیر کے معاملہ میں۔

علامہ طیبیؒ نے لکھا ہے کہ

تشبہہ خَلق، خُلق اور شعار تینوں میں عام ہے اگر چہ کہ شعار میں تشبہ زیادہ نمایاں ہے اور تشبہ شعار ہی میں مراد ہے غیر شعار مراد نہیں۔ کیونکہ ظاہری صورت میں تشبہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور اخلاق میں تشبہ کا لفظ نہیں بولا جاتا بلکہ تخلیط کہیں گے جیسا کہ اسکی تفصیل مشکوٰۃ کے حاشیہ میں درج ہے۔

قاموس میں ہے قوم اپنی مخصوص علامت اور اپنے شعار سے پکاری جائیگی جو اس نے اپنے لئے اختیار کیا ہے۔

المرقات واللمعات : میں یتبع الدجال من یهود اصفهان سبعون الفًا علیهم الطیالسته (اصفہان کے ستر ہزار یہودی دجال کی اتباع کریں گے جن کے جسم پر طیالسۂ نامی کپڑا رہیگا۔) کی حدیث کی تشریح میں مذکور ہے طیالسہ طیلسان کی جمع ہے جو تالسان سے معرب ہے اور یہ مشہور ومعروف کپڑے کا نام ہے علامہ ابن قیم نے اس حدیث سے طیلسان کی مذمت پر استدلال کیا جو حضرت اُنس سے مروی ہے انــــه رای جماعة علیه الطیلسان فقال ماشبه هولاء بیهود خیبر :انہوں نے ایک جماعت کو دیکھا جن کے بدن پر طیلسان کپڑا تھا اس پر فرمایا یہ تو خیبر کے یہودیوں کے ساتھ مشابہت ہے۔

فتح الباری میں اس کا جواب یہ مرقوم ہے طیلسان اس زمانے میں یہودیوں کا شعار تھا جس کی وجہ سے حضرت انسؓ نے اس کے استعمال سے منع کیا پھر بعد کے ادوار میں

یہ یہودیوں کا شعار نہ رہا اور اس کا استعمال عام ہو گیا تو یہ عمومی مباحات میں داخل ہو گیا۔

اور فقہ کی مشہور و معروف اور درسی کتاب ھدایہ میں ہے جس مجلس میں لہو ولعب ہو اسمیں بیٹھنا نہیں چاہئے۔ اور اگر جانے سے اس واسطے کہ حق دعوت اس پر لازم نہیں ہوا، برخلاف اس کے جب وہاں پہنچ کر اچانک یہ امور لہو ولعب اس کو معلوم ہوئے کیونکہ حق دعوت اس پر لازم ہو چکا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ

حضرت مولانا مولوی الحاج سید شاہ محمد قادری علیہ الرحمہ داماد و ہمشیر زادہ حضرت قطب ویلورؒ

ھوالجواب صحیح شمس العلماء حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری ویلوری صاحبزادۂ قطب ویلورؒ

نوشاہ پھول کا ہار گلے میں خوشبو کی نیت سے ڈالے تو جائز ہے ہاں اگر اسکو لازم جانے اور اسکے بغیر نکاح نہ ہو سکے تو یہ جائز نہیں۔

حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالحیٔ قادری بنگلوری، خلیفہ حضرت قطبؒ ویلور۔

یہ جواب صحیح و درست ہے اور اس مسئلہ میں جھگڑا کرنے والا غلطی پر ہے۔

حضرت مولانا مولوی شاہ عبدالوہاب قادری، خلیفہ حضرت قطبؒ ویلور، و بانی مدرسۂ باقیات صالحات، ویلور۔

یہ جواب درست ہے۔ حضرت مولانا مولوی سید فضل اللہ صاحب قادری، سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

یہ جواب صحیح ہے۔ مولانا مولوی محمد حنیف قادری،، خلیفہ حضرت قطبؒ ویلور۔

بے شک یہ جواب درست ہے۔ عبدالہادی صاحب پیراں

الجواب صحیح   مولانا عبدالقادر علی

جس نے یہ جواب تحریر کیا ہے ٹھیک اور درست ہے۔مولانا سید محمد کمال الدین حسینی

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتاویٰ
اساتذۂ دارالعلوم لطیفیہ

فتویٰ نمبر (٦٨)

کیرالا کی مساجد قبلہ رخ ہیں یا نہیں؟

مفتی مولانا احمد کویا شالیاتی ملیباری

مترجم مولانا پی، محمد ابوبکر لطیفی ملیباری

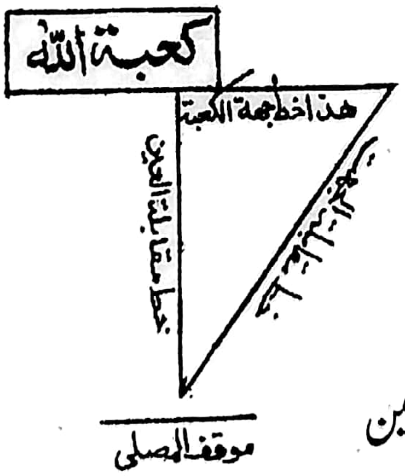
حضرت مولانا مولوی احمد کویا صاحب شالیاتی ملیباری رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز میں معقولات ومنقولات کی تحصیل وتکمیل کی اور اسی دارالعلوم میں درس وتدریس میں مشغول رہے۔ نیز آپ قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین مولانا مولوی اعلیٰحضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری مکی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ بھی تھے۔ موصوف کی عرفانی علمی ادبی اور اصلاحی خدمات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں آپ نے زندگی کا ایک ایک لمحہ دینی وعلمی خدمات میں صَرف کیا۔ آپ مختلف فنون وعلوم میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔

آپ کے دور میں کیرالا کے بعض شرپسند عناصر نے وہاں کی مساجد کو سمتِ قبلہ کی طرف ہونے سے انکار کیا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ کوئی مسجد قبلہ رُو نہیں ہے تو اس دعوے کو حرف غلط کی طرح مٹانے کے لئے مولانائے موصوف نے ایک کتاب جو خیرۃ الادلۃ فی ھدی استقبال قبلہ تصنیف فرمائی۔ جس میں کعبۃ اللہ کی اہمیت اور عین و جہت دونوں کو نقوش کے ساتھ پیش کیا ہے۔

مقدمہ میں حضرت موصوف نے قبلہ کی ماہیت اور عین و جہت پر بحث فرماتے ہیں کہ استقبال'' کسی چیز کا سامنا ہونا اور مرکز توجہ ہونا بتایا ہے۔ ''عین'' ہر شی کا اپنی ذات

اور نفس کا ہونا ہے۔ جہت، ہر شئی کی جانب اور طرف کا ہونا ہے۔ جس کی مثال جسم انسانی کے جہات سے بیان کی ہے۔ چنانچہ جسم انسانی کے کل چھ جہات ہیں۔ اول انسان کا سر، جسکے مقابل اس کے پیر ہوتے ہیں۔ جس سے فوق وتحت کے جہات معلوم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح دونوں ہاتھ، جس سے یمین وشمال ثابت ہوتے ہیں۔ اب رہی پیٹ اور پیٹھ جس سے امام اور خلف یعنی آگے پیچھے کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح کعبہ کے بھی جہات ہوتے ہیں۔

اعلم ان معنى استقبال عين القبله المعتبرى فى الصلوٰة ان يقف المصلى بحيث لو خرج قطر رأسه الخارج من بين عينيه الذى هو ملتقى العصبتين النابتين من مقدم الدماغ الذى هو مجمع النورالىٰ سطح الكعبة لا تصل الخط بسطحها اتصالا يقينا اوظنينا بحيث يحصل من جانبى الخط زاويتان قائمتان بفرض خطوط موازية لموقف المصلى هذا مااشاراليه حجة الاسلام والمسلمين فى احياء علوم الدين بقوله ومعنى مقابلة العين ان يقف موقفا لوخرج خط مستقيم من بين عينه الى جدارالكعبة لاتصل به وحصل من جانبى الخط زاويتان متساويتان وهذه صورته۔



كعبة الله

هذا خط جهة الكعبه

خط مقابلة الجهت

خط مقابلة العين

موقف المصلی

مذکورۂ بالا عبارات اور نقشہ سے حضرت موصوف نے معنی استقبال عین قبلہ واضح فرمایا ہے۔ یعنی استقبال عین قبلہ کا معنی مصلی اس حیثیت سے متوجہ ہو کہ قبلہ کی سطح پر اس کا مجمع النور کا اتصال ہو۔ یعنی انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان جو حصہ ہے اسکو مجمع النور کہا جاتا ہے، اتصال یوں ہو کہ ایک لکیر فرضی طور پر جدارِ کعبہ سے ٹکرائے اس حیثیت سے کہ اس لکیر کے دونوں جانب سے دوزاویۂ قائمہ حاصل ہو جائیں۔ اس چیز کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''احیاء علوم الدین'' میں لکھتے ہیں کہ عین قبلہ کا تقابل ایسے ہو کہ مصلی کے آنکھوں کے درمیان سے ایک سیدھی لکیر کعبہ کے دیوار کے طرف ہو جائے، اور اس ایک خط کے دونوں جانب سے دو سیدھے زاوئے حاصل ہوں۔

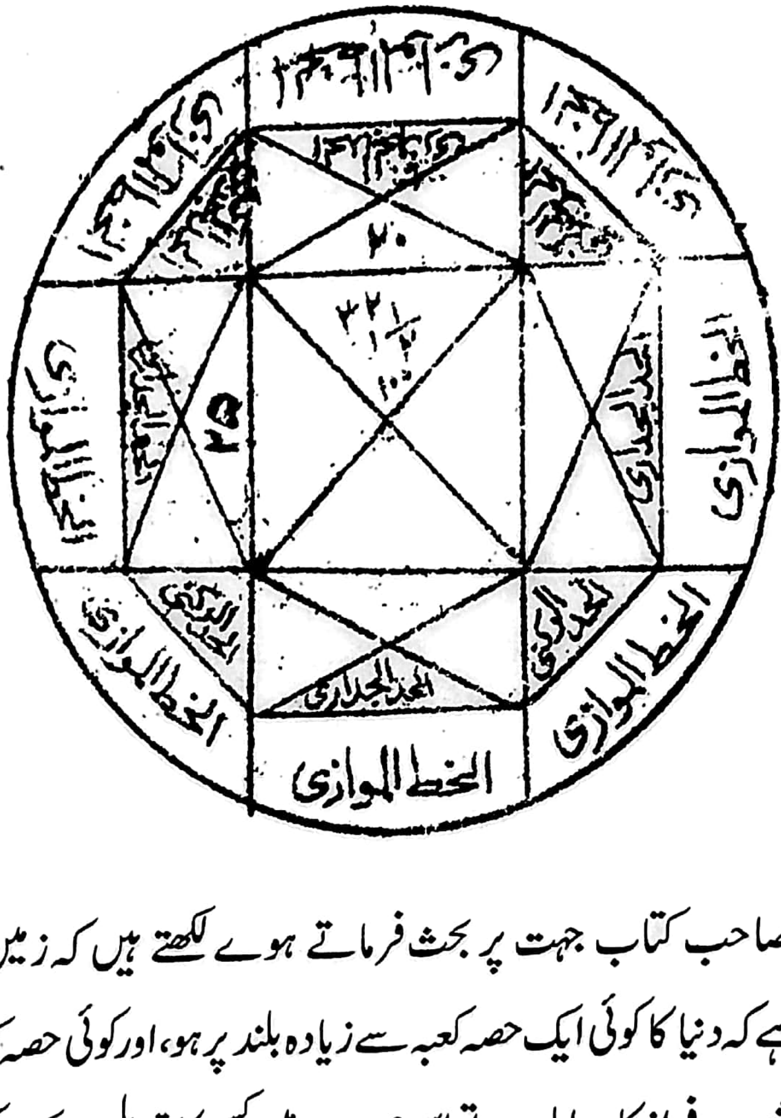
اس جگہ کعبۃ اللہ کے عرض وطول کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کیونکہ موصوف نے عرض وطول سے استقبال کا ایک اور انوکھا طرز اختیار فرمایا ہے۔ کعبۃ اللہ کی لمبائی پچیس ۲۵ ہاتھ ہے اور چوڑائی بیس ۲۰ ہاتھ ہے اور اگر فرض کریں۔ ایک لکیر کھینچی جائے۔ کعبۃ اللہ کے گوشوں میں سے کسی ایک قابل گوشے کی طرف تو دو مثلث ظاہر ہوتے ہیں۔ ہر ایک ضلع سے دوسرے ضلع کے ساتھ برابر ہوتا ہے تو اس صورت میں ایک قاعدہ کلیہ ہوتا ہے۔ دونوں مثلث سے بتیس ۳۲ ہاتھ اور پندرہ جز ہزار سے یا کچھ کم و بیش جس طریقے سے نیچے دیئے ہوئے شکل عروضی میں ظاہر ہے۔ پس جب ہم زیادہ کریں اس کے گوشوں سے دو لمبی لکیروں کو جو مقابل میں دائرہ افق کی جانب نیز اس طرح دو مقابل لکیروں کو کھینچا جائے چوڑائی میں اور اسی طرح ہر دونوں جانب سے دونوں کونوں کے طرف دو مقابل خط یعنی لکیر کھینچی جائے تو اس میں آٹھ حدود ظاہر ہوتے

ہیں۔

حدغربی	حدشرقی	حدشمالی	حدجنوبی
حدشمالی غربی	حدجنوبی شرقی	حدشمالی شرقی	حدجنوبی غربی

اگر کوئی شخص مقبل قبلہ ہو، ان آٹھ حدود میں سے مقابل کے لکیر کو تو اس کی نماز درست ہے۔

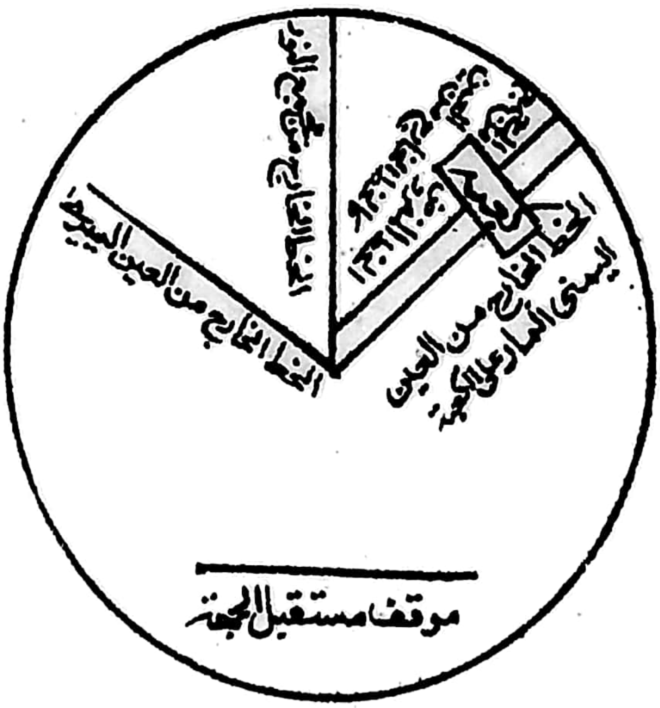
نقشہ عروسی



صاحب کتاب جہت پر بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زمین گول ہے تو ضروری ہے کہ دنیا کا کوئی ایک حصہ کعبہ سے زیادہ بلند پر ہو، اور کوئی حصہ کعبہ سے نیچے ہو، جب نشیب وفراز کا معاملہ ہے تو اس صورت میں کسی کا تقابلی خط کعبہ کی جہت سے

اوپر ہوگا تو یہ فضائی شکل پر ہے، یعنی اس کے مقدم رأس سے جو لکیر نکلتی ہے وہ ٹھیک سطح کعبہ پر تو پہنچتی ہے مگر کچھ حصہ اس سے اوپر تو اس صورت میں اسکی نماز درست ہے فرماتے ہیں ان جهت الكعبه هى الجانب الذى اذا توجه اليه الانسان يكون مسامتاللكعبة اوهوائها ۔یعنی جہت کعبہ وہ جانب جس طرف کے متوجہ ہو انسان تقابل کعبہ کے یا فضائی اعتبار سے تو اس صورت میں خط متوازی کعبہ کی طرف ہوگی، مگر اوپر یا نیچے، تب بھی مثل مستقبل عین قبلہ ہوگا۔

ذیل کے نقشہ سے بآسانی معلوم ہوتا ہے:



ومن ههنا استعنا ان كل جزء من اجزاء دائرة الافق داخل فى جهة من جهات الكعبة فالمشرقى اذااستقبل جهت المغرب بحيث يندرج شئ من ذات الكعبة بين الخط الخارج من العين فهو مستقبل لجهة الكعبة وقس عليه سائر من فى سائر الجهات ۔یعنی اس جگہ یہ بات صاف ظاہر

ہے کہ اجزاء دائرۃ الافقیہ کا ہر جز جہات کعبہ میں داخل ہے۔ اس صورت میں کوئی مصلی مشرق کا رہنے والا استقبال مغرب کی جہت اس حیثیت سے کرے کہ اس کی آنکھوں سے جو لکیر نکلتی ہے وہ کعبہ کے کچھ حصہ سے جا ملے تو اس کا استقبال جہت کعبہ ہے۔ قیاس کر لیجئے اسی طرح ساری دنیا کے جہات پر، مطلب یہ ہے کہ مشرقی مغرب کی طرف نماز میں متوجہ ہے تو اس کی توجہ کعبہ کی سمت کچھ بھی ہو تو اس صورت میں اس کی نماز جائز ہے۔

المعنی بالجهة الناهية التى فيها الكعبة من جهة المشرق او شام اويهن لاجملة تلك الجهة بل ان علمها فى جهة وجب ان يقص ها على الاستواء اوعلى الانحراف وان لم يعلم جازان يستقبل ماشاء منها۔

ایک دوسری جگہ جہت کا معنیٰ یوں لکھتے ہیں کہ وہ حصہ جہاں کعبہ ہو مشرق کی جانب، یا ملک شام کی جانب سے یا ملک یمن کی جانب تو ان تمام جہتوں میں سے کسی ایک جہت کا اس کو علم ہو تو اسکی جانب قصد کر کے سیدھے کھڑے ہو جائے۔ اگر نہیں جانتا ہے تو اس صورت میں اسکو اختیار ہے، جدھر چاہے استقبال کرے اور اس کی نماز درست ہے۔

حاصل البحث یہ کہ آٹھ حدود، جو مذکور ہیں، ان حدود میں سے کسی ایک سے بھی مصلی نماز پڑھے تو اس صورت میں اس کا استقبال صحیح ہے کیونکہ مجمع النور سے اگر بالراست فرضی لکیر کھینچ لیں اور یہ تصور کریں کہ یہ لکیر سیدھی کعبۃ اللہ کی سطح پر یا اس کے کونے سے ٹکرا رہی ہے تو وہی جہت اس کے لئے کافی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر(۶۹)

کیا سیرت ﷺ دیکھ کر پڑھنا ناجائز ہے؟

حرام موت کی نماز جنازہ پڑھانا چاہیے یا نہیں؟

سوال

کیا فرماے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ:

(۱) ایک مسجد کے امام صاحب کہتے ہیں کہ کتاب پڑھ کر سیرتِ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنا، ناجائز ہے، صرف زبانی ہی بیان کرنا جائز ہے۔

(۲) امام مسجد یہ بھی کہتے ہیں کہ حرام موت کو جنازہ دینا اور نماز جنازہ پڑھنا ناجائز ہے۔

(۳) ایسے امام صاحب کی کہی ہوی باتوں پر قرآن و حدیث اور اہل السنّت والجماعت کے عقائد کے مطابق کیا احکام ہیں تفصیل وار بیان فرما کر مشکور فرمائیں۔

فقط والسلام السائل، محمد صدرالدین مدنی، سیلم

جواب

حامدًا مسمیاً مثنیاً و مُصلیًا و مسلماً۔

درصورت مسئولہ، مجلس میلاد شریف یا دیگر مجالس میں وہی روایات بیان کی جائیں جو ثابت اور صحیح ہوں، موضوع اور غلط سلط واقعات بیان نہ کئے جائیں، کیونکہ بجائے خیر و برکت کے ایسی باتوں کے بیان کرنے میں گناہ ہوتا ہے۔(بہار شریعت)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ من کذب علی متعمداً فلیتبؤ مقعدہ من

النار یعنی جو شخص قصداً کوئی غلط یا جھوٹی بات میری طرف منسوب کرے تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ بنالے۔ ظاہر ہے کہ زبانی روایات و واقعات کو بیان کرنے میں غلطی اور کذب کا احتمال زیادہ ہے۔ لیکن مستند کتاب میں روایات وحالات مبارکہ دیکھ کر بیان کرنے میں غلطی کا احتمال نہیں ہے۔ بلکہ دیکھ کر بیان کرنے میں زیادہ احتیاط، رعایت و دیانت ہے۔

حدیث مذکور کی رُو سے اگر امام صاحب نے زبانی سیرت کے بیان پر شک و شبہ ظاہر کیا ہوتا تو کچھ قابل توجہ اور لائق التفات ہوسکتا تھا لیکن جب پہلی صورت امام موصوف کے نزدیک جائز ہے تو دوسری صورت بدرجۂ اولیٰ جائز ہونا چاہئے کہ یہ ہر طرح احتیاط و دیانت پر عمل ہے۔ اس سلسلہ میں ایک حدیث ذکر کی جاتی ہے جس سے مسئلہ ہٰذا پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " قرأة الرجل القرآن فی غیر المصحف الف درجة وقرأته فی المصحف تضعّف علی ذالك الیٰ الفی درجة۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن کو زبانی پڑھنے میں ایک ہزار درجہ ثواب ہے لیکن قرآن کو دیکھ کر پڑھنے کا ثواب دُگنا یعنی دو ہزار ہے۔ اگر چہ یہ حدیث قرآن شریف کے بارے میں ہے۔ لیکن قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ حضور علیہ السلام کی سیرت مبارکہ کو کتاب میں دیکھ کر پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے۔

(۲) چند قسم کے لوگ ہیں جن کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائیگی، (۱) باغی جو امام برحق پر ناحق خروج کرے، اور اسی بغاوت میں مار ڈالا جائے۔ (۲) ڈاکو جو ڈاکہ میں مارا جائے۔ (۳) جو لوگ ناحق کسی کی طرفداری و پاسداری میں لڑیں اور لڑائی

میں ماردیے جائیں۔(۴) جو شخص کئی آدمیوں کا گلا گھونٹ کر مار ڈالے۔(۵) جو لوگ رات کے وقت ہتھیار لے کر لوٹ مار کریں اور اسی حالت میں مار ڈالے جائیں۔(۶) جو شخص اپنی ماں یا باپ کو مار ڈالے۔(۷) جو کسی کا مال چھین رہا تھا اور اسی حالت میں مارا گیا۔

مذکورۂ بالا لوگوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائیگی اس کے علاوہ مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار اور مرتکب کبیرہ ہو، حتیٰ کہ خودکشی کرلی ہو، جب بھی اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ (عالمگیر، درمختار، بحوالۂ بہار شریعت)

پیش امام صاحب کی مراد حرام موت سے کیا ہے۔ اگر وہ سب کے لئے نماز جنازہ کو ناجائز کہتے ہیں تو ان کا قول غلط ہے اور اگر حرام موت سے مندرجۂ بالا سات قسموں کو مراد لیتے ہیں تو ان کا کہنا صحیح ہے۔

(۳) پیش امام صاحب کو جب اپنی غلطی واضح ہو جائے تو اپنی غلطی سے رجوع کر لینا چاہئے۔ یہ نہ سوچیں کہ لوگ کیا کہیں گے اس لئے کہ غلط فتویٰ دیکر رجوع نہ کرنا خواہ حیا سے ہو یا تکبر سے بہرحال حرام ہے۔ (عالمگیری بحوالۂ شریعت)

کتبہٗ سید حمید اشرف غفرلہٗ

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر(۷۰)

متفرق مسائل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جس شخص کے پاس اہل سادات کی مہر نہ ہووہ عالم نہیں ہوسکتا۔ یونہی اہل سادات کی جسکے پاس مہر نہ ہووہ خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ عالم دین اور خلیفہ ہونے کے لئے اہل سادات کی مہر ہو یا ان کی اجازت ہو۔

کیا زید کا یہ قول صحیح ہے۔(۲) زید کہتا ہے کہ (حضرت) عالمگیر کو رضی اللہ عنہ کہنا کفر ہے اور جو کہے وہ کافر ہے۔

(۳) حضرت منصور رضی اللہ عنہ کو پھانسی کا فتویٰ دینے والے حضرات اور عالمگیر سب کے سب قابل گردن زدنی تھے اور سب جہنمی اور جہنم میں جائینگے اور جو عالمگیر کو جنتی کہے وہ توبہ کرے۔

(۴) زید یہ بھی کہتا ہے کہ عالمگیر عالم دین نہ تھا وہ ایک دنیوی حاکم و حکمران تھا اس کو عالم دین کہنا جائز نہیں۔

(۵) حضرت عالمگیر کو جہنمی کہنے پر یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ قرآن میں ہے وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ٥: یعنی قتل مومن عمداً (قصداً) کفر ہے اور جو شخص مومن کا قتل کرے وہ بحکم قرآن جہنمی ہے۔

اور عالمگیر نے اپنے بھائی کو قصداً قتل کیا۔ اس لئے وہ کافر ہے اور جہنمی ہے

اور اپنے باپ کو بھی قید کیا اور ان پر ظلم کیا، اس لئے وہ ظالم اور جابر بھی ہے، کیا زید کا قول صحیح ہے یا نہیں، اگر نہیں تو زید کے اس قول کا جو اس نے قرآن سے پیش کیا ہے کیا جواب ہے۔ بینوا و توجروا

السائل

محمد عمران قادری رضوی مصطفوی

الجواب

اللّٰھُم ھدایۃ الحق و الصّواب

حامدً و مصلیا و مسلما در صورت مسئولہ : دین میں بڑے بڑے اہل علم و فضل گذرے ہیں۔ بے شمار خلفاء بھی ہوے ہیں۔ کیا سب کے پاس اہل سادات ہی کی مہر سند و اجازت تھی۔ حالانکہ دنیائے اسلام نے انہیں پیشوا اور مقتدا مانا ہے۔ زید کا قول کے مطابق تو ان کو عالم کہنا ہی صحیح نہ ہوگا۔ چہ جائیکہ وہ دینی پیشوا ہوں۔ علم کے لئے صالح لیاقت و اہلیت کی ضرورت ہے، علوم شرعیہ میں اچھی بصیرت سے حاصل ہو، وہ عالم ہے خواہ کسی کا سرٹفکیٹ تصدیق اور مہر نہ ہو، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہل علم سادات کی اجازت و خلافت مزید برکت و سعادت کا باعث ہو سکتی ہے۔

(۲) جو شخص بلا وجہ شرعی کسی کو کافر کہے وہ خود کافر ہے۔ زید پر یہ لازم ہے کہ اپنے قول سے توبہ کرے۔

(۳) حضرت منصور رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرنے والے اس زمانہ کے جلیل القدر علماء و فضلاء تھے اور تعجب نہیں کہ انہیں علماء نے فتاویٰ عالمگیر جیسی مایۂ ناز کتاب کی ترتیب و تدوین کی ہو، ایسے مایۂ صد افتخار علماء و فضلاء کو جہنمی کہنا کس قدر خباثت

بد باطنی کی دلیل ہے۔ بات یہ ہے کہ شریعت کا حکم ظاہر پر ہے۔ ایک شخص زبان سے کلمۂ کفریہ کہتا ہے، اسے کافر کہا جائے گا۔ حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ نے زبان سے انا الحق کہا تھا جو کلمۂ کفریہ ہے۔ لہٰذا علمائے شرع کے لئے لازم تھا کہ وہ کفر کا فتویٰ دیں۔ اگر ایسا نہ کرتے تو سب علماء مجرم ہوتے۔، چونکہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ اسلام تھا اس لئے اس پر لازم تھا کہ وہ شرعی حکم کو نافذ کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو وہ مجرم ہوتا۔ زید کی عجب الٹی عقل ہے کہ جو چیز بادشاہ کے لئے قابل مدح وستائش ہے اسی کو وہ قابل گردن زدنی قرار دے رہا ہے۔ زید کو چاہئے کہ اپنی تمام ضلالت آمیز باتوں سے توبہ کرے، کسی مسلمان کے لئے قطع ویقین کے ساتھ جنتی ہونے کا حکم لگانا تو صحیح نہیں ہے۔ لیکن جب کوئی شخص مسلمان ہو، ساری زندگی مسلمانوں جیسے عمل کئے، خلاف اسلام عقیدہ یا قول وعمل کا ارتکاب نہیں کیا تو اس کے جنتی ہونے کی امید کی جاسکتی ہے، کہ یہ سب باتیں جنتی ہونے کی علامت ہیں۔ کیونکہ بلاوجہ کسی سے بدظنی اور بدگمانی رکھنا گناہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے یاایھاالذین آمنو اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثـــم: لہٰذا اگر عالمگیر یا علمائے دین یا بزرگان اسلام کو لوگ جنتی سمجھتے ہیں تو غلط نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف سمجھنا خطا کاری اور کجروی ہے۔ اسے چاہئے کہ اپنی غلطی سے توبہ کرے۔

(۴) اگر عالم دین ہونے میں اور حکمراں ہونے میں تناقض کی نسبت ہوتی تو تسلیم کرلیا جاتا کہ چونکہ وہ حکمراں تھا اس لئے عالم دین نہ تھا۔ اسی طرح کوئی عالم دین ہوگا تو وہ حکمران نہ ہوگا کیونکہ متناقض میں قضیہ کا صدق سے دوسرے کا کذب ضروری ہے حالانکہ دنیا میں بہت سے لوگ عالم دین بھی تھے اور حکمراں بھی مثلاً خلفائے

راشدین اور اس کے بعد خلفائے بنوامیہ اور عباسیہ میں بہت سے سلاطین ایسے گذرے ہیں، اس طرح عالمگیر بھی حکمران ہوا اور عالم دین بھی تو اس میں کیا قباحت ہے، بلکہ درحقیقت وہ عالم دین تھا۔ ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ صاحب نورالانوار اور صاحب تفسیر کشاف ان کے اساتذہ میں گذرے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب و تدوین میں عالمگیر بھی اس کے مسائل پر نظر ثانی کر کے اطمینان حاصل کرتے تھے تو کیا اتنی بڑی کتاب کی اصلاح وترتیب کا کام کوئی جاہل کرے گا۔ نہ معلوم زید کو عالمگیر سے کیوں عداوت ہوگئی ہے اور علمائے اسلام پر لعن طعن کر کے اپنی عاقبت برباد کررہا ہے۔

(۵) زید کو تاریخ کے صحیح حالات سے واقفیت نہیں، شاہجہاں کی علالت زمانہ میں خود اس کے چہیتے بیٹے داراشکوہ نے اپنے باپ کو شاہی محل میں نظر بند کردیا تھا کسی کو ملاقات وغیرہ کی اجازت نہ تھی۔ داراشکوہ نے حکومت واقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے ایک بڑی فوج آگرہ سے کچھ فاصلہ پر مقرر کردی تھی کہ جب اس کے دوسرے بھائی دارالحکومت آئیں تو انہیں قتل کردے، خصوصاً اورنگ زیب کے خلاف اس کا جذبہ بالکل معاندانہ تھا۔ اب خود سوچئے کہ جارح اور حملہ آور کون ہے اور دفاع وتحفظ کے لئے تلوار کون اٹھارہا ہے۔ پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جو اپنے تحفظ و دفاع کے لئے تلوار اٹھائے اسی کو ظالم وجابر کہا جائے۔ عالمگیر کو اس جنگ میں فتح ہوی۔ لیکن ابھی وہ اطمینان کا سانس بھی نہ لے سکا تھا کہ اس کا دوسرا بھائی شاہ شجاع نے بنگال سے اس پر فوج کشی کی، متعدد بار اس نے عالمگیر سے جنگ کی اور ہر مرتبہ ناکام رہا۔ آخر کار وہ بے سروسامانی کی حالت میں فرار ہوگیا اور پھر کوئی پتہ نہ چلا۔ تیسرا بھائی مراد بخش تو شروع میں اس نے عالمگیر کے ساتھ موافقت کی لیکن بعد میں اسکی روش میں بھی تبدیلی آگئی

تھی۔ بغاوت وخروج کے آثار ظاہر ہورہے تھے، عالمگیر نے حکمت عملی سے اسے بھی قابو میں کرلیا۔ اگر اسی بغاوت کے الزام میں وہ قتل کردیا جاتا تو اورنگ زیب موردِ الزام نہ ہوتا کیونکہ بغاوت وخروج کی سزا ہی قتل ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الامارت میں ہے من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یریدان یشق عصاکم ویفرق جماعتکم فاقتلوہ :یعنی جو شخص تمہارے پاس ایسی حالت میں آئے کہ تم ایک شخص کی اطاعت پر متفق ہو اور وہ چاہتا ہے کہ تمہاری لاٹھی توڑ دے اور تمہاری جماعت کو متفرق کردے تو اس کو قتل کردو'' ۔ لیکن عالمگیر نے اس کو قتل نہ کیا بلکہ قید کردیا۔ پھر ان دونوں کے قتل کی وجہ یہ ہوی کہ داراشکوہ کے خیالات ونظریات کافرانہ تھے۔ وید کی تعلیمات سے وہ زیادہ متاثر تھا، اس کو آسمانی کتاب سمجھتا تھا ہندوانہ تصوف ہی کو وہ صحیح اور اصلی تصوف کہتا تھا۔ علمائے اسلام نے اس کے اسی ملحدانہ خیالات کی وجہ سے اس کی تکفیر کی تھی اور وہ قتل کیا گیا، کیونکہ ارتداد کی سزا اسلام میں قتل ہے۔

دوسرا بھائی مراد کا واقعہ یہ ہے کہ اس نے اپنے دور حکومت میں ایک شخص کو ناحق قتل کردیا تھا، مقتول کے ورثاء نے مراد پر قصاص کا مطالبہ کیا۔ اورنگ زیب نے مقدمہ قاضیٔ عدالت کو پیش کردیا کہ معاملہ کی تحقیق کرکے صحیح فیصلہ کیا جائے ، چنانچہ عدالت کا فیصلہ ہونے کے بعد عالمگیر نے قصاص کا حکم دیا۔ یہ زید کی عجیب دینداری ہے کہ شرعی حکم جاری کرنے پر عالمگیر کو ظالم وجابر کافر کہہ رہا ہے سچ ہے کہ جب خدا دین لیتا ہے تو عقل بھی سلب کرلیتا ہے۔

زید نے جو آیت ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جھنم خالدًا فیھا :استدلال میں پیش کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مومن کو قصداً صرف اس وجہ

سے قتل کرے کہ وہ مومن ہے، اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا جرم اس کا نہ ہوتو وہ شخص یعنی قاتل دائمی جہنمی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کے قتل کو جائز اور حلال سمجھ کر قتل کرے تو ایسا شخص دائمی جہنمی ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے، نہ اس قتل مومن کو حلال سمجھا نہ مومن ہونے کی وجہ سے قتل کیا بلکہ بلا وجہ کسی مسلمان نے کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو اسکی سزا دائمی جہنمی نہیں ہے بلکہ ایک طویل مدت تک اس کے لئے جہنم ہے یعنی خلود سے مراد طویل قیام ہے (کتب تفاسیر) اس آیت کا یہ مطلب ضروری ہے، کیونکہ کافر ہی کی سزا دائمی جہنم ہے، مسلمان خواہ کتنا ہی بڑا مجرم ہو، اسکی سزا دائمی جہنم کی نہیں ہے جیسا کہ آیت کریمہ شاہد ہے ان اللّٰہ لا یغفران یشرك به ویغفر مادون ذالك لمن یشآء: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کے علاوہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیگا مغفرت کردیگا۔

دوسری جگہ آیت میں ہے ولا تقتلوا النفس التی حرّم اللّٰہ الا بالحق: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر حق شرع کی وجہ سے قتل کیا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، بلکہ بادشاہ اسلام پر لازم ہے کہ وہ حدود شرعیہ کو نافذ کرے، کیونکہ وہ صاحب اختیار ہے، اورنگ زیب نے وہی کیا جس کا وہ شرعاً مکلّف، اور جواب دہ تھا۔

اللہ تعالیٰ زید کو عقل سلیم عطا فرمائے اور قبول حق کی توفیق بخشے۔

کتبہ

سید حمید اشرف کچھوچھوی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۱۷)

مختلف اور متفرق اختلافی مسائل

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں اولیاء کے مزاروں کے پاس جا کر کچھ مراد مانگنا ہو تو کس طرح مانگنا۔

۲۔ کسی اولیاء کی بشارت ہونے کی آرزو ہے تو کیا کرنا، تین دن کے اندر بشارت ہونا اور سوال وجواب خواب میں ہی ملنا۔

۳۔ حاجت پوری ہونے کے لئے آسان طریقہ اور عمل کونسا ہے؟

۴۔ مسکین کون سے شخص کو کہتے ہیں؟

۵۔ ہم لوگ حضرت رسول اللہ ﷺ کے نام پر اور ان کے اہل بیت میں سے کسی کے نام پر قربانی دے سکتے ہیں یا نہیں؟

۶۔ کیا مرحوموں کا حج بدل کر سکتے ہیں اور ان کے نام پر قربانی دے سکتے ہیں۔

۷۔ یہاں کچھ لوگ زین المجالس پڑھنے کو انکار کرتے ہیں اور وہ کتاب کو جلا ڈالو کر کے کہتے ہیں گیارھویں دستگیر کی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ وہ کھانا پکا کر دعوت کئے تو لوگ آتے نہیں، وہ کھانا جائز نہیں کر کے کہتے ہیں۔

۸۔ اسم اعظم سے بہت مرادیں بر آتی ہیں کر کے لوگ بولتے ہیں وہ اسم اعظم کیا ہے معلوم کراؤ۔

۹۔ کسی استاد کے پاس قرآن شریف پورا پڑھنے کے بعد اس کا ہدیہ کر کے

استاد سے اجازت لیکر مردوں کو بخشنا چاہئے، کر کے بولتے ہیں یہ بات صحیح ہے یا نہیں۔

رسالۂ عائشہ بی، سراٹون

الجواب

اللّٰھم ھدایتہ الحَقّ والصّواب

۱۔ اولیاء کرام سے مراد مانگنے کا دو طریقہ ہے ایک یہ کہ دعا اور طلب حاجت اللہ رب العزت سے کرے اور اس بندۂ مقرب ومکرم کی روحانیت کو واسطہ اور وسیلہ بنائے اسطرح کیئے کہ خداوندا اپنے اس محبوب ومقرب بندہ کی برکت سے کہ جس کو تو نے اپنے لطف وکرم سے نوازا ہے میری حاجت پوری فرما۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خود اسی مقرب بارگاہ بندہ کو خطاب کرے اور کہے کہ اے مقرب بارگاہ الٰہی آپ اللہ سے سفارش کیجئے اور دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ میرا مقصود ومطلوب مجھے عطا کرے اور میری حاجت پوری فرمائے۔ اولیائے کاملین کی ارواح سے استمداد واستعانت کے متعلق مشائخ کرام کے واقعات اس قدر کثیر ہیں جو شمار سے باہر ہیں۔ (فصل الخطاب الحاج سید شاہ محی الدین قادری قطب ویلور)

۲۔ اپنا دلی تعلق اپنے پیرومرشد سے بہت مخلصانہ اور مضبوط رکھے پیر ومرشد کے لئے تسلیم وانقیاد کا پورا جذبہ دل میں ہو اور یہ سمجھے کے مجھے جو کچھ فیض پہونچ سکتا ہے میرے پیرومرشد ہی کے ذریعہ سے مل سکتا ہے اس یقین اور جذبہ کے ساتھ اپنے پیرومرشد کی صورت کا خیال دل میں جمائے اور اللہ کا ذکر برابر کرتا رہے انشاء اللہ تعالیٰ مقصود دلی جلد پورا ہوگا۔ (ملخص از فصل الخطاب)

۳۔ اپنی حاجت برآری کے لئے سب سے آسان عمل یہ ہے کہ ہر فرض

نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمدللہ ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر اور ایک مرتبہ یہ کہئے لاالہ الااللّٰہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملك ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر۔ اسکا نام تسبیح فاطمی ہے حضور ﷺ نے اسکی تعلیم اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دی تھی اور اس تسبیح کی برکت سے ان کے ہر کام پورے ہوتے تھے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وضو کر کے دو رکعت نفل قضائے حاجت کی نیت سے پڑھے اس کے بعد یہ دعا پڑھے اللّٰھم انی اسئلك واتوجه الیك نبیك محمدٍ نبی الرحمة یا رسول اللّٰہ انی الوجھه بك الیٰ ربی فی حاجتی ھذہ لتقضتی لی حاجتی۔ جب، فی حاجتی ھذہ، کے لفظ پر پہونچے تو اپنی مراد کا خیال کرے انشاء اللہ جلد کامیابی ہوگی۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

۴۔ مسکین اور فقیر میں فرق ہے مسکین اسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو یہاں تک کہ کھانے اور بدن چھپانے کے لئے لوگوں سے سوال کا محتاج ہو ایسے شخص کے لئے سوال کرنا حلال اور جائز ہے، فقیر اسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ ہو مگر بقدر نصاب نہ ہو ایسے شخص کے لئے سوال ناجائز ہے کیونکہ بلاضرورت و مجبوری سوال حرام ہے۔ (عالمگیری)

۵۔ احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی امت کی طرف سے قربانی کی، یہ حضور ﷺ کا اپنی امت پر خاص لطف و کرم تھا اس موقع پر بھی آپ نے اپنی امت کو فراموش نہ فرمایا، جو لوگ صاحب استطاعت ہیں اگر وہ حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کریں تو یہ انکی بڑی سعادتمندی اور خوش نصیبی ہے اور بڑے ثواب و فضیلت کا باعث ہے۔ (بہار شریعت)

۶۔ وفات پانے والوں میں ہر مومن اور مسلمان کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے خواہ وہ اپنے اعزہ واقرباء ہوں اور ائمہ ہوں، اسی طرح انکی طرف سے حج بدل بھی کرایا جاسکتا ہے لیکن حج بدل کے شرائط میں سے ایک شرط ہے کہ اگر حج بدل کرنے والا وارث کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ہے تو اس صورت میں جسکی طرف سے حج بدل کیا جائے اسکا حکم ہونا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ حج کے مصارف واخراجات اسی کے مال سے ہوں اور اگر حج بدل کرنے والا خود وارث ہے تو مورث کے حکم کے بغیر اور اپنے مال سے بھی حج بدل کرسکتا ہے۔ (ردالمختار)

۷۔ کتاب زین المجالس کے اشعار میں نے جابجا سے دیکھا ہے اسمیں انہیں حالات وواقعات کو نظم کیا ہے جو عام طور سے مصنفین نثر میں بیان کرتے ہیں، واقعات صحیح مستند ہیں۔ نظم میں ہونے کی وجہ سے اسکا پڑھنا ناجائز نہیں ہوگا جن اشعار میں بزرگان دین کے فضائل ومناقب کا ذکر ہو اس کا پڑھنا ثواب ہے اور اسکو پڑھنے سے منع کرنا اور جلانے کا حکم بدبختی اور بدنصیبی کی علامت ہے حضور ﷺ سے اشعار کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ھو الکلام حسنه حسن وقبیحه قبیح فالحسن منه ما کان موالمواعث والی۔

واذکر آلاء اللّٰه ونعمائیه ونعت الصالحین و صفة المتقین فساعنه حلال وما کان من هجور وسخف فساهمه۔

حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی گیارھویں ہو یا کسی اور بزرگ اور ولی کی فاتحہ ہو یہ سب ایصال ثواب میں داخل ہے ہر نیک کام کا ثواب دوسرے کو پہونچایا جاسکتا ہے اس کا ثبوت حدیث سے بھی ہے، اور فقہ اور عقائد کی کتابوں میں بھی اسکی تصریح

موجود ہے، جس کھانے پر حضرات امامین علیھم السلام کی نیاز کی جائے اس پر فاتحہ، قل، درود پڑھا جائے وہ تبرک ہے اسکا کھانا بہت خوب ہے۔اس طرح حضرت غوث پاک کی فاتحہ کا کھانا بھی تبرک ہے، اور اغنیاء وفقراء میں سب کے لئے بہتر ہے اس قسم کے کھانے سے طعن وانکار، مسائل دینیہ سے جہل کی وجہ سے ہے اور بکمال شوخی و بےہودگی اور تعزیر بے ادبی میں داخل ہے۔(فصل الخطاب مولانا سید شاہ محی الدین قادری ویلوری قدس سرہ')

۸۔ اسم اعظم کی تعئین میں علماء کا اختلاف ہے جیسے شب قدر کی تعئین میں، یعنی علماء کے اقوال مختلف ہیں۔لیکن اکثر علماء کا قول ہے کہ اسم اعظم۔آیت کریمہ اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم میں موجود ہے۔ (کتب تفاسیر)

۹۔ ہر ایک عبادت بدنی اور مالی کا ثواب میت کو بخشا جاسکتا ہے ہدایہ کی عبارت یہ ہے کہ ان الانسان لہ، ان یجعل ثواب عملہ بغیر صلوۃ او صوماً او صدقتہ اور غیرھا عنداھل السنۃ والجماعۃ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جامع البرکات شرح مشکوٰۃ میں لکھا کہ عبادت مالیہ کے ثواب کے پہونچنے میں سب کا اتفاق ہے لیکن عبادت بدنیہ مثلاً نماز، تلاوت، قرآن کا ثواب پہونچنے میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اسکا ثواب پہونچتا ہے۔روض الریاحین میں ذکر ہے کہ شیخ عزالدین ابن عبدالسلام کی وفات کے بعد لوگوں نے انہیں خواب میں دیکھا کہ وہ کہتے تھے کہ ہم دنیا میں حکم کرتے تھے کہ قرآت قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہونچتا لیکن اب معلوم ہوا کہ پہونچتا ہے لہٰذا تم لوگ قرآن پاک پڑھکر اسکا ثواب ہم کو پہونچاؤ، (فصل الخطاب)

سید حمید اشرف کچھوچھوی

الجواب صحیح

ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری

سجادہ نشین مکان، حضرت قطب ویلور۔

الجواب صحیح

محمد طیب الدین،

مدرس، مدرسہ لطیفیہ، حضرت مکان قطب ویلور۔

مولوی سید ابولمعالی علوی

مدرس، مدرسہ لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور

عبدالواحد قاسمی

مدرس، مدرسہ لطیفیہ، حضرت مکان ویلور

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۷۲)

نماز جنازہ کے بعد دعا کا حکم

دعا بعد نماز جنازہ کے مسئلہ میں لوگوں کے ردو انکار اور مختلف الرائے ہونے کی وجہ سے حسبِ فرمان گرامی قدر عالی مرتبت جناب مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادریؒ ناظم مدرسۂ لطیفیہ ویلور، یہ تحریر استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید حمید اشرف کچھوچھوی کے قلم سے معرض وجود میں آئی، جو ایک مستقل فتویٰ ہے اور یہ وقت کا ایک اہم ترین مسئلہ ہے۔

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون من عبادتی سید خلون جھنم داخرین۔ اس آیۂ کریمہ میں بندوں کو دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس سے اعراض پر تخویف وتہدید کی گئی ہے۔ یہاں پر یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ آیت کے شروع میں اُدعونی کہا گیا ہے، جو دُعا سے مشتق ہے اور آخر میں ترھیب وتخویف کے موقع پر عن عبادتی فرمایا گیا ہے۔ جو عبادت کو دعا کے معنی میں قرار دیا جائے اور کہا جائے کہ عبادتی، دعائی کے معنی میں ہے۔ احتمال دونوں برابر ہیں۔ اس لئے تعین مراد کے لئے شارع علیہ السلام کے کلام کی طرف رجوع کیا گیا۔ آپ نے فرمایا الدعا مخ العبادۃ دعا عبادت کا مغز ہے۔ اسکی تائید میں یہی آیت کریمہ آپ نے تلاوت فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں دعا کو عبادت کہا گیا ہے اور عبادتی سے مراد دعائی ہے۔ اس سے دعا کی جو عظمت واہمیت ظاہر ہو رہی ہے، وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

اسی اہمیت کو بتانے کے لئے آیت کی ابتدا قال ربکم کے لفظ سے ہوی ہے۔ حالانکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ یہ اللہ تعالٰی ہی کا کلام ہے لیکن پھر بھی اسکو صراحتاً فرمایا تا کہ یہ کلام اور زیادہ قوی التاثیر ہو، کہ مخاطب پہلے ہی لحہ میں سمجھ جائے کہ اس کا کہنے والا کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ وہ ہے جو تمام جہاں کا پالنہار ہے۔ اس کے بعد کے کلام کی عظمت ووقعت اچھی طرح دل میں راسخ ہوگی۔ اور ربکم میں وصفِ ربوبیت کو اختیار کر کے اس طرف اشارہ کیا کہ ہم تو تمہاری پرورش ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں تمہاری درخواست کے بغیر بھی تمہاری ضروریات پوری کی ہے تو کیا تمہاری درخواست ودعا کو ہم قبول نہ کرینگے۔ بلکہ ضرور قبول کرینگے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ دعا پورے عجز وفروتنی اور

حضورِ قلب کے ساتھ ہو کہ یہی دعا کی حقیقت ہے۔

حدیث شریف میں ہے ان اللّٰہ لا یستجیب الدعاء من قلبٍ لاہٍ ۔اور آیت کریمہ انّی وجہّت وجہی میں وجہی سے بھی مراد یہی قلب ہے ورنہ آیت کے ظاہری مفہوم کی تقدیر پر اللہ تعالیٰ کا ذو جہت ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہوگا کہ میں نے اپنا چہرہ خدا کی طرف کیا تو اس صورت میں جس سمت اس کا چہرہ ہوگا لازم آنے گا کہ ذات باری بھی اسی سمت میں ہو اور اللہ تعالیٰ کا کسی خاص سمت میں ہونا محال ہے کیونکہ وہ تمام قیود سے منزہ ہے۔ کما بین فی موضعہ۔لیکن اس نفی قیود و وحدود سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ذات باری میں تشخص وتعین بھی نہیں اطلاق محض ہے، کیونکہ بغیر تشخص وتعین کے کسی شے کا وجود خارجی محال ہے۔ البتہ یہ تشخص اسکی ذات کے لائق ہے کہ ہم اسکی کنہ وحقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے۔

ممکن ہے کہ یہ شبہ پیدا ہو کہ جس طرح آیت کے ظاہری مفہوم کی تقدیر پر باری تعالیٰ کا ذو جہت ہونا لازم آئے گا۔ اسی طرح قلب کی بھی کوئی جہت ہوگی۔ لہٰذا اس صورت میں بھی وہی اشکال ہوگا تو جواباً عرض ہے کہ قلب سے مراد یہ مضغہ گوشت نہیں بلکہ ایک شی لطیف مجرد عن المادہ ہے، جیسا کہ محققین صوفیا کا یہی مسلک ہے کہ بعض اشیاء مجردات سے ہیں اور ذاتاً وزماناً دونوں طرح حادث ہیں اور جہت وغیرہ کا ہونا مادہ کے لوازمات سے ہے۔ فاتضح المراد اندفع الاشکال یہ بحث تو درمیان میں بطورِ جملۂ معترضہ کے آ گئی۔ اصل گفتگو یہ تھی کہ دعا کی حقیقت سراسر عجز و نیاز ،اظہار تذلل وعبدیت ہے اور بندے کا یہ فعل اللہ کو بہت ہی محبوب ہے کہ جہاں نیازمندی ہوگی وہاں کبر و خود بینی نہ ہوگی اور یہی کبر و خود بینی بندے اور خدا کے درمیان بہت بڑا حجاب ہے۔

چنانچہ حدیث قدسی میں ہے الکبریاء ردائی و العظمة ازاری، ۔رداوازار سے مراد یہ ہے کہ یہ دونوں میرے وصف خاص ہیں۔کوئی دوسراان اوصاف میں میرا شریک و سہیم نہیں ہوسکتا۔

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ انہوں نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ خداوندا تجھ سے قرب ووصال کا جوسب سے قریب راستہ ہو، اس سے آگاہ فرمائیں۔ارشاد ہوادع نفسك و تعال ۔اپنی خودی وانانیت کوختم کردو پھر لذت وصال حاصل ہوگی۔

میانِ عاشق ومعشوق ہیچ حائل نیست　　　　تو خودحجاب خودی حافظؔ، ازمیاں برخیز

اوردعا سے بندہ اللہ کی بارگاہ میں اپنے عجز ونیازمندی کا اظہار کرتا ہے، لہٰذا یہ اللہ سے قرب کا بہت بڑاذریعہ ہے۔

قرآن کریم میں دعا کوعبادت کہا گیا، حدیث رسول میں دعا کوعبادت کی روح کہا گیا۔اوردعا کاحکم عموم واطلاق کے ساتھ دیا گیا۔فاذکرونی اذکرکم، ادعونی استجب لکم ۔حدیث شریف میں فرمایا اکثر واالدعاء کثرت سے دعا کرو۔معلوم ہوا کہ دعا خواہ کسی قسم کی ہودینی ہو یا دنیاوی بشرطیکہ ناجائز امر کے لئے نہ ہو، سب عبادت ہے۔دیگر عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج ، زکوۃ وغیرہ کے لئے تو مختلف شرطیں ہیں۔لیکن دعا کے لئے نہ کسی وقت کی شرط، نہ کسی مقدار معین کی شرط، نہ وضووغیرہ کی کوئی قید، بلکہ اس میں صرف بندے کی عاجزی ونیازمندی درکار ہے۔عموم واطلاق کے سمجھنے کے لئے یہی مذکورہ آیات وحدیث کافی ہیں۔لیکن قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ بھی عموم اوقات وحالات کو بیان فرمایا ہے۔فاذکروالله قیاماً وقعوداً وعلی

جنوبکم ۔مفسرین کرام نے ظاہر فرمایا ہے کہ اگرچہ یہاں تین حالتوں کا ذکر ہے۔ مگر مراد عموم احوال ہے، یعنی ہر حال میں اللہ کا ذکر کرو اور دعا بھی ذکر ہے، بلکہ اصل ذکر ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا الدعاء هو العبادة ۔دعا اصل عبادت ہے لہٰذا اس عموم وکلیہ میں دعا بعد نماز جنازہ کا حکم بھی داخل ہے۔اور بعد نمازِ جنازہ دعا کا جواز سمجھ میں آجاتا ہے۔

لیکن اس خاص جزئیہ میں بعض لوگوں کو اختلاف وانکار ہے اس لئے کہ تسلسل سے اس مسئلہ پر بحث کرنی ہے تاکہ یہ عنوان پوری طرح نمایاں ہوجائے اور صحیح راہِ عمل متعین کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

دعا بعد نماز جنازہ کے ثبوت میں مشکوٰۃ کی یہ حدیث صریح ہے اذا صليتم على الميت فاخلصوا له الدعاء۔جب تم میت پر نماز پڑھ چکو تو اس کے لئے خالص دعا مانگو۔ف کے معنی حقیقی تعقیب بلا تراخی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد متصلاً دعا کی جائے اور بغیر کسی قرینہ یا دلیل کے معنی حقیقی کو ترک کردینا اور معنی مجازی مراد لینا جائز نہیں۔نیز صليتم ماضی کا صیغہ ہے اور فاخصلوا امر ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد ہے۔

فتح القدیر میں کتاب الجنائز فصل صلوٰۃ جنازہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے منبر پر قیام فرما کر غزوۂ موتہ کی خبر دی اور اس اثنا میں حضرت زید ابن حارثہ اور حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما، کی یکے بعد دیگرے شہادت کی خبر دی فصل عليه رسول الله ﷺ ودعا له وقال استغفروا له ۔پس ان پر نماز جنازہ پڑھی، ان کے لئے دعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ تم بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ اس

عبارت میں دعا کا عطف صلی پر ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف میں مغائرت ہوتی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ دعا نماز کے علاوہ تھی اور استغفروا امر کا صیغہ ہے جو قرینہ ہے اس بات پر کہ یہ دعا واستغفار نماز کے بعد ہوی۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے ان النبی ﷺ قرء علی الجنازة بفاتحة الكتاب۔

اس کی شرح اشعة اللمعات میں هے سواحتمال دارد که بر جنازه بعد از نماز یا پیش ازاں بقصد تبرك خوانده باشد چنانكه آلان متعارف است۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے سورۂ فاتحہ نماز کے بعد یا نماز سے پہلے برکت کیلئے پڑھی ہو جیسا کہ آجکل رواج ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ کے زمانہ میں بھی نمازِ جنازہ سے پہلے اور نمازِ جنازہ کے بعد سورۂ فاتحہ وغیرہ برکت کے لئے پڑھتے تھے، اور حضرت شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ نے اسکو منع نہ کیا بلکہ اس کو حدیث پر محمول کیا۔ حضرت شیخ کی ہستی محتاج تعارف نہیں۔ مخالفین و موافقین سب کے نزدیک مسلم و مستند ہیں۔ ہندوستان میں علم حدیث کا سلسلہ آپ ہی سے جاری ہوا۔ لہٰذا حدیث کی تشریح میں آپ کا قول بھی سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے واضح الفاظ میں تحریر فرمادیا ہے کہ ممکن ہے نماز سے پہلے یا نماز کے بعد برکت کے لئے آپ نے پڑھا ہو۔ ہر ایک صورت جائز ہے۔

اب ہم فقہائے کرام کی بعض عبارتیں پیش کر کے جن عبارتوں میں کچھ اشتباہ یا خفاء ہے، اسکی صحیح توجیہہ پیش کرینگے۔

میزان کبری امام شعرانی کتاب الجنائز میں ہے۔

واتفقوا على ان الاستغفار للميت والدعاء له والصدقة والعتق

والحج عنه ينفعه یہ عبارت بالکل مطلق ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے لئے ہر حال میں ہر وقت دعا واستغفار وغیرہ کر سکتے ہیں۔ کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

دوسری جگہ مصنف کی عبارت یہ ہے، بخلاف الدعاء للميت لا يستغنى عنه احد لا حيًّا ولا ميتًا۔ یہ عبارت بھی بیان مراد میں بالکل واضح ہے کہ میت کے لئے دعا ہر وقت کر سکتے ہیں، اس سے کوئی کسی حال میں بے نیاز نہیں۔ نہ حالتِ حیات میں نہ حالتِ موت میں اس سے بھی میت کے لئے ہر حال میں دعا کی اجازت سمجھ میں آتی ہے۔

فتح القدیر کی عبارت دوسری جگہ یہ ہے واستحسن بعض المشائخ بعدالتسليم ان يقول ربنا آتنا فی الدنيا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار اور ربنا لا تزغ قلوبنا بعداذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمه انك انت الوهاب ۔ بعض مشائخ نے مستحسن سمجھا ہے کہ نمازِ جنازہ میں سلام کے بعد یہ دعا کرے۔ ربنا آتنا فی الدنيا الی الآخرہ۔

استحسان۔ قیاس جلی کے مقابل ہوتا ہے، اور قیاس کے مقابلہ میں استحسان کو ترجیح ہوتی ہے۔ لہٰذا اصولاً یہی قول راجح ہوگا۔ اس سے صراحت کے ساتھ دعا بعدِ نماز جنازہ کا ثبوت ہو رہا ہے۔

مرقات شرح مشکوٰۃ کی عبارت ہے ولا يدعو للميت بعد صلوٰة الجنازه لانه يشبه الزيادة فی صلوٰة الجنازه ۔ اسی طرح بعض دیگر فقہی عبارتیں ہیں جس سے بہ ظاہر نمازِ جنازہ کے بعد دعا کی ممانعت معلوم ہوتی ہے کہ میت کے لئے نمازِ جنازہ کے بعد دعا نہ کرے۔ اس لئے کہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہے۔ لیکن اگر ادنیٰ

تامل سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں پر مطلقاً دعا بعد نماز جنازہ سے ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ یا تو اتنی طویل دعا کرنے سے ممانعت ہے کہ جسکی وجہ سے دفن میں بہت تاخیر ہوجائے۔ اسی لئے نماز جمعہ کے انتظار میں دفن میں تاخیر کرنا منع ہے۔ دوسرے یہ کہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ اسی طرح صف بستہ بہ ہیئت نماز دعا کی جائے کہ دیکھنے والا سمجھے کہ نماز ہو رہی ہے کہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے اور ممانعت کی وجہ یہی ہے، کیونکہ ایسی صورت میں دیکھنے والے کو دھوکہ ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ میں زیادتی ہوگئی ہے۔ لہٰذا اگر صف توڑ دی جائے اور ہیئت مخصوصہ میں کچھ فرق ہوجائے۔ تو بلا اکراہ جائز ہے جیسے جماعت فرض کے بعد حکم ہے کہ لوگ صفوں کو توڑ کر سنتیں پڑھیں، تاکہ کسی کو یہ دھوکہ نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فرض کے بعد سنتیں بالکل نہ پڑھی جائیں بلکہ فرض سے ملا کر اسی ہیئت کے ساتھ نہ پڑھی جائیں، اسی طرح جن فقہا نے دعا بعد نمازِ جنازہ کو منع کیا تو انہوں نے اس حکم کی ممانعت کا مدار ایک علّت خاص کر قرار دیا تو جس صورت میں علت منتفی ہوگی وہاں ممانعت کا حکم بھی منتفی ہوگا و کما ھی القاعدۃ المسلّمہ۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ فقہا کی مراد ممانعت سے صرف ایک مخصوص صورت کی ممانعت ہے اور وہ زیادتی سے مشابہت والی صورت ہے۔ جسکی کیفیت ہم نے بیان کی، علی العموم اور بالکلیہ ممانعت مراد نہیں ہے۔ عبارتِ مذکورہ کی یہ عمدہ اور صحیح توجیہہ ہے، اگر اس توجیہہ کا اعتبار نہ کیا جائے تو فقہاء کے اقوال باہم متعارض ہوجائینگے۔ کسی سے جواز معلوم ہوگا اور کسی سے عدم جواز معلوم ہوگا اور پھر یہ عدم جواز کا قول حدیث مذکور کے بھی خلاف ہوگا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کا حکم بعد نماز جنازہ

متصلاً ہے اور حضور علیہ السلام نے بعد نماز جنازہ دعا فرمائی اور لوگوں کو بھی دعا کرنے کا حکم دیا۔

مذکورہ بالا تشریحات سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ دعا بعد نماز جنازہ بدعت نہیں، اس لئے کہ اس کا ثبوت حضور ﷺ کے قول وعمل سے ہے، لیکن اگر اس کا بدعت ہونا تسلیم کرلیا جائے تو ہر بدعت کا ناجائز وحرام ہونا ضروری نہیں۔ مرقاۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ میں بدعت کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ اسی طرح شامی جلد اول میں بھی ہے۔ اقسام بدعت مع تعریفات درج ذیل ہیں۔

بدعتِ جائز : ہر وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور بغیر کسی نیت خیر کے کیا جائے جیسے عمدہ کھانے پینے کی چیزوں میں وسعت کرنا۔ بریانی،، لیمن، کیک، بسک وغیرہ کا استعمال، ایسے کاموں پر نہ ثواب ہے، نہ عذاب۔

بدعت مستحب : وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور اسکو عام مسلمان کارِثواب جانتے ہوں یا کوئی شخص اس کو نیتِ خیر سے کرے، جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کا ایجاد کرنا اور ہر وہ اچھا کام جو کہ قرن اول میں نہ تھا۔ مثلاً محفل میلا دو فاتحہ بزرگاں اور جیسے عام جماعت سے تراویح پڑھنا۔ اس کا کرنے والا ثواب پائیگا اور نہ کرنے والا گنہگار نہ ہوگا۔

بدعت واجب : وہ نیا کام جو شرعاً منع نہ ہو اور اس کے چھوڑنے سے دین میں حرج واقع ہو۔ جیسے علم نحو کی تعلیم، اصولِ فقہ کی ترتیب وتدوین، مدارس عربیہ کا موجودہ نصاب تعلیم۔

بدعت مکروہ : وہ نیا کام جس سے کوئی سنت ترک ہوجائے۔

اگر سنت غیر موکدہ ترک ہو تو بدعت مکروہ تنزیہی ہے۔ جیسے مسجدوں کی فخریہ زینت، نقش ونگار اور اگر سنتِ موکدہ ترک ہو تو بدعت مکروہ تحریمی ہے۔ جیسے غیر عربی میں جمعہ و عیدین کا خطبہ۔

بدعت حرام : وہ نیا کام جس سے کوئی واجب ترک ہو جائے، جیسے خوارج وروافض وغیرہم کے مذاہب۔

پہلی تینوں قسمیں یعنی بدعتِ جائز، بدعت مستحب، بدعت واجب، یہ بدعت حسنہ میں داخل ہیں اور بدعت مکروہ، بدعت حرام، بدعت سیئہ کی قسمیں ہیں۔

بدعت حسنہ و بدعت سیئہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ من سنّ فی الاسلام سنةً حسنةً الخ۔ جو شخص اسلام میں کوئی اچھا طریقہ نکالے اس کے لئے کثیر ثواب ہے اور جو شخص اسلام میں برا طریقہ نکالے اس کے لئے کثیر گناہ ہے۔

اس حدیث میں بالکل واضح طور پر ایک طریقہ کو حسنہ فرمایا ہے، وہی بدعت حسنہ ہے اور دوسرے طریقہ کو سیئہ کہا گیا ہے اور یہی بدعت سیئہ ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بدعت سب بری ہے۔ کوئی اچھی نہیں اور اپنے قول کی تائید میں دو حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

یہاں دونوں حدیثوں کو نقل کر کے جواب عرض کرتا ہوں، پہلی حدیث کلّ بدعةٍ ضلالةٌ ہے کہ اس میں ہر بدعت کو گمراہی فرمایا گیا ہے۔ دوسری حدیث میں من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد۔ جو شخص ہمارے اس دین حق کوئی ایسی بات نکالے جو دین سے نہیں ہے وہ مردود ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دین میں جو بدعت ہے، وہ کوئی بھی اچھی نہیں کیونکہ اس حدیث میں سب کو مردود کہا ہے۔

پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہاں بدعات سے مراد، بدعت سیئہ ہے یعنی بدعت سیئہ کو گمراہی فرمایا گیا ہے۔ اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے تحت ہے، آنچه موافق اصول و قواعد سنت است وقیاس کرده شده است آں رابدعتِ حسنه گویند و آنچه مخالف آں باشد بدعتِ ضلالت گویند۔

یعنی جو بدعت، سنت کے اصول وقوانین کے موافق ہے اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو اسکے خلاف ہے یعنی بدعت سیئہ اسکو بدعتِ ضلالت کہتے ہیں۔ اس تفسیر سے حدیث کی مراد متعین ہوگئی کہ وہاں بدعت کی ایک خاص قسم یعنی بدعت سیئہ کو ضلالت کہا گیا ہے۔

دوسری حدیث یعنی من احدث فی امرنا هذا مالیس منه' فهورد ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی چیز جو دین سے نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے خلاف ہے۔ اس حدیث کی شرح اشعۃ اللمعات میں ہے: مراد چیزے است کہ مخالف بغیر آں باشد۔ اس سے مراد وہ چیز ہے جو دین کے خلاف یا دین کو بدلنے والی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی بدعت صرف بدعت سیئہ ہے۔ اگر حدیث کی یہ توجیہہ معتبر نہ مانی جائے تو اس حدیث کے خلاف ہوگا جو پہلے پیش کی جاچکی ہے کہ جو اسلام میں اچھا طریقہ نکالے وہ ثواب کا مستحق ہے کہ اس حدیث میں بدعتِ حسنہ کی ایجاد پر ثواب کا مستحق قرار دیا گیا۔

نیز مرقات سے حوالہ سے ہم نقل کر چکے ہیں کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں اور اس میں بدعت واجب، بدعت مستحب اور بدعت جائز بھی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت جاری کر کے

فرمایا نعمت البدعة هذه کیا ہی اچھی بدعت ہے۔ اگر ہر بدعت کو ناجائز و حرام کہا جائے گا تو مسائل فقہیہ، صوفیاء کرام کے اشغال و وظائف، شریعت کے چار سلسلے، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب ناجائز و حرام ہو جائینگے۔ کیونکہ یہ سب خیر القرون کے بعد ایجاد ہوے۔ لہٰذا اس کے سوا چارہ نہیں کہ کہا جائے کہ جو کام خلافِ سنت ہو، وہ برا ہے اور جو ایسا نہ ہو وہ اچھا ہے۔

درمختار باب الاذان میں ہے کہ اذان کے بعد سلام کرنا ۷۸۱ھ میں ایجاد ہوا، لیکن وہ بدعت حسنہ ہے، اس کے ماتحت شامی میں ہے۔ ففیہ دلیلٌ علی انہ غیر مکروہ لان المتوارث لایکون مکروھاً۔ و کذالك نقول فی الاذان بین یدی الخطیب فیکون بدعة حسنة اذمارأہ المومنون حسنًا فھو عنداللّٰہ حسن یعنی جو جائز کام مسلمان میں معمول و مروج ہو جائے وہ مکروہ نہیں ہوگا۔ یہی حکم خطیب کے سامنے اذان کا ہے کہ یہ بھی بدعت حسنہ ہے۔

اسی طرح دعا بعد نماز جنازہ کے متعلق کہا جائے گا کہ اگر اس کا بدعت ہونا تسلیم کر لیا جائے تو یہ بھی بدعت حسنہ اور مستحبہ ہے کہ عام مسلمان اس کو نیت خیر سے کرتے ہیں، نہ اس سے کسی نیت کی نفی ہوتی ہے، نہ کسی سنت کا ترک و تغیر لازم آتا ہے۔ لہٰذا ماراہ المؤمنون حسنًا فھو عنداللّٰہ حسن کے مطابق کارِ ثواب ہے۔

ان مباحث کے بعد آخر میں ایک اصولی بات بطور قاعدہ کلیہ کے ملحوظ رہنا چاہئے کہ اگر بالفرض قرآن کریم یا احادیث سے دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت صراحتًا نہ بھی ہو تو جب تک شرع سے صراحتًا دعا بعد نماز جنازہ کی ممانعت نہ ہو، اسکو ناجائز یا حرام نہیں کہہ سکتے۔ حرمت یا عدم جواز ثابت کرنے کے لئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔

بغیر دلیل شرعی کے کسی چیز کی کراہت بھی ثابت نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ حرمت ثابت کی جائے۔شامی بحث مستحبات الوضومیں ہے ولا یلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة او لابدله من دليل خاص کسی چیز کے مستحب نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہو۔ کیونکہ کراہت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے۔لیکن کسی چیز کی اباحت و جواز کے لئے یہی دلیل کافی ہے، کہ اسکی حرمت وعدم جواز پر کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے اصل اشیاء میں اباحت و جواز ہے جیسا کہ شامی کتاب الطہارت میں ہے۔ المختاران الاصل الا باحة عند الجمهور من الحنفيه و الشافعيه۔

قرآن کریم میں ہے قدفصل لكم ماحرم عليكم یعنی جائز وحلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ جو چیزیں حرام ہیں وہ بیان کردی گئیں۔اب حرام چیزوں کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب جائز وحلال ہی ہے۔ ہر ہر جزئیہ کے لئے آیات واحادیث سے صراحتاً ثبوت کی ضرورت نہیں، ورنہ قدم قدم پر مشکلات پیش آئینگی۔

اب غور کیجئے کہ مخالفین دعا بعد نماز جنازہ کو بغیر کسی دلیل کے ناجائز وحرام وغیرہ کہتے ہیں اور فقہاء کرام بغیر ممانعت خاص کے کسی شئی کو مکروہ تنزیہی بھی نہیں مانتے۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

مخالفین کو چاہئے کہ کسی چیز کو ناجائز وحرام کہنے سے پہلے اسکی حرمت وعدم جواز کی دلیل پیش کریں اور اگر نہیں پیش کرسکتے تو کم از کم ان فقہائے کرام وائمہ دین کو ہدف ملامت تو نہ بنائیں۔

اب ہم آخر میں مطلقاً دعا کی اہمیت، اسکے شرائط وآداب سے متعلق تفسیر کبیر اور تفسیر روح البیان کا ایک اقتباس پیش کردینا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ مضمون تشنہ تکمیل نہ رہے۔

آیت کریمہ ادعوا ربکم تضرعًا و خفیه کے تحت تفسیر کبیر کی عبارت یہ ہے

نقول الدعاء يفيد معرفة ذلة العبودية ويفيد معرفة عزة الربوبية وهذا هو المقصود الاشرف الاعلى من جميع العبادات و بيانه ان الداعى لا يقدم على الدعاء الااذاعرف من نفسه كونه محتاجا الى ذلك المطلوب وكونه عاجزًا عن تحصيله وعرف من ربه والهه انه يسمع دعائه ويعلم حاجته وهوقادر على دفع تلك الحاجة وهو رحيم تقتضى رحمته ازالة تلك الحاجة واذاكان كذلك فهولا يقدم على الدعاء الا اذا عرف كونه موصوفابالحاجة وبالعجزوعرف كون الاله سبحانه موصوفا بكمال العلم والقدرة والرحمة فلا مقصود من جميع التكاليف الا معرفة ذل العبوديته وعزالربوبية فاذاكان الدعاء مستجمعًا لهذين المقامين لا جرم كان الدّعاء اعظم انواع العبادات والذى يقوى ماذكرناماروى انه عليه السلام قال مامن شئٍ اكرم على الله من الدعاء والدعاء هو العبادة ثم قرء ان الذين يستكبرون عن عبادتى سيد خلون جهنم داخرين۔ (ترجمہ) دعا سے بندہ کے عجز و تذلل اور رب تعالیٰ کے علو و ترفع کا اظہار ہوتا ہے اور یہی تمام عبادات کا مقصد اعلیٰ ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بندہ دعا کیلئے پیش قدمی اسی وقت کرتا ہے جب وہ اپنے متعلق سمجھتا ہے کہ وہ اس مطلوب کا محتاج اور اسکی تحصیل سے عاجز ہے اور رب تبارک و تعالیٰ کے متعلق یہ سمجھتا ہے، کہ وہ اسکی دعا کو سنتا ہے، اسکی حاجت کو جانتا ہے اور اسکی حاجت کے پورا کرنے پر قادر ہے۔ اور تمام عبادات کا مقصد یہی ہے کہ بندہ کو اپنے عجز و پستی اور باری تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا علم ہو، اور جب دعاء سے بھی یہ دونوں مقصد حاصل ہوتا ہے تو

لامحالہ دعا تمام عبادات میں سب سے بڑی عبادت ہوگی۔ اس بیان کی تائید حضور ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ عزیز ومحترم کوئی چیز نہیں۔ دعا عبادت ہے جس پر قرآن کریم کی یہ آیت شاہد ہے۔ ان الذین یستکبرون عن عبادتی کہ اس آیت میں دعا کو عبادت کہا گیا ہے اور دعا سے تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم بتایا گیا ہے۔ (انتہیٰ کلام الرازی)

تفسیر روح البیان میں زیر آیت ام مّن یجیب المضطر اذادعاہ جو طویل عبارت ہے، اس کے ایک مختصر حصہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

دعا میں سب سے ضروری چیز نیت کو خالص کرنا ہے اور اعتقاد کو شکوک وشبہات کے شائبہ سے پاک کرنا ہے۔ اپنے جسم ولباس کو بھی پاک وصاف رکھنا ہے تاکہ وہ غیب سے امداد کا محل بن سکے اور اس کے شرائط وآداب میں مسواک کرنا، خوشبو لگانا، وضو کرنا، قبلہ رُخ ہونا اور اپنی حاجات ودعاؤں کے عرض سے پہلے ذکر ثنا اور نماز کو مقدم کرنا ہے۔ عجز ونیازمندی کے ساتھ ہاتھوں کو پھیلانا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک رات دُعا کی اور سخت ٹھنڈک کی وجہ سے اپنی آستین سے صرف ایک ہاتھ نکالا، اسی درمیان میں مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی۔ اس وقت میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا آستین سے نکلا ہوا ہاتھ نور سے معمور ہے اور دوسرا ہاتھ جو آستین کے اندر ہے وہ خالی ہے میں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار ایسا کیوں ہے۔ مجھے ندا کی گئی کہ جو ہاتھ طلب کے لئے نکلا اسے میں نے فائز المرام کر دیا جو نہیں نکلا اسے محروم ونا کام کر دیا۔

(انتہیٰ، کلام صاحب روح البیان)

معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ بندہ آپ کی بارگاہ میں دستِ سوال پھیلائے، اس سے اپنی حاجات کے پورا کرنے کی درخواست کرے۔

بعض لوگ ذکر و شغل کرتے ہیں اور کسی خاص ثمرہ کے حاصل نہ ہونے پر غمگین ہوتے ہیں کہ دعا کیا مگر کچھ حاصل نہ ہوا، یہ لوگ بڑی غلطی پر ہیں۔ اصل مقصود رضائے حق ہے۔ جسکا ذریعہ ذکر و طاعت ہے۔ کاملین کی نظر رضائے الٰہی پر ہوتی ہے۔ اپنا ظاہری یا باطنی خط مقصود نہیں ہوتا، بعض اہل لطائف کا قول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا کہ اب اللہ کی مرضی ہے کہ مرض کی شکایت کا اظہار کروں، اس وقت فرمایا رَبِّ انی مسّنی الضر الخ۔ ورنہ یہ اظہار کسی بے صبری کی وجہ سے نہیں تھا۔ اگر بے صبری ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کی یوں تعریف نہ فرماتے۔ انا وجدناہ صابرنعم العبدانہ اواب بلکہ یہ حضرات جس چیز میں اللہ کی رضا دیکھتے ہیں وہی کرنے لگتے ہیں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آگ میں ڈالے جانے کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دعا کرنے کے لئے کہا۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا نہیں کی اور فرمایا علمہ بحالی حسبی عن سوالی یعنی وہ میرے حال سے خود باخبر ہے، سوال کی ضرورت نہیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ صاحب وحی تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ اس وقت دعا کرنا اس کی مرضی کے خلاف ہے، کیونکہ وہ موقع امتحان کا تھا۔ معلوم ہوا کہ جو کچھ یہ حضرات کرتے ہیں صرف مرضی مولےٰ کے لئے کرتے ہیں، اپنی کوئی غرض شامل حال نہیں ہوتی۔

گفت معشوقے بعاشق اے فتا تو بغربت دیدۂ بس شہرہا
پس کدام شہر از آنہا خوشتر است گفت آں شہرے کہ در روے دلبرات

عاشقوں کے پیش نظر صرف انکا دلبر ہوتا ہے، اس سے غرض نہیں کہ وہ شہر میں ہے یا جنگل میں، اسی طرح عام بندوں کو بھی حکم دیا گیا ہے۔ فاذکروانی اذکرکم، ادعونی استجب لکم۔

ہمیں ذکرودعا کا حکم دیا گیا ہے۔ ہماری غرض یہ نہ ہونی چاہئے کہ ہماری خواہش کے مطابق ہمارا مقصد حاصل ہو۔ قبولیت دعا کی یہی ایک صورت نہیں ہے بلکہ کبھی اس کا ثواب آخرت کے لئے ذخیرہ کردیا جاتا ہے۔ کبھی کوئی آنے والی مصیبت اس دعا کی برکت سے ٹل جاتی ہے۔ اور کبھی وہ چیز کہ جس میں ہماری مصلحت ہوتی ہے، عطا کردی جاتی ہے۔ بہر حال ہمارے پیش نظر صرف اس کی مرضی ہونی چاہئے کہ ہم ذکرودعا کریں۔ اسکی بارگاہ میں دست سوال دراز کریں۔ عرض ومناجات کریں، نتیجہ کچھ بھی ہو۔

یابم اورا یا نیابم جستجوئے می کنم   حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۷۳)

عالم دین کو اعلیٰ حضرت کہنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال :

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی بزرگ یا عالم دین اور بادشاہِ اسلام کو اعلیٰ حضرت کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس دلیل سے؟

۲۔ زید کہتا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کو تو صرف حضرت ہی کہا جائے اور غیر رسول کو اعلیٰ حضرت کہا جائے، اعلیٰ حضرت صرف رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ غیر رسول کو اعلیٰ حضرت کہنا جائز نہیں۔ کیا یہ رسول سے بڑھ گئے۔ زید کے اس قول کا کیا جواب

ہے۔بینوا توجروا۔

السائل: محمد عمران قادری

الجواب اللّٰھم ھدایته الحق و الصواب

حامدًاو مصلیاً و مسلماً

درصورت مسئولہ، قاعدہ اور اصول کی بات یہ ہے کہ جو کسی بزرگ یا عالم یا بادشاہ اسلام کے لئے لفظ اعلیٰ حضرت کا اطلاق و استعمال ناجائز کہے، وہ عدم جواز کی دلیل پیش کرے اور جب عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں۔نہ قرآن وحدیث سے مخالفت، نہ اجماعِ امت وقیاس سے مخالفت، تو بقاعدہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ یعنی تمام چیزوں میں اصل ضابطہ یہ ہے کہ وہ حلال وجائز ہے۔البتہ اگر شریعت منع کردے۔تب حرمت یا عدم جواز ثابت ہوگا بلکہ کراہت کے ثبوت کے لئے بھی دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔بغیر دلیل شرعی، کراہت کا ثبوت بھی نہیں ہوسکتا جیسا کہ شامی جلد اول بیان المستحب والسنۃ میں ہے لا ن الکراھۃ حکم شرعی فلا بدله من دلیل من دلیل خــــاص توجب خاص کا ثبوت بھی بلا دلیل نہیں ہوسکتا تو عدم جواز یا حرمت کا ثبوت بلا دلیل کیسے ہوسکتا ہے۔البتہ کسی شئے کے جواز کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ شرع سے اس کی ممانعت ثابت نہیں ہے۔جیسا کہ بحث تعریف سنت میں ہے المختار ان الاصل الاباحته عند الجمھور من الحنفية و الشافعيته۔

۲۔ زید کا یہ خیال کہ اعلیٰ حضرت کا لفظ صرف رسول کے لئے استعمال کیا جائے، غیر رسول کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔اس کی کوئی سند قرآن وحدیث یا دیگر ادلہ سے نہیں ملتی۔ادلہ اربعہ میں کہیں صراحتاً یا کنایۃً یہ نہیں ہے۔کہ یہ لفظ رسول

کے لئے خاص ہے۔ اگر کہیں ہو تو پیش کیجئے۔ بلکہ زید کے مفروضہ کی بناء پر تو لازم آتا ہے۔ کہ جس طرح غیر رسول کے لئے لفظ اعلیٰ حضرت کا اطلاق ناجائز ہے۔ اسی طرح رسول کے لئے بھی اعلیٰ حضرت کا اطلاق ناجائز ہو۔ کیوں کہ سب سے اعلیٰ وارفع ذات تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ کیا رسول کی ذات خدا سے بڑھ کر ہے۔ جو آپ کو اعلیٰ حضرت کہا جائے؟ تو جب خدا اور رسول میں بے شمار فرق مراتب کے باوجود زید کے نزدیک اعلیٰ حضرت کا اطلاق رسول کے لئے جس دلیل سے جائز ہے، اسی دلیل سے ہم رسول اور امت میں بے شمار فرق مراتب کے باوجود، غیر رسول کے لئے اعلیٰ حضرت کا اطلاق جائز کہیں گے۔

پھر زید سے یہ کس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو صرف حضرت ہی کہا جائے، جس طرح آپ چاہیں اونچے سے اونچے، بڑے سے بڑے القاب وآداب سے رسول اللہ ﷺ کو یاد کیجئے۔ صرف خدا یا خدا کا بیٹا نہ سمجھئے۔ صاحب قصیدۂ بردہ شریف نے فرمایا:

دع مادتہ النصاریٰ فی نبیھم
واحکم بماشئت من شرف ومن عظم
فان فضل رسول اللّٰہ عیسی لہ
حدفیعرب عنہ ناطق بفم

اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی عظمت ورفعت کا اندازہ انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ جس طرح چاہو، عظمت وفضیلت کے اعلیٰ سے اعلیٰ الفاظ آپ کے لئے استعمال کر سکتے ہو۔ کمتری اور برتری کا سوال اس وقت ہوگا جب کوئی رسول کو صرف حضرت سمجھے اور رسول کے مقابلہ میں غیر رسول کو اعلیٰ حضرت یا اللہ تعالیٰ کو صرف

حضرت سمجھے اور اللہ کے مقابلہ میں رسول کو صرف اعلیٰ حضرت کہے، تب بے شک تنقیص وترجیح کا سوال پیدا ہوسکتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کسی خاص سے خاص اور جاہل سے جاہل شخص کا بھی یہ عقیدہ یا تصور نہیں ہوتا۔ کہ جب وہ اعلیٰ حضرت کا استعمال رسول کے لئے کرتا ہے، تو وہ رسول کو خدا سے بھی بڑھ کر سمجھتا ہے۔ اس طرح جب وہ غیر رسول کے لئے اعلیٰ حضرت کا لفظ کہتا ہے تو اس کا مقصد ہر گز یہ نہیں ہوتا کہ وہ دنیا کے تمام رسولوں، نبیوں، صحابہ، تابعین، ائمہ کرام واولیاء عظام سے بڑھ کر ہے۔ یہ عقیدہ تو بالکل ضلالت و گمراہی ہے۔ مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

قاعدہ یہ ہے کہ اللہ کے لئے تمام صفاتِ کمالیہ کا اثبات علی الاطلاق کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ سب کا مالک اور خالق ہے۔ وہ سب سے بالا وبرتر ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کلماتِ فضیلت ورفعت کا جب اطلاق کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا کے بعد تمام کائنات ومخلوق میں آپ ہی کا درجہ ہے۔ آپ ان اوصاف وکمالات میں تمام دیگر مخلوقات سے افضل وبرتر ہیں۔ اور جب غیر رسول کے لئے کلمۂ فضیلت استعمال کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اس کو اپنے زمانہ میں دوسروں پر فضیلت حاصل ہے۔ خواہ اپنے زمانہ کے تمام افراد پر اسے فضیلت حاصل ہو، جیسے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم۔ کہ ان میں ہر ایک اپنے زمانہ میں تمام دوسروں سے افضل تھے یا اسے جزوی فضیلت حاصل ہو، جیسے خلفائے راشدین کے بعد سے اب تک۔ اپنے اپنے درجہ ومرتبہ کے لحاظ سے لوگوں کی فضیلت رہی ہے۔

''گلستان اور اخلاق محسنی'' میں بھی بادشاہوں کے لئے حضرت، اعلیٰ حضرت اور آں حضرت وغیرہ کا استعمال کیا ہے اور یہ کتابیں سینکڑوں سال سے عربی مدارس میں

داخل درس ہیں۔ تو کیا سب لوگ غلطی پر ہیں؟ صرف زید ہی صحیح کہتا ہے۔

کتبہ سید حمید اشرف غفرلہ، مدرس دار العلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطبؒ ویلور

تصویب سید مصطفیٰ حسین بخاری، مدرس دار العلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطبؒ ویلور

سید ابو المعالی علوی، مدرس دار العلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطبؒ ویلور

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۷۴)

فرزندان اسلام کی اصلی تصویر

از حضرت مولانا سید حمید اشرف کچھوچھوی فاضل اشرفیہ مبارک پور

پیش نظر فتویٰ جناب سید سعید احمد صاحب ایم اے لکچرار محمد حسن کالج جونپور (یو، پی) کے مختلف سوالوں کا جواب ہے، جوابات تفصیل طلب ہیں۔ اس لئے ایک طویل مضمون کی شکل ہوگئی۔ چونکہ اسکی اشاعت کا پہلے سے کوئی خیال نہ تھا۔ اس لئے ان سوالات کا کاغذ اور اسکی اصل عبارت محفوظ نہ رہ سکی اور جواب کے ساتھ سوالات کی عبارت شائع نہ ہوسکی۔ مضمون کے پڑھنے میں ناظرین کرام کو جہاں جہاں اور جس جس موقع پر، قبل اور مابعد میں بے ربطی و بے تعلقی نظر آئے تو سمجھ لیں کہ یہ حصہ سوال مقدر کا جواب ہے، اس حصہ کو پڑھنے کے بعد سوال کا عنوان خود ذہن میں قائم کرلیں۔

آخر میں تمام ناظرین کرام سے ہماری درخواست ہے کہ خواہ وہ کسی بھی جماعت اور مسلک سے تعلق رکھتے ہوں تعصب و

نفسانیت سے ہٹ کر انصاف و دیانت کی راہ اختیار فرمائیں کہ اسی میں قوم کی صلاح وفلاح مضمر ہے۔!!!

سید حمید اشرف کچھوچھوی

اسلام نے رہبانیت، یعنی دنیا سے بالکل قطع تعلق اور دنیاداری یعنی بالکل دنیا ہی کی چیزوں پر فریفتہ و شیدا ہوجانا دونوں کی مخالفت کی ہے اور درمیانی راستہ یہ بتایا ہے۔ ''دست بکار و دل بیار'' مطلب یہ کہ انسان کو اپنا دنیا کا حصہ تو حاصل کرنا چاہیئے لیکن اس سے دلی تعلق نہیں رکھنا چاہیئے۔ دنیا کمائے، لیکن اس سے محبت نہ کرے۔

سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مریدوں سے سوال کیا کہ بتاؤ اگر کوئی شخص یہ وصیت کر جائے کہ میری دولت میرے بعد دنیا کے سب سے اچھے آدمی کو دی جائے تو تم وہ دولت کس کو دو گے؟

اس سوال کا ہر شخص نے مختلف جواب دیا، لیکن حضرت نے فرمایا کہ دنیا کا سب سے اچھا آدمی وہ ہے جس نے دنیا ترک کر دیا ہو۔ سب لوگ یہ سن کر حیران رہ گئے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت جب وہ شخص تارک دنیا ہوگا تو اس دولت کو قبول ہی کیوں کرے گا۔

حضرت نے جواب دا۔ بات تو خرچ کے بارے میں ہے، یعنی تارک دنیا اس کو نہیں کہتے جس کے پاس خرچ کرنے کو کچھ موجود ہی نہ ہو، اور وہ محض مفلس اور کنگال ہو، بلکہ دنیا کو ترک کرنے والا وہ ہے، جو جمع کر کے نہ رکھتا ہو اور اپنی آمدنی جائز طریقہ سے خرچ کرتا ہو۔ جب ہم خیرالقرون کے دور پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں یہی شان دکھائی دیتی ہے کہ جب ان سے خرچ کے لئے کہا جاتا ہے تو کوئی بیک وقت اپنی آدھی دولت لا

کر رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں ڈال رہا ہے اور کوئی اس سے آگے بڑھکر اپنا سب کچھ دین اور انسانیت کے نام پر نچھاور کر رہا ہے اور جب رسول علیہ السلام پوچھتے ہیں کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑا تو عرض کرتے ہیں، اللہ اور اس کا رسول ؐ، یہ ہے ترک دنیا۔

یہاں پر ایک دو واقعہ مزید عبرت کے لئے نقل کر دینا مناسب ہے تا کہ اندازہ ہو کہ اللہ کے نیک بندوں کی کیا شان ہوتی ہے۔

حضرت غوث ؒ پاک تجارت کرتے تھے۔ ایک مجلس میں حضرت کو خبر دی گئی کہ جو جہاز آپ کا اسباب تجارت لیکر گیا تھا، وہ ڈوب گیا، اور سب مال تباہ ہو گیا۔ اگر کوئی دنیادار اس خبر کو سنتا تو شاید خودکشی کر لیتا۔ لیکن اس کے جواب میں فرماتے ہیں الحمدللہ۔ اس کے بعد جب دوبارہ آپ کو خبر دی گئی کہ پہلی اطلاع غلط تھی، اب معلوم ہوا ہے کہ آپ کا جہاز صحیح سالم خوب منافع لیکر واپس ہوا ہے۔ تو یہ سن کر بھی ارشاد ہوا الحمدللہ۔

جہاز ڈوبنے کی خبر سے انہیں نہ کوئی رنج تھا اور سلامتی کی خبر سے نہ کوئی خوشی، ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتے رہے۔ اس لئے کہ دنیا کا ساز وسامان جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ دل سے باہر ہوتا ہے، دل کے اندر اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی، اور وہ ''دست بکار ودل بہ یار'' کا مصداق ہوتے ہیں۔

حضرت محبوب الٰہی کے اصطبل میں گھوڑے سونے کی میخوں سے باندھے جاتے تھے، بادشاہ نے اعتراض کیا کہ یہ کیسی درویشی ہے؟ حضرت نے جواب دیا! ''کجا انداختم در دل مگر انداختم در گل'' میں نے کھونٹوں کو اپنے دل میں نہیں گاڑا، مٹی میں گاڑا ہے۔ جن پر گھوڑے پیشاب کرتے ہیں۔ آپ کے لنگر خانہ میں ہزاروں آدمی

روزانہ عمدہ سے عمدہ کھانا کھاتے تھے ، بے شمار لوگوں کو کپڑے اور زندگی کے دیگر لوازمات تقسیم ہوتے تھے۔صبح سے شام تک بے حساب دولت نذرانہ میں آتی تھی، لیکن شام تک اس میں سے ایک حبّہ بھی بچا کر نہ رکھا جاتا تھا، خود آپ کا یہ حال تھا کہ دن کو روزہ رکھتے تھے اور شام کو جَو کی روٹی سے افطار کرتے تھے۔اس لئے کہ دنیا اُن کے دل میں نہ تھی۔حدیث شریف کا مضمون ہے ''تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا'' رحم واحسان ، ایثار وکرم کیا جائے اور بے غرضی سے کیا جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے۔حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں نے اپنے تمام اعمال کا تجزیہ کیا۔ بہت غور وفکر سے کام لیا تو یہ حقیقت منکشف ہوی کہ دنیا میں بھوکوں کو کھانا کھلانا اور دنیا والوں سے حسن خلق کے ساتھ پیش آنے سے افضل وبہتر نہ کوئی نیکی ہے، نہ کوئی عمل ، میرے ہاتھ میں دنیا کے خزانے ہوتے تو میں بھوکوں کو کھانا ہی کھلاتا رہتا۔

آپ کی تمام تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ مخلوق الٰہی میں سے کسی کو بھوکا نہ رہنے دیا جائے اور اللہ کی ہر مخلوق کی خدمت پورے ذوق وشوق کے ساتھ کی جائے۔

ایسے واقعات تو بہت سے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ آپ کی ذات گرامی غربا وضعفاء کے لئے مأویٰ وملجا تھی۔لیکن یہاں صرف ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے جو عبرت پذیری کے لئے کافی ہے۔

ایک دفعہ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ حج کے لئے تشریف لے گئے، راستہ میں ایک جگہ قصبہ آجلہ کے قریب قیام کیا اور خادم سے فرمایا کہ جا کر تحقیق کرو کہ یہاں سب سے زیادہ شکستہ حال اور غریب شخص کون ہے۔جب معلوم ہو گیا تو آپ اس

شخص کے مکان پر پہنچے دیکھا کہ ایک ٹوٹا مکان ہے اور اس مکان میں ایک گدڑی کے سوا اور کچھ نہیں ہے، اندر ایک بوڑھا اور ایک بڑھیا اور ایک لڑکی بیٹھی ہوی ہے۔ آپ نے ان کی اجازت سے اسی جگہ قیام کیا۔ حضرت کی شخصیت ایسی نہ تھی کہ آپ کی تشریف آوری اور قیام کی خبر چھپی رہتی، قصبہ کے اُمراء ورؤساء آپ کی خدمت میں حاضر ہوے اور سب نے بہ منّت استدعا کی کہ یہاں آپ کو بہت تکلیف ہوگی آپ ہمارے یہاں قیام فرمائیں مگر آپ نے کسی کی درخواست قبول نہ کی۔ بالآخر قصبہ کے امراء ومشائخ نے وہیں آپ کو نذریں پیش کرنی شروع کردیں۔ تھوڑی دیر میں بکریوں، اونٹوں، گھوڑوں، کپڑوں اور سونے چاندی کے انبار لگ گئے۔ جب آپ نے دیکھا کہ اب اس قدر ساز وسامان جمع ہوگیا ہے جو اس گھر والوں کے لئے مدت العمر کافی ہوگا تو آپ نے وہاں سے منتقل ہونے پر رضامندی ظاہر کی اور ساری دولت آپ نے اس غریب شخص کے حوالے کردی، اسطرح ایک ہی رات میں قصبہ کے سب سے غریب شخص کو سب سے زیادہ مالدار بنا کر صبح کو وہاں سے تشریف لے گئے۔

آج بھی مشائخ اور پیران طریقت ہیں، ان کے مریدین میں امیر وغریب دونوں ہیں، لیکن غور وفکر کرو، موجودہ دور کے پیروں کا کیا حال ہے۔ اگر ان کا کوئی مرید غریب ہے، خواہ وہ کتنا ہی مخلص ہو لیکن اس کے یہاں قیام تو درکنار اس کی طرف توجہ بھی ناگوار خاطر ہوتی ہے تو کیا اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ موجودہ علماء ومشائخ کا مقصود محض دنیا طلبی، ودنیاداری ہے۔ اپنی مشیخیت وپیری کی دکان سجانا ہے، تاکہ آمدنی میں کسی قسم کا زوال ونقصان نہ آنے پائے۔ اسلاف کا حال تو یہ تھا، کہ خود فاقہ کرکے دوسروں کو آسودہ کرنے میں خوشی ومسرت محسوس کرتے تھے اور آج اخلاف کا کیا حال

ہے کہ اگر ان کی دکان سجی ہے، آمدنی اچھی خاصی ہو رہی تو انہیں کسی کا کوئی غم نہیں، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ دوسروں کو رنج و مصیبت ہی میں دیکھ کر اُن کو دلی مسرت ہوتی ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے، یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ خیر خواہی رکھے، ایک دوسرے کی بھلائی چاہے۔ اسی مضمون کی اور بھی بکثرت حدیثیں ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر اسلامی اوصاف وخصوصیات مثلاً رحم وکرم، حلم وعفو، سخاوت وسیر چشمی، خلوص و ایثار، شفقت و ہمدردی، عالی حوصلگی، وسیع القلبی، تواضع وانکساری، ورع وتقویٰ، امانت و دیانت، وعدہ وقول کی پابندی، سچائی و راستبازی، ان اوصاف کا تمام مسلمانوں کے لئے عموماً اور دین کے ذمہ داروں کے لئے خصوصاً ضروری ہے۔ اس کے برعکس حسب ذیل اوصاف ان کے اندر بالکل نہ ہونا چاہئے۔ بخل، حسد، تنگ نظری، خودغرضی، مفاد پرستی، شقاوت، سنگدلی، غیظ وغضب، فخر وغرور، مکر وفریب، کذب ودروغ، فسق وفجور کیونکہ یہ تمام اوصاف منافی اسلام ہیں۔

اسلام نے حق و باطل کھرے کھوٹے کے پہچاننے کی کسوٹی ہمیں بتائی ہے اور وہ ہے عمل وکردار کی کسوٹی، اگر ہم اسلام کے فرائض وارکان، حقوق اللہ وحقوق العباد سے غافل ہوں اور ان کی ادائیگی کی طرف کوئی توجہ نہ کریں، اور اس پر مزید یہ کہ تمام اوصاف قبیحہ جو منافی اسلام ہیں وہ بھی ہمارے اندر موجود ہوں تو کیا صرف فاتحہ، عرس اور اسی طرح کی دیگر رسمیات کے ادا کردینے سے، اور دوسروں کو کافر کافر کہتے رہنے سے ہم مستحق نجات ہو جائینگے، اگر ہم ایسا سمجھتے ہیں تو یہ ہماری بہت بڑی غلط فہمی و خودفریبی ہے۔ اب غور کرو، موجودہ حالت میں جبکہ اسلام کے خلاف تمام ممالک مثلاً روس، امریکہ، چین اور دیگر قومیں، یہود ونصاریٰ کفار ومشرکین سب صف آراء ہیں اور

اسلام کو بیخ و بن سے اُکھاڑ کر پھینک دینا چاہتی ہیں۔نصاب تعلیم وغیرہ سب ایسے رائج کئے جارہے ہیں جس سے خود بخود اسلامی ذہنیت، مشرکانہ سانچہ میں ڈھلتی چلی جارہی ہے، ایسے تیرہ و تاریک ماحول میں ہم نے خود اپنے گھر میں کفر و شرک کا بازار گرم کرر کھا ہے۔اب ذرا غور کریں، اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کہ یہ دین اسلام کی خدمت ہے یا اعدائے دین کی، اسلام کی مدد و اعانت اپنے اس طرز عمل سے، کہیں ایسا تو نہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیت اذاقیل لهم لا تفسدوافی الارض قالوا انما نحن مصلحون الاانهم هم المفسدونولکن لایعلمون۔ ہمارے حال پر صادق آتی ہو، کہ ہم جس کام کو اصلاح کا کام سمجھتے ہیں وہ حقیقتاً افساد کا کام ہے۔ان تمام فتنوں کی خبر مخبر صادق ﷺ نے دے دی ہے۔کہ ایسے ایسے فتنے پیدا ہوں گے کہ اس میں بڑے بڑے عاقل محتاط، حیران و متحیر رہینگے اور رہائی و مخلصی کی راہ انہیں نظر نہ آئے گی۔

برخلاف اس کے اگر ہم اپنی اس باہمی رسہ کشی کو چھوڑ کر متحد و منظّم ہوتے، ہم سب کا ایک پلیٹ فارم اور ہم سب کی ایک آواز ہوتی تو آج کوئی تعجب نہیں کہ اعدائے دین کی کثرت کے باوجود حکومت و فرماں روائی مسلمانوں کے ہاتھوں ہوتی۔لیکن یہ بندۂ سیم و زر، حریص و طامع مسلمان، قوم و امت کے مفاد کو پس پشت ڈال کر خود غرضی و ذاتی مفاد پرستی کے پیچھے پڑ گیا۔امت اسلامیہ پارہ پارہ ہوتی رہی۔لیکن انہوں نے اپنے جاہ و منصب، مال و منفعت سے دستبردار ہونا گوارا نہ کیا۔(بات ذرا سخت ہے اور حق بات تو کڑوی ہی ہوتی ہے لیکن انصاف پسند و منصف مزاج شخص کے لئے اس کا سمجھنا کچھ دشوار نہیں ہے)

وعظ و تبلیغ جو بلاشبہ دین اسلام کا کام ہے۔لیکن اگر انہیں کسی جگہ کے متعلق

معلوم ہو جائے کہ وہاں ہمارے وعظ کا معاوضہ کچھ نہیں ملیگا تو آپ ایمانداری سے بتائیے کہ کیا ایسے مجلس وعظ میں وہ شرکت کرینگے؟ اور اگر بھول کر ایک مرتبہ شریک ہو گئے تو آئندہ شرکت سے کان پکڑینگے۔ کیا اسی کا نام خدمت اسلام ہے۔ یہ تو سوائے خدمت شکم کے اور کچھ بھی نہیں۔ بزرگان دین کے حال پر اپنے کو قیاس کرنا سخت دھوکہ اور فریب ہے۔ اول تو وہ نذرانے وصول کرنے کے لئے کہیں جاتے نہیں تھے۔ بلکہ خود لوگ نذرانہ لاکر ان کے قدموں پہ نثار کرتے تھے اور وہ بالکل اس سے مستغنی تھے۔ دوسرے یہ کہ اس نذرانہ کا مصرف ومقصد خود اپنی تن آسانی وتن پروری نہیں تھی، بلکہ اسے وہ قوم ہی کے اغراض ومصالح میں صرف کرتے تھے جیسا کہ آپ نے حضرت محبوبؒ الٰہی وحضرت محبوب سبحانیؒ کے ایک ایک واقعہ سے اندازہ کیا۔ اسی طرح دیگر اولیاء اللہ کے حالات زندگی کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے شجر اسلام کی آبیاری، برگ وبار آوری کے لئے تن من دھن سے ہر طرح قربانیاں پیش کی ہیں۔ خدمتِ اسلام کے لئے جان کی بازی لگائی ہے۔ تن تنہا کفار واعدائے دین کے نرغہ میں گھر کر بھی اعلاء کلمۃ اللہ کا فرض ادا کیا ہے، جو لوگ آغوش اسلام میں داخل ہوئے ہیں، ان میں جو لوگ بے ذریعہ و بے سہارا تھے، ان کی کفالت و پرورش کی ذمہ داری خود اپنے سر لی ہے۔ ان کا لنگر خانہ دوست ودشمن سب کے لئے عام ووسیع تھا، وہاں اسکی تخصیص نہیں تھی کہ جو نذرانہ پیش کرے وہ لنگر خانے میں شریک ہو، اور جو نذرانہ پیش نہ کرسکے اس کی طرف کوئی التفات نہ ہو۔ ذرا سوچئے تو ان دونوں نظریوں اور طریقۂ کار میں کس قدر زمین وآسمان کا فرق ہے، مشرق ومغرب کا فرق ہے لیکن پھر بھی ہم فریب نفس میں مبتلا ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں بعینہ دین

واسلام کا کام کر رہے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارا حال ان لوگوں کے مشابہ ہو جسکی خبر اس آیت میں دی گئی ہے۔ قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالا الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعًا۔

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ کیا ہم ان لوگوں کی خبر تم کو دیں جو عمل کے لحاظ سے گھاٹے اور نقصان میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوشش دنیوی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے صرف ہوی اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کے ایک ٹکڑے کا مفہوم پیش کرتا ہوں جس سے اس مقصد پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ زمانۂ مابعد کے علماء ومشائخ کا طرز عمل ہمارے لئے کچھ بھی حجت اور سند نہیں بلکہ جو طریقہ ان کا سنت کے مطابق ہے اسلامی احکام وقوانین کے اندر ہے۔ وہی صحیح ودرست ہے ورنہ غلط۔

اسلام کی جو مایۂ ناز ہستیاں ہیں جنکی عظمت وتقدس کا شہرہ چاردانگِ عالم میں ہے اللہ کی کثیر مخلوق مسلم، غیر مسلم سب ہی ان کی زندگی میں بھی اور بعد وفات فیض پاتی رہی اور پا رہی ہے۔ مثلاً حضرت خواجہ اجمیری، حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی، سید سالار مسعود غازی، مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات اقطابِ ویلور قدس اللہ اسرارہم۔ ہم ان مقدس و برگزیدہ ہستیوں کو موجودہ پیران طریقت کی صف میں لاکر کھڑا کردیں۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ یہ بڑی ناانصافی، اور بڑی احسان فراموشی ہے، قرآن کریم میں فرمایا گیا، وابتغو الیہ الوسیلۃ یہ حضرات اللہ تک رسائی کے لئے وسیلہ وذریعہ ہیں کہ ان کی توجہ ونگاہ کرم سے بآسانی بے خوف وخطر اللہ

تک پہنچنے کا راستہ طے ہو جاتا ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، تھوڑی دیر ان کی صحبت میں بیٹھنا ہزاروں برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ ان کی نگاہ کیمیا تاثیر وہ اثر کرتی ہے جو برسہا برس کی عبادت نہیں کر سکتی۔ زیادہ تفصیل کا موقع نہیں۔ اولیاء کرام کے حالاتِ زندگی کے مطالعہ سے اس کا اندازہ بآسانی ہو سکتا ہے۔

ہم ان حضرات کو کسی کام میں مستقل و مختار بالذات نہیں مانتے یہ تو صرف خدا کی شان ہے، لیکن یہ کہتے ہیں کہ من کان للّٰہ کان اللّٰہ لہ'۔ یہ اللہ کے ہو گئے ہیں، اللہ ان کا ہو گیا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں ان کو وہ تقرب و جاہت حاصل ہے کہ جس کے لئے جو درخواست کریں، جو سفارش کریں، اللہ تعالیٰ اسے اپنے لطف و کرم سے رد، و نامنظور نہیں کرتا۔ اس وجہ سے کہ اللہ کو ان کی دل شکنی منظور نہیں۔ کیونکہ اللہ کی تائید و اعانت پر وقت ان کے ساتھ ہے لیکن حقیقی حاکم و متصرف صرف اللہ ہے۔ یہ حضرات اپنی درخواست و سفارش منظور کرا لیتے ہیں۔ اگر بعض دفعہ یہ حضرات کسی کو اپنی طرف سے مال یا اولاد وغیرہ ملنے کا وعدہ کر دیں تو اس وجہ سے ہوتا ہے کہ انہیں اللہ کی رحمت پر ناز، اسکے فضل و کرم سے قوی امیدوار پورا اعتماد و بھروسہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے قول اور وعدہ کے مطابق ویسا ہی عطا کر دیتا ہے۔

یہ عقیدہ کوئی خلاف اسلام نہیں بلکہ عین اسلام کے مطابق ہے۔ ان حضرات کو یہ جو کچھ مرتبہ ملا، حضور ﷺ کی سچی غلامی محبت اور فرمان برداری کی بدولت ملا۔ صحابہ کرام کو بھی، جو مرتبہ ملا وہ حضور ﷺ کی سچی محبت جاں نثاری و فدویت کی بدولت ملا۔ تو وہ حضرات جنہوں نے حضور ﷺ کی مرضی کے مطابق اپنا جان و مال سب کچھ قربان کیا۔ ساری زندگی خدمتِ اسلام کے لئے وقف کر دی۔ اور اس راہ میں ہر طرح کے

مصائب و آلام برداشت کیئے۔ ان کو ماننا اور ان کے مرتبہ کو پہچاننا، ہمارے ایمان کی علامت ہے۔ یہ حضورﷺ سے کیسی محبت ہے کہ آپ کو مانیں اور آپ پر فدا ہونے والوں کو نہ مانیں۔ بلکہ درحقیقت دوست کا دوست بھی دوست ہوا کرتا ہے۔

حضرات اولیاء اللہ کو بتوں پر قیاس کرنا بڑی نادانی ہے، اولیاء اللہ کی تعریف قرآن کریم میں آئی ہے۔ حدیث میں ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ خدا کی طاقت ان کے ساتھ ہوتی ہے، اور وہ خدائی طاقت سے کام کرتے ہیں اور بتوں کی مذمت کی گئی ہے۔ ان کو جہنم کا ایندھن کہا گیا ہے۔ ان کو مجبور محض کہا گیا ہے۔ کہ وہ مکھی کو بھی اپنے سے دفع نہیں کر سکتے۔ وہ دوسروں کی مدد کیا کریں گے۔ دونوں کو ایک درجہ میں سمجھنا دراصل خدا کی قدرت کا انکار ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جن کی تعریف و توصیف خود بیان کرتا ہے ان کے فضائل و کمالات اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے۔ پھر ان کو ایسا مجبور محض سمجھنا اس کے سوا اور کیا معنی رکھتا ہے کہ ہمیں اللہ کی قدرت پر یا اس کے کلام پر ایمان نہیں۔ یہ بڑی سخت غلطی ہے۔

لیکن اس کے باوجود پھر بھی ان کے درمیان فرق مراتب ہے۔ پہلے پیغمبر کا درجہ ہے پھر صحابی کا، پھر تابعی کا، پھر دیگر اولیاء اللہ کا، ان میں بھی مختلف درجے ہیں۔ سب اولیاء کے سردار حضرت محبوب سبحانیؓ ہیں۔

اولیاء اللہ، حضورﷺ کا زندہ معجزہ ہیں کہ ان سے حضورﷺ کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے، اور حضورﷺ کے معجزات سے رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا پتہ چلتا ہے۔

یہ حضرات میدان محشر میں اپنے اپنے متعلقین و متوسلین کے لئے بارگاہ خدا

وندی میں شفاعت بھی کریں گے۔ان کی شفاعت قبول کی جائے گی۔سب سے پہلے شفاعت کی اجازت حضورﷺ کے لئے ہوگی، پھر درجہ بدرجہ دیگر اولیاء اللہ، علماء، شہداء، صلحاء، حتیٰ کہ نابالغ بچہ بھی اپنے والدین کے لئے سفارش کریگا۔اوراس کی سفارش قبول کی جائے گی۔حضورﷺ کی شفاعت کی مختلف صورتیں ہیں۔آخر میں جو مومنین اپنے فسق و معصیت کی سزا جہنم میں کاٹ رہے ہوں گے ان کی بھی آپ بخشش کرائینگے۔ حدیث شریف شفاعت، حدیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہے۔اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن یہ کہ کوئی شخص ایمان ہی نہ لائے اور حضورﷺ اس کی شفاعت کر کے جنت میں بھیج دیں، ایسا تو نہیں ہوگا۔آپ بھی وہی کرینگے جس میں اللہ کی مرضی ہوگی۔جو بات اللہ کی مرضی کے خلاف ہوگی۔اسے آپ نہیں کرینگے۔آپ کی شفاعت و سفارش سے بخشش و مغفرت صرف آپ کی گنہگار امت کے لئے ہوگی۔لیکن ایسے وقت میں کہ جب ہر ایک زبان پر نفسی نفسی ہوگا کسی کو دَم مارنے کی مجال نہ ہوگی ایسے نازک وقت میں آپ کا شفاعت کے لئے آمادہ ہونا اور اللہ سے اذن حاصل کرنا، اس سے اللہ کی بارگاہ میں آپ کی رفعت و عظمت کا پتہ چلتا ہے اور اس مسئلہ شفاعت سے آپ کے مرتبہ اور درجہ کا اظہار ہی مقصود ہے، گویا اللہ کی حکومت میں حضورﷺ کا درجہ وزیر اعظم کا ہے، اور پھر درجہ بدرجہ دیگر حضرات ہیں۔

اب لکھتے لکھتے قلم تھک گیا ہے، غالباً پڑھتے پڑھتے آپ بھی تھک جائینگے، اب یہاں مزید تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔انہیں اشارات سے آپ ہر بات کی تہ تک پہنچ سکتے ہیں۔

آخر میں مخدوم صاحب کے شادی نہ کرنے کے مسئلے پر بھی ایک اجمالی روشنی

اپنی سمجھ کے مطابق ڈال دوں۔ اس مسئلے میں مجھے خود بھی تشویش تھی۔ لیکن آپ کے لکھنے پر جو کچھ سمجھ میں آیا ہے وہ پیش ہے۔

مخدوم صاحب کی ولایت کا مسئلہ بھی متفق علیہ ہے جسکو عرب و عجم کے علماء و مشائخ تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے ہم ان کی شان میں کوئی غیر مناسب کلمہ استعمال کرنا اپنی محروم قسمت ہی سمجھتے ہیں، اس لئے ہم کہیں گے کہ یہ ایک رمز ہے جسکے سمجھنے سے ہماری عقل قاصر ہے، اسی لئے فرمایا گیا ہے، ''ولی را ولی می شناسد'' ہر ایک کا کام نہیں کہ ولی کو پہچان سکے، حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ، رحمت الٰہی کی دلہن ہیں۔ جہاں تک سوائے، اس کے محرم کے کسی کی رسائی نہیں، شیخ ابوالعباس فرماتے ہیں کہ خدا کا پہچاننا آسان ہے لیکن ولی کی پہچان مشکل، لیکن اگر اس جواب سے آپ کی تسلی نہ ہو اور آپ کو مخدوم صاحب کی ذات گرامی میں اتباع شریعت کے سلسلے میں یہ نقص نظر ہی آئے تو ہم کہیں گے کہ یہ نقص اور عیب مخدوم صاحب کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ درجہ بدرجہ اور سلسلہ بہ سلسلہ حضرت محبوبؒ الٰہی نظام الدین اولیاء دہلوی اور پھر حضرت خواجہ اجمیریؒ اور پھر حضرت محبوب سبحانیؒ اور پھر آپ سے گذر کر سلسلہ بہ سلسلہ حضرت مرتضی علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مخدوم صاحب نے خلافِ شرع فعل، خود اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ اپنے شیخ و مرشد حضرت خواجہ علاؤالدین پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ کی مرضی پا کر کیا تھا۔ تو سوال یہ ہے کہ انہوں نے ایک خلاف شرع امر پر رضامندی کا اظہار کیسے کیا اور حضرت خواجہ علاؤالدین پنڈوی کا سلسلہ غالبًا دو ایک واسطہ سے حضرت محبوب الٰہی تک پہنچتا ہے۔ بہر حال ان کے درمیان جو بھی واسطے ہیں سب پر یہ الزام وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے ایسے ناقص اور

خامکار کو اپنا خلیفہ و جانشین کیسے بنایا، اور پھر اسی سلسلے کی کوئی بھی کڑی اس الزام سے بچ نہیں سکتی۔ اور آخر میں حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ سے خود حضورﷺ تک بات پہنچتی ہے۔ تو اب آپ بتائیے کہ آپ کس کس پر اعتراض کرینگے، اس لئے آسان راہ یہی ہے کہ اس کو ایک رمز سمجھا جائے، جو ہماری عقل سے بالا ہے۔ آخر قرآن کریم میں حروف مقطعات بھی تو ہیں۔ ان کا بھی کچھ مطلب ہے، لیکن ہم کچھ نہیں سمجھتے۔

لیکن اس رمز کو اگر آپ سمجھنا چاہیں تو جہاں تک میری عقل نے کام کیا ہے یہ ہے کہ یہ مسئلہ عالم روحانیت میں طے کرلیا گیا ہو یعنی حضرت خواجہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں حضورﷺ سے اجازت حاصل کرلی ہو اور شارع علیہ السلام نے نکاح کے عام حکم سے حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کو مستثنٰی کردیا ہو جیسا کہ محبوب سبحانیؒ نے عالم روحانیت میں حضورﷺ کی مرضی اور سفارش سے امام احمد بن حنبل کی تقلید کی، ورنہ آپ کا رجحان امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف زیادہ تھا۔ لیکن یہ عقلی احتمال مخدوم صاحب کے متعلق کسی کتاب میں نہیں ہے۔ اس لئے ہم کسی کتاب کا حوالہ نہیں دے سکتے لیکن اس پہلی اعتراض والزام والی صورت سے یہ صورت زیادہ بہتر ہے۔ اس میں نہ کوئی اشکال ہے نہ استحالہ، اس قسم کی نظریں کتبِ احادیث میں موجود ہیں کہ بعض احکام سے آپ نے بعض افراد کو مستثنٰی کردیا۔ آخر یہ شعر حافظ شیرازیؒ کا آپ نے بھی سنا ہے۔

بہ مے سجادہ رنگین کن، گرت پیر مغاں گوید   کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا

کہ اگر مرشد کامل حکم دے کہ اپنی جانماز شراب سے تر کردو تو اس کے حکم کی تعمیل کردو۔

اس لئے کہ مرشد کامل راستہ کے نشیب و فراز سے واقف ہوتا ہے، بے خبر نہیں ہوتا۔

مخدوم صاحب اپنے شیخ کو مرشد کامل سمجھتے تھے، چنانچہ ان کے حکم کو آپ نے اسی طرح بنایا۔ اب ساری ذمہ داری شیخ پر ہے۔ مخدوم صاحب پر کوئی الزام نہیں آتا۔

علماء اور فتویٰ کے متعلق آپ نے پوچھا ہے، اگر چہ ان اُمور کے متعلق میری پچھلی تحریروں سے بخوبی یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ صرف عالم یا مفتی کا نام سننے ہی سے ہمیں اپنی جبیں عقیدت خم کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ علماء میں ہمیشہ ہر دور میں دو جماعتیں رہی ہیں۔ ایک علماء سوء، دوسرے علماء حق، لیکن علماء حق کے مقابلے میں علماء سوء کی کثرت ہر زمانہ میں رہی ہے اور قوم کو یا مذہب کو جو کچھ بھی نقصان پہنچا وہ علماء سوء ہی کی بدولت، علماء سوء وہ ہیں جن کے قول وعمل میں کوئی مطابقت نہ ہو اور تمام اخلاق رذیلہ جنکا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں اس کے جامع ہوں یا مختصراً یوں سمجھئے کہ جن کا مقصد صرف شکم پروری ہو۔

اگر آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ علماء سوء، جو بندگان سیم وزر تھے انہوں نے کس طرح حق کے خلاف صرف اپنے مفاد کے لئے صف آرائی کی، مثال کے طور پر امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں یزید، ابن زیاد، عمر وسعد، ودیگر باشندگان کوفہ، معمولی پڑھے لکھے لوگ نہ تھے، بلکہ قرآن وحدیث سے دلائل پیش کرتے تھے اور مسائل کا استنباط کرتے تھے۔ اس میں بڑے بڑے خطیب تھے۔ فقہیہ ومفسر تھے۔ لیکن آخر دیکھئے دنیا کی حرص وطمع نے انہیں ایسی حرکت پر آمادہ کر دیا جس پر دنیا قیامت تک ان کے اوپر لعنت بھیجتی رہے گی۔

اکبر باشاہ نے جب نیا دین ایجاد کیا تو اسکی تائید وہمنوائی کرنے والے درباری علماء سوء ہی تھے۔ پھر حضرت مجدد الف ثانی نے سب کے خلاف آواز اٹھائی۔ انگریزی

دورِحکومت میں علماء ہی انگریزوں کے آلۂ کار تھے۔سب سے پہلے صرف مولانا فضل حق غیر آبادی نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔لیکن دیگر علماء سب ابن الوقت تھے۔مفاد پرست تھے۔اسی طرح خلفاء وسلاطین کے ہر دور میں آپ کو ایسی مثالیں نظر آئینگی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ فتویٰ غلط ہے یا قرآن واحادیث سے نکالا ہوا مسئلہ غلط ہے، وہ سب اپنی جگہ پر حق ومسلّم ہے۔لیکن راہِ حق اختیار کرنے میں مشکلات کے پہاڑ ہیں۔مصائب کے طوفان ہیں۔جنت انہیں مشکلات ومصائب کے سایہ میں ہے۔اس لئے اب بتایئے کہ جس کا مقصد تن آسانی وتن پروری ہے، وہ کیسے ان مصائب و مشکلات کے لئے آمادہ ہوسکتا ہے۔جب آسانی کے ساتھ اس کا مقصد حاصل ہورہا ہے تو اپنے کو خطرے میں کیوں ڈالے،علماء کی اکثریت ہر دور میں ایسی ہی رہی ہے ورنہ اگر علماء کی اکثریت صالح ہوتی تو یہ دنیا جنت کا نمونہ ہوتی۔رحمت وبرکت کا خزینہ ہوتی۔

پھر میں آخر میں اپنی پہلی بات کا اعادہ کررہا ہوں، تاکہ حقیقت پوری طرح ذہن نشین ہوجائے، کہ حق وناحق کے پہچاننے کی کسوٹی اور معیار صرف کردار وعمل ہے۔ گفتار کا غازی بن جانے سے کوئی کام نہیں چلتا۔

آپ اس تحریر کو غور سے پڑھئے، جس بات میں تشویش یا خلجان ہو اس کو ٹھنڈے دل سے جذبات پر قابو رکھتے ہوئے دل وضمیر سے فیصلہ لیجئے۔انشاءاللہ آپ کو اس تحریر کی صداقت میں شک نہیں رہیگا۔میں نے اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود آپ کی ذہنی الجھن کا خیال کرتے ہوے جلد از جلد اس خط کو مکمل کر کے بھیجنا ضروری سمجھا۔ خدا کرے اس سے آپ کی تسکین کا سامان ہوجائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قبول حق کی توفیق عطا کرے۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین، والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

سید حمید اشرف کچھوچھوی غفرلہٗ

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۷۵)

آیات قرآنی پانی پر دم کرنا اور اس پانی سے غسل کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کچھ جہلاء غسل کرنے سے پہلے قرآن کی کچھ آیت دم کرکے اسی سے غسل کرتے ہیں، ہرچند منع اس فعل سے روکنے کے ہر چند کوشش کی، لیکن وہ چٹان کی طرح اپنی جگہ اٹل ہیں، آپ کا فتویٰ ان کے لئے مشعلِ راہ ہوسکتا ہے۔ ایک اور صاحب ہیں جو زچہ کے غسل کے لئے پانی دم کرکے دیتے ہیں، اور از راہِ کرم ان جہلاء کے لئے فتویٰ صادر فرمایئے تاکہ یہ گمراہیوں سے بچیں۔

السائل: سید جانی گرم کنڈوی

اسلامی کتب خانہ، گرم کنڈہ، چتور

الجواب باسمک اللھم

حامداً ومصلیاً ومسلماً قرآن شریف کی آیات یا دعائے ماثورہ پانی پر دم کرکے مریض کو پلا سکتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے مریض کو صحت شفا عطا فرمائے، لیکن اس پانی سے آبدست لینا، یا جنبی مرد یا حائضہ عورت، یا نفاس والی عورت کا اس پانی سے غسل کرنا، یا جنابت، حیض ونفاس کے علاوہ دوسری حالتوں میں بھی اس پانی سے وضو یا غسل کرنا، اس متبرک پانی کی

سخت توہین ہے اور بے ادبی ہے، جس پانی پر آیات قرآنی دم کی گئی ہے وہ تبرک ہے، اس کی تعظیم کرنی چاہئے، تبرکات کی تعظیم، بزرگان دین سے ثابت ہے لہذا اس پانی کو کسی بھی نجاست کے محل میں استعمال کرنا جائز نہیں۔قرآن میں ہے " **ومن یعظم شعائر اللّٰہ فانھا من تقوی القلوب**"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ شعائر اللہ کی تعظیم کرتے ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہیے کہ ان کے دل میں خدا کا خوف ہے، اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ جو شعائر اللہ کی تعظیم نہیں کرتے ان کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے اور جب دل میں اللہ کا خوف نہیں تو اللہ کی رحمت کا مستحق کیسے ہوسکتا ہے بلکہ وہ اللہ کے غضب وقہر کا مستحق ہوگا۔اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے، تا کہ آئندہ اپنی غلطیوں سے باز آئیں۔

(ماخوذ از کتب فقہ) واللہ اعلم بالصواب،

کتبہ سید حمید اشرف صاحب غفرلہ، مدرس دار العلوم لطیفیہ مکان،

جمعرات 29.08.68

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۷٦)

موذن کی دینی اور ملی حیثیت

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب موذن کا کام کرتے ہیں، روزانہ بکرے ذبح کرتے ہیں، ہر دکان پر جا کر فاتحہ دیتے ہیں، کیا یہ شخص امامت اور قضاوت بھی کرسکتے ہیں۔پیش امام کی نشست خالی ہے اس لئے موذن پورے کام

کرتے ہیں، نکاح بھی پڑھاتے ہیں۔ برائے مہربانی تفصیل وار اطلاع دیں تاکہ معاملہ صاف ہو جائے، نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں اور اذان بھی دے رہے ہیں۔

والسلام عبدالروف غفرلہ، نواب مسجد شہر کاویری پاک۔

الجواب

حامداً ومصلیاً ومسلماً درصورت مسئولہ مستحب یہ ہے کہ موذن، مرد عاقل، صالح پرہیزگار اور ضروری احکام ومسائل سے واقف ہو، ذی وجاہت ان اوصاف کے ساتھ اگر وہ بقدر مسنون تلاوت قرآن پر بھی قادر ہے تو بہتر یہ ہے کہ موذن ہی امامت کرے، امام کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ شرابی، جواری، زناکار، سودخور، چغلخور ریا اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرتا ہو کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، واجب الاعادہ ہے۔

قضاوت کا کام یا فاتحہ خوانی یا بکرے ذبح کرنا یہ سب کوئی گناہ کا کام نہیں ہے جس سے امامت پر کوئی اثر پڑے، البتہ امام کو ایسے چھوٹے اور ہلکے کاموں سے بچنا چاہئے جس سے اس کی تذلیل وتحقیر ہو (عالمگیری۔ درمختار)

کتبہ سید حمید اشرف غفرلہ

مدرس دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

الجواب صحیح:

ابوالمعالی علوی صاحب

عبدالواحد صاحب

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۷۷)

عورت نان نفقہ کا مطالبہ نہیں کرسکتی

(۱) شوہر کے بلانے کے باوجود عورت شوہر کے پاس آنے سے انکار کرتی ہے اور انکار کی کوئی وجہ معقول نہیں ہے تو وہ نان نفقہ کی بالکل مستحق نہیں ہے، لہذا عورت یا اس کے والدین کا مطالبہ غلط ہے (عالمگیری) قال فی باب النفقہ فی الھدایہ وان نشزت فلا نفقتہ حتی تعود الی منزلہ لان فوت الاحتباس منھا ھکذا فی الھدایہ

قادر شریف صاحب مکان کا کل مالک ہے کسی کی شرکت کے بغیر تو قادر شریف کو پورا اختیار، مکانِ مملوکہ کا ہے چاہے فروخت کرے یا رہن رکھے، یا ہبہ کرے، یا وقف کرے۔ عورت کو کوئی حق منع کرنے کا نہیں!

اس کو صرف حق مطالبہ مہر کا ہے، اگر عورت مکان فروخت کرنے سے روکتی ہے تو یہ اس کی زیادتی اور ظلم ہے   فقط واللہ اعلم بالصواب جواب سید حمید اشرف صاحب

(نوٹ) درصورت عورت کے مطیع اور فرمانبردار ہونے کے نفقہ اور سکنٰی کا مطالبہ بھی کرسکتی ہے

کتبہ مولوی عبدالواحد صاحب

الحمد للہ وکفی والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد درصورت صدق بیان مستفتی عورت جب اپنے نفس کو خاوند کے حوالہ کرگئی اور اسکی قید میں آگئی تو خاوند پر نفقہ واجب ہوجاتا ہے۔ بقولہ تعالیٰ لینفق ذوسعۃ من سعۃ اورقولہ تعالیٰ وعلی المولود رزقھن وکسوتھن بالمعروف نفقہ اقتباس وقید کا بدلہ ہے جو عورت خاوند کی اجازت کی بغیر چلا گئی یا اجازت پر جاکر پھر بلاوا کرنیکے بعد واپس سے ضداً انکاری ہوی تو صراحۃ

نافرمانی ونشوز ہے ایسی عورت کے لئے اس کے واپس آنے تک خاوند پر نان ونفقہ واجب نہیں کمافی القدوری ان نشرت فلا نفقه لها تعود الی منزله ۔یعنی نافرمان عورت پھر خاوند کے گھر واپس آنے تک خاوند اس پر نفقہ ضروری ہیں۔ کذافی کتب الفقه والسنه علم بالصواب۔

خادم الاسلام سید شاہ حسام الدین قادری غفرلہ

صدر المدرسین دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ

شرح دستخط سید محمود غفرلہ قدس سرہ, علوی ابوالمعالی علوی , مدرس مدرسہ لطیفیہ مکان قطب ویلور

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۷۸)

حضرت علی کا مردوں کو زندہ کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ حضرت علیؓ مردوں کو زندہ کیئے ہیں کیا یہ بات سچ ہے؟

الجواب

حامداً ومصلیاً ومسلماً درصورت مسئلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق مردوں کو زندہ کرنے کا واقعہ احادیث اور تواریخ کی معتبر کتابوں میں نظروں سے نہیں گذرا لیکن ممکن ہے کیونکہ ایسا واقعہ بہت سے اولیاء اللہ سے صادر ہوا ہے اور حضرت علیؓ ان سے درجہ میں اعلیٰ ہیں اس لئے حضرت علی سے ایسے واقعہ کا ظہور بعید از عقل یا ناممکن نہیں ہے اگر چہ معتبر کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ کتبہ سید حمید اشرف کچھوچھوی

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر(۷۹)

لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اذاں اور نماز میں مکبّر الصوت کا استعمال جواز کے کن حدود میں ہے۔ آیا اسپیکر کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کا ثواب بلا اسپیکر پڑھی جانے والی نماز سے زیادہ ہے اور اس کے ترک کرنے سے گناہ تو نہ ہوگا۔ خصوصاً نماز میں اس کے استعمال کی صورت میں بعض اوقات عجیب و غریب قسم کی آوازیں نکلتی ہیں اور نماز میں یکسوئی باقی نہیں رہتی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام کے قرأت کرنے کی آواز جماعت میں شریک آخری آدمی تک کا سننا ضروری ہے، کیا ایسا کہنا صحیح ہے، اگر صحیح نہ ہو اور اسکے استعمال سے نماز کے خشوع وخضوع میں خلل پڑتا ہو تو پھر بھی اسپیکر کا نماز میں استعمال کرنا جواز کی کونسی حد میں ہوگا؟

۲) ریڈیو پر قوالیاں اور سینما کے گانے سننا اور سنانا اور شادی بیاہ کے اوقات میں گانوں کے ریکارڈ بجا بجا کر یہ کہنا کہ خوشی کا یہ دن زندگی میں صرف ایک دفعہ آتا ہے۔ لہٰذا یہ سب کچھ کیا جا سکتا ہے، کہاں تک درست ہے، بینوا وتوجروا۔

السائل وی کے، عبدالحمید صاحب

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

حامداً ومصلیاً ومسلماً درصورتِ مسئولہ

۱) لاؤڈ اسپیکر کی ایجاد زمانہ خیر القرون کے بہت بعد کی ہے اس لئے اس کے جواز اور عدم جواز پر قرآن وحدیث یا صحابہ کرام یا ائمہ مجتہدین کا کوئی قول یا حکم پیش نہیں کیا جاسکتا ہے، جو لاؤڈ اسپیکر کے حکم پر صریح حجت ہو۔

زمانۂ موجودہ کے جید علماء بھی اس مسئلہ میں مختلف الرائے ہیں، ایک فریق مطلقاً جواز کا قائل ہے اور دوسرا فریق عدم جواز کا، اور دونوں کے پاس اپنے اپنے دعوے پر دلائل و براہین ہیں۔ اس لئے ان مختلف اقوال کی موجودگی میں کسی ایک رائے کی صحت پر قطعیت کے ساتھ حکم نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں ایک معتدل اور درمیانی راہ (جو افراط و تفریط سے خالی ہو) یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جو عبادات، غیر مقصودہ ہیں مثلاً درس حدیث وتفسیر، مجلس وعظ وتبلیغ اور حج و جہاد کے موقع پر کوئی اعلان عام، محفل نکاح و ولیمہ، ان سب معاملات میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز بلکہ مستحسن ہے، کیونکہ یہ آلہ خود ناجائز نہیں، اور جس مقصد کے لئے استعمال کیا جارہا ہے وہ بھی ثواب اور نیکی کا کام ہے۔ اور جو عباداتِ مقصودہ ہیں مثلاً نماز اور خطبہ تو اس میں درمیانی راہ یہ ہے کہ جہاں ضرورت ہو کہ جامع مسجد یا عیدگاہ میں ہزاروں لوگوں کا مجمع ہوتا ہے، جیسے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کی عیدگاہوں کا یہی حال ہے اتنے بڑے کثیر اجتماع میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے جس نظم وضبط کے ساتھ نماز ادا ہوتی ہے وہ ایک حقیقت ہے اور لاؤڈ اسپیکر کے بغیر جس بد نظمی، انتشار وافراتفری کا منظر رونما ہو سکتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اس لئے ایسی شدید ضرورت کے وقت اس کو بلاشبہ جائز کہا جائے گا کیونکہ اس وقت لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے نماز کی صحت کا ظن غالب ہے۔ اور نماز کے درمیان کرنٹ کے فیل ہونے سے فساد کا احتمال ضعیف ہے، لہٰذا اس

ضعیف احتمال کی وجہ سے، ظن غالب کو، اور وہ بھی ضرورت کے موقع پر، ترک نہیں کیا جاسکتا، لیکن بلاضرورت جبکہ لاؤڈ اسپیکر کے بغیر بآسانی کام چل سکتا ہو جیسے عام طور سے پنجوقتہ نمازوں کا یہی حال ہے تو ایسی حالت میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال غیر ضروری اور ممنوع ہے کیونکہ اس میں تکلّف اور تصنع ہے اور اسلام میں سادگی اور بے تکلفی کا خاص اہتمام ہے۔

۲) سینما کے گانے عام طور پر لغو اور بیہودہ مضامین پر مشتمل ہوتے ہیں، جو لہو ولعب میں داخل ہے، لہٰذا مسلمانوں کو حتی الامکان بچنا چاہئے۔ لیکن اگر ایسی نظمیں اور غزلیں ہیں جو حمد، نعت، منقبت، یا اور پند ونصیحت وغیرہ مفید مضامین پر مشتمل ہیں تو اس کے سننے اور سنانے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ دل اگر عبرت پذیر ہو تو اس کا ایک اچھا اثر پڑتا ہے۔ خدا کا خوف، بزرگان دین کی عظمت ومحبت، دنیا کی بے ثباتی آخرت کی یاد، ہر طرح کی پند ونصیحت کی باتیں ذہن میں نقش ہوتی ہیں۔

شادی بیاہ کا موقع تو اظہار خوشی کا موقع ہے لہٰذا اس قسم کی نظمیں اور غزلیں، ریڈیو یا گراموفون سے سننے، سنانے کے جواز میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ مزامیر سے خالی ہو۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اعتدال اور میانہ روی کا لحاظ اور غلو و انہماک سے احتراز حال میں ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ سید حمید اشرف غفرلہٗ

مدرس دارالعلوم لطیفیہ، مکانِ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۸۰)

قربانی کے بدلہ میں روپیہ سے دوسروں کی مدد کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارے میں کہ ایک صاحب جو ہمیشہ نادار غریب مسلموں کی شادیوں اور محتاج دینی مدرسوں کی مالی امداد دیتے ہیں۔ اب ان کا خیال ہے کہ کیوں نہ قربانی کے بکروں کی قیمت کا حساب لگا کر ایّامِ تشریق کے بعد بالا مذکور کاموں میں خرچ کیا جائے۔ جب کہ قوم کے غریبوں کو امداد کی سخت ضرورت ہے۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ براہِ نوازش جوابِ باصواب سے احقر کو ممنون فرمایئے گا۔

راقم حسن شریف سبحانی۔ مدراس۔

الجواب

حامدًا و مُصلیًا و مسلماً۔ بعض ائمہ مجتہدینؒ نے قربانی کو واجب اور بعض نے سنتِ موکدہ مانا ہے۔ خصوصاً امامِ اعظمؒ نے قربانی کو واجب قرار دیا ہے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دس برس تک برابر اس پر مداومت فرمائی ہے۔ لہٰذا صاحبِ استعداد پر واجب ہے کہ وقتِ مقررہ پر قربانی کرے۔ چوں کہ حدیث شریف میں ہے کہ من وجد سعة ولم يضح فلايحضر مصلناً۔ (جس شخص کو قربانی کی استطاعت ہو اور وہ قربانی نہ دے تو ایسا شخص نماز عید ادا کرنے کے لئے ہماری عید گاہ نہ آئے۔

وقتی ضرورتوں اور ہنگامی مجبوریوں کی بناء پر بشکل قربانی نقد یا اور کسی جنس میں تبدیل کر کے خیرات کرنا ناجائز ہے۔ کیوں کہ قربانی حیوان مخصوص کی وقتِ خاص میں ایّامِ تشریق میں قربت کی نیت سے ذبح کرنا ہے۔ جیسا کہ درالمختار میں ہے: هي ذبيح

حیوان مخصوص بنیة القربت فی وقت مخصوص بنیته القربة ۔

دوسرا اھراق الدم۔(خوں بہانا یا قربانی دینا) کا عمل عین ان دنوں میں اللہ کے پاس بہت محبوب آیۃ کریمہ فصل لربك و النحر۔

ھکذا فی کتب الفقہ   مولوی ابوالمعالی سید علوی علیہ الرحمہ

مدرس دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۸۱)

جانور کو ذبح کرنے سے پہلے بے ہوش کرنے کا حکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آج کل ایک نئے قسم کا پستول ایجاد ہوا ہے جس سے فیر کرنے سے ڈھائی انچ لمبی برچھی باہر نکلتی ہے۔ مدراس کارپوریشن والوں کا ارادہ ہے کہ جانوروں کو ذبح کرنے سے پہلے اس کی پیشانی پر پستول سے فیر کیا جائے جس سے وہ جانور بے ہوش ہو جاتا ہے اس کے بعد شرعی طریقہ پر مسلمان اس کو ذبح کریں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس طریقے پر ذبح کرنے سے جانور کو تکلیف نہ ہوگی اور خون بھی بہت جاری ہوگا اور گوشت زیادہ دنوں تک اچھی حالت میں رہ سکتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طریقہ پر ذبح کرنا اور اس کا گوشت استعمال کرنا کیسا ہے؟ از روئے شرع مدلل بیان عنایت فرماویں۔

السائل ڈاکٹر سید خلیفۃ اللہ، مدراس

الجواب اللّٰھم ھدایة الحقّ و الصّواب۔

درصورت مسئولہ جو طریقہ رائج کرنا چاہتے ہیں، اس طریقہ پر ذبح ہرگز جائز

نہیں۔ بلکہ سنت کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اولاً ذبح سے پہلے اور ذبح کے بعد جانور ٹھنڈا ہونے تک اس کو کسی قسم کی اذیت پہنچانا مکروہ ہے۔ ثانیاً ذبح کرتے وقت جانور میں حیاتِ مستقرہ ہونا شرط ہے۔ بغیر اس کے ذبح بالکل درست نہیں ہے۔ مذکورۂ بالا طریقہ میں دونوں چیزیں مفقود ہیں۔ کیونکہ جانور بیہوش ہونے کے بعد حیاۃ مستقرہ کا پایا جانا مشتبہ امر ہے۔ چنانچہ کتب فقہ میں ہے و کرہ کل تعذیب بلا فائدۃٍ الخ (بحر الرائق) ومنها ای من الشرائط قیام اصل الحیاۃ فی المستأنس وقت الذبح قلت او کثرت، فی قول ابی حنیفۃ رضی اللّٰہ عنہ‘ وعند ابی یوسف و محمد رحمهم اللّٰہ اجمعین، لا یکتفی، بل تعتبر حیاۃ ،مستقرۃٌ کذافی البدائع (عالمگیر)۔

جانور میں زندگی ذبح کے وقت اصلی حالت میں پائی جائے ، جب جانور کو بیہوش کیا جاتا ہے تو اس پر غنودگی کا عالم طاری ہوتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں حٰیوۃ مستقرہ کا ہونا مشتبہ ہوجاتا ہے۔ ھکذافی کتب الفقہ ، واللّٰہ اعلم بالصواب۔

کتبہ مولوی ابوالمعالی علوی

مدرس دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان ویلور قدس سرہٗ العزیز

☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۸۲)

نابالغ لڑکے کی امامت کا حکم

نابالغ لڑکے اور بالغ بے ریش لڑکے کی امامت کا مسئلہ کوئی نیا نہیں ہے۔ فقہی مسائل سے واقفیت نہ ہونے کے باعث ہر جگہ یہ

مسئلہ کھڑا ہوجاتا ہے۔ امور شرعیہ میں اہل علم کی جانب رجوع کرنے کے بجائے عوام خود ہی جواز اور عدم جواز کا فیصلہ صادر کرتے ہیں جو بھی مسئلہ سامنے آجائے تو اہل علم کی طرف رجوع کرنا ہی صحیح اقدام ہے جیسا کہ قرآن کریم کی ہدایت ہے۔ ''فاسئلوا اھل الذکران کنتم لاتعلمون'' علامہ شیخ عبدالرحمٰن بن عیسیٰ المرشدی سے پوچھا گیا کہ جس لڑکے کی عمر بیس سال ہوچکی ہے اور اس کے چہرے پر داڑھی مونچھ کے بال نہیں نکلے تو کیا وہ اَمرد (نابالغ لڑکا جس کے ابھی داڑھی مونچھ نہ نکلے ہوں) کی حد سے خارج ہے اور اس کی امامت درست ہے؟ علامہ نے کہا: شیخ احمد بن یونس جو متاخرین علمائے احناف میں سے ہیں، اُن کا فتویٰ ہے کہ وہ اَمرد کی حد سے خارج ہے اور اس کی امامت بلا کراہت جائز ہے۔

استاذی المحترم حضرت مولانا مولوی ابوالمعالی علوی قدس سرہ سابق استاذ دارالعلوم لطیفیہ ویلور نے ربع صدی قبل اسی مسئلہ کے استفسار پر ایک فتویٰ تحریر کیا ہے وہی قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ ڈاکٹر بشیرالحق قریشی غفرلہ ولوالدیہ

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک اٹھارہ سالہ نوجوان جسے ابھی ریش نہ آئی ہو کیا وہ فرض نمازوں کے لئے امام بن سکتا ہے یا نہیں۔ جب کہ لوگوں کی خواہش اس سے نماز پڑھانے کی ہے جو قاری وحافظ بھی ہے؟

بینوا وتوجروا۔

السائل: مصطفیٰ حسین

حامدًا و مصلیاً صورتِ مسئول میں جس بالغ کی عمر اتنی ہے کہ اس کی داڑھی مونچھ نکلنے کا زمانہ ختم ہوگیا ہے اور اب تک بال نہیں نکلے ہیں تو اس کی امامت بلاکراہت درست ہے۔ جیسا کہ ردالمختار میں ہے: سئل علامة الشيخ عبدالرحمٰن بن عيسىٰ المرشدى عن شخص بلغ من السن عشرين سنته وتجاوزحدالانبات ولم ينبت غدازره فهل يخرج بذلك عن حدالامرديته وخصوصًا قدبنت له شعرات فى ذقنه تؤذن بانه ليس من مستديرى اللحى فهل حكم فى الامه مة كاالرجال الكاملين ام لااجاب سئل العلامة الشيخ احمد بن يونس المعروف بابن الشبلى من متاخرئ علمائے الحنفيه عن هذه السئلة فاجاب كذالك۔

اور جس بالغ کی عمر اتنی ہے کہ اس کے داڑھی و مونچھ نکلنے کا زمانہ ختم نہیں ہوا ہے تو اس کو امرد کہتے ہیں۔ جس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے۔ درمختار کے کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ میں ہے۔ وكذاتكره خلف امرد ۔ ردالمختار میں ہے: الظاهر الفاتنز يهيه۔ والله اعلم بالصواب۔

کتبہ مولوی ابوالمعالی سید علوی، مدرس دارالعلوم لطیفیہ، مکانِ حضرت قطبؒ ویلور

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۸۳)

نفل نماز جماعت بنا کر پڑھنا

سوال:

اس مسئلہ میں کہ رمضان المبارک کے آخر عشرہ میں بعد نماز تراویح گیارہ بجے رات، نیت نفل یا تہجد نماز با جماعت قرات بالجہر احناف ادا کر سکتے ہیں؟

السائل: سید ضیاء الدین بنگار پیٹ

الجواب:

درصورت مسئولہ احناف کے نزدیک سوائے تراویح کے دیگر نفل نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے **والنفل بالجماعه غير مستحب لانه لم تفعله الصحابة فی غير رمضان وهو الصحيح (رد المختار)** نفل نمازیں اگر دن میں پڑھی جائے تو ان میں قرآت آہستہ پڑھی جائے اور اگر رات میں پڑھی جائے تو آہستہ اور آواز دونوں طریقوں سے پڑھنا جائز ہے۔ **و يسر فی غيرهما كمتنفل فی النهار و خير المنفرد و فيما يجهر كمتنفل بالليل، كنز الدقائق، والله اعلم.** کتبہ علوی مولوی صاحب، تصویب عبدالواحد صاحب، مولوی مصطفیٰ حسینی بخاری، محمد شبیر احمد اکرمی بھٹکلی، سید انوار اللہ صاحب ☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۸۴)

شیر خوار بچہ کی پرورش کا حق

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عبدالحمید صاحب اپنی بیوی سے کچھ تکرار

ہو کر، بیوی اور ایک شیر خوار بچہ کو اس کی ماں کے گھر میں لا کر چھوڑ دیا ہے، چار پانچ دن گذر نے کے بعد عبدالحمید یہ شیر خوار بچہ کو بیوی سے چھین کر اپنے گھر میں لے جا کر رکھا ہے اب تک بچہ ماں کے پاس لا کر نہیں چھوڑا ہے اس لئے سوال یہ ہے کہ شیر خوار بچہ کو پالنے کا حق کس کو ہے باپ کو یا ماں کو؟ اور یہ حق کب تک ہے بیان کرو:

الجواب:

درصورت مسئولہ میں شیر خوار بچہ کی تربیت کا حق ماں کو ہے، اگر لڑکا ہے تو سات سال تک ہے اور اگر لڑکی ہے تو جوان ہونے تک، درالمختار میں ہے والحاضنه اما كان او غيرها به اى بالغلام حتى يستغنى عن النسا وقدر بسبع و به يفتى ، والام والجد لب او ام حق بها اى بالصغيرة حتى تحيض اى تبلغ فى الظاهر الروايه۔ اور یہی مدت میں بچہ کو ماں سے چھین کر لے جانے کا حق باپ کو نہیں ہے جیسا کہ ردالمختار میں ہے اذا كانت بها الحضانة ينع من اخذه منها.

کتبہ علوی مولوی۔ عبدالواحد صاحب علوی مولوی سید حمید اشرف

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۸۵)

مسجد کے احاطہ میں دکانیں تعمیر کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ میں کہ زید دنیا کے نفع کے لئے زیادتی کی خاطر مسجد کے احاطہ میں دکانیں باندھنا چاہتا ہے، جگہ کی قلت کی وجہ سے اس کے بائیں جانب نماز پڑھنے کہتا ہے اس جگہ کے مصلیوں کو اور امام کے درمیان ایک حجرہ واقع ہوتا ہے اس کی دیواروں میں کوئی دریچہ وغیرہ نہیں اس جانب کے مصلیوں کو امام اور اس کے

پیچھے کے مصلیان نظر نہیں آتے ہیں۔ اس صورت میں یہاں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں،
جواب بالصواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب

حامدا و مصلیا و مسلما درصورت صدق بیان مستفتی جس احاطہ میں زید دکان بنا چاہتا ہے اگر وہ مسجد ہی کا حصہ ہے تو اس میں دکان بنانا ناجائز ہے کیونکہ اس میں مسجد کی حرمت چلی جاتی ہے۔

اقیم المسجد لا یجوز ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائیہ لان المسجد اذا جعل حانوتا و مسکنا تقسط حرمتہ و ھذا لا یجوز والفناء فی المسجد تبع للمسجد فیکون حکمہ حکم المسجد کذا فی محیط انتھیٰ (فتاوی عالمگیری)

اور بھی معتبر کتابوں میں موجود ہے کہ حجرہ کے پیچھے مقتدیوں کو بلاوجہ کھڑے ہونے کی ضرورت اور اگر مقتدی صف بہ صف مسلسل امام سے لے کر حجرہ تک کھڑے ہیں تو جو لوگ حجرہ کے پیچھے ہیں وہ قریب والے حجرے کی انتقالات وحرکات سے امام کا حال جان سکتے ہیں یا تکبیر کی آواز سن کر امام کے انتقالات کو معلوم کر سکتے ہیں تو ایسی حالت میں ان کی اقتدا صحیح ہوگی۔

(درمختار) کتبہ مولوی علوی ☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۸۶)

بیوی کے نام ہبہ نامہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ فقیر صاحب فوت ہو گئے ان کے نام پر ایک گھر ہے جو ہزار روپیہ کا ہے۔ یہ گھر فقیر صاحب اپنے مرض موت میں یعنی مرنے کے دو دن قبل اپنی بیوی حفصہ بی کو ہبہ کر کے ہبہ نامہ بھی لکھ کر دے دئے۔ اس کے دو دن بعد فقیر صاحب کا انتقال ہوا ہے اور فقیر صاحب کے وارثوں میں ان کی بیوی صفیہ بی اور ایک

بھتیجا چھوٹے صاحب موجود ہیں، دوسرا کوئی نہیں، آیا فقیر صاحب کا یہ ہبہ کرنا صحیح ہے یا نہیں اور چھوٹے صاحب کو اس میں کچھ حق ہے یا نہیں؟ السائل: چھوٹے صاحب

الجواب:

حامدا و مصلیا و مسلما در صورت بیان مستفتی مرض موت میں جو ہبہ کیا جاتا ہے وہ بمنزلۂ وصیت کے ہے اعتاقه و محاباته و هبته و وقفه و ضمانه كل ذلك حكمه كحكم وصيته الخ (در مختار)

وصیت وارث کے حق میں جاری نہیں ہو سکتی لہذا مرحوم فقیر صاحب کے ترکہ میں پہلے ان کی تجہیز و تکفین کا خرچ متوسط نکالا جاوے، اس کے بعد مرحوم کے نام پر کچھ قرض ہو تو ادا کیا جائے اس کے بعد مرحوم کسی غیر وارث کو کچھ وصیت کی ہو تو ثلث مابقی سے ادا کیا جاوے، عورت کا مہر بھی قرض میں شامل ہے وہ بھی ادا کیا جائے اس کے بعد باقی مال کے چار حصے کیا جائے جس میں سے ایک حصہ مرحوم کی بیوی صفیہ بی کو اور باقی تین حصے مرحوم کے بھتیجے چھوٹے صاحب کو دیا جاوے۔ ھکذا فی کتب الفقہ والفرائض، کتبہ علوی مولوی

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۸۷)

کسی ایک بچہ کے نام جائیداد وقف کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک ماں جسے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے وہ ماں اپنی جائیداد کو اپنے اکلوتے بیٹے کے نام پر وقف کر دی۔ اب کچھ دس سال کا عرصہ ہوتا ہے اور وقف کرنے کے دو سال بعد ماں انتقال کر گئی جو زندہ لڑکی ہے

وہ کچھ اس جائداد سے حصہ پاسکتی ہے یا نہیں۔

الجواب:

حامدا ومصلیا ومسلما درصورت بیان مستفتی جب مرحوم اپنی زندگی میں اپنی جائیداد کو اکلوتے فرزند کے نام پر وقف کردی وہ جائداد اس کی ملک سے خارج ہوگئی اور مرحومہ اپنی زندگی میں اس سے رجوع کرنے کا حق نہیں رکھتی ہے اب اس کے انتقال کے بعد اس کی بیٹی کو اس میں کچھ حق نہیں ہے۔ جیسا کہ درمختار کی عبارت سے واضح ہے . **فیلزم فلا یجوز له ابطاله ولا یورث عنه و علیه الفتوی**

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ مولوی ابوالمعالی سید علوی

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۸۸)

مسجد کی آمدنی سے وقف بورڈ کو رقم دینا اور وقف بورڈ کا واقف کے منشا کے خلاف روپیہ خرچ کرنا

الجواب

فقہائے کرام رحمھم اللہ کی عبارات وتصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ کام جو وقف کے بقا کے لئے ضروری ہے اسکو اختیار کرنا اور عمل میں لانا جائز ہے چونکہ وقف بورڈ کا قیام موقوفہ املاک کی حفاظت اور اسکی اصلاح کے لئے مسلمانوں کی استدعا پر قائم کیا گیا ہے اس لئے کہ اکثر متولیان نے موقوفہ املاک کو ناجائز طور پر استعمال کر کے غیروں کے حوالے کر دیا تھا اور جس غرض سے املاک وقف کی گئیں تھیں وہ پوری نہیں ہو رہی تھی جب وقف بورڈ کا قیام مسلمانوں کی رائے عامہ سے ہی کیا گیا ہے وہ مسلمانوں کا ہی قائم کیا ہوا سمجھا جائیگا۔ متولی وقف اگر غیر مامون

شخص ہوتو اس کو نکالنے کا حق قاضی کو ہے اگر چہ متولی واقف ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ولو کان شرط الولایته لنفسه و کان الواقف غیر مامون علی الوقف فلقاضی ان ینزعها یده ۔ هدایه۔ للقاضیان یعزل الذی نصبه الواقف اذاکان خیر أ للوقف عالمأ۔ ہندوستان میں شرعی قاضی کا حکم مسلمانوں کے پنچ کو ہے وقف بورڈ جب مسلمانوں کا قائم کردہ ہے۔ اوقاف کی دیکھ بھال کے عملہ کی ضرورت ہے اور عملہ بغیر تنخواہ کے کام نہیں کر سکتا اس لئے موقوفہ املاک کی حفاظت کالحاظ کرتے ہوئے محلّہ کے اخراجات کے لئے اوقاف کی آمدنی سے کچھ دینا جائز ہے۔ اور وقف غیر سرکاری ہے اس لئے کہ تمام کے تمام کارکن مسلمان ہی ہیں اور مسلمانوں کی خواہش پر حکومت نگران ہے۔ اور وقف بورڈ کے کارکن وقتاً فوقتاً اوقاف کے املاک کے حساب و کتاب کی جانچ پڑتال کرتے ہیں اور جو املاک متولیاں کی خیانت و بے پروائی سے غیروں کے حوالے ہوگئی ہیں اس کو واپس نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اگر وقف بورڈ ہوتو موقوفہ املاک کی حفاظت و بقاء مشکل امر ہے ایسی صورت میں وقف بورڈ کے عملہ کی تنخواہ کے لئے موقوفہ املاک آمدنی سے کچھ دینا جائز ہوگا اگر چہ یہ واقف کی شرط کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، استحساناً یہ جائز ہے جیسا کہ درالمختار کی اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے۔ و یبدأ من بعمارته ای قبل الصرف الی المستحقین، ثم ما هوا اقرب لعمارته ، ای فان انتهت عمارته وفضل من الغلة شئی یبدء بما هو۔ اقرب للعمارة وهو عمارته الی هی قیام شعائره ۔ انتهیٰ ۔ملخصاً اور فتاویٰ عالمگیری کی مندرجۂ ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ حتی لو کان الرباط بحال لو لم تصرف الغلة الی عمارة القفرة لخرب الرباط استحسنوا انه یحو نه کذافی محیط السرخسی هکذافی کتب الفقه واللّٰه اعلم بالصواب۔

کتبہ مولوی علوی صاحب مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور، شرح دستخط سید حمید اشرف، محمد

طبیب الدین اشرفی، ظفر الحسن بقلم خود، سید شہاب الدین عفی عنہ، مہر: ابوالنصر قطب الدین سید محمد باقر قادری

۲۵، ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۸۹)

مسجد کے لئے متولی اور اراکین کا تقرر کرنا

حامداً مصلیاً و مسلماً۔ صورت مسئولہ میں کسی کو متولی بنانا جائز ہے نص قرآن سے ثابت ہے کہ ان اللہ یامرکم ان تودوا الامنٰت الی اھلھا (نساء) یہ آیت شریفہ فتح مکہ کے بعد (جبکہ حضور پُرنور ﷺ) خانہ کعبہ میں داخل ہو کر اس کی چابی حضرت عثمان بن طلحہؓ سے لے لئے تھے۔ اور حضرت عباس حضرت ابوبکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے مشورہ فرما رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوتی ہے حسب فرمان باری تعالیٰ خانہ کعبہ کی چابی حضرت عثمان بن طلحہؓ کو دے دی گئی۔ اور انہیں کو متولی بنا دیا گیا۔ اور آج تک انہیں کے خاندان میں خانہ کعبہ کی تولیت چلی آ رہی ہے ارشاد جل شانہ ہے، وامرھم شوریٰ بینھم خود آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا ہے وشاورھم فی الامر حدیث شریف میں وارد ہے ماتشاء قم الا ھذا والارشد امرھم نصوص مذکورہ بالا سے مشورہ کی اہمیت اسکی خیر و برکت واضح ہے بناء علیہ جبکہ اہل محلّہ نے کثرت آراء سے عہدہ داروں کو (باہمی مشورہ سے) تقرر کیا ہے۔ تو یہ اچھی بات ہے۔ کیونکہ یہ طریقہ اسلام میں جاری ہے کذا فی کتب الفقہ واللہ اعلم بالصواب کتبہ ابو لمعالی مولوی علوی

مدرس دارالعلوم لطیفیہ ویلور مکان حضرت قطب ویلور۔

محمد طبیب الدین اشرفی، مدرس دارالعلوم لطیفیہ ویلور مکان حضرت قطب ویلور۔

محمود غفر اللہ، مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور مکان حضرت قطب ویلور۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۹۰)

حاکم کی دی ہوئی زمین اور روپیہ کی تقسیم عورت اور مرد کے لئے مساوی ہوگی

السوال

کیا فرماتے ہین علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی حاکم زید اور اسکی اولاد کے لئے مدد معاش مقرر کیا ہو، تو زید کی وفات کے بعد اس کو ازروئے شریعت کس طرح تقسیم کرنا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

حامدا ومصلیا ومسلما، ازروئے شریعت مدد معاش کی تقسیم علی السویہ (مساوی) ہوگی یعنی ذکور (مردوں) واناث (عورتوں) اولاد اس تقسیم میں برابر قرار دی جائیگی۔ تقسیم ہذا میں عورتوں پر مردوں کو دگنا حصہ نہیں دیا جائیگا۔ چنانچہ فتاویٰ قراخانیہ میں مکتوب ہے اذا اعطی الامام وظیفته یستحق واولاده واحفاده ماتناسلو فیستوی فیهم الذکور والاناث فیقسم بینهم بالسویة۔ نیز سید شاہ ابوالحسن قادری قدس سرہ العزیز کے مجموع الفتاوی میں شرعۃ الاسلام سے منقول ہے۔ للام ان یعطی الوظیفة لذید واولاده واحفاده فیقسم بینهم بالسویة لایفضل الذکور علی الاناث وتدخل اولاد البنات۔ خواہ زمین ہو یا اور کوئی شئی جو مدد معاش بھی ہو، اسکی تقسیم میں مساوی ہونا واضح ہے، وللذکر مثل حظ الانثیین۔ اس صورت میں صادق نہ آئیگا۔ هکذا فی کتب الفقه والله اعلم بالصواب کتبہ، علوی مولوی ابوالمعالی مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور مکان حضرت قطب ویلور۔

الجواب صحیح محمود غفر اللہ والوالدیہ

محمد طبیب الدین اشرفی مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور مکان حضرت قطب ویلور۔

مہر و دستخط ابو النصر قطب الدین سید محمد باقر قادری۔ سجادہ نشین

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۹۱)

غیر نمازی سے جرمانہ وصول کرنا اور اسکے گھر کسی موت کی پر غیر شرعی حرکات کرنا

الجواب

درصورت صدق بیان مستفتی جاننا چاہئے کہ نماز حق اللہ میں داخل ہے، تمام اعمال اور عبادات کی اصل ہے حدیث میں ہے کہ جس نے نماز کو ڈھایا اس نے اپنے دین کو ڈھایا، نماز جنازہ بے نمازی پر پڑھنی چاہئے اگرچہ کہ انتہائی فاسق ہے مگر دائرہ اسلام سے خارج نہیں، حدیث میں ہے صلوا علیٰ کل بر و فاجر، عقائد نفسی میں ہے و الکبرة الاتخراج العبد المومن من الایمان ولا تدخله فی الکفر جرمانہ لیکر مسجد کا انتظام کرنا شرعاً درست نہیں حدیث میں آیا ہے کہ میت کے دفن کرنے میں تاخیر نہ ہونا چاہئے اسکو تین روز تک رکھ کر سڑھنے اور بدبو ہونے تک رکھنا شریعت کے خلاف ہے جنہوں نے ایسا کیا، اس کا گناہ ان کے سر پر ہوگا، مسلمان خواہ نیک ہو یا بد، ہر صورت اسکے جنازہ کی نماز پڑھ کر مسلمانوں کے طریقے پر اس کی تجہیز و تکفین کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، مجلس دعوت نکاح میں اگر منکرات شرعیہ (جیسے گانا بجانا) وغیرہ نہ ہو تو حاضر ہونا مستحب ہے، اہل جماعت کو چاہئے کہ نرمی سے محبت سے لوگوں کو دین کی طرف بلائیں

کتبہ ابو المعالی مولوی علوی۔ مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور مکان حضرت قطب ویلور۔

الجواب صحیح، محمد طبیب الدین اشرفی، محمود غفر اللہ لہ

مہر دستخط ابوالنصر قطب الدین سید محمد باقر قادری

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۹۲)

مسلماں کا مندر میں جا کر پوجا کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین کے زید اپنی بیمار بیوی کی صحت کے لئے چند ہندؤں کے اشکال پر اپنی بیمار بیوی کو ہندؤں کے ہمراہ ترپتی کے مندر کو گیا اور اپنا نام اور اپنی بیوی کا اسلامی نام بدل کر کے ہندو نام رکھ لیا اور ہندؤں کے جیسا پوجا پاٹ کیا، کیا ایسی حالت میں ان دونوں کا ایمان اور نکاح بحال رہ سکتا ہے، ایسے شخص کے ساتھ اسلامی جماعت کیا سلوک کرے از راہ کرم شریعت کا حکم بتلایئے۔ السائل پٹیل سنت جماعت۔

الجواب

الحمد لولیہ والصلوٰۃ علی النبیؐ درصورت صدق بیان مستفتی زید اور اسکی اہلیہ سے جو اقوال اور اعمال صادر ہوئے ہیں یقیناً انکا تعلق کفر وشرک سے ہے لہٰذا دونوں مرتد کافر ہو گئے۔ **من موجبات الارتد الی کل قول او فعل صدر عن تعمدا استهزاء بالدین صریح کسجود للصنم اوالشمس**، جب انسان خدا اور اسکے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے تو اسکو چاہئے کہ اپنی ساری زندگی میں زنہار کوئی کلمہ شرک وکفر یا افعال کفر وشرک سرزد نہ ہونے دئے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرك به ویغفر ما دون ذالك لمن یشاءُ ۔ بیشک اللہ تعالیٰ شرک کو ہرگز نہیں بخشے گا اور اس کے علاوہ جسکو چاہئے معاف کردیگا زید کو تو چاہئے تھا کہ اسلامی پاکیزہ تعلیمات کے مطابق بیوی کی صحت کے

لئے بارگاہ ایزدی میں دعا کیا کرتا، بجائے اس کے مندر میں جانے اور تبدیلی نام کرنا اور پوجا پاٹ کرنا ،قطعاً اسلام انہیں برداشت نہیں کرسکتا، مندر کیا ہے مورتیوں کا اڈا، کفر وشرک کا مرکز، اسلام وایمان کا دشمن جس میں قدم قدم پر نجاست ہے،تو کچھ نہ پوچھو اسلام تو بت شکنی کی تعلیم دیتا ہے نہ کہ بت پرستی کی تعلیم ،ایمان واسلام تو کہتا ہے کہ بیماری میں انتقال ہو جانا افضل و اعلیٰ ہے۔ کفروشرک میں مبتلا ہوکر جینے سے مندروں میں تو خدائے پاک کا قہر وغضب نازل ہوتا ہے اور وہاں شیطان کا دور دورہ ہوتا ہے جبکہ اللہ پاک اپنے فضل سے اسلامی نام نوازے گئے ہیں تو پھر کیا یہ حماقت نہیں ہے کہ ایسے ناموں کو کافروں کے ناموں سے تبدیل کردیں، بتوں کی پوجا پاٹ کرنا یہ تو سراسر جہالت اور کفروشرک ہے وہ تو پتھر کے ڈھیر ہیں، جمادات ہیں اگر مکھی ان پر بیٹھ جائے تو اس کو تک اڑانے کی طاقت نہیں، جوسن نہیں سکتے ، بول نہیں سکتے ، یہ نہ کسی کا نفع اور نہ نقصان کرسکتے ہیں پھر کیسے انکی پرستش کی جائے ،زیداور اسکی بیوی کو چاہئے کہ جماعت کو یقین دلادے کہ ہم توبہ کرتے ہیں اپنے پروردگار سے معافی مانگتے ہیں یہ جو حرکات کئے ہیں۔ یقیناً ہم سے غلطی ہوگئی ہے اب ہم ایمان لاتے ہیں اسلام کے سوا تمام دینوں سے نفرت کرتے ہیں اے اللہ ہمارے قصور کو بخش دے پھر کبھی ہم ایسی حرکت نہیں کرینگے،و اسلامه ان يتبرء عن الاديان سوى الاسلام او عما انتقل اليه ۔مرتد کا اعتبار اسلام میں یوں ہوگا کہ وہ اسلام کے سوا دیگر ادیان یا جسکے طرف منتقل ہوا ہے، ان سے بیزاری ظاہر کرے، اگر یہ توبہ کریں اور اسی حالت کفر پر قائم رہیں تو اہل جماعت کو چاہئے کہ ان کے شادی کے موقعوں پر شریک نہ ہوں، اب رہا نکاح کا مسئلہ پہلے ان دونوں سے تحقیق کی جائے کہ ایک ساتھ دونوں کفر میں ملوث ہوئے ہیں یا الگ الگ دونوں ایک ہی وقت میں ملکر کفر میں پھنسے ہوں تو نکاح باقی رہیگا۔ بشرطیکہ ان میں سے کوئی ایک قبول اسلام میں پہل نہ کیا ہو اگر الگ الگ کفر میں داخل

ہوئے تھے یا کوئی اسلام لے آیا ہوتو ہر دو صورتوں میں نتیجہ نکاح کی ضرورت ہوگی، زوج وزوجہ مرتد ہو جانے کے بعد اگر پھر سے اسلام لے آئیں تو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں کیونکہ نکاح فاسد نہیں ہوا بلکہ باقی ہے۔ وبقی النکاح ان ارتد امعا ثم اسلما و نسدان اسلم احدھما قبل الآخر شرح الوقایہ کذافی کتب الفقہ والعقائد واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ علوی مولوی مدرس مدرسہٗ لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

الجواب صحیح

مہر ودستخط ابوالنصر قطب الدین سید محمد باقر قادری سجادہ نشین

محمد طیب الدین اشرفی مونگیری

محمود غفراللہ ذنوبہ

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۹۳)

مختلف فقہی مسائل اوراحکام

السوال

۱۔ زید رہن میں ایک زمین یا مکان رکھ لیکر مدت مقررہ کے لئے ایک ہزار روپئے دے دیا اس مدت میں زید کا اس زمین یا مکان سے فائدہ اٹھانا جبکہ مدت مقررہ کے بعد پوری رقم بھی وصول کر رہا ہو جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ رمضان شریف میں تہجد پڑھنے والے کے لئے نماز وتر جماعت سے پڑھنا افضل ہے یا تہجد میں پڑھنا؟

۳۔ جمعہ کے شرائط کیا ہیں یعنی جمعہ کہاں اور کن پر واجب ہوتی ہے؟

۴۔غسل کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہے (یعنی ستر ڈھکا ہوا یا برہنہ ہو کر نہائے) نیز غسل کے وقت حمام میں قرآنی آیت یا کلمہ شہادت کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۵۔قومہ (یعنی رکوع کے بعد) میں ایک مصلی کتنی دیر کھڑا ہو سکتا ہے؟

۶۔ظہر مغرب عشاء میں بعد نماز فرض امام کتنی دیر دعا کے لئے بیٹھ سکتا ہے یا دعا کر سکتا ہے؟

۷۔نماز تشویۃ الوتر کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے یا بیٹھ کر؟

۸۔عمامہ کی مقدار کتنی ہونی چاہئے؟

۹۔ہمارے محلّہ کی مسجد کے امام صاحب سود پر قرض لیتے ہیں اس وجہ سے کوئی مصلی دوسری مسجد کو جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا السائل احقر عبدالنصیر عفی عنہ

الجواب

۱۔کل قرض قدجر نفعا فھو ربوا (حدیث) ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل ہو پس وہ سود ہے صورت مسئولہ میں انتفاع بالرہن کی ایک نوع ہے لہذا مکان یا زمین سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں لایحل له ان ینتفع بشئی منه بوجه من الوجوه (شامی)

۲۔مسنون ہے کہ رمضان مبارک میں نماز وتر جماعت کے ساتھ ادا کی جائے ویوتر بجماعة فی رمضان (کنز الدقائق) بناعلیہ وتر جماعت سے ادا کرنا چاہئے۔

۳۔نماز جمعہ مرد، مقیم، آزاد، بالغ، عاقل، تندرست، پر واجب ہے، عورت مسافر گاؤں کے باہر رہنے والے بیمار بچے، اسیر، دیوانہ، اپاہج، اندھے پر واجب نہیں، الاقامة بمصر والصحة والحرية والذكورة والعقل والبلوغ وسلامة الب والرجل (شرح الوقایہ)

۴۔غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ پہنچوں تک دھوئے، پھر شرم گاہ دھوئے اگر بدن پر نجاست لگی ہو تو اس کو دھوئے، پھر وضو کرے (اگر مستعمل پانی میں کھڑا نہا رہا ہو تو بعد فراغت غسل علیحدہ مقام پر پیر دھوئے) پھر سر پر اور تمام بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے و نیة الغسل ان یبداالمغتسل رجلیه ۱۲ (قدوری) غسل خانہ یا کسی ایسی جگہ پر جہاں کسی کی نگاہ نہ پڑتی ہو ننگے بدن نہانا جائز ہے۔حمام میں تلاوتِ قرآن یا کلمہ جائز نہیں۔

۵۔مصلی تحمید پڑھنے تک ٹہرا رہے۔

۶۔ان نمازوں کے بعد دعا مختصراً کی جائے کیونکہ سنن موکدات ادا کرنی ہے۔

۷۔کلیہ اصول ہے کہ نفل بیٹھ کر گذاریں تو نصف ثواب ملے گا کھڑے ہوکر پڑھے تو پورا ثواب ملتا ہے۔

۸۔صحیح قول یہ ہے کہ اس میں کوئی تحدید شرعاً نہیں ہے بقدر ضرورت ہونا کافی ہے کتب سیر سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو عمامے تھے ایک چھوٹا (سات ذراع) دوسرا بڑا (بارہ ذراع) کان لہ صلی اللہ علیہ وسلم عمامة فقد وعمامة طویلة وان لقصرة کانت سیة ان ر مطلقا من غیر تقید باقصبرو الطویل الخ (جمع الوسائل)

۹۔محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے اگر امام میں کوئی خرابی ہو تو دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھنا جائز ہے۔کیونکہ امام فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی کمافی الهدایة وخلف فاسق کذافی کتب الفقه والله اعلم بالصواب۔

کتبہ علوی ابوالمعالی مدرس مدرسہ لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور۔

الجواب صحیح

محمد طبیب الدین اشرفی مونگیری، محمود غفر اللہ

مدرس مدرسہ لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر(۹۴)

جمعہ وعیدین کا خطبہ عربی میں

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ وعیدین کا خطبہ زمانہ نبوت سے اب تک ہر جگہ عربی میں پڑھا جاتا ہے۔ حالانکہ نصیحت ہے اور یہ غرض اسوقت حاصل ہوگی جب سامعین اس کو سمجھ سکیں۔ پس ہندوستان میں اکثر عربی سے واقف نہیں، لہٰذا اگر بجائے عربی کے خطبہ اُردو میں پڑھا جائے تو شرع شریف سے اجازت ہے یا نہیں۔ یا عربی کا ترجمہ خطبہ سے اول یا خطبہ کے بعد کرایا جائے، تو کیا حکم ہے۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

اللّٰھم ھدایة الحقّ والصّواب

حامدً اللہ ومصلیا ومسلما علیٰ رسولہ والہ رسول خدا ﷺ۔ اور صحابہ و تابعین اور اتباع تابعین اور ائمۃ المجتہدین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ سب کے سب خطبہ عربی میں پڑھتے تھے حالانکہ صحابہ وتابعین کے وقت ممالک عجم میں اسلام شائع ہوا تھا اور عجمی لوگ احکام اسلام کی تعلیم کے زیادہ حاجتمند تھے۔ بایں کہیں کسی نے عربی کے سوائے دوسری زبان میں خطبہ نہیں پڑھا اور نہ عربی کے ساتھ اس کا ترجمہ پڑھا، فقط عربی سے خطبہ پڑھنا ہی خاص فعلِ نبویؐ ہے اور اسی میں اتباع خلف وسلف

ہے۔اسی واسطے شافعی، مالکی اور حنبلی مذہبوں میں عربی سے پڑھنا شرط گردانتے ہیں۔ اگرچہ جماعت کو اس کا مطلب معلوم نہ ہو۔عربی کے سوائے دوسری زبان میں ہو تو صحیح نہیں، فتح المعین میں لکھا ہے۔وشرط فیھما عربیة لا تباع السلف والخلف وفائدتھا بالعربیة مع عدم معرفتھم لھاالعلم فی الواعظ فی الجملة ، قاله القاضی انتھٰی ۔یعنی دونوں خطبوں میں شرط ہے کہ وہ عربی ہونا واسطے تابعداری سلف و خلف کی، اور فائدہ عربی سے پڑھنے کا باوجود عربی کے عدم معرفت کے فی الجملہ وعظ ہے کر کر جاننا ہے۔

اور امام نووی نے روضہ میں لکھا ہے انھم لو سمعوا الخطبة ولم یفھموا معناھا صحت ، انتھٰی ۔یعنی اگر خطبہ سنیں اور اس کے معنی نہ سمجھیں تو صحیح ہے۔اور بھی شافعیہ کے پاس نماز اور خطبوں میں اور ارکان خطبوں میں موالات شرط ہے۔ موالات فوت ہو تو نماز فاسد ہوتی ہے۔عربی کے بعد دوسری زبان میں پڑھنے سے موالات میں خلل ہوتا ہے۔اور حنفی مذہب میں بھی صاحبین کے پاس عربی رہنا شرف ہے۔ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس خطبہ عربی رہنا اگرچہ شرط نہیں ہے لیکن عربی کے سوا دوسری زبان میں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ردالمختار میں لکھا ہے انھا غیر شرطٍ ولو مع القدرعلی العربیة عنده خلافًالھا حیث شرطاھاالا عندالعجز کالخلاف فی الشروع فی الصلوٰة انتھٰی وقال فیه ایضاً وما صحة الشروع بالفارسیة وجمیع اذکارالصلوٰة فھی علی الخلاف فعنده تصح بھا مطلقا خلافالھما کما حققة الشارح ھناك والظاھران الصحة عنده لا تنفی الکراھیة وقدصرحوابھانی الشروع انتھٰی وقال فی حاشیة مراقی الفلاح الصحیح انه

يصح الشروع عنده' بغيره العربية ولو كان قادراعليها مع الكراهةِ التحريمية انتهٰی۔

حاصل عبارات کا یہ ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک خطبہ تمامی اذکار الصلوٰۃ عربی سے رہنا شرط نہیں ہے۔ اگرچہ عربی سے پڑھنے پر قادر ہے لیکن عربی کے سوائے دوسری زبان میں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور صاحبین کے نزدیک عربی سے پڑھنا شرط ہے۔ پھر جب فقط عربی سے خطبہ پڑھیں تو سب مذاہب میں صحیح ہوجاتا ہے کسی مذہب میں کراہت لازم نہیں آتی۔ اور خلاف فعلِ نبویؐ وخلاف سلف وخلف ہے اور خطبہ میں تعلیم احکام ووعظ ونصائح بیان کرنا کرکے جوفقہا لکھتے ہیں سواس سے عربی سے بیان کرنا مراد ہے۔ ترجمہ پڑھانا مرادنہیں ہے۔ فقط وعظ ونصیحت ہی کرکرا اتنا جاننا کافی ہے۔ علامہ رملی نے شرح منہاج میں لکھاہے واجاب عن سوال صافائدة الخطبة بالعربية اذالم يعرفها القوم بان فائدتها العلم بالوعظ من حديث الجملة ولم يعرفوامعنا ها انها تصح انتهٰی۔ یعنی یہ سوال کرنا کہ خطبہ عربی سے پڑھنا کیا فائدہ ہے جب قوم اس کو نہ سمجھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ فائدہ اس کا وعظ ہے کر کر مجمل جاننا ہے اور اسی موافق ہے۔

شیخین کا قول کہ جب خطبہ سنیں اور معنی اس کے نہ سمجھیں تو صحیح ہے اور ائمہ دین وعلمائے مجتہدین فارسی زبان میں بہت سے کتب عوام کو وعظ ونصیحت معلوم ہونے کے لئے تصنیف کئے اور ان کی زبان میں باایں کبھی کسی نے خطبہ میں ترجمہ نہیں پڑھا اور نہ کسی کتاب میں ترجمہ پڑھو کر کر لکھا ہے۔ اگر مستحب ومندوب رہتا تو البتہ ترجمہ پڑھتے اور کتب میں اس کی تصریح کرتے پس اگر ویسا ہی ترجمہ پڑھنا چاہیں تو اثنائے خطبہ

میں ترجمہ پڑھنا کیا ضرورت ہے، خطبہ ونماز کے قبل یا بعد ترجمہ سنا دیویں تا سب مذاہب میں نماز بلا کراہت درست ہو جائے۔ واللہ اعلم

کتبہ محمود کان اللہ لہٗ، مدرس، مدرسہ لطیفیہ، محمود ۱۲۸۶

☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۹۵)

(۱) نابالغ بچوں کے نام سے قربانی

(۲) مرحومین کے لئے نام ایصال ثواب

السوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس بارے میں کہ زید اپنے چھوٹے نابالغ لڑکوں کے نام حسب معمول قربانی دیا کرتا ہے، ہمارے ساتھیوں کا قول ہے کہ لڑکوں کے نام قربانی نہیں دے سکتے البتہ مرحومین کے نام قربانی دینی چاہئے۔ آیا لڑکوں کے نام قربانی دینا از روئے شرع افضل ہے یا مرحومین کے نام سے! اور ہر دو صورتوں میں گوشت کی تقسیم کس طرح کی جائے، ازراہِ کرم مفصلاً تحریر فرمائیں۔

(۲) عیدین میں بعدِ نماز فجر تقریبا چار سال سے (حسب معمول) مرحومین کے نام فاتحہ خوانی (ایصال ثواب) کی جارہی تھی۔ کوئی صاحب اعتراض کر کے فاتحہ خوانی سے روک دئے۔ جماعت کے لوگوں کا کہنا ہے کہ شریعت کے مطابق عمل کریں گے، کیا فاتحہ خوانی بری چیز تو نہیں ہے۔ ولو بالفرض رواج نہ بھی ہو تو کیا کار خیر کا ایجاد کرنا بدعت ہے؟ ازراہِ کرم تفصیلاً تحریر فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

السائل:

(سی محمد امین عفی عنہ بن حضرت مولوی شیخ اکرم صاحب نور اللہ مرقدہ)

الجواب

حامداو مصلیا و مسلماً (درصورت صدق بیان مستفتی)

(۱) آپ کے ساتھیوں کا قول صحیح نہیں ہے اور شرعی حکم یہ ہے کہ زید اپنے نام سے اور اپنی نابالغ اولاد کے نام سے قربانی دے سکتا ہے۔ جیسا کہ بدایہ مع الدلایہ کتاب الاضحیة میں ہے کہ الاضحیه واجبه علیٰ کل مسلم مقیم موسر فی یوم الاضحی عن نفسه و عن ولده۔

مرحومین کے نام سے قربانی دینا زید پر لازمی نہیں ہے بلکہ اپنی اولاد کے نام سے قربانی دینا ضروری ہے اور اس کے گوشت کی تقسیم معروف ہے واللہ اعلم بالصواب

(۲) مرحومین کے نام فاتحہ خوانی ایصال ثواب کے بارہ میں درمختار قرات للمیت باب الدفن میں ہے کہ وفی الحدیث من قرا الاخلاص احد عشرة مرة ثم وهب للاموات اعطی من الاجر بعد د الاموات۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص گیارہ بار سورۃ الاخلاص پڑھے پھر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو، تمام مردوں کو برابر ثواب ملے گا۔

کتاب شامی کے اسی باب میں ہے ویقرا من القرآن ما تیسر له من الفاتحه الخ

(یعنی) جو ممکن ہو قرآن پڑھے سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی اول آیات اور آیۃ الکرسی اور آمن الرسول اور سورہ یٰس اور ملک اور سورہ تکاثر اور سوہ اخلاص بارہ یا گیارہ یا سات یا تین دفعہ پھر پڑھے، کہے کہ یا اللہ جو کچھ میں نے پڑھا ہے، اس کا ثواب فلاں

اورفلاں کو پہنچادے۔ ونیز ایصال ثواب کا ثبوت ائمہ کرام علماء وصلحاء کے اعمال سے ملتا ہے لہذا مرحومین کو ایصال ثواب کرنا مستحسن ہے۔

هكذا فى كتب الفقه والفتاوىٰ والله اعلم بالصواب.

کتبہ الاحقر مفتی محمد انوار اللہ سر قاضی قادری لطیفی

مہر

ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری

سجادہ نشین مکان حضرت ویلور

الجواب صحیح

مولانا مولوی محمد حسین غفرلہ

مدرس دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

۳ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ روز شنبہ

مطابق ۳۱ر اکٹوبر 31/10/81

مولانا مولوی پی کے موسیٰ کٹی

مدرس دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

مولانا مولوی محمد ابوبکر ملیاری

مدرس دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۹۶)

قبرستان کی ایسی جگہ جہاں قبریں نہ ہوں مسجد تعمیر کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ شہر مدراس میں کئی سو سال پہلے مرکزی مقام پر قبرستان کے لئے ایک جگہ وقف کردی گئی تھی حکومت نے ۱۸۶۳ء میں اسے بند قبرستان قرار دے دیا۔ لہٰذا وہاں تدفین مکمل طور پر بند کردی گئی یہاں متفرق مقامات پر قبریں بکھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ قبرستان رفتہ رفتہ گنہ گاری کا اڈہ بن گیا تھا یہاں شراب خوری، جوا، زنا وغیرہ باقاعدہ ہو رہی تھی اس کے علاوہ یہاں غیر مسلموں نے پوجا پاٹ بھی شروع کردی تھی اور اسے اوباش مسلم اور غیر مسلموں نے اپنی رہائش گاہ مستقل طور پر بنائی تھی۔ چند مسلمانوں نے اس کے روک تھام کے لئے حکومت کی قائم کردہ وقف بورڈ سے باقاعدہ اجازت لے کر قبرستان کی خالی جگہ میں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو فی الحال ایک جھونپڑی کی شکل میں موجود ہے، یہاں تقریباً تین سال سے باقاعدہ نماز پنجگانہ، جمعہ، تراویح اور عیدین ہو رہی ہے۔ جمعہ میں تقریباً پانچ سو مسلمان نماز ادا کر رہے ہیں یہاں اکثر آبادی مسلم تاجروں اور ملازمین کی ہے شہر میں مخیّر حضرات نے یہ ارادہ کیا ہے کہ جھونپڑی کی جگہ ایک پکی مسجد ہی تعمیر کریں مگر چند مسلمان یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ قبرستان میں مسجد کی تعمیر جائز نہیں ہے لہٰذا ہمیں شرعی احکام کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ براہِ کرم جواب مرحمت فرمائیں کہ (۱) کیا قبرستان کو گنہگاری سے پاک کر کے وہاں جھونپڑی کی مسجد قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) اس جھونپڑی والی مسجد کو پکی مسجد میں تبدیل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (۳) بند قبرستان کی ایسی

جگہ میں جہاں قبریں نہ ہوں، مسجد کی تعمیر ہوسکتی ہے یا نہیں؟ (۴) ۱۸۶۳ء کے پہلے اس قبرستان کے ساتھ لگی ہوئی ایک وسیع جگہ میں جو قبرستان کے لئے موقوف تھی، آج بڑی بڑی عمارتیں اور سڑکیں ہیں اس محدود اور بند قبرستان کی ایسی جگہ جہاں قبریں نہ ہوں، کیا مسجد تعمیر نہیں ہوسکتی۔ اس بند قبرستان میں چند سال پہلے کرائے کے مکانات بھی تھے جو آج کل منہدم ہو کر لا پتہ ہو گئے ہیں۔ بینوا توجروا

السائل

الحاج محمد سیٹھ صاحب جائنٹ سکریڑی

نمبر۲ مارکٹ لائن طاہر صاحب اسٹریٹ مدراس ۲

الجواب

حامدا و مصليا و مسلما در صورت مسئولہ قبرستان کی ایسی جگہ جہاں قبریں نہ ہوں، مسجد تعمیر کرانا جائز ہے بلکہ اگر میت گل کر مٹی ہو جائے تو اس قبر میں دوسرے مردے کو دفن کرنا یا اس پر زراعت کرنا یا عمارت بنانا درست ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد اول کتاب الجنائز فصل سادس صفحہ ۱۶۷ پر ہے ولو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیره فی قبره و زرعه والبناء علیه (کذا فی التبیین)

حضرت ابن قاسم علیہ الرحمہ مسلمانوں کی قبروں پر مسجد بنانے سے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کے مقبروں میں سے کوئی مقبرہ مٹ جائے اور اس پر مسجد بنائی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ شرح صحیح البخاری عمدة القاری جلد دوم صفحه ۳۵۶ . فان قلت هل یجوز ان

تبنی المسجد علی قبور المسلمین قلت قال ابن القاسمؒ لو ان مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجد لم ار بذالک باسا.

نیز اسی میں ہے کہ وفیه ان القبر اذ لم یبق فیه بقیة من المیت ومن ترابه المختلف بالصدید جازت الصلاة فیه اور شرح صحیح المسلم جلداول صفحہ ۲۰۰ میں تحریر ہے کہ مٹی ہوئی قبروں کا کھودنا نیز جب اس مقبرہ کی ملی ہوئی گندی مٹی نکال دی جائے تو اس زمین پر نماز پڑھنا اور تعمیر مسجد جائز ہے فیه جواز نبش القبور الدراسه وانه اذا ازیل ترابها المختلط بصدیدهم وفائهم جازت الصلاة فی تلک الارج وجواز اتخاذ مواضعها مسجدا اذا طیبت ارضه. غرض حدیث کی معتبر شروحات اور فقہ کی کتابوں سے یہی ثبوت ملتا ہے کہ ایسے مقامات پر نماز پڑھنا اور مسجد تعمیر کرنا درست ہے۔ هکذا فی کتب الفقه والله اعلم بالصواب ۔

کتبہ الاحقر محمد انوار اللہ صاحب سرقاضی

شرح دستخط ومہر مولانا ابوالنصر قطب الدین

سید شاہ محمد باقر صاحب قادری سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور

۱۳۹۶/۵/۲۶، ۱۹۷۶/۵/۲۷

الجواب صحیح: مولوی سید مصطفیٰ حسین بخاری صاحب

مولوی عبدالعزیز صاحب مبارک پوری, مولوی نعیم اعجازی صاحب مبارک پوری

۲۶ جمادی الاول ۱۳۹۶ھ 27-5-76, جمعرات

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر(۹۷)

بنک میں جمع شدہ رقم کا سود لینا

سوال:

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے محلّہ کی مسجد کے (ایک عمارت کی تعمیر کے سلسلے میں) بینک میں تقریباً ۲۷ ہزارروپیہ جمع ہیں۔ بینک والے ان روپیوں کوانٹرسٹ (نفع) دینے کا خیال ظاہر کئے ہیں۔ ۳/سال کے تقریباً سات ہزارروپے ہوتے ہیں ان انٹرسٹ روپیوں کو چند صاحبوں کا خیال نہ لینے کا اور چند کا پاخانہ باندھ دینے کا اور چند کا مستحق مسلمانوں میں تقسیم کردینے کا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ روپے جومل رہے ہیں لے سکتے ہیں؟ اورلیں توکس نیت سے۔ ازراہِ کرم شرعی جواب دے کرمطمئن فرمائیں۔ بینو توجروا۔

السائل

احقر عبدالجلیل عفی عنہ

الجواب

حامدا و مصليا و مسلما در صورت مسئولہ بینک سے جومنافع ملتا ہےاس کالینااوراس کے منافع سے پائخانہ وغیرہ بنانا جائزنہیں ہےالبتہ بغیرکسی ثواب کی نیت کےمسلم فقراءوغرباءمیں صدقہ کرنالازمی ہے۔**لا يقصد به اى بالتصدق من المال الخبيث تحصيل الثواب بل تفريع الذمة مثله . فى شرح المشكوٰة لعلى قادرى رحمه الله تعالىٰ . هكذا فى كتب الفقه فى كتب الافتاء والله اعلم بالصواب**

کتبہ الاحقر محمد انوار اللہ صاحب سر قاضی

شرح دستخط مولانا ابوالنصر قطب الدین

سید شاہ محمد باقر صاحب قادری سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور

۱۳۹۶/۵/۲۶، ۱۹۷۶/۵/۲۷

الجواب صحیح

مولوی سید مصطفیٰ حسین بخاری صاحب

مولوی سید برہان الدین صاحب باقوی

مولوی عبدالعزیز صاحب رضوی مبارک پوری

☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۹۸)

میت کے دیدار کے لئے عورت کا مسجد میں آنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک صاحب کا انتقال ہوگیا ان کی قریبی رشتہ دار خاتون سواری کی دشواری کے باعث بروقت جنازے میں شرکت کے لئے مرحوم کے مکان کو پہنچ نہ سکیں اسی اثناء میں جنازہ مسجد کو پہنچ گیا۔ خاتون موصوفہ شرعی برقعہ کے ساتھ مسجد جاکر مرحوم کا آخری دیدار کرنا چاہتی تھیں اس سے انہیں اس بنا پر روک دیا گیا کہ خواتین مسجد میں نہیں آسکتیں۔ کیا یہ معقول عذر ہوسکتا ہے؟ جس کی بناء پر خاتون موصوفہ کو مرحوم کا آخری دیدار سے روک دیا گیا۔؟

الجواب:

حامدا و مصلیا و مسلما درصورت مسئولہ مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔خواتین کو مسجد میں آنے سے جو منع کیا گیا ہے اس منع کی علت فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی فتنہ بتاتے ہیں چونکہ عورتوں کے آنے سے فتنہ پیدا ہوگا بایں وجہ انہیں مسجد میں آنے سے منع کیا گیا ہے۔موصوفہ محرم ہونے کی صورت میں دیدار سے روکنا درست نہیں جب کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور نماز جنازہ مسجد میں نہیں بلکہ مسجد کے باہر ادا کی جاتی ہے لہذا موصوفہ کو مرحوم کی آخری دیدار سے روکنا درست نہیں ہے۔

****

کتبہ الاحقر محمد انوار اللہ صاحب سر قاضی

شرح دستخط مولانا ابوالنصر قطب الدین

سید شاہ محمد باقر صاحب قادری سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور

الجواب صحیح

مولوی سید مصطفیٰ حسین بخاری صاحب

مولوی عبدالعزیز صاحب رضوی مبارک پوری

مولوی سید برہان الدین صاحب باقوی

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۹۹)

جمعہ میں دوسری اذاں منبر کے قریب دینا جائز ہے

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ مسجد میں امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ موذن کے لئے تاکید کریں کہ روز جمعہ خطیب منبر پر بیٹھے کے بعد اذان ثانی مسجد کے دروازے پر کہے اور مسجد میں یا منبر کے قریب دینا مکروہ تحریمی ہے۔ **بینوا و توجروا بالجواب الصحیح.**

السائل

عبدالغفور آدم خان (کارولو)

الجواب

حامدا و مصلیا و مسلما در صورت مسئولہ کہ جمعہ میں اذان ثانی منبر کے قریب دینا جائز ہے۔ لیکن مسجد کے باہر خطیب کے سامنے دینا مسنون ہے جیسا کہ شرح وقایہ جلد اول صفحہ ۱۴۵ میں ہے۔ **مستقبل الامام فی المسجد کان او خارجه والمسنون هو الثانی .**

مولانا اشرف علی تھانوی اپنی کتاب بہشتی زیور گیارھواں حصہ صفحہ ۱۸۰ میں فرماتے ہیں کہ مسجد کے اندر اذان کہنا مکروتحریمی ہے ہاں جمعہ کی دوسری اذان کا مسجد کے اندر، منبر کے سامنے کہنا مکروہ نہیں ہے بلکہ تمام اسلامی شہروں میں معمول ہے۔ **ھکذا فی کتب الفقه والله اعلم بالصواب .**

کتبہ الاحقر محمد انواراللہ صاحب سرقاضی

شرح دستخط مولانا ابوالنصر قطب الدین

سید شاہ محمد باقر صاحب قادری سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور

الجواب صحیح

مولوی سید مصطفیٰ حسین بخاری صاحب

مولوی عبدالعزیز صاحب رضوی مبارک پوری

مولوی سید برہان الدین صاحب باقوی

☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۱۰۰)

غیر مسلمہ سے بچہ کی پیدائش اور اسکے انتقال پر تدفین کا مسئلہ

طلاق کے بعد اولاد کا حقدار باپ ہے یا ماں

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک غیر مسلمہ سے ناجائز تعلقات پیدا ہوکر اس سے ایک لڑکا تولد ہوا ہے اب اس لڑکے کے انتقال ہونے پر کیا اس کو طریقۂ اسلامی پر غسل دے کر تجہیز وتکفین کر کے مسلم قبرستان مین دفن کر سکتے ہیں یا غیر مسلم کے ہاں اس کی تدفین ہونی چاہئے عندالشرع کیا حکم ہے؟

(۲) زید سے ہندہ کا نکاح از روئے شرع ہوا اور ان سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے آپس میں سخت اختلافات پیدا ہوکر ہندہ زید سے خلع حاصل کر لی۔ زید کہتا ہے کہ کہ لڑکا ولڑکی دونوں میری ملکیت ہے میں انہیں حاصل کر لیتا ہوں جب کہ لڑکے کی عمر چار سال اورلڑکی کی عمر چھ سال ہے۔ ہندہ کہتی ہے کہ لڑکا میرے سپرد کر دیں اور لڑکی انہیں دے

دیں اور خود لڑکا بھی ماں کی جانب مائل ہے اس صورت میں شرعی فیصلہ کیا ہے؟

السائل

مولوی محمد کمال اللہ ظہوری چتوری

گورنمنٹ قاضی ضلع چتوڑ (آندھرا)

الجواب

حامدا ومصلیا ومسلما درصورت صدق بیان مستفتی یہ ہے کہ ہاں وہ بچہ مسلمان ٹھہرے گا اور اس کے جنازے کی نماز پڑھی جائے گی اور اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا بے شک جائز ہے فان الولد يتبع خير الابوين دينا۔ نابالغ بچہ کے ماں باپ میں جس کا دین دوسرے دین کی بہ نسبت اچھا سمجھا جائے گا بچہ اسی کے دین پر مانا جائے گا۔ علامہ شامی کی تحقیق یہ ہے کہ مسلمان کے بچے اگرچہ زنا سے ہوں مسلمان ٹھہرینگے۔

(۲) درصورت صدق بیان مستفتی یہ ہے کہ جب لڑکے کی عمر چار سال اور لڑکی کی عمر چھ سال ہے تو باپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی مطلقہ بیوی سے دونوں بچے چھین لے ہاں اگر لڑکی کی عمر نو سال ہے اور لڑکے کی عمر سات سال سے زائد ہو تو اس وقت باپ کو یہ حق کو حاصل ہیکہ وہ اپنے بچوں کو لے سکتا ہے اس وقت مطلقہ عورت کو یا کسی اور کو روکنے کا حق و اختیار نہیں ہے۔

هكذا فی كتب الفقه والله اعلم بالصواب .

کتبہ الاحقر محمد انوار اللہ صاحب سر قاضی

شرح دستخط مولانا ابوالنصر قطب الدین

سید شاہ محمد باقر صاحب قادری سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور

الجواب صحیح

مولوی سید مصطفیٰ حسین بخاری صاحب

مولوی عبدالعزیز صاحب رضوی مبارک پوری

مولوی سید برہان الدین صاحب باقوی

☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۱۰۱)

عورت کے مہر میں اختلاف کی صورت میں مرد سے قسم لینا

جواب:

شوہر نے عورت کو جو سونے کی پٹی دی ہے اگر دیتے وقت اس نے کہہ دیا کہ مہر کے عوض میں ہے تو اس کا شمار مہر ہی میں ہوگا، اور اگر دیتے وقت اس نے کہہ دیا کہ بطورِ ہدیہ ہے تو وہ تحفہ ہی ہوگا اب اس کا شمار مہر میں نہیں ہوگا۔ اور اگر شوہر دیتے وقت کچھ نہیں کہا اور اب اختلاف ہوتے وقت یہ کہتا ہے کہ مہر کے بدلہ میں دیا تھا تو اس سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھالیا تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر قسم کھانے سے انکار کر دیا تو عورت کے موافق فیصلہ ہوگا (عالمگیر در مختار بحوالہ بہار شریف) کتبہ شاہ محمد انوار اللہ عفی عنہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۱۰۲)

مختلف فروعی احکام

۱۔کیا سجادہ کسی کو بھی خلافت دیکر سجادہ بنا سکتا ہے؟

۲۔غیر خاندان کا سجادہ خلافت ملنے کے بعد مرحوم کے خاندان کا دعویدار یا وارث یا بیٹا یا سجادہ یا بحیثیت متبنی مجاز ہوسکتا ہے؟

۳۔تاریخ وصیت یا خلافت کے لئے کتنے ماہ کی مدت ہے؟

۴۔ پیدا ہونے کے کتنے سال بعد سجادگی کی وصیت یا خلافت قابل قبول شرعی ہوسکتی ہے؟

۵۔وصیت کے چار سال بعد پیدا ہو، تو وصیت یا خلافت قابل قبول ہوسکتی ہے؟

۶۔مساجد، عاشور خانہ، نقار خانہ، درگاہ شریف، قبرستان یہ عوامی ہے یا کسی کی شخصی طور پر ذات ملک ہوسکتی ہے؟ منجانب شیخ بہاؤالدین شیخ حسین صاحب

الجواب

(۱) سجادگی اسی کو مل سکے گی جو اسکی اہلیت رکھتا ہو۔

(۲) غیر خاندان کا شخص خلافت ملنے سے اپنے مستخلف کے خاندان کا دعویدار اور متبنی مجاز نہیں ہوسکتا کیونکہ خلافت علیحدہ چیز ہے اور خاندان و وراثت الگ چیز، اس سے اس کو کچھ تعلق نہیں۔

(۳) وصیت مومن کے انتقال کے بعد ہی عمل میں آتی ہے فوراً یا دیر سے جاری کی جاسکتی اس کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں۔

وصیت سجادگی یا خلافت وصیت کے ۶ ماہ کے اندر پیدا ہو جائے تو وصیت جاری ہوسکتی

ہے ورنہ قابل قبول شرع نہیں جیسا کہ کنز الدقائق میں مذکور ہے ان ولدت لاقل مدته من وقت الوصية۔

(۴) وصیت کے چار سال بعد پیدا ہو تو وصیت قابل قبول شرعی نہیں۔

(۵) کسی خانداں والے کو چراغ لگانے کی خدمت موروثی ومشروطی ہو اور نسلاً شرط بھی ہو تو اسی خاندان کا آدمی چراغ لگانے کا مستحق ہوگا ورنہ قابل قبول شرعی نہیں۔

(۶) مساجد کسی کی ذاتی ملک نہیں ہو سکتے عاشورخانہ، درگاہ شریف، نقارخانہ، قبرستان کو مالک اگر وقف کردے تو وقف ہو جائینگے ورنہ یہ سب ذاتی ہونگے۔ واللہ اعلم بالصواب، کذافی کتب الفقہ کتبہ شاہ محمد انوار اللہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۱۰۳)

کیا قرآن وحدیث سے تعویذ کی ممانعت ثابت ہے؟

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ اگر کوئی حاجت مند تعویذ لینے کو آئے تو کیا انکار کیا جا سکتا ہے، کیا قرآن وحدیث سے تعویذ کی ممانعت آئی ہے؟

کیا کسی مسجد کے امام کے لئے قرآنی آیات اور اسماء الٰہی سے تعویذ دینا جائز ہے۔ بینوا وتوجروا

السائل: محمد کمال الدین عفی عنہ

الجواب:

حامدا ومصلیا ومسلما! تعویذ لفظ عوذ سے مشتق ہے اس کے لغوی معنی پناہ دینے

اور پناہ میں لانے کے ہیں۔ اصطلاح میں قرآنی آیات، اسماء الٰہیہ یا دعاؤں کو لکھ کر گلے یا بازو میں لٹکانے اور باندھنے کو تعویذ کہتے ہیں جس کے جواز کا واضح ثبوت اس حدیث شریف سے ملتا ہے۔ عن عمرو بن شعیب رضی عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا فزع احدکم فی النوم فلیقل اعوذ باللہ بکلمات اللہ التامات من غضبہ و عقابہ و شر عبادہ ومن ھمزات الشیاطین وان یحضرون فانھا لن تضرہ وکان عبداللہ ابن عمرو یعلمھا من بلغ من ولدہ ومن لم یبلغ منھم کتبھا فی صک ثم علقھا فی عنقہ (رواہ ابو داؤد والترمذی) مشکوٰۃ المصابیح باب الاستعاذہ ص ۲۱۷۔

یعنی حضرت عمرو بن شعیب رحمہ اللہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ڈرے یا گھبرائے یا اس کی نیند اچٹ ہو جائے تو اعوذ باللہ بکلمات، یحضرون تک پڑھے اس دعا کی وجہ سے یہ بلیات کوئی ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ اپنے باشعور لڑکوں کو یہ دعا سکھا دیتے تھے اور جو بچہ کم سن ہوتا تھا اس دعا کو ایک کاغذ پر لکھ کر اس کے گلے میں ڈال دیتے تھے۔ رد المختار کتاب الحضر والاباحت ص ۲۵۷ جزء فاس مصری۔ میں تعویذ سے متعلق مرقوم ہے واما ماکان من القرآن او شیی من الدعوات فلا باس بہ یعنی وہ تعویذ جو قرآنی آیات اور دعاؤں پر مشتمل ہو اس میں کوئی حرج نہیں یعنی اس کا استعمال جائز ہے۔

لہذا قرآنی آیات، اسماء الٰہی اور ادعیہ سے تعویذ لکھنا، دینا، گلے اور بازو میں

لٹکانا اور باندھنا، اسی طرح تعویذات اور آیات مبارکہ، احادیث مقدسہ اور ادعیہ کو چینی کے برتن میں لکھ کر مریض کو صحت کے لئے پلانا جائز ہے اس پر سلف صالحین اور بزرگانِ دین کا عمل رہا ہے۔ قرآن وحدیث سے اس کی ممانعت نہیں ہے۔ اگر کوئی حاجت مند تعویذ لینے کے لئے آئے تو اس کے شرائط کے مطابق تعویذ دینا چاہئے، کسی مسجد کے امام کو تعویذ دینے سے مطلقاً روکنا درست نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب کتبہ، واخرجه ابو المکارم سید مصطفیٰ حسین بخاری عفا اللہ عنه استاذ دار العلوم لطیفیه مکان حضرت قطب دار العلوم لطیفیه ویلور قدس سره العزیز

اصاب من اجاب

السید محمد برہان الدین الجزری العنظری باقوی

مدرس دار العلوم لطیفیہ

حضرت مکان ویلور

الجواب صحیح

عبد العزیز رضوی مبارک پوری مدرس مدرسہ لطیفیہ حضرت مکان

محمد انوار اللہ سر قاضی عفی عنہ

مدرس دار العلوم لطیفیہ

شرح دستخط ابو النصر قطب الدین سید محمد باقر قادری سجادہ نشین

۹ر شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ مطابق ۶ر آگست ۱۹۷۶ء روز جمعہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۱۰۴)

اولاد کو میراث سے محروم کرنا

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میری بیٹی میمونہ بی انتہائی نافرمانی وغیر شرعیہ حرکات کرنے اور میری عزت پر دھبہ لگانے کی وجہ سے میں یعنی (نور محمد عزیز اللہ) اپنی بیٹی میمونہ بی کو ۱۴ جولائی ۱۹۵۷ء کو عاق کر دیا ہوں اور میری جائداد کو اپنی صحت وحیات مین دیگر وارث کے حوالے کر دیا ہوں کیا اس طرح کرنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں۔ برائے مہربانی جواب عنایت فرمائیں:

السائل:

نور محمد عزیز اللہ

الجواب:

حامداومصلیاومسلما درصورت صدق بیان مستفتی عاق اس کو کہتے ہیں جو ماں باپ کو تکلیف دیتا ہو یا نافرمانی کرتا ہو مگر عرف میں عاق کرنا کہتے ہیں اولاد کو میراث سے محروم کر دینے کو، مگر اولاد ہو یا کوئی وارث ہو ہمارے محروم کرنے سے محروم نہیں ہوسکتا، پس اگر کوئی اولاد کو عاق اور محروم کرنا چاہئے تو محروم نہیں ہوسکتا البتہ یہ صورت ہوسکتی ہے کہ جن لوگوں کو دینا چاہتا ہے ان کو اپنی صحت وحیات میں مال و جائداد تقسیم کر کے قبضہ کرایا جائے اور جس کو محروم کرنا چاہتا ہے اس کو کچھ نہ دے ہاں یہ خیال رہے کہ اگر بلاقصور اس کو محروم کر دے گا شرعاً گناہ گار ہوگا۔

ھکذا فی کتب الفقہ والفرائض واللہ اعلم بالصواب

کتبہ الاحقر مولوی محمد انوار اللہ صاحب سر قاضی لطیفی عفی عنہ

شرح دستخط مولانا ابو النصر قطب الدین قبلہ قادری سجادہ نشین

مولوی سید مصطفیٰ حسین بخاری

مولوی عبد العزیز صاحب رضوی مبارک پوری

مولوی سید برہان الدین صاحب باقوی

مکان حضرت قطب ویلور

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۱۰۵)

چچانی سے نکاح کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ میں شادی شدہ ہوں، میرے چچا کا انتقال ہو گیا، چچانی تنگدستی میں ہیں لہٰذا میں ان سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، میرے والدین اس کو نہیں مانتے، کیا میں چچانی سے نکاح کر سکتا ہوں، جواب دیں۔

السائل:

خاکسار محمد اسماعیل

درصورت مسئولہ اسلام میں ایک آدمی کو چار نکاح کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ تمام کے حقوق کو پوری طرح ادا کر سکتا ہو اور تمام کے درمیان عدل و انصاف کر سکتا ہو، ورنہ ایک ہی اس کے لئے کافی ہے۔

چچا کے انتقال کے یا طلاق کے بعد تکمیل عدت کے بعد چچانی سے نکاح کرنا درست ہے کیونکہ وہ محرمات میں سے نہیں ہیں۔ محرمات جن کی تفصیل قرآن پاک میں

اس طرح ہے حرمت علیکم امھاتکم و بناتکم الخ پارہ لن تنالوا ۴ ختم ، ملاحظہ ہو، واللہ اعلم بالصواب

کتبہ مولانا سید مصطفیٰ صاحب بخاری۔

الجواب صحیح

مولانا سید انوار اللہ صاحب

مولانا حاتم صاحب اشرفی مبارک پوری

مولانا ابوبکر صاحب ملیباری، مولانا عبدالعزیز صاحب رضوی مبارک پوری

☆☆☆☆☆☆

فتویٰ نمبر (۱۰۶)

تثویب یعنی اذان کے بعد الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر اعلان کرنا

سوال : بعض مقامات پر تثویب یعنی اذاں کے بعد کچھ دیر ٹھہر کر الصلوٰۃ الصلوٰۃ یا قامت الصلوٰۃ قامت الصلوٰۃ، یا الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنے کی عادت ہے۔ اس پر بعض حضرات فقہ کی بعض کتابوں، درالمختار اور شرح وقایہ وغیرہ کے حوالوں سے اعتراض کرتے ہوے اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ درست اور صحیح کیا ہے۔ بیان فرمایئے۔

السائل: کوٹے حاجی محمد بشیر، آمبور

جواب

حامدًا ومصلیاً ومسلماً لغت میں تثویب کا معنی لوٹانا ہے۔ اصطلاح فقہ میں نماز کے لئے ایک اعلان کے بعد دوسرا اعلان کرنا تثویب ہے۔ اس کے متعلق

علمائے متقدمین اور متاخرین کے درمیان اختلاف ہے اول الذکر جماعت نے اس کو ناجائز اور مکروہ قرار دیا ہے، لیکن علمائے متاخرین کے نزدیک تثویب درست اور جائز ہے۔ اس اختلاف کی بناء پر فقہ کی کتابوں میں بعض مسائل سے متعلق مختلف اقوال ملتے ہیں۔ ایسا اختلاف صرف اسی ایک مسئلہ میں نہیں ہے بلکہ بعض دوسرے مسائل میں بھی پایا جاتا ہے۔ علماء امت نے وقت اور زمانے کے تقاضوں کے تحت امّت کی صلاح و فلاح کے لئے فروعات میں کچھ سہولتیں اوز آسانیاں پیدا کی ہیں جو ہمارے لئے باعثِ رحمت ہیں۔

تثویب کے درست اور جائز ہونے کے متعلق فقہ حنفیہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں چنانچہ ھدایہ میں تثویب سے متعلق مرقوم ہے۔ والمتاخرون استحسنوه فی الصلوٰة کلها لظهور التوانی فی الامور الدينية۔ ہدایہ جلداول ص ۲۷ مذہبی معاملات میں لوگوں سے سستی ظاہر ہونے لگی ہے۔ اس لئے علمائے متاخرین نے تمام نمازوں میں تثویب کو استحساناً جائز قرار دیا ہے۔ واستحسن المتاخرون تثویب الصلوٰة کلها التثویب هو الاعلام بعد الاعلام ۔شرح وقایہ جلداول ص ۱۵۴ ويثوب بين الاذان والاقامة فی الكل للكل بماتعارفوه ۔یعنی ہر نماز میں اذاں اور اقامت کے درمیان موذن جس طرح بلانے کی عادت ہے بلائے، (ملخص) غایۃ الاوطار جلداول ص ۱۸۱ والتثويب حسن عندالمتاخرين فی كل صلوٰة الا فی المغرب كذافی شرح النقايه للشيخ ابی المكارم وهو رجوع المؤذن الی الاعلام بالصلوٰة بين الاذان والاقامة وتثويب كل بلدةٍ علىٰ ما تعارفوه۔ متاخرین کے نزدیک مغرب کے سوا تمام نمازوں میں تثویب حسن ہے۔

اذان اور اقامت کے درمیان نماز کے لئے موذن کا دوبارہ اعلان کرنا تثویب ہے۔

واضح رہے کہ ہر شہر کی تثویب وہاں کے عرف و رواج پر ہے۔ فتاوی عالمگیری مصری جلد اول ص ۵۶۔

ولا بأس بالتثویب فی سائر الصلوٰت الخمس فی زماننا ۔ ہمارے اس دور میں ہر نماز کے لئے تثویب سے کوئی ہرج نہیں۔ فتاویٰ قاضی خان جلد اول ص ۹۸...... مذکورہ کتابوں کے علاوہ فقہ حنفیہ کی اور بہت سی کتابوں میں تثویب کے جواز کا بھرپور ثبوت ملتا ہے۔

شریعت مطہرہ نے تثویب کے لئے کوئی خاص لفظ وضع نہیں کیا ہے، جہاں کا جو تعارف اور رواج ہے وہی کہا جائے۔ تثویب میں الصلوٰۃ الصلوٰۃ، قامت الصلوٰۃ، قامت الصلوٰۃ، اور الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کہنا بالکل صحیح ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ : افضل العلماء ابوالمکارم سید مصطفیٰ حسین بخاری قادری عفا اللہ عنہ:

استاذ دارالعلوم لطیفیہ

مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

☆☆☆☆☆☆☆☆

FATAWA-E-LATHEEFIA

Translated and Compiled
by :

Dr. Basherul Haq Quraishi
M.A. Phd.
Hazrath Makan
Vellore-632004 (T.N.)

Design & Printed @
Al-Mansoor Graphics
42, Dr. TCM Royan Road, Near Bangalore offset Printers
Goods Shed Road, Bangalore-560 053
Cell : 9845658861
e-mail : almansoorgraphics@gmail.com